خواتین ڈائجسٹ

بانی و مدیرِ اعلیٰ ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون

مدیر ——— آذر ریاض

نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل

مدیرہ خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی

تخمینات ——— علی خان

اشتہارات ——— خالد جیلانی

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER
APNS
CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

ناول

ناولٹ

افسانے

نظمیں غزلیں

رنگارنگ پھول

میری بیاض سے

نفسیات

پکوان

جون 2017

جلد 45 شمارہ 2

قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

جون کا شمارہ پیش خدمت ہیں۔
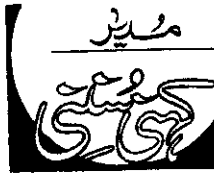
یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے۔ رمضان مکرم رب کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے بہترین تحفہ ہے۔ یہ بخشش اور عطا کا مہینہ ہے جو دنیا اور آخرت کے بیش قیمت اور بے بہا ثمرات لے کر آتا ہے۔

بندگی کے جتنے طریقوں کا ہمیں حکم دیا گیا ہے وہ اللہ کی خوشنودی کے ساتھ ساتھ شکر کا بھی اظہار ہیں مگر روزہ ایسی عبادت ہے جو شکر کے ساتھ ساتھ رب سے تعلق کو بھی مضبوط بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مہینے میں نیکیوں کے اجر و ثواب میں اضافہ کر دیتا ہے۔ رمضان المبارک میں نوافل کا درجہ فرائض کے برابر اور فرائض کا ثواب ستر گنا بڑھا دیتا ہے۔ نوافل سے مراد نفلی نمازیں یا نفلی عبادت ہی نہیں ہے بلکہ اس میں ہر نیکی اور بھلائی کا کام شامل ہے اور فرائض میں صرف نماز نہیں بلکہ وہ تمام فرائض ہیں جو ایک مسلمان کی حیثیت سے ہم پر عائد کیے گئے ہیں۔

رمضان المبارک میں عبادت کے ساتھ ساتھ اللہ کی مخلوق کا خیال رکھنا، ان پر مہربانی کرنا بھی عبادت کا حصہ ہے۔ خصوصاً رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا۔

روزے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بھوکے رہ کر ان مفلسوں اور فاقہ کشوں کی بھوک کا احساس کریں جو دو وقت کی روٹی کی بھی استطاعت نہیں رکھتے۔ اسی لیے رمضان المبارک میں زکوٰۃ، صدقات اور خیرات کرنے کا زیادہ ثواب ہے۔

رمضان المبارک نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ قرآن پاک کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کرنا رب کو پہچاننے، اس کی خوشنودی کا بہترین ذریعہ ہے۔

روزے میں فضول گوئی، غصہ، اشتعال سے بھی منع کیا گیا ہے۔ جھوٹ اور غیبت سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے۔ یہ برائیاں بہت بڑا معاشرتی بگاڑ پیدا کرتی ہیں۔

رمضان المبارک کا مہینہ ایک تربیتی پروگرام ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنے کی تربیت فراہم کرتا ہے۔ رب کریم سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رمضان المبارک کو ہم سب کے لیے رحمت و مغفرت، جہنم سے نجات اور عافیت والا مہینہ بنا دے۔ ہمیں روح کی پاکیزگی عطا کرے۔ آمین۔

عید سروے،

خواتین ڈائجسٹ کا جولائی کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ عید نمبر میں حسب روایت قارئین سے سروے بھی شامل ہوگا۔ سروے کے سوالات یہ ہیں۔

1۔ اس مہنگائی میں عید شاپنگ میں آپ کی ترجیح کیا ہوتی ہے۔ بڑے بڑے شاپنگ مالز، برانڈڈ اشیاء یا کفایت کو مدنظر رکھتے ہوئے عمدہ اور پائیدار چیزوں کو ترجیح دیتی ہیں۔

2۔ عید کا چاند نظر آتے ہی ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے اور عید سے زیادہ کہا بھی چاند رات کو ہوتی ہے۔ اپنے گھر کی چاند رات کا احوال لکھیں۔

ان سوالات کے جواب اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 20 جون تک موصول ہو جائیں۔

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کررہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

صلوٰۃ التسبیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

”اے عباس رضی اللہ عنہ کیا میں تمہیں ایسی عبادت کے بارے میں بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے، نئے اور پرانے قصداً“ اور سہواً“ چھوٹے اور بڑے، چھپے اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ تم روزانہ چار رکعت نماز تسبیح پڑھا کرو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جمعہ میں ایک بار (سات دنوں میں ایک بار) یہ بھی نہ کرسکتے ہو تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ اگر یہ بھی نہ کرسکتے ہو تو مہینے میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو اور اگر ایسا بھی نہ کرسکو تو پھر ساری عمر میں کم از کم ایک دفعہ یہ نماز پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ معاف کردے گا۔“

آج کل کی بے پناہ مصروفیات میں نماز تسبیح کا روزانہ پڑھنا یقیناً“ مشکل کام ہے حتیٰ کہ مہینے میں بھی ایک دفعہ اس کا اہتمام کرنے کا موقع شاید چند ہی خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تسبیح کی اتنی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اگر اسے سال میں ایک دفعہ بھی ادا کیا جائے تو اس کے بے پناہ اجر و ثواب سے مستفید ہوا جاسکتا ہے۔ لہٰذا اس بابرکت نماز کی ادائیگی کے لیے رمضان المبارک سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہوسکتا۔ ذرا سی توجہ اور کوشش سے رمضان المبارک میں نماز جمعتہ المبارک سے قبل یا اس کے بعد چار رکعت نماز تسبیح بہ آسانی ادا کی جاسکتی ہے۔ اس طرح بابرکت اور بے پناہ اجر و ثواب کی حامل نماز کا اہتمام ممکن ہے۔

آپ چار رکعت نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی دوسری سورت پڑھیں۔ اس کے بعد قیام کی ہی حالت میں کلمہ تمجید پندرہ بار پڑھیں۔

”سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔“

پھر رکوع میں جائیں۔ رکوع کی تسبیحات پڑھیں۔ پھر ان ہی کلمات کو دس بار دہرائیں۔

پھر رکوع سے اٹھ جائیں اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دس بار یہی کلمات پڑھیں۔

پھر سجدے میں جائیں۔ (سجدے کی تسبیحات اور دعائیں) پڑھنے کے بعد یہی کلمات دس بار پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر جلسہ میں اور (جلسے کی دعائیں پڑھنے کے بعد) یہی کلمات دس بار پڑھیں۔

پھر دوسرے سجدے میں چلے جائیں اور سجدے کی تسبیح کے بعد دس بار یہی کلمات دہرائیں۔ (پہلے سجدے کی طرح) پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور جلسہ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر دس بار اس تسبیح کو دہرائیں۔

یوں ایک رکعت میں 75 تسبیحات ہو جائیں گی۔ اسی طرح چار رکعت پڑھی جائیں گی۔

تشہد میں تسبیحات التحیات سے پہلے پڑھیں۔

اعتکاف

اعتکاف کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ انسان چند دنوں کے لیے دنیا کی مشغولیات اور مصروفیات سے قطع تعلق کر کے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرتے ہوئے اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لے۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں مسجد میں معتکف ہونا مسنون عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی باقاعدگی سے اعتکاف میں بیٹھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے' راتوں کو جاگتے' اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔" (بخاری و مسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ.....

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی رہیں۔" (بخاری و مسلم)

اعتکاف تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ سال کے 365 دنوں میں انسان دنیا کے مسائل اور دیگر مصروفیات میں ڈوبا رہتا ہے۔ اگر ان 365 دنوں میں صرف دس دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اپنے سال بھر کے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کے لیے وقف کر دیے جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔ اعتکاف کے دس دنوں کے لیے الگ سے ایک خصوصی ٹائم ٹیبل ترتیب دیا جا سکتا ہے۔ جس میں چند گھنٹے آرام کے سوا زیادہ تر وقت تلاوت' مطالعہ قرآن پاک' مطالعہ حدیث' مطالعہ اسلامی کتب' حفظ اور ذکر و اذکار اور دیگر عبادت الٰہی میں گزارا جا سکتا ہے۔

شب قدر

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزاروں مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔" (القدر 3۔297)

یہ مبارک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کی جا سکتی ہے۔ اس رات کی فضیلت کو پانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ایک سال رمضان المبارک آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم لوگوں پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک

رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا' وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اس رات کو خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے' جو واقعی محروم ہے۔" (ابن ماجہ)

چونکہ آخری عشرہ شروع ہونے تک روزہ داروں کی کافی تربیت ہو چکی ہوتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کو سونے سے کندن بنانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے اور بالخصوص طاق راتوں میں لیلتہ القدر تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس حکم کا مقصد روزہ داروں کو زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی کی ترغیب دینا ہے۔ چونکہ رمضان المبارک اپنی بھرپور رفعتوں کے ساتھ اختتام کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے قیام اللیل اور اعتکاف کے ذریعے تربیت دینا چاہتا ہے۔

انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے آسان سے مشکل کا اصول ایک کارگر نسخہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر یک لخت کوئی بوجھ ڈالنے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت ماہ رمضان المبارک میں اسی اصول یعنی آسان سے مشکل کے تحت کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے دو عشروں کی نسبت آخری عشرے میں زیادہ ریاضت اور عبادت کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ۔ "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی۔"

ترجمہ "اے اللہ! بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے' پس تو مجھے معاف فرما دے۔"

انسان سال کی 365 راتیں سو کر گزارتا ہے۔ اگر ان 365 راتوں میں ایک رات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر عبادت میں جاگ کر گزاری جائے تو اس کے اجر و ثواب کا وعدہ ہزاروں راتوں کے برابر کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھ کر اجر و ثواب دیتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

نماز' روزہ اور حج کا تعلق زیادہ تر بدن سے ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کا براہ راست تعلق مال و دولت سے ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کرکے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہو گی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا' پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال' جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو۔" (التوبہ 9:34-35)

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے جب تک وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت عزیز ہے۔" (آل عمران 3:92)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں میں سب سے زیادہ فیاض اور سخی تھے' لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے۔" (بخاری)

راہ خدا میں صدقہ و خیرات سے جہاں مال کی پاکیزگی کا فریضہ ادا ہوتا ہے' وہیں اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی مانند خرچ کرنے والوں پر برستی ہیں' بلکہ اس سے معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم اور عدم مساوات کی خلیج کو بھی پاٹنے کا موقع ملتا ہے۔ غریبوں اور ناداروں کی مشکلات میں کمی لانے اور

ان کی مالی اعانت کے لیے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد پر ان کے مال و دولت کی پاکیزگی کی خاطر سال میں ایک دفعہ زکوۃ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔

زکوۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں۔ جبکہ شریعت کی رو سے زکوۃ مال کے اس حصے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بتائے ہوئے طریقے یعنی نصاب کے مطابق معاشرے کے صاحب ثروت افراد معاشرے کے غریب' نادار' مساکین اور ضرورت مند افراد میں تقسیم کرتے ہیں۔

زکوۃ کی ادائیگی کے لیے ماہ رمضان المبارک بہترین مہینہ ہے۔ ایک تو اس ماہ مبارک میں کسی بھی فرض اور نفل عبادت کا اجر اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے اور دوم چونکہ معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد تو اپنی مال داری اور ثروت کی وجہ سے افطاری میں انواع و اقسام کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں' لیکن معاشرے کے غریب اور مفلوک الحال افراد جو روزے کی شدت کے باوجود اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے دن بھر محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں' لیکن پھر بھی ان کو کھانے پینے اور پہننے کی وہ سہولیات نصیب نہیں ہوتیں جو کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہیں۔ اس لیے اگر اس ماہ مبارک میں مال دار اور صاحب ثروت افراد معاشرے کے محروم افراد کے دکھوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی زکوۃ اور صدقات پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کریں تو اس سے معاشرے میں غریب اور بے سہارا افراد کے دکھوں اور غربت کو بانٹنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

رمضان المبارک میں خرچ کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے لیے گناہوں سے مغفرت اور دوزخ کی آگ سے رہائی ہے۔ اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔"

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے سب کے پاس اتنا سامان تو نہیں ہوتا کہ روزہ دار کو افطار کرائیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا کرتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ' ایک کھجور اور پانی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا۔" (بیہقی)

اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی صاحب حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کسی کو دینے کے لیے یا کسی کو افطار کرانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے تو ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور سے بھی کسی مسلمان بھائی کو افطار کرا کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم کی آگ سے بچنے کا اہتمام کر سکتا ہے۔

اسلام صدقات و خیرات کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایک ایک دانہ اور ایک پیسہ صدقہ و خیرات کرنے پر کم از کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو وہ چاہے گا اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا۔

زکوۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس ماہ مبارک میں کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا رہے' جس سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوگی۔ اس عمل سے جہاں صدقہ و خیرات کرنے والوں میں شکر گزاری اور ایثار و قربانی کا جذبہ فروغ پائے گا' وہاں اس عمل سے غریب اور بے کس انسانوں کی امداد کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

تقویٰ کے حصول کے لیے جہاں بدنی عبادت کی بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے' وہاں مالی عبادت یعنی صدقہ و خیرات اور زکوۃ کی بروقت مستحقین کو ادائیگی بھی لازمی شرط ہے۔ اسلام مال اور دولت کو سینت سینت کر جمع کرنے کی ویسے بھی مخالفت کرتا ہے اس لیے اس مبارک مہینے کے توسط سے زیادہ سے زیادہ مال

و دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا خصوصی اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ تقسیم کرتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے کہ اس میں کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کی عزت نفس مجروح نہ ہو' بلکہ انتہائی عاجزی اور خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر مستحق لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"صدقہ و خیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر یہ دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہ ہو۔"

یعنی بڑی رازداری اور خاموشی سے بغیر کوئی احسان جتائے اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔ اسلام میں احسان جتانے کو برا فعل قرار دیا گیا ہے۔

فطرانہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ "صدقہ فطر کو اس لیے واجب کیا گیا ہے' تاکہ روزوں میں روزہ دار سے جو فضول اور بے حیائی کی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں' ان کا کفارہ بنے۔ مساکین و غریبوں کے لیے کھانے' پینے کا انتظام ہو جائے۔ جو اسے نماز عیدالفطر سے پہلے ادا کرے تو فطرانہ قبول ہوتا ہے۔ اور جو اسے نماز عید کے بعد ادا کرے تو یہ بھی دوسرے صدقات کی طرح کا ایک صدقہ ہوگا۔" (ابوداؤد)

جیسا کہ اس حدیث مبارک میں فطرانے کا بنیادی مقصد روزے کی حالت میں سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ادا کرنا ہے' یعنی اگر رمضان المبارک میں روزہ دار سے بھول چوک اور بشری کمزوریوں کے باعث ایسی خطائیں سرزد ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے روزے کی قبولیت اور اس کے اجر و ثواب میں کمی کا امکان ہو تو اس کمی کے ازالے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا فطرانے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

فطرانہ کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر سے اجتناب کیجیے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ فطرانہ عیدالفطر سے قبل ادا کر دیا جائے' بلکہ عیدالفطر سے بھی اگر دو چار دن پہلے اپنے حصے کا فطرانہ مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو اس طرح معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو بھی عیدالفطر کی خوشیوں میں شریک ہونے کا موقع مل سکے گا۔ مستحقین کو فطرانے کی بروقت ادائیگی سے مستحقین بھی اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کی اشیا' کپڑے اور بعض دیگر ضروریات زندگی کی خریداری عید سے قبل ہی کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔ جتنا فطرانہ ایک شخص پر واجب ہے اس کی عدم ادائیگی یا ادائیگی میں ٹال مٹول اور تساہل تو سخت گناہ ہے۔ لہٰذا عدم ادائیگی کا تو تصور ہی محال ہے۔ البتہ اگر کسی کی استطاعت ہو تو واجب الادا فطرانے سے زائد مال بھی معاشرے کے غریب اور مستحق افراد میں تقسیم کر سکتا ہے۔ واجب فطرانے سے زائد صدقہ و خیرات کی ادائیگی سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوگی اور اس اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

اسلامی اخوت و محبت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو انسان عیدالفطر کے موقع پر اپنے اہل و عیال اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی خوشی کی خاطر خوراک' لباس اور دیگر ضروریات زندگی کے ڈھیر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا اسے چاہیے کہ اپنے معاشرے کے محروم اور غریب و نادار افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں یاد رکھے۔ فطرانے کے واجب ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کے صاحب ثروت افراد کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ جہاں وہ عیدالفطر کی خوشیاں اپنے لیے سمیٹنے میں مصروف ہوں وہاں اپنے اردگرد رہائش پذیر ایسے مسلمانوں کو بھی یاد رکھیں جو اپنی غربت اور لاچاری کی وجہ سے اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے بیواؤں' یتامیٰ' غربا اور مساکین کی معاشی مجبوریوں کا ازالہ کر کے اسلامی معاشرے کو معاشی عدم مساوات کے بھنور میں گرنے سے بچانے کے لیے زکوٰۃ' صدقات اور فطرانے جیسے احکامات نازل کر کے دین اسلام کو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے معاشی لحاظ سے ایک بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

☆

اِس دِل کے جھروکے میں

انشاجی

اِس دل کے جھروکے میں اِک روپ کی رانی ہے
اِس روپ کی رانی کی تصویر بنانی ہے

ہم اہلِ محبت کی وحشت کا وہ درماں ہے
ہم اہلِ محبت کو آزارِ جوانی ہے!!

یاں چاند کے داغوں کو سینے میں بساتے ہیں
دُنیا کہے دیوانا، یہ دُنیا دیوانی ہے

اک بات مگر ہم بھی پوچھیں جو اجازت ہو!
کیوں تم نے یہ غم دے کے پردیس کی ٹھانی ہے

سُکھ لے کے چلے جانا، دُکھ دے کے چلے جانا
کیوں حسن کے ماتوں کی یہ رِیت پرانی ہے

ہدیۂ دلِ مفلس کا، چھ شعر غزل کے ہیں!
قسمت میں تو ہلکے ہیں، انشا کی نشانی ہے!

1۔ "پورا اور اصلی نام؟"
"سید افراز رسول۔"
2۔ "پیار کا نام؟"
"افو (Affu)۔"
3۔ "تاریخ پیدائش / شہر؟"
"یکم اگست 1984ء / کراچی۔"
4۔ "ستارہ / قد؟"
"لیو / 5 فٹ 11 انچ۔"
5۔ "بہن بھائی / آپ کا نمبر؟"
"ہم دو ہی بھائی ہیں۔۔۔ میں اور مجھ سے بڑا بھائی۔"
6۔ "تعلیمی قابلیت؟"
"ڈپلوما ان آرٹ تھیٹر۔"
7۔ "شادی؟"
"جی شادی ہو چکی ہے۔۔۔ پسند سے ہوئی اور ماشاء اللہ

باصلاحیت اداکار

افراز رسول سے باتیں

شاہین رشید

ایک بیٹی ہے منال رسول۔ 2014ء میں میری شادی ہوئی۔"
8۔ "شوبز میں آمد؟"
"ڈائریکٹر اظفر علی مجھے اس فیلڈ میں لے کر آئے اور گھر والوں کی اجازت اور خوشی سے آیا۔"
9۔ "پہلا ڈراما؟"
"ڈیسی گرلز۔"
10۔ "وجۂ شہرت یا مقبول ڈراما؟"
"چھوٹی سی زندگی۔"
11۔ "پہلی کمائی؟ / کہاں خرچ کی؟"
"تین ہزار تھی اور اپنے والد کے ہاتھ میں دے دی تھی۔"
12۔ "شوبز کی بڑی برائی؟"
"Competition اور Favouritism (مقابلہ بازی اور فیورٹ ازم)۔"
13۔ "آپ کی صبح کب ہوتی ہے؟"
"تقریباً صبح 10 بجے۔"
14۔ "اٹھتے ہی کیا دل چاہتا ہے؟"
"واش روم بھاگتا ہوں۔"
15۔ "دنیا میں چینج لانے کو کہا جائے تو کیا تبدیلی لائیں گے؟"
"سب کو مالی طور پر برابری کا درجہ دوں گا۔ بلکہ stable کردوں گا۔"
16۔ "اچھی یا بری نیوز سب سے پہلے کس کو سناتے ہیں؟"
"اپنی امی کو اور بیگم کو۔"
17۔ "اپنے اندر کیا تبدیلی لانا چاہتے ہیں؟"
"میں "نماز" کا پابند ہونا چاہتا ہوں۔"

18۔ "فخر کا کوئی لمحہ؟"
"جب جب یاد آتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔"
19۔ "بچپن کی ایک بری عادت جو آج بھی موجود ہے؟"
"چیزیں رکھ کر بھول جاتا ہوں۔ مطلب بھول جانے کی عادت۔"
20۔ "طبیعتاً" ضدی ہیں؟"
"تھوڑا تھوڑا۔"
21۔ "شدید بھوک میں آپ کی کیفیت؟"
"صبر کر لیتا ہوں۔ برداشت کی عادت ہے۔"
22۔ "اگر جہاز کا اوپن ٹکٹ ملے تو کہاں جائیں گے؟"
"سعودی عرب۔"
23۔ "اگر کسی ارب پتی کا بلینک چیک ملے تو کتنا اماؤنٹ لکھیں گے؟"
"میں اس ارب پتی کو چیک واپس کروں گا۔"
24۔ "سیاست میں آئے تو کس کو فالو کریں گے؟"
"کسی کو بھی نہیں۔۔۔ دلچسپی نہیں ہے۔"
25۔ "ایک نصیحت جو لڑکیوں کو کرنا چاہتا ہوں؟"
"خوب پڑھیں لکھیں اپنے آپ کو بہت قابل بنالیں۔"
26۔ "جھوٹ کب بولتے ہیں؟"
"جب کسی کا نقصان نہ ہو رہا ہو۔"
27۔ "گھر آکر کیا دل چاہتا ہے؟"
"بیٹی کو دیکھوں' بہت سارا پیار کروں۔"
28۔ "شوبز میں جگہ بنانے کے لیے کیا ضروری ہے؟"
"Sense of humar (حس مزاح) کا ہونا ضروری ہے۔"
29۔ "کس فنکارہ کے ساتھ رومینٹک سین کرنا اچھا لگتا ہے؟"
"صبا قمر کے ساتھ۔"
30۔ "خواہش ہے کہ کسی ایسی فلم میں کام کروں جو؟"
"جو کسی بھی سوشل مسیج پہ بنی ہو۔"
31۔ "اپنی کمائی کا کتنے فیصد بچاتے ہیں؟"
"0فیصد۔۔۔ بچت نہیں۔"

32۔ "ایک محبت جو بھول نہیں سکتا؟"
"اپنی بیوی سے محبت کرتا ہوں اور اپنی بیوی سے محبت کرنا بھول نہیں سکتا۔"
33۔ "کہاں جانے کے لیے ہمیشہ تیار رہتا ہوں؟"
"اپنے گھر۔۔۔ کہیں بھی ہوں۔ گھر جا کر ہی سکون ملتا ہے۔"
34۔ "کس کو دیکھے بنا نیند نہیں آتی؟"
"بیگم کو۔"
35۔ "گھر کے کس کمرے میں سکون ملتا ہے؟"
"اپنے ہی کمرے میں۔"
36۔ "کسی کی سچی محبت دیکھنی ہو تو؟"
"مشکل میں آزمائیں یا اس کے ساتھ سفر کر کے دیکھیں۔"
37۔ "کبھی کرائسس میں وقت گزارا؟"
"جی ہاں۔۔۔ اور مشکل وقت بھی گزر ہی جاتا ہے۔"
38۔ "بی پی ہائی ہو جاتا ہے جب؟"
"جب بلیک کافی پیتا ہوں۔"
39۔ "آپ کے والٹ کی تلاشی لیں تو کیا کیا نکلے گا؟"
"کچھ خاص نہیں۔۔۔ بس آئی ڈی کارڈ کی کاپی یا کچھ پیسے۔"
40۔ "نصیحت جو بری لگتی ہے؟"
"جب کوئی کہتا ہے کہ فضول خرچی نہ کرو۔"
41۔ "کھانے کی ٹیبل پہ کیا نہ ہو تو کھانے کا مزہ نہیں آتا؟"
"دال۔"
42۔ "کھانے کا مزہ آتا ہے چٹائی پہ؟ ڈائننگ ٹیبل پہ یا اپنے بیڈ پہ؟"
"مجھے چٹائی پہ بیٹھ کر کھانے کا مزہ آتا ہے۔"
43۔ "فیس بک انٹرنیٹ اور انسٹاگرام سے دلچسپی؟"
"جی کام کی مارکیٹنگ ہو جاتی ہے۔"
44۔ "وقت کی پابندی کرتے ہیں؟"
"جی۔۔۔ بہت زیادہ۔"
45۔ "کوئی کھانا جو کئی دن تک کھا سکتے ہیں؟"

"دال۔"

46۔ "کوئی ایسی تاریخ جو بھول نہیں سکتے؟"

"18 مئی۔۔۔ میری بیگم کی سالگرہ کا دن ہے۔ کیسے بھول سکتا ہوں۔"

47۔ "دوسرے ملک جا کر کیا بات نوٹ کرتے ہیں؟"

"ڈسپلن۔"

48۔ "اپنے لیے سب سے قیمتی چیز کیا خریدی؟"

"عمرہ کا ٹکٹ۔"

49۔ "کوکنگ سے آپ کا لگاؤ؟"

"بالکل بھی نہیں ہے۔"

50۔ "ایک کردار جو آپ کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں نیگیٹو رول کرنا چاہتا ہوں۔"

51۔ "ایک کردار جو کر کے پچھتائے؟"

"سیریل 'میں بھی خواب دیکھتی ہوں' کا کردار۔"

52۔ "آپ کی فیوچر پلاننگ؟"

"بہت آگے تک کا نہیں سوچتا۔"

53۔ "عورت حسین ہونی چاہیے یا ذہین؟"

"ذہین۔۔۔ ذہانت ہی اسے خوب صورت بنا دے گی۔"

54۔ "ایک خواب جو بار بار دیکھتے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ خوابوں کی دنیا میں نہیں رہتا۔"

55۔ "پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟"

"اپنے کراچی کا برنس روڈ۔"

56۔ "آئینہ دیکھ کر سوچتے ہیں؟"

"مجھے اپنے ابو یاد آتے ہیں جب میں آئینہ دیکھتا ہوں۔"

57۔ "شادی میں پسندیدہ رسم؟"

"رخصتی پسندیدہ رسم ہے۔"

58۔ "گفٹ دیتے ہیں یا کیش؟"

"شادی ہو یا کوئی تقریب۔۔۔ گفٹ ہی دینا چاہیے۔"

59۔ "ناشتہ اور کھانا اکیلے کھانا پسند کرتے ہیں؟"

"بالکل نہیں۔۔۔ فیملی کے ساتھ کھانا پسند کرتا ہوں۔"

60۔ "بدلہ لیتے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔"

61۔ "کب فریش ہوتے ہیں؟"

"دوپہر میں۔"

62۔ "اپنے تجربے سے دیکھتے ہیں یا دوسروں کے؟"

"دوسروں کے۔۔۔ میرے خیال میں یہی بہتر ہے کہ ہم دوسروں کے تجربات کا فائدہ اٹھائیں۔"

63۔ "دنیا میں اللہ کا بہترین تحفہ؟"

"میری اولاد۔۔۔ میری بیٹی۔"

64۔ "لوگ ملتے ہیں تو کیا فرمائش کرتے ہیں؟"

"سیلفی کی۔"

65۔ "آپ کی کوئی عجیب و غریب خواہش؟"

"15 سال پیچھے چلے جانے کا دل چاہتا ہے۔"

66۔ "فلم / ماڈلنگ کی؟"

"فلم نہیں کی۔۔۔ لیکن ماڈلنگ کی ہے۔"

67۔ "بچپن کا ایک کھلونا جو آج بھی آپ کے پاس محفوظ ہے؟"

"ایک بال تھی۔۔۔ جو ابھی بھی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔"

68۔ "آپ کو فوبیا ہے؟"

"جی "لفٹ" فوبیا ہے۔"

69۔ "کیا محبت اندھی ہوتی ہے؟"

"جی۔۔۔ہاں اندھی بہری سب ہوتی ہے۔"

70۔ "اپنی غلطی کا اعتراف کرلیتے ہیں؟"

"جی ہاں۔۔۔ فراغ دلی سے کرلیتا ہوں۔"

71۔ "دل کی سنتے ہیں یا دماغ کی؟"

"دل کی سنتا ہوں۔"

72۔ "غصے میں پہلا لفظ کیا نکلتا ہے؟"

"ابے یار۔"

73۔ "بستر پر لیٹتے ہی نیند آجاتی ہے؟"

"نہیں کافی ٹائم لگتا ہے۔"

74۔ "سونے سے پہلے ایک کام جو لازمی کرتا ہوں؟"

"درود شریف لازمی پڑھتا ہوں۔"

75۔ "محنت سے پیسہ ملتا ہے یا قسمت سے؟"

"محنت اور صرف محنت سے۔"

76۔ "زندگی تب بری لگتی ہے جب؟"

"جب جیب میں پیسے نہ ہوں۔"

77۔ "مارننگ شو کیسے لگتے ہیں؟"

"waste of time" (وقت کا ضیاع)

78۔ "کن چیزوں کو لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟"

"شوٹ پہ پہننے والے کپڑے اور ماں کی دعا۔"

79۔ "پاکستان کے لیے کیا سوچتے ہیں؟"

"کہ ہر صوبہ، ہر شہر ترقی یافتہ ہو جائے۔"

80۔ "آپ کی اچھی اور بری عادت؟"

"اچھی تو یہ ہے کہ وقت کی پابندی کرتا ہوں اور بری یہ ہے کہ "نماز" میں کوتاہی ہو جاتی ہے۔"

81۔ "شوبز میں نہ ہوتے تو کہاں ہوتے؟"

"پھر میں پائلٹ ہوتا۔"

82۔ "ایک وہم جو پریشان کرتا ہے؟"

"آخرت کی فکر۔۔۔ کہ کیا ہوگا۔"

83۔ "کیا چیز نشے کی حد تک پسند ہے؟"

"سگریٹ پینا۔"

84۔ "خدا کی حسین تخلیق؟"

"ماں۔"

85۔ "شہرت کب مسئلہ بنتی ہے؟"

"اگر نیگیٹو شہرت ہو تو۔۔۔ یعنی غلط کام کرکے جو شہرت حاصل کی جاتی ہے وہ مسئلہ بنتی ہے۔۔۔ مگر مجھے اپنی شہرت سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

86۔ "کبھی آنسوؤں سے روئے؟"

"جی ہاں۔۔۔ کیوں نہیں۔"

87۔ "آنکھ کھلتے ہی اٹھ جاتے ہیں یا؟"

"فوراً" اٹھ جاتا ہوں۔"

88۔ "کس ملک کی شہریت لینے کی خواہش ہے؟"

"سعودی عرب کی۔"

89۔ "ہمیشہ دیر کر دیتا ہوں۔۔۔؟"

"جی۔۔۔ مجھے اداکاری کافی پہلے شروع کر دینی چاہیے تھی مگر دیر سے کی۔۔۔ تو یہی مصرعہ صادق آتا ہے مجھ پر۔"

90۔ "کس کو اغوا کرنا چاہیں گے اور تاوان میں کیا وصول کریں گے؟"

"سیاست دانوں کو اغوا کرنا چاہوں گا اور تاوان میں انصاف مانگوں گا۔"

91۔ "کیا کچھ اچھا پکا لیتے ہیں؟"

"فرنچ فرائز۔"

92۔ "اب تک کیے گئے ڈراموں کی تعداد؟"

"تقریباً "30" تو ہو ہی گئے ہوں گے۔"

93۔ "لوگ ملتے ہیں تو کیا فرمائش کرتے ہیں؟"

"اپنے ساتھ اچھا وقت گزارنے کی فرمائش۔"

94۔ "کن باتوں میں لوگ اپنا وقت ضائع کرتے ہیں؟"

"گوسپ میں۔"

95۔ "خودکشی کرنے والا بہادر ہوتا ہے یا بزدل؟"

"ڈرپوک ہوتا ہے۔"

96۔ "صحافیوں کے کن سوالوں سے آپ چڑ جاتے ہیں؟"

"پرسنل سوالوں سے۔"

99۔ "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"

"تو اللہ تعالیٰ کی آزمائش سمجھ کر صبر کرلوں گا۔"

☆

رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی ہمارے معمولات زندگی یکسر بدل جاتے ہیں۔ اسی تبدیلی کے حوالے سے ہم نے قارئین سے سروے کا اہتمام کیا ہے۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ رمضان المبارک میں آپ کے معمولات زندگی میں کیا تبدیلی آتی ہے؟ گھر کے کاموں کے ساتھ ساتھ آپ عبادت کا وقت کیسے نکالتی ہیں؟ رمضان المبارک میں کیا خصوصی عبادت کرتی ہیں؟

2۔ سحری اور افطاری میں آپ کیا خصوصی پکوان بناتی ہیں؟

3۔ کیا آپ رمضان میں مہمانوں کو افطار پہ مدعو کرتی ہیں؟

رمضان اور آپ

ادارہ

حاجرہ عمران خان..... لاہور

رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی دن رات یکسر تبدیل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ گزشتہ کچھ سالوں سے کیونکہ رمضان میں بچوں کو اسکول سے گرمی کی چھٹیاں ہو جاتی ہیں، اس لیے ایک بہت بڑی ٹینشن اسکول سے نجات ہوتی ہے۔ کیونکہ ان ہی چھٹیوں کی بدولت بچے اور خاتون خانہ یعنی 'میں خود' سحری تک جاگتے رہتے ہیں اور فجر کی نماز اور تلاوت سے فارغ ہو کر دوپہر تک سوتے رہتے ہیں۔ دوپہر میں ظہر پڑھ کر دوبارہ تلاوت قرآن پاک اور پھر افطاری کی تیاری میں جت جاتے ہیں۔ شام کو افطاری کے بعد ہمارے ہاں رات کو کھانا نہیں کھایا جاتا کیونکہ گرمی کی وجہ سے شربت، جوس اور ملک شیک وغیرہ اتنا لے لیتے ہیں کہ کھانے کی گنجائش نہیں بچتی۔ رمضان سے پہلے ہی پورے مہینے کا راشن ڈال لیا جاتا ہے۔ اگر انصاف پسندی سے بات کی جائے تو گھر میں سب سے زیادہ شامت 'میاں جی کی آتی ہے۔ کیونکہ کام کے ساتھ ساتھ پھل اور ضروری خریداری انہیں ہی کرنی پڑتی ہے۔

پہلے رمضان میں نماز اور قرآن کے علاوہ کوئی بھی کام کرتے ہوئے ایک الجھن سی رہتی تھی کہ "وقت ضائع ہو رہا ہے" مگر جب سے یہ سمجھ میں آیا کہ روزے دار کا اٹھنا بیٹھنا، سونا، کام کرنا سب ہی عبادت ہے تو زندگی میں سکون سا آگیا ہے۔ رمضان میں کوشش ہوتی ہے کہ جب نماز کا وقت ہو نماز پڑھی جائے۔ اس کے علاوہ چلتے پھرتے 'سبزی بناتے' کھانا پکاتے ورد جاری رکھتی ہوں تاکہ ثواب ملتا رہے اور کام بھی ہوتا رہے۔

خصوصی عبادت تو تراویح پڑھی جاتی ہے اور باقاعدگی سے تہجد کی نماز یعنی سحری سے پہلے خصوصی نوافل ضرور پڑھتی ہوں، پھر آخری دس روزوں میں سے طاق راتوں میں عبادت کی خصوصی کوشش ہوتی ہے۔

2 : گرمیوں کی سحری میں پراٹھا، دہی، مکھن، لسی وغیرہ کا اہتمام ہوتا ہے اور رات میں ہی سالن تیار کر لیا جاتا ہے تاکہ سحری میں کھایا جا سکے جو کہ خصوصی طور پر گوشت، چکن یا قیمے میں سبزی ڈال کر پکایا جاتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کبھی کریلے کھا کر روزہ نہ رکھیں کیونکہ اس کے کھانے سے انتہائی پیاس لگتی ہے۔ اکثر بچے کیچپ یا چلی سوس پراٹھے کے ساتھ کھا کر بھی روزہ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جو کہ بالکل غلط ہے۔ ایسی چیزیں کھانے سے روزے میں پیاس کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ ہمارے خاندان میں خصوصی طور پر تو کچھ نہیں پکتا البتہ فروٹ چاٹ گھر میں بنتی ہے۔ روزانہ افطاری پر بنتی ہے اور انتہائی ذائقے دار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ املی اور خوبانی کی چٹنی الگ الگ تیار کر کے فریز کر لی جاتی ہے جسے روزانہ آلو چنے کی چاٹ یا دہی بھلوں کے علاوہ فروٹ چاٹ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

3: جب سے گرمی بلکہ شدید گرمی میں رمضان کی آمد ہوئی تب سے مہمان خود بخود آنا کم ہو گئے ہیں۔ ایک دفعہ سسرالی اور ایک بار ہی میکے والے چکر لگا لیتے ہیں۔ البتہ،

میاں صاحب میرے خان جی' دوستوں کی سحری اور افطار پارٹی میں شرکت بھی کرتے ہیں اور انہیں بلاتے بھی ہیں مگر رمضان میں دل چاہتا ہے بس گھر پر رہیں اور زیادہ سے زیادہ عید کی تیاری کے لیے افطار کے بعد ایک چکر بازار کا لگالیں۔

اروی رباب..... سیالکوٹ

رمضان سروے میں شرکت کے لیے مجھے لکھنے پر ابھارنے والی ایک ہی ہستی ہیں اور وہ ہیں میری ماما جانی۔

(1) بات اگر معمولات کی تبدیلی کی ہے تو یہ تبدیلی آمد رمضان سے قبل ہی آجاتی ہے' ماہ شعبان میں ہی کپڑے (جو رمضان میں پہننے ہوتے ہیں) سی لیے جاتے ہیں عید کی صفائیاں' عید کی شاپنگ اور گھریلو راشن بھی اسی ماہ میں آجاتا ہے۔ تمام اسکارف اور عبایے چاند نظر آنے سے قبل ہی دھل کر استری ہو کر ہینگ ہو جاتے ہیں۔

ہلال رمضان کے دکھائی دیتے ہی تمام مفلوک الحال رشتہ داروں اور مساکین و غرباء کے گھر راشن ڈلوا دیا جاتا ہے اور اس کے بعد تو گویا مصروفیات کا ایک بحرِ بےکراں اور میں ہوتی ہوں۔ ایک قدم گھر میں ہوتا ہے تو دوسرا باہر ہوتا ہے۔ صیام' قیام' درس و تدریس' دور قرآن' تفسیر و ترجمہ کلاس' حفظ کی دہرائی' تراویح' سحر و افطار کی ذمہ داری اور ذکر و اذکار و دعائیں' حال کچھ یوں ہوتا ہے کہ دو دو تین تین دن بال بنانے کی مہلت نہیں ملتی۔ سحری بنا رہی ہوں' لب پر دعائیں اور اذکار ہیں۔ نماز ادا کر کے سحری کے برتن دھوتے ہی قرآن کلاس لینے چل دی' وہیں سے پھر دور قرآن کے لیے پہنچنا ضروری ہے۔ وہاں سے لوٹوں تو بچے محو انتظار ہیں' حفظ' ناظرہ اور تفسیر القرآن کے بچے بچیوں کو پڑھانے کے دوران ہی نماز ظہر ادا کی پھر دوبارہ کلاس شروع ہو گئی۔ وہاں سے لوٹے تو وعظ و نصیحت کرنے چل دیے درس سے فارغ ہو کر آئے تو اپنا حفظ کا پارہ یاد کیا اور یونہی صلاۃ وسطیٰ کی اذان رب کی اور بلانے چلی آئی۔ نماز عصر ادا کر کے گھر والوں اور مسجد والوں کے لیے افطاری تیار کی اور اس دوران بھی لبوں پر اذکار و دعائیں اور درود پاک ہے۔

افطار سے دس منٹ قبل افطاری بھیج کر اوپر گھر والوں کے لیے بھی دستر خوان سجایا اور دونوں ہاتھ اس شہنشاہ دو عالم کے آگے پھیلا دیے۔

افطار کر کے نماز مغرب ادا کی۔ افطار کے برتن سمیٹ کر دھوئے اور جگہ صاف کی۔ ایک مرتبہ پھر حفظ کے پارے کی دہرائی کی اور عبایہ اوڑھ کر مسجد کی طرف چل دیے باجماعت تراویح ادا کر کے گھر لوٹے۔ اپنا حفظ کا پارہ گھر والوں کو سنایا اور اس کے بعد خود کو اگلے دن کے لیے غرق مطالعہ پایا پھر تھوڑی دیر سو گئے۔ وقت سحر اٹھے تو خود کو ایک مرتبہ پھر اسی روٹین میں مشغول پایا۔

ہاں اعتکاف کے دنوں میں ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں معتکف خواتین و حضرات کے قیام و طعام کا بندوبست' اللہ کے مہمانوں کی خدمت اور قیام اللیل کی راتیں یہ سب مل کر بھی مجھے تھکاتی نہیں بلکہ میرے ایمان کی بیٹری مزید چارج کر دیتی ہیں۔ میں دلی خواہش ہونے کے باوجود اعتکاف میں اس لیے نہیں بیٹھتی کیونکہ مجھے اللہ کے مہمانوں کی خدمت کرنی ہوتی ہے۔ مجھے درس و دروس دینے ہوتے ہیں۔

خصوصی عبادت اور میں؟ مجھ میں کہاں اتنی استطاعت کہ اس ذات باری کا حق خاص طریقے سے ادا کر سکوں مگر پھر بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی ادنیٰ سی کوشش کرتی ہوں اور اس ماہ میں بے دریغ خرچ کرتی ہوں۔

(2) زیادہ پھیلاوا پھیلانے کی نسبت میں چند اشیاء بنانے کے قائل ہوں اور چیزیں بھی وہ جو صحت اور وقت پر بھاری نہ گزریں' ہاں اگر کوئی فرمائش کرے تو وہ شے بنانا مجھ پر لازم ہے اور اعتکاف والوں کی تو ہر خواہش پوری کرنا میری اولین کوشش ہوتی ہے۔ افطار میں وہی سب لوازمات ہوتے ہیں جو عموماً" ہر گھر میں بنتے ہیں' ہاں پھل لازمی کٹتے ہیں۔

(3) یہ سوال پڑھ کر لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ دوڑ گئی

آئے دن مہمانوں کو بلائے رکھنے کی وجہ سے میرا نام ہی "میزبانی کڑی" پڑ گیا ہے رمضان' مہمان اور ہم تینوں مثلث کے تین ایسے کونے ہیں کہ اگر ہم میں سے ایک بھی نہ ہو تو مثلث مثلث نہیں رہتی۔ میں پہلے روزے کو پورے خاندان کو اپنے گھر مدعو کرتی ہوں اس میں قریبی رشتہ داروں سے لے کر دور پرے تک تمام رشتہ دار شرکت کرتے ہیں پھر پہلے جمعے کو تمام دوست' احباب اور علیک سلیک والوں کی دعوت ہوتی ہے پھر دورہ قرآن' منار الاسلام اور تفسیر کلاس کی افطار پارٹی ہوتی ہے' روز

نیچے مسجد میں سحرو افطار جاتی ہے اور آخری عشرے میں معتکف حضرات و خواتین میرے مہمان ہوتے ہیں۔
اول تو ماہ صیام میں کوئی دن ایسا آتا ہی نہیں جب میرے گھر کوئی مہمان مدعو نہ ہو اور اگر کبھی اتفاق سے کوئی ایسا دن آ بھی جائے تو میں خالی نہیں جانے دیتی۔ محلہ داروں اور آس پڑوس میں افطاری بھیج دیتی ہوں۔ اس لیے رمضان' مہمان اور ہم لازم و ملزوم ہیں۔

نادیہ علی۔۔۔ کراچی

(1) ہمارے معمولات کی سب سے بڑی تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ صبح تین بجے اٹھنا ہوتا ہے (وہی تین بجے جسے رمضان المبارک کے علاوہ ہم رات کے تین کہتے ہیں) سو سب سے پہلے وضو کرکے تہجد پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد سحری تیار کرکے دسترخوان لگا دیتی ہوں پھر باقی سب گھر والوں کو اٹھاتی ہوں۔ سحری کے بعد کچن صاف کرنا گھر کی صفائی کرنا' پھر نماز پڑھ کر قرآن کی تلاوت۔ آٹھ بجے بچے قرآن پڑھتے ہیں اور اس کے بعد دن بھر ذکر و اذکار کام کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ میں کوئی بہت خاص عبادت نہیں کرتی' ہاں قرآن پاک رمضان میں زیادہ پڑھتی ہوں۔
(2) ویسے آپ لوگوں کو سن کر حیرت ہوگی کیونکہ سحری و افطاری میں ہم بہت زیادہ اہتمام نہیں کرتے۔ سحری میں میں اور چھوٹی چاول کھاتے ہیں۔ امی' بھائی روٹی اور دوسری بہن پراٹھا کھاتی ہے۔ ہماری سحری ایک پلیٹ چاول' دو روٹی' ایک پراٹھے پر مشتمل ہوتی ہے اور ہم پانچ کے درمیان اس میں سے بھی بچ جاتا ہے۔
اور افطاری میں شربت' پکوڑے اور چاول ہونے چاہئیں میں تو دو گلاس شربت کے ساتھ پکوڑے کھاتی ہوں۔ باقی سب کے لیے افطاری میں چاول لازمی ہونے چاہئیں۔ فروٹ ہم بہنیں بہت ہی کم کھاتے ہیں' کبھی چاٹ' سموسے' رول وغیرہ بھی بنالیتے ہیں۔ مگر یہ کبھی کبھار ہی ہوتا ہے۔ عام طور پر ہم شربت اور پکوڑے سے ہی افطاری کرتے ہیں۔
(3) نہیں ہم مہمانوں کو مدعو نہیں کرتے۔ لیکن محلے میں افطاری ضرور بھجواتے ہیں۔
ہمارا پورا رمضان المبارک بالکل اسی طرح سے گزرتا ہے نہ تو بہت زیادہ عبادتیں اور نہ ہی بہت زیادہ کھانا پینا' عبادت جو تھوڑی بہت کرتے ہیں' وہ رمضان کا حق بالکل ادا نہیں کر سکتیں مگر پھر بھی اللہ سے ان کے قبول کی امید لگا رکھتے ہیں۔

ثمینہ اکرم۔۔۔ بہار کالونی لیاری' کراچی

(1) رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی ہماری زندگی کے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو مجھے سال کے 12 مہینوں میں رمضان کا مہینہ سب سے زیادہ پسند ہے۔ رمضان میں چونکہ شیطان بند ہوتا ہے۔ (گھر میں پورا دن ٹی وی بھی آف رہتا ہے۔) تو عبادت کے لیے وقت ہی وقت ہوتا ہے۔ پھر سحری کے ساتھ ہی کچن کی صفائی اور برتن وغیرہ دھل جاتے ہیں تو صبح میں ٹائم ہی ٹائم ہوتا ہے۔ دوپہر کے کھانے کی بھی چھٹی ہوتی ہے۔ زیادہ بکھیڑا صرف افطاری کا ہوتا ہے۔
میں گھر میں سب سے پہلے اٹھتی ہوں۔ سحری وغیرہ بنا کر پھر بچوں کو اٹھاتی ہوں۔ (اکرم تہجد پڑھنے میں مشغول ہوتے ہیں) سحری سے فارغ ہو کر غنوی برتن وغیرہ دھو لیتی ہے۔ نماز فجر اور تلاوت قرآن پاک سے فارغ ہو کر میں سو جاتی ہوں۔ مومن کو مدرسہ بھیجنے کے لیے اٹھتی ہوں۔ گھر کی صفائی وغیرہ کروا کر 11 بجے دور قرآن پاک کی کلاس لینی جاتی ہوں۔ وہاں پورے رمضان قرآن مجید ترجمہ و تفسیر سے پڑھایا جاتا ہے۔ نماز ظہر کے وقت واپسی ہوتی ہے۔ نماز ظہر اور قرآن پاک پڑھ کر کچھ دیر آرام کیا پھر مارکیٹ کا چکر لگاتی ہوں افطاری کا سامان لینے کے لیے۔ نماز عصر سے پہلے کچن کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ ساتھ ساتھ ٹیوشن کے بچے بھی پڑھانا ہوتے ہیں۔ مغرب سے آدھا گھنٹہ پہلے تک سارا کام مکمل کر لیتے ہیں۔ غنوی بھی میرے ساتھ ساتھ کچن میں لگی رہتی ہے۔ اپنی نند کے ہاں اور بہن زونا جی کو روز اہتمام سے افطاری بھجواتی ہوں۔ پھر سارا دن نماز اور تلاوت قرآن پاک اور احادیث مبارکہ پڑھنا گھر کے دیگر کاموں کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔
ناشتا اور دوپہر کے کھانے کا کوئی جھنجھٹ نہیں ہوتا۔ رات میں سب سیر ہو کر افطاری کھاتے ہیں۔ رات کا کھانا کوئی بھی نہیں کھاتا۔ تب بھی ہمیں کافی وقت فارغ مل جاتا ہے) پنج وقتہ نمازیں۔ قرآن پاک کی تلاوت' دینی کتب کا مطالعہ' نوافل پڑھنا' قرآن پاک ترجمہ و تفسیر سے

بقیہ صفحہ نمبر 275

تالیہ مراد ایک کرمنل جھوٹی چور اور دغاباز ہے جو اپنا ماضی بھول چکی ہے۔ اسے صرف یہ یاد ہے کہ اسے ایک کشمیری خاندان نے ایک یتیم خانے سے لے کر اپنی لے پالک اولاد بنالیا تھا مگر اس کی حیثیت ملازمہ کی سی تھی۔ انہوں نے اس کی شادی اسکائپ پر ایک ملائشین آدمی سے کردی۔ مگر وہ آدمی فراڈ نکلتا ہے۔ اور تالیہ کو منی لانڈرنگ کے لیے استعمال کرتا ہے۔

تالیہ صاحب کشف ہے اور اسے سچے خواب نظر آتے ہیں اسے اس فراڈ کا پتا چل جاتا ہے۔ ایئر پورٹ پر ملیالیانہ جو خود بے سہارا ہے اس کی مدد کرتی ہے۔ دونوں اس فراڈی آدمی سے پیچھا چھڑالیتی ہیں اور ایک دوسرے کا سہارا بن جاتی ہیں۔ تالیہ چیزیں چرا کر پہلے لوگوں کے لیے مسئلہ پیدا کرتی ہے پھر ان کو پینڈ فون پر 'مردانہ' آواز میں حالم بن کران مسائل کو حل کرتی ہے۔ یہی اس کا روزگار ہے۔ سب حالم کو ایک اسکام انویسٹی گیٹر کے طور پر جانتے ہیں' مگر پہچانتے نہیں۔ تالیہ عارضی طور پر تنکو کاہل کی ملازمہ ہے وہ بھولی بن کر اس کا اعتماد حاصل کرلیتی ہے۔ مولیا' حالم کا کلائنٹ اور تنکو کاہل کے حریف کا ملازم ہے۔

تالیہ کو بار بار خواب میں ایک سکہ نظر آتا ہے جو مظفر شاہ کے زمانے کا ہے۔ تالیہ کو کئی بار اسے چرانے کا موقع ملتا ہے' مگر وہ اسے نہیں چراتی۔ ... (ملیانہ) چیزوں کی نقل بنانے کی ماہر ہے۔ سکے کی تاریخ یہ ہے کہ وہ کبھی کسی ایک شخص کے پاس نہیں ٹھہرتا کسی نہ کسی وجہ سے گردش میں رہتا ہے اور جس کے پاس بھی ہوتا ہے وہ کسی موذی بیماری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ تالیہ ایک جھوٹی کہانی سنا کر یتیم خانے کی آیا سے اگلوالیتی ہے کہ وہ پراسرار چمک دار سکہ جو چابی کا ایک حصہ ہے تالیہ کا ہی تھا۔ تالیہ کے قبضے سے نکلتے ہی وہ بجھ جاتا ہے اور ٹوٹ جاتا ہے اور تالیہ کی یادداشت چلی جاتی ہے۔ اب وہ سکہ تنکو کاہل کے پاس ہے۔

دوسری قسط

گھائل غزال

اس نے خواب میں دیکھا کہ.....

سنہرے بالوں والی لڑکی دو دریاؤں کے سنگم پہ کھڑی ہے۔

بارش اسی طرح برس رہی ہے۔

سرخ پروں والا پرندہ سامنے کھڑے شخص کے سر پہ چکر کاٹ رہا ہے۔

وہ شخص جو بارش میں بھیگتا جا رہا ہے اور ٹائی نوچ کے پھینک چکا ہے۔

پھر وہ ہاتھ پیچھے کر لیتا ہے اور چابی اپنی جیب میں ڈال لیتا ہے۔

وہ گردن اٹھا کے دیکھتی ہے تو نیلی آنکھوں والا سرخ سنہرا پرندہ فاتح کے سر سے گزر کے بائیں طرف آ رہا ہے۔

وہ چونک کے بائیں جانب دیکھتی ہے تو وہاں ایک نوجوان کھڑا ہے۔

اس کا کوٹ اور شرٹ بھی بارش میں بھیگ گئی ہے۔ وہ تالیہ کو دیکھ رہا ہے اور تالیہ اوپر پرندے کو.....

پرندہ فضا میں چند لمحے نوجوان کے سر کے اوپر ٹھہرتا ہے پھر تالیہ کی طرف آتا ہے۔ تالیہ کے سر کے اوپر۔ وہ گردن اٹھا کے آسمان کو دیکھتی ہے۔ ہما اس کے سر سے کئی فٹ اوپر اپنے پر پھیلائے گزر جاتا ہے۔ اس کے سر کے اوپر سے..... عین اوپر سے.....

"میرے ساتھ رہو۔ تمہیں میری ضرورت ہے اور مجھے تمہاری....." وہ آواز پہ چونکتی ہے۔

سامنے کھڑا بارش میں بھیگتا فاتح اسے پکار رہا ہے۔ وہ بدک کے پیچھے ہٹتی ہے۔ مڑتی ہے اور دوڑنے لگتی ہے۔ مگر ایک پھندا سا اس کے ٹخنے میں جا پڑتا ہے۔ رسی کا پھندا..... تالیہ رپٹ کے گرتی ہے۔ اس کے لباس اور چہرے پہ کیچڑ لگ جاتی ہے۔ ہتھیلیوں کے بل اٹھتے ہوئے وہ مڑتی ہے تو ایک دوسرا پھندا اس کی گردن میں آ پڑتا ہے۔ وہ بدقت کھڑی ہوتی ہے۔ اپنی جگہ کھڑے فاتح کی گردن میں بھی ایسا ہی پھندا ہے۔ وہ ہراساں نظروں سے بائیں جانب دیکھتی ہے تو نوجوان گھٹنوں کے بل گرا ہوا ہے اور اس کی گردن بھی رسی سے کسی ہوئی ہے۔

"تالیہ....." داتن نے اس کا کندھا ہلایا تو اس نے چونک کے آنکھیں کھولیں۔

وہ روشنیوں میں نہائے لاؤنج کے صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی تھی۔ خواب فضا میں تحلیل ہو چکا تھا اور وہ حال میں واپس آ چکی تھی۔ تالیہ نے گہری سانس لے کر چہرے سے سیاہ بال ہٹائے اور جوڑے میں لپیٹے۔

"میں چائے بنانے کیا گئی، تم تو غافل سو ہی گئیں۔" داتن گرما گرم چائے کا کپ لیے سامنے آ بیٹھی اور قدرے تفکر سے اسے دیکھا۔

"حالم اتنی آسانی سے غافل نہیں ہوتا، بدصورت مرغی!" وہ آواز کو بھاری بنا کے غرائی تو داتن کی ساری فکرمندی ہوا ہوئی۔ اس کی جگہ ترحم اور افسوس نے لے لی۔

"ایک تحقیق کے مطابق کسی سیلبریٹی کو حقیقت میں دیکھ لینے کے چوبیس گھنٹے بعد تک دماغ ماؤف رہتا ہے اور انسان بغیر دماغ کے گھومتا پھرتا ہے۔ اس لیے خیر ہے بچے! میں تمہارا درد سمجھ سکتی ہوں۔" اس نے بھاری ہاتھ سے تالیہ کے کندھے کو تھپکا تو تالیہ کے ماتھے پہ بل پڑے۔

"زیادہ اول فول نہ بولو۔ میں فین مومنٹ سے نکل آئی ہوں اور میں کوئی سو نہیں رہی تھی۔ میں اس کا خواب دیکھ رہی تھی۔ اف وہ مجھے بار بار خوابوں میں کیوں نظر آنے لگا ہے۔" چہرے پہ سادہ تاثرات سجاتے ہوئے اس نے کشن اٹھا کے گود میں رکھا اور ہتھیلیوں پہ ٹھوڑی گرا کے دور چھت کو دیکھنے لگی۔ "ہماری ملاقات تو کوالالمپور میں ہو گئی نا۔ گدلے پانیوں کے سنگم پہ۔ پھر وہی خواب، وہی وژن دوبارہ کیوں نظر آ رہا ہے مجھے داتن؟"

"اب کی دفعہ کیا دیکھا؟" وہ اطمینان سے گھونٹ گھونٹ چائے پیتے ہوئے پوچھنے لگی۔
"آج تو وہ ہما میرے سر پہ بھی تھا۔ پھر کسی نے میری گردن میں پھندا ڈال دیا۔ مجھے لگتا ہے میں پہلے وزیراعظم بنوں گی' پھر پھانسی چڑھوں گی۔"
"اوں ہوں۔۔۔" داتن نے غصیلی شکل بنا کے اسے دیکھا۔ "کیا فضول بولے جاتی ہو۔ عقل سے کام لو۔"
"عقل' دماغ' دل سب ساتھ چھوڑ گئے میرا' داتن بدو کا۔" اس نے پھر سے چھت کو دیکھتے ہوئے آہ بھر کے کہا۔ "میں نے فاتح رامزل کو حقیقت میں دیکھ لیا۔ میں نے اسے جوس پیش کیا۔ اس نے گلاس اٹھاتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ وہ مسکرایا اور نرمی سے بولا' شکریہ تالیہ۔۔۔ تم بہت اچھی ہو۔"
داتن کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ "اس نے واقعی تم سے یہ کہا۔"
"ہاں' وہ تو پہلی ہی ملاقات میں مجھ سے متاثر لگتا تھا۔" وہ ڈھٹائی سے کندھے اکڑا کے بولی۔
داتن نے ستائش سے ابرو اچکائے۔ "خیر' اب بتاؤ' اس کے گھر چوری کیسے کرنی ہے۔ کیا پلان ہے؟"
"حالم کے پاس ہمیشہ پلانز ہوتے ہیں۔ پلان نہیں' پلانز۔" وہ زور دے کر بولی۔ "پلان اے' بی اور سی۔۔۔ اگر اے فیل ہو جائے تو سی پہ آجائیں گے' وہ کام نہ کرے تو ڈی سوچ لوں گی۔"
"اور بے چاری بی کیوں نہیں؟"
"تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔" وہ کندھے اچکا کے بے نیازی سے بولی اور پھر سے سر صوفے کی پشت سے ٹکا کے خلا میں دیکھنے لگی۔ "وہ پچاس کا ہونے والا ہے' مگر کتنا ینگ لگتا ہے۔ جب وہ مسکراتا ہے تو اس کے گال پر ڈمپل پڑتا ہے۔ تم نے کبھی نوٹ کیا؟"
"تم اٹھائیس سال کی ہو' وہ اڑتالیس کا۔ تمہیں اس کے بارے میں نہیں سوچنا چاہیے۔" داتن اسی سنجیدگی سے بولی۔ "اگر کسی کو اس کے بارے میں سوچنا چاہیے تو وہ میں ہوں۔"
تالیہ کو جیسے کرنٹ لگا۔ بلبلا کے اس نے گردن موڑی' کالی عورت کو سر سے پیر تک دیکھا۔ "تم؟ تم داتن؟" وہ حیرت اور صدمے سے غرا بھی نہ سکی۔
"ہاں۔۔۔ آخر وہ میری عمر کے قریب ہے۔" داتن اب کے سادگی سے مسکرائی۔
تالیہ نے غصے سے ہونٹ بھینچ لیے۔ "اور وہ تمہیں کیوں پسند کرے گا؟"
"کیونکہ عشق اندھا ہوتا ہے۔"
"اندھا ضرور ہوتا ہے' مگر کلر بلائنڈ نہیں۔" وہ جل کے بولی تو داتن نے ساتھ رکھا کشن اٹھایا اور کھینچ کے اسے دے مارا۔ اس نے دونوں بازو آگے کر لیے تو وہ ان سے ٹکرا کے نیچے گر گیا۔
"خیر!" داتن نے خفگی سے چائے کا گھونٹ بھرا اور شانے اچکائے۔ "ماڈرن سائنس نے گورا ہونے کے انجکشن بنا لیے ہیں۔"
"دبلے ہونے کے پھر بھی نہیں بنائے۔" وہ اب کے مسکراہٹ دبا کے بولی۔
داتن نے ہاتھ جھلا کے جیسے اس کی بات ہوا میں اڑائی۔ "زیادہ خواب مت دیکھو اس کے۔ وہ تمہارے باپ کی عمر کا ہے۔ ارے ہاں۔۔۔" وہ ٹھہری۔۔۔ آنکھیں چمکیں۔ "اس کی بیٹی آریانہ بھی تو کھوئی تھی نا۔ یا مر گئی تھی' مگر لاش نہیں ملی تھی۔ ہمیں سکہ چرانے اس کے گھر میں داخل ہی ہونا ہے نا' کیوں نہ تم آریانہ بن کے چلی جاؤ۔"
تالیہ نے افسوس سے اسے دیکھتے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ "آریانہ چھ سال پہلے کھوئی تھی' جب وہ سات سال کی تھی۔ اب اگر وہ زندہ بھی ہو تو تیرہ سال کی بچی ہو گی۔ اور میں اٹھائیس کی ہوں۔"
"تم آریانہ کی کوئی دوست یا ٹیچر بن کے بھی جا سکتی ہو۔"

"اپنی دبلی پتلی عقل پہ اتنا زور نہ دو اور پلاننگ کا کام مجھ پہ چھوڑ دو۔ اگر اپنی چابی چرانے کے لیے مجھے فاتح رامزل سے ملنا ہی پڑا تو میں اس کی بیٹی بن کے نہیں جانے والی۔" پھر اس نے مسکرا کے چھت کو دیکھا اور جیسے خواب بنے۔ "میں تو ایسی سچویشن بناؤں گی' جس میں اس کو مجھ سے پہلی نظر کی محبت ہو جائے۔"

"ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ تم اس سے ملی تھیں اور اس نے تمہاری تعریف بھی کی تھی۔"

"جیسے تمہیں تو معلوم ہی نہیں کہ میں جھوٹ بول رہی تھی۔" وہ اسی ڈھٹائی سے ترنت بولی' پھر صوفے سے اتری اور پیروں میں سلیپرز گھسیٹے۔

"میں کے ایل کی سب سے ماہر اسکام آرٹسٹ اس لیے ہوں مسز لیانہ دانش صابری! کیونکہ جب میں اپنا کردار لکھتی ہوں تو دنیا مجھے اتنا اور ویسا ہی دیکھتی ہے جتنا اور جیسا میں ان کو دکھانا چاہتی ہوں۔ میں نے اب تک بہت سے رول کیے ہیں مگر یہ رول سب سے دلچسپ ہوگا۔ فاتح اور میرے راستے کہیں نہ کہیں جا کر ملتے ہی ہیں۔ ہماری قسمت ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہے اور میرے خواب کے مطابق... ہم تینوں کے سروں پہ ہما پرندہ تھا اور پھر ہم تینوں کی گردن میں پھندے تھے۔ اچھا یا برا اس اسکام کا انجام بہت دلچسپ ہوگا' موٹی مرغی۔" وہ عزم سے کہتی مسکرا کے آگے بڑھنے لگی تو داتن نے کپ نیچے کیا اور چونک کے اسے پکارا۔

"تینوں؟ تیسرا کون؟"

اس سوال پہ وہ بھی ٹھٹکی' جیسے حیرت سے سوچا ہو۔ "ارے ہاں... اس دفعہ جب وہ منظر ذرا آگے چلا تو اس میں ایک تیسرا شخص بھی تھا۔"

"کون؟ کون؟" موٹی جوش سے آگے ہوئی۔

تالیہ نے انگلی ٹھوڑی پہ رکھ کے آنکھیں اوپر کیے ذرا سا سوچا۔ "میں نے اسے کہیں دیکھ رکھا ہے۔ تالیہ کو کبھی کچھ نہیں بھولتا... مگر..." اس نے آنکھیں بند کیں۔ "وہ نوجوان کون تھا؟ اونہوں... یاد نہیں آ رہا۔" یاد کرنے میں ناکام ہوئی تو سر جھٹک کے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"گڈ نائٹ... داتن پدوکا... صبح ملتے ہیں۔ کوشش کرنا کہ میری نیند کے دورانیے میں تم میرے فریج کی ایسی ہی حفاظت کرو جیسے میرے رازوں کی کرتی ہو۔"

"ہوں... فکر ہی نہ کرو۔" وہ چبھتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں بولی۔ تالیہ سیڑھیاں چڑھتی گئی تو اس نے جلدی سے کپ رکھا اور موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔ پھر گردن اٹھا کے احتیاط سے دیکھا۔ تالیہ اب باہر نہیں آنے والی تھی۔ داتن مسکرائی اور جلدی سے گوگل میں ٹائپ کرنے لگی۔

"دبلا ہونے کے لیے سرجری۔" اور فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ بٹن دبا دیا۔

☼ ☼ ☼

چند گھنٹے پیچھے واپس چلتے ہیں۔

تنکو کامل کے ڈرائنگ روم سے مہمان نکل کے راہ داری میں آن کھڑے تھے۔ جہاں کم عمر علی بن کامل نے فاتح رامزل کو شیشے کی ڈبیا میں سجا سکہ پیش کیا تھا۔

"ویسے یہ اوریجنل نہیں ہے۔ اوریجنل میں ایک طرف نصیر من الدنیا والدین لکھا ہوتا ہے۔ مگر آئی لائیک اٹ۔"

سچائی سے تبصرہ کیا تو میزبان ایک دم شرمندہ ہو گئے' مگر وہ آدمی اتنا لاپروا' اتنا بے نیاز تھا کہ اسے ان کے تاثرات سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ (اور اس کی بات کا کوئی برا نہیں مانتا تھا۔ نہ مان سکتا تھا۔ وہ مالے قوم کو بہت

محبوب تھا۔) ایک ہی فقرے میں اس نے ایمان داری سے پسندیدگی کا اظہار بھی کر دیا۔ پھر ذرا ٹھہرا۔
"عصرہ! یہ تمہارے بریسلیٹ کی طرح نہیں لگتا جو تمہیں ایش نے دیا تھا نا۔" مسکرا کے کہتے ہوئے اس نے باکس پیچھے کھڑے اپنے باڈی مین کی طرف بڑھا دیا۔
وہ آگے بڑھ گیا اور باڈی مین سکہ جیب میں ڈالتا آگے بڑھنے کو تھا کہ ٹھہرا۔ یوں ہی گردن موڑی' نظر دور پیچھے کچن کی چوکھٹ پہ کھڑی ملازمہ پہ پڑی۔ یہاں تیز روشنی تھی۔ تیز سفید لائٹس۔ اندر تو زرد فینسی لائٹس تھیں' اس لیے آتے جاتے ملازموں کی شکلوں پہ وہ غور نہیں کر سکا تھا' مگر یہاں وہ سفید روشنیوں میں نہائی کھڑی شل سی' سوگوار سی' اس سکے کو دیکھ رہی تھی' جسے باڈی مین جیب میں ڈال رہا تھا۔ اس نے ایک نظر اس کی آنکھوں کو دیکھا اور پھر مڑ گیا۔
باہر آیا تو گاڑیوں کے دروازے بند ہو رہے تھے۔ دعا سلام' الوداعی کلمات۔ وہ اپنے نئے کوٹ اور ٹائی کو لاشعوری طور پہ درست کرتا اس سیاہ کار تک آیا جس کی پچھلی نشست پہ فاتح رامزل اور اس کی بیوی بیٹھ چکے تھے۔ ڈرائیور نے اسٹیئرنگ سنبھالا اور باڈی مین اگلی نشست پہ مستعد سا بیٹھ گیا۔ کار چل پڑی۔ اس نے بیک ویو مرر پہ نگاہ دوڑائی۔ پیچھے بیٹھا فاتح رامزل جیب سے عینک نکال کر آنکھوں پہ ٹکا رہا تھا۔ پھر اس نے اسی جیب سے سیل فون نکالا اور اسکرین روشن کر کے دیکھنے لگا۔ باڈی مین نے ہاتھ بڑھا کے شیشہ ذرا سا ترچھا کیا' تاکہ دونوں میاں بیوی دکھائی دیں۔ ڈرائیور نے ایک نظر اس پہ ڈالی مگر ٹوکا نہیں اور ڈرائیونگ کرتا رہا۔
اب شیشے میں وہ دونوں نظر آ رہے تھے۔ عصرہ گردن موڑے کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔ دونوں ہاتھ گھٹنے پہ اوپر نیچے رکھے ہوئے تھے اور ایک کلائی میں طلائی بریسلیٹ دکھائی دے رہا تھا۔
"تمہیں ان کے اینٹیک تحفے کے بارے میں ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا فاتح' اعلیٰ کو برا لگا ہو گا۔"
"علی کون؟" وہ اسکرین انگلی سے نیچے کرتا مصروف انداز سے بولا تھا۔
عصرہ نے چہرہ موڑ کے مذمتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "شیلا کا بیٹا۔"
"اچھا۔ اس کا نام علی ہے۔" اس نے سر کو خم دیا اور سیل فون پہ ای میلز نیچے کرتا گیا۔
باڈی مین بار بار آئینے پہ نظر ڈالتا پھر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگتا۔ وہ ملک کا سب سے محبوب جوڑا تھا۔ ان کو بار بار دیکھ کے بھی دل نہیں بھرتا تھا۔
"تم نے استعفیٰ والی بات کا جواب نہیں دیا۔ ہم یہ فیصلہ کر چکے تھے تم ریزائن کر دو گے اور ہم امریکہ واپس چلے جائیں گے۔"
فاتح نے جواب نہیں دیا۔ وہ اسکرین کو انگلی سے دباتا ٹائپ کر رہا تھا۔ عصرہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہوئی۔ سرخ بھورے بالوں والی وہ خوب صورت عورت تھی۔ دبلی پتلی اسمارٹ سی۔ ماتھے پہ کٹے بال پڑے تھے اور باقی بالوں کو آدھا باندھ رکھا تھا۔ گردن میں موتیوں کا نیکلس تھا اور بھوری آنکھوں میں تلخی سی تھی۔
"تمہاری ان ہی باتوں کی وجہ سے بہت لا بیز ہمیں چھوڑ چکی ہیں۔ اپنے کریزما' اور فین فالوونگ سے باہر نکل کے دیکھو تو تمہارا کوئی سیاسی مستقبل نہیں ہے۔ بارِسن نیشنل کا چیئرمین منتخب ہونے کے لیے ہمیں فنڈز چاہئیں' جو ہمارے پاس نہیں ہیں۔ پہلے پارٹی الیکشن پھر جنرل الیکشن۔ ہم کچھ بھی افورڈ نہیں کر سکتے۔ میرا بزنس پہلے ہی اشعر (بھائی) کے قرضوں تلے دبا ہے۔ میں مزید قرضہ نہیں لے سکتی۔ تم نے آج تک سیاست سے کچھ نہیں بنایا' اور میں اس کی قدر کرتی ہوں مگر اب مزید تمہیں ایک کھوکھلے خواب کے پیچھے پیسہ اور محنت لٹاتے نہیں دیکھ سکتی۔" وہ اب کے نرمی سے کہہ رہی تھی۔ وہ جواب دیے بنا موبائل کی طرف متوجہ رہا۔
"تمہارے ساتھ کوئی لابی' کوئی سیاسی اتحاد نہیں ہے۔ اگر کوئی پارٹی کا صدر بننے کے لیے الیکشن میں کھڑا ہو سکتا

ہے تو... وہ تم نہیں ہو فاتح۔ تمہارے ٹوئیٹر فالورز کے علاوہ ہمارے ساتھ کوئی نہیں۔ وہ اشعر ہے۔ ایش ایش نوجوان ہے۔" ملائیشیا کا جسٹن ٹروڈو۔ اس کے پاس پیسہ ہے' اس کے ساتھ سیاسی حلیف کھڑے ہیں۔ وہ ممبر پارلیمنٹ ہے اور محنت کرکے اس مقام پہ آیا۔ یہ میں اس لیے نہیں کہہ رہی کہ وہ میرا بھائی ہے۔ بلکہ وہ نوجوان نسل کا نیا لیڈر ہے' اس کی کمپین میں زیادہ چارم ہے۔ تم ایک زمانے میں بہت پاپولر تھے اور خدا کا شکر ہے کہ اب بھی ہو مگر تمہارے غیر سیاسی فیصلوں نے تمہارا چارم کم کردیا ہے۔ تمہارے ووٹ کم ہوگئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم عزت سے اس مونوپلی سے نکل آئیں اور اپنا بڑھاپا امریکہ میں آرام سے گزاریں۔

تم سے میں نے کہا تھا کہ اگلے ماہ جب ایش باقاعدہ پارٹی چیئرمین کے انتخاب کا اعلان کرے گا تو تم اس کو endorse (تائید) کروگے اور اس کے حق میں دستبردار ہوجاؤ گے۔ تمہارا ووٹ بینک ایش کے حق میں چلا جائے گا اور یوں یہ ایک بہترین ہیپی اینڈنگ ہوگی۔ ایش ملے زیا (ملائشیا) کا اگلا وزیراعظم ہے۔ تم اس نوشتہ دیوار کو جتنی جلدی ہوسکے' پڑھ لو فاتح۔ اور اس طرح خاموش نہ رہو جیسے میں یہ اپنی گیلری کے لیے کررہی ہوں۔ میں یہ ہم دونوں اور ہمارے بچوں کے لیے کررہی ہوں۔"

فاتح نے سیل فون اسکرین بجھائی اور عینک اتار کے فولڈ کی' پھر دونوں چیزوں کو کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالا۔ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے کھڑکی سے باہر آنکھیں جمائے کہنے لگا۔ "ملے زیا (ملائیشیا) کے دوسرے بچوں کی طرح مجھے بھی بچپن میں سب سے زیادہ ملے ادب کی جو کہانیاں پسند تھیں وہ "ننھے غزال" کی تھیں۔ ننھا چالاک ہرن۔ ماؤس ڈیئر (یہ ایک دم کٹا چوہے کی شکل والا ہرن ہوتا ہے جو قریباً" کتے جتنا ہوتا ہے) وہ چھوٹا سا تھا مگر جانور میں اس جیسا conartist دوسرا کوئی نہ ہوگا۔ بہت عیار تھا وہ۔ ننھا کن چیل۔ (ہرن) کن چیل اسٹوریز کی ابتدائی داستانوں میں وہ ایک دھوکے باز' چور اور چرب زبان ہرن تھا۔ بعد میں وہ اچھا ہوتا گیا مگر شروع کی داستانوں میں مجھے وہ کہانی بہت پسند ہے۔ جب اس کو دریا پار کرنا تھا اور سامنے ایک مگرمچھ بیٹھا تھا۔ تو ننھے ہرن نے مگرمچھ سے کہا کہ بادشاہ نے مگرمچھوں کی دعوت کی ہے اور اس کو یہ ذمہ داری سونپی ہے کہ وہ مگرمچھوں کی تعداد گن کے بتائے تاکہ اسی حساب سے کھانا پکوایا جائے۔ اس لیے سب مگرمچھ لائن میں کھڑے ہوجائیں۔"

وہ کھڑکی سے باہر روشن عمارتوں کو بھاگتے دیکھ کر محظوظ سا بتا رہا تھا۔ سب سانس روکے اس کو سن رہے تھے۔ ایڈم کے کان پوری طرح کھڑے تھے۔

"پھر کیا تھا۔ مگرمچھوں نے پل کی صورت قطار بنالی۔ وہ ایک دو تین کرکے گنتا ہوا ایک مگرمچھ سے دوسرے پہ چھلانگ لگاتا اور یوں دریا پار کرگیا۔ مگرمچھ آج بھی بادشاہ کی دعوت کا انتظار کررہے ہیں۔ سارے دم کٹے ہرنوں کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ انہیں لوگوں کو manipulate (ناجائز طریقے سے استعمال کرنا) کرنے کی عادت پڑجاتی ہے۔ یہ مینوپولیشن ان کی زندگی کا حصہ بن جاتی ہے۔ وہ ہاتھ پیر کٹ جانے سے مفلوج نہیں ہوتے' دوسروں کی زندگیوں کا اسٹیئرنگ وہیل چھن جانے پہ مفلوج ہوجاتے ہیں۔ ایسے غزالوں کو اس وقت سے ڈرنا چاہیے۔ جب دعوت کا انتظار کرتے مگرمچھ دریا سے نکل آئیں اور اس کو تلاش کرلیں کیونکہ مگرمچھ خشکی پہ بھی اتنا ہی خطرناک ہوتا ہے جتنا دریا میں۔"

بات ختم کرکے اس نے جیب سے موبائل دوبارہ نکالا اسکرین روشن کرکے عینک ناک پہ جمائی۔ عصرہ گہری سانس لے کر چہرہ موڑ گئی اور باڈی مین نے نگاہیں جھکالیں۔

(کیا فاتح صاحب نے اپنے سالے کو) "سنگ کنچیل"

The mouse deer?

بولا ہے؟ عیار اور چالباز؟ وہ بھی اپنے ملازموں کے سامنے؟ یا اللہ... یہ امیر لوگ ملازموں کی موجودگی میں ایسے

کیسے باتیں کر لیتے ہیں؟ ہمارے محلے میں تو یوں نہیں ہوتا۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا۔
کار سگنل پہ رکی تو ایڈم نے دیکھا ایک طرف سے چند بچے بینرز اٹھائے چلے آرہے ہیں۔ شاید کوئی واک وغیرہ تھی جس کا اختتام ہو چکا تھا۔ وہ معمول کے انداز میں قریب سے گزر رہے تھے مگر جیسے ہی ایک نے شیشے کے پار بیٹھے شخص کے جھکے چہرے کو دیکھا جس کو موبائل کی روشنی نے منور کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے چمکیں۔ وہ فوراً" پلٹا اور اپنے گروہ کو خوشی اور جوش سے چیخ کے پکارا۔
"فاتح رامزل کی کار! جلدی آؤ!"
سگنل ابھی سرخ تھا۔ بچے اکٹھے ہونے لگے۔ مسکراتے چہروں کے ساتھ ایک دوسرے کو ٹھوکے دیتے ہوئے' ایک نے ڈرائیور کی کھڑکی کے قریب آکر اپنا موبائل دکھا کے کچھ کہا تو باڈی مین نے گردن موڑی۔
"سر' بچے شاید تصویر بنوانا' ہاتھ ملانا چاہتے ہیں۔"
"ڈونٹ بی اوور ائیفی شینٹ ایڈم۔ یہ بچے ہیں' ووٹرز نہیں۔" عصرہ تلخی سے بولی۔
باڈی مین نے خفت سے سر ہلایا اور بچوں کو دور ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ننھے چہروں کی جوت بجھ گئی اور وہ پیچھے ہٹے۔
سگنل سبز ہو گیا اور کار آگے چل پڑی۔
اسی پل فاتح نے موبائل سے نظریں اٹھائیں اور فرنٹ سیٹ پہ بیٹھے باڈی مین کو دیکھا۔ "اور تم کون ہو؟" وہ بچوں کو نظر انداز کر گیا تھا۔
اس نے جلدی سے گردن موڑی اور تابعداری سے کہنے لگا۔ "سر' میں ایڈم بن محمد ہوں۔ آپ کا باڈی مین اور....."
"عبداللہ گیارہ دن کی چھٹی پہ گیا ہے تو اس نے اپنے محلے کے لڑکے کو کام کے لیے بھیج دیا۔ مجھے اس کی شکل پہ ترس آگیا۔ اس لیے اسے رکھ لیا۔ ایڈم نام ہے اس کا۔" عصرہ بے زاری سے بتانے لگی۔ "آتے وقت یہ دوسری کار میں تھا۔ میں نے کہا اب آیا ہی ہے تو کام تو پورا کرے۔" (ملائیشیا میں آدم نام کو ایڈم رکھا اور بلایا جاتا ہے اور یہ مسلمانوں میں عام ہے)
سگنل کھل گیا اور ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔ فاتح نے پھر سے موبائل دیکھتے ہوئے بھاری رعب دار آواز میں پوچھا۔ "کیا کرتے ہو' ایڈم؟" ایڈم کا چہرہ اتنی توجہ پہ تمتمانے لگا۔
"سر! میں فوج میں تھا' مگر صحت کے واجبی سے مسئلے پہ وہاں سے فارغ ہو گیا۔ پھر دو تین جگہ اپلائی کیا مگر نوکری نہیں ملی۔ والد صاحب ایک دکان پہ سیلز مین ہیں' ان کے ساتھ بھی کام کیا۔ ایک سیکیورٹی فرم سے پرائیویٹ باڈی گارڈ کی تربیت بھی لی۔ اب عبداللہ کی جگہ گیارہ دن کے لیے آیا ہوں۔"
"اور یہ تم کیا باڈی گارڈز والا لباس پہن کر آگئے ہو۔" عصرہ نے برہمی سے ٹوکا۔ "تم فاتح صاحب کے باڈی گارڈ نہیں' باڈی مین ہو' اور ان دونوں میں بہت فرق ہوتا ہے۔ آئندہ نہ دیکھوں میں یہ سوٹ اور ٹائی اور یہ پستول... اس کا لائسنس ہے؟" ڈیش بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔
"جی میم۔ مجھے لگا مجھے باڈی گارڈ بننا ہے۔" وہ شرمندہ ہو گیا۔
"خیر ٹھیک ہے' گن ساتھ لے کر گھوم سکتے ہو' مگر حلیہ درست کر کے آنا کل۔" وہ نخوت سے کہتی بات ختم کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔
وان فاتح نے موبائل واپس جیب میں ڈالا اور عینک اتارتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "ووٹ کس کو ڈالا تھا تم نے ایڈم؟"
ایڈم نے گردن موڑ کے اس کو دیکھا اور لمحے بھر کو چپ رہ گیا۔ بھینے نقوش اور صاف رنگت کا وہ ایک عام سا

ملے نوجوان تھا اور سوٹ ٹائی اس پہ بہت اوپرے اوپرے لگ رہے تھے جیسے مانگ کے پہنے ہوں۔
"کسی کو نہیں، سر مجھے سیاست سے دلچسپی نہیں ہے۔"
فاتح نے بے اختیار دونوں ابرو اٹھائے اور تعجب سے اسے دیکھا۔ "تمہیں معلوم ہے ایڈم! کسی ملک کے لیے سب سے خطرناک آدمی کون ہوتا ہے؟؟"
"کرپٹ حکمران؟" اس نے گڑبڑا کے کہا۔
"ہاں مگر اس سے بھی زیادہ 'سیاسی جاہل' خطرناک ہوتا ہے۔" وہ اس پہ نظریں جمائے بھاری آواز میں افسوس سے کہہ رہا تھا۔ "وہ سیاسی جاہل جو سینہ تان کے کہتا ہے کہ اسے سیاست سے دلچسپی نہیں بلکہ اسے تو سیاست سے نفرت ہے۔ ایسا آدمی نہ کچھ دیکھتا ہے 'نہ سنتا ہے نہ کرتا ہے۔ اس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سیاست پالیسیز بنانے کا نام ہے اور آٹا' دال' چاول' دوائیں اور موبائل کریڈٹ کی قیمت سے لے کر ہر چیز کا تعین سیاست دان کرتے ہیں اور اگر سیاسی جاہل اپنی رائے نہیں رکھے گا' سیاست میں ووٹ اور سپورٹ کے ذریعے حصہ نہیں لے گا' تو وہ کرپٹ حکمرانوں کو مضبوط کرے گا اور سڑکوں پہ بے حال پھرتے لوگوں' چور ڈاکوؤں' غریبوں' سب کا ذمہ دار وہ ہوگا۔ مجھے زیادہ خوشی ہوتی ایڈم! اگر تم کہتے کہ تم نے میرے مخالف کو ووٹ ڈالا تھا کیونکہ تب مجھے لگتا کہ میں ایک سیاسی خواندہ سے بات کر رہا ہوں' جس کی کوئی سوچ ہے' بھلے مجھ سے مختلف ہو' مگر کوئی نظریہ' کوئی رائے' کچھ تو ہے اس کے پاس۔ یہ انسان کی آزاد رائے ہوتی ہے' جو ہمیں ایک دوسرے سے مختلف کرتی ہے' ورنہ ہم میں اور بھیڑ بکریوں میں کیا فرق ہے؟" آخر میں کندھے اچکا کے وہ کھڑکی سے باہر دیکھنے لگ گیا۔
ایڈم پہ تو گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ اس نے چہرہ بالکل جھکا دیا۔
دونوں میاں بیوی کو گھر اتار کے وہ کار سے نکلا اور چھٹی لے کر باہر آگیا۔ آدھے گھنٹے کی بس کی خواری کے بعد وہ اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا۔ ایک منزلہ چھوٹا سا گھر' جس کی چھت مخروطی تھی اور دیواریں لکڑی کی تھیں۔ کھڑکیاں اس پہر بھی روشن تھیں۔ ضرور اس کی ماں جاگ رہی تھی۔ وہ احتیاط سے دروازہ کھول کے اندر آیا' اور کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ ٹانگا۔ پھر پلٹا تو دیکھا' کچن کے دروازے پہ ویسے ہی چینی نقوش والی عورت کھڑی تھی۔
"ایڈم! تم آگئے۔ کھانا لاؤں؟" لکڑی کی راہداری میں سدا بہار پھولوں کی مہک پھیلی تھی۔ گھر میں جابجا چھوٹے برتنوں' ٹین ڈبوں اور بوتلوں میں پودے اور بیلیں لگی تھیں۔
"بھوک نہیں ہے' ماں۔" وہ بددلی سے سر جھکائے کہتا آگے آیا۔ "باچا سے کہنا کہ یہ سوٹ دکان پہ واپس کر دیں۔ کل سے مجھے دوسری قسم کے سوٹ پہننے ہوں گے۔ تو پیس ٹائپ۔"
"مگر گارڈز تو ایسے ہی سوٹڈ بوٹڈ رہتے ہیں نا۔" ادھیڑ عمر عورت حیران سی ہوئی مگر وہ چہرہ لٹکائے کچن میں داخل ہوا اور کرسی کھینچ کے خاموشی سے بیٹھ گیا۔
"عبداللہ نے کہا تھا مجھے باڈی مین بننا ہے' میں سمجھا وہ باڈی گارڈ ہی ہوتا ہے۔"
"ایں؟ باڈی مین کیا ہوتا ہے؟" ماں نے اچنبھے سے کہتے سامنے والی کرسی کھینچی۔ چھوٹا سا کچن نفاست سے صاف کیا گیا تھا اور کھڑکی پہ جالی دار پردے لہرا رہے تھے۔ وہاں بھی چھوٹے چھوٹے سے سرسبز پتوں والے گملے رکھے تھے۔
ایڈم نے بجھا ہوا چہرہ اٹھایا اور ماں کا چہرہ دیکھا۔ "باڈی مین پرسنل ایڈ کو کہتے ہیں' ماں۔"
"جیسے سیکریٹری؟ اسسٹنٹ؟"
"نہیں ماں! سیاست دانوں کے سیکریٹری بڑے لوگ ہوتے ہیں۔ پولیٹیکل الگ' پرسنل سیکریٹری الگ۔ باڈی گارڈز بھی ماہر تربیت یافتہ کمانڈوز ہوتے ہیں۔ میں صرف باڈی مین ہوں۔ پرسنل ایڈ۔ جب انہیں پیاس لگے تو پانی

پکڑاتا ہے' جب وہ کھانا کھانے لگیں تو نیپکن سامنے کرتا ہے' جب وہ دستخط کرنے لگیں تو قلم کھول کے ان کے ہاتھ میں تھماتا ہے۔ ہر وقت مستعد اور تیار ان کے قریب رہنا ہے کہ کہیں ان کو کسی چیز کی ضرورت نہ پڑے۔"

"یعنی کہ نوکر؟" وہ دھک سے رہ گئی۔

"نوکر بھی فلپینو ہوتے ہیں' ایجنسی سے کانٹریکٹ کر کے آتے ہیں' ماں نوکر بہتر ہوتے ہیں۔ باڈی مین تو ایک نو باڈی ہوتا ہے۔ بس۔"

"چند دن کی ہی تو بات ہے۔ پھر ختم ہو جائے گی یہ نوکری۔"

"اس کے بعد میں کیا کروں گا؟ دو ماہ بعد میری شادی ہے اور میرے پاس نوکری تک نہیں ہے۔"

"تم فاتح رامزل سے کہو کہ وہ تمہاری کہیں سفارش کر دے۔"

"اوہ میری بھولی ماں۔" ایڈم نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس دیا۔ "وہ فاتح رامزل ہے۔ وہ کسی کا کام نہیں کرتا۔ اس پہ ایک دنیا مرتی ہے۔ لوگ اس پہ پیسہ لٹاتے ہیں۔ اس کے اعزاز میں بڑی بڑی تقریبات کرتے ہیں' اس کی پارٹی کو فنڈز دیتے ہیں' مگر وہ نہ کسی سے کچھ مانگتا ہے اور اگر کوئی کروڑوں بھی خرچ کر لے تو وہ تھینکس کہہ کر آگے بڑھ جاتا ہے۔ وہ کسی کا احسان "رجسٹر" نہیں کرتا۔ کہتا ہے' میں کسی کو بدلہ نہیں دے سکتا' ہم سب بہتر ملے زیا (ملائیشیا) کے لیے کام کر رہے ہیں' گڈ..... بس۔ آپ فاتح رامزل کے لیے جان بھی دے دیں تو وہ تھینکس کہہ کے چلا جائے گا۔ اس کے اتنے چاہنے والے ہیں' اس پہ لوگ اتنا کچھ لٹانے کو تیار رہتے ہیں کہ اس کو ان چیزوں میں دلچسپی ہی نہیں۔ وہ ایک الگ طرح کا بندہ ہے۔ میں تو اس سے کیا سفارش کراؤں گا۔ وہ تو میری طرف بلا ضرورت دیکھے گا بھی نہیں۔ وہ بہت' بہت اونچا آدمی ہے ماں۔"

"ایڈم!" اس کی ماں نے جھک کے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور اس کی بجھی آنکھوں میں دیکھ کے نرمی سے گویا ہوئی۔ "اگر وہ اتنا ہی خود غرض آدمی ہوتا تو اس ملک سے محبت کیوں کرتا؟" ایڈم نے پلکیں اٹھائیں۔ ان میں ناسمجھی کی سی کیفیت تھی۔

"لوگ فاتح سے محبت اس لیے کرتے ہیں' کیونکہ وہ ان کو بے نیاز لگتا ہے۔ وہ امریکہ میں ایک ایمان دار اور محنتی پراسیکیوٹر رہا تھا' پھر اپنا کیریئر چھوڑ کے وہ قوم کے لیے واپس آیا اور اس نے الیکشن لڑا۔ اپنے حلقے میں اس نے اسکولز بنائے' کالجز بنائے۔ اس نے لوگوں کے لیے کام کیا اور دن بہ دن مشہور ہوتا گیا۔ ایسے میں اس کے گرد سارے مفاد پرستوں کا ٹولہ جمع ہو گیا۔ جن کو امید ہے کہ اگر وہ اس پہ پیسہ خرچ کریں گے تو رامزل حکومت میں آکر ان کو اونچے عہدوں سے نوازے گا' مگر تم یہ دیکھو کہ وہ ان غریب بچوں کے لیے جو اس کو کچھ نہیں دے سکتے' اسکولز تو بناتا ہے' مگر امیر دوستوں کو تھینکس کہہ کے آگے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو فاتح رامزل کے قریب' اس سے چپکا ہوا ہے' وہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے وہاں موجود ہے۔ جیسے شہد کے اوپر مکھیاں چمٹ جاتی ہیں۔ سب کو اپنا حصہ چاہیے۔ اسی لیے وہ ایسے لوگوں سے سرد رویہ رکھتا ہے' تاکہ ہر ایک پہ یہ واضح ہو جائے کہ وہ کسی کے لیے کچھ نہیں کرے گا۔"

ایڈم نے سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آرہی تھی۔

"تم پہلے سے ہی جانتے ہو کہ وہ تمہارے لیے کچھ نہیں کرے گا تو ایڈم' تم اس سے امید نہ لگاؤ۔ کوئی درخواست کرو' نہ کسی مفاد کے لیے' اس کو اپنے کام سے متاثر کرنے کی کوشش کرو۔ غریب کا بھی مفاد ہے' امیر کا بھی مفاد ہے۔ تم ان دونوں کی طرح نہ بنو۔"

"پھر میں کیا بنوں؟"

"باڈی مین!" وہ سادگی سے مسکرائی۔ "تم گیارہ دن اس کے باڈی مین بنے رہو۔ بغیر کسی لالچ' کسی غرض اور

کسی لمبی اسکیم کے۔ تم اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ سوچو کہ تم نے پوری سچائی' ایمان داری اور وفاداری سے اپنے مالک کی خدمت کرنی ہے۔ اسے غریب دوست بھی مل جائیں گے' امیر دوست بھی' مگر سچائی' ایمان داری اور وفا آج کل ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ تم بس ان گیارہ دنوں میں اس کے ہو کر رہو۔ اس کے لیے جان مارنی پڑے' جان مارو۔ جان لگانی پڑے تو لگا دو۔ اس کی حفاظت کرو' اس کے کام آؤ۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کے اس کی خدمت کرو اور کسی بدلے کی امید نہ رکھو۔ جو تمہارے نصیب میں ہے وہ تمہیں مل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ایڈم نے سر ہلایا اور پھیکا سا مسکرایا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔ "میں پوری سچائی' ایمان داری اور وفاداری سے اس کی خدمت کروں گا اور بے شک وہ مجھے اس کا بدلہ نہیں دے گا۔ لیکن اب مجھے اس بات کی پروا نہیں ہو گی۔"

"ایڈم!" اس کی روشن آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ماں مسکرائی اور اس کے ساتھ پہ دباؤ بڑھایا۔ "صداقت' امانت اور وفا کا بدلہ ہمیشہ ملتا ہے۔ تم دیکھنا' کسی کی بے غرض خدمت سے اللہ تمہارے بخت جگائے گا اور ساری دنیا دیکھے گی۔"

ایڈم دھیرے سے ہنس پڑا۔ میری بھولی ماں' گیارہ دن کی ہی تو بات ہے۔ ان گیارہ دنوں کی خدمت اسے یاد بھی نہیں رہے گی۔ "اور پھر گھڑی دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

اسے اب سونے جانا تھا۔ ماں بھی ساتھ ہی اٹھ گئی۔ اس وقت ایڈم بن محمد کو نہیں معلوم تھا کہ ان گیارہ دنوں کے اختتام پہ کون سی بلا اس کا انتظار کر رہی ہے۔ اگر وہ جان جاتا تو فاتح رامزل کی ملازمت تو درکنار وہ اس شہر' اس ملک کو ہی چھوڑ کے کہیں دور بھاگ جاتا۔

✡ ✡ ✡

اگلی صبح منہ اندھیرے جو بارش شروع ہوئی تو سورج نکلنے تک کے ایل بھیگتا ہی رہا۔ کے ایل میں ہر دوسرے تیسرے روز بارش ہوا کرتی تھی۔ اگر چار پانچ دن خشک گزر جائیں تو مسجدوں میں بارش کے لیے دعا کروائی جاتی تھی۔ ملائیشیا ایک مسلمان ملک ہے۔ یہاں ساٹھ فیصد مالے قوم بستی ہے' جن کی رنگت گندمی اور نقوش پھینے سے ہیں۔ یہ مسلمان ہیں۔ تیس فیصد چائنیز ہیں ادھر' جو خوب گورے اور اصلی چینی نقوش کے حامل ہیں۔ یہ بدھسٹ ہیں ــــــ باقی دس فیصد تامل انڈین ہیں۔ یوں مختلف ادیان اور ثقافتوں سے مزین یہ رنگا رنگ اور جادوئی سا ملک ہے۔

مسلم اکثریت کے باعث یہاں اسلام کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ مسلم عورتیں قابل اعتراض لباس میں نہیں پھرتیں۔ اگر مغربی لباس زیب تن کریں تو بھی پورا کرتی ہیں۔ ورنہ عموماً "مالے طرز کا لباس پہنتی ہیں جو کھلی سی اسکرٹ اور گھٹنوں تک آتی قمیص پہ مشتمل ہوتا ہے۔ خواتین کی ایک بڑی تعداد تنگ حجاب پہنتی ہے اور وہاں مڈل کلاس میں سر ڈھانکنا پسند کیا جاتا ہے۔

یہ خاموش طبع' اپنے کام سے کام رکھنے والا ملک ہے۔ یہاں آج سے چھ سو سال پہلے اسلام آیا تھا۔ تلوار یا جنگوں کے زور پہ نہیں۔ مسلم تاجر آئے اور یہاں بس گئے۔ اسلام کا پیغام لائے اور ان کو چلتا پھرتا قرآن بنے دیکھ کے مالے قوم اپنے آپ اسلام لے آئی۔ راجہ مسلمان ہو گیا اور یوں ملاکہ سلطنت کے بادشاہ کو سلطان کہا جانے لگا۔ دیکھتے دیکھتے امن و امان سے لوگوں کی اکثریت مسلمان ہو گئی۔ جب 1957ء میں ملائیشیا نے انگریز سامراج سے آزادی حاصل کی تب بھی کوئی جنگ و جدل نہیں ہوئی۔ بات چیت سے معاہدے ہوئے اور ملائیشیا الگ ہو گیا۔

ملائیشیا میں بھی پارلیمنٹ اور وزیر اعظم ویسے ہی کام کرتے ہیں جیسے پاکستان میں' مگر ان کا ایک بادشاہ بھی ہوتا

ہے۔ جو کے ایل کے ایک محل میں رہتا ہے۔ ہر پانچ سال بعد نیا بادشاہ آتا ہے اور اس کی یہاں وہی حیثیت ہے جو پاکستان میں صدر کی۔ کوئی خاص کام کاج نہیں کرتا بس ایک اعزازی کرسی ہے جس سے وہ لطف اندوز ہوتا ہے۔ ملائیشیا میں ہر ریاست کا اپنا (منتری بیسار) ہوتا ہے جیسے پاکستان میں صوبے ہیں اور ان کے وزرائے اعلا۔ ملائیشیا میں سارے وزیروں وزرائے اعلا اور بادشاہ سے بھی زیادہ طاقت ور ایک شخص ہوتا ہے۔ وہ آدمی جس کو پارلیمنٹ منتخب کرکے وزیر اعظم یا پردھانہ منتری بناتی ہے۔ عموماً" یہ ہوتا ہے کہ جس سیاسی جماعت کو زیادہ ووٹ ملتے ہیں ان کے چیئرمین کو وزیر اعظم بنایا جاتا ہے۔ اگر کسی کو ملائیشیا کا وزیر اعظم بننا ہے تو پہلے اس کو اپنی سیاسی پارٹی کے ہر پانچ سال میں ایک مرتبہ ہونے والے انٹرا پارٹی الیکشن میں چیئرمین کی کرسی کے لیے انتخاب لڑنا پڑے گا۔ اگر وہ چیئرمین منتخب ہوجائے۔ اور پارٹی پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرلے تو پارٹی چیئرمین ہی وزیر اعظم بنے گا۔ وہاں پارٹی چیئرمین ہر پانچ سال بعد منتخب ہوتے ہیں اولاد کو وراثت میں پارٹی نہیں دی جاتی۔

نوے کی دہائی تک ملائیشیا کچرے کا ڈھیر تھا۔ بھوکا کمزور اور لٹا پٹا ملک۔ جس کو کرپشن کا کینسر کھائے جارہا تھا۔ پھر ان کو ڈاکٹر مہاتیر بن محمد جیسا لیڈر ملا جس نے یہ ثابت کیا کہ اگر کسی پارٹی کا صرف چیئرمین بھی ایمان دار اور بہادر ہو اور نیچے بھلے پوری پارٹی بے ایمان ہو تو بھی وہ ایک شخص سارا ملک بدل سکتا ہے۔ اس ایک آدمی نے ملائیشیا کے ادارے مضبوط کیے عدل و انصاف کا نظام لایا اور ملک کو کرپشن سے پاک کیا۔ نتیجتاً ملک خوش حال ہونے لگا۔ سیاح آنے لگے۔ ملائیشیا کی خوب صورتی کے چرچے ہونے لگے اور ملک دولت اور ترقی سے مالا مال ہوتا گیا۔ لوگ حکومت سے اتنے خوش تھے کہ بار بار اسی پارٹی کو منتخب کرتے گئے۔ باریسن نیشنل خود کوئی پارٹی نہیں تھی بلکہ بہت سی پارٹیوں کا اتحاد تھی۔ جہاں اس پارٹی نے ملک کو اچھی طرح چلایا۔ وہیں بے پناہ سیٹیں ملنے کے باعث اس کی اپوزیشن ختم ہوگئی۔ ضرورت سے زیادہ طاقت ہمیشہ انسان کو خراب کردیتی ہے۔ یوں گزشتہ انتخابات میں پہلی دفعہ باریسن نیشنل (قومی فرنٹ) الیکشن ہار کے اپوزیشن میں آگئی اور جس وقت کی کہانی ہم بیان کررہے ہیں اس وقت یہ مقبول جماعت اپوزیشن میں بیٹھی تھی۔ لیکن لوگ موجودہ حکومت سے بھی ناخوش نظر آتے تھے کیونکہ عوامی رائے سے زیادہ جلدی بدلنے والی شے کوئی نہیں ہوتی اس لیے نوشتہ دیوار کہتا ہے کہ باریسن نیشنل اپنی خامیوں پہ قابو پاکر اگلے سال کا انتخاب جیت کر اقتدار میں آئے گی اور لازما" اس کا چیئرمین ہی اگلا وزیر اعظم بنے گا۔

ملائیشیا کا میڈیا پاکستان سے بالکل مختلف ہے۔ جہاں پاکستان کا میڈیا پہلے آزاد اور پھر آوارہ ہوتا گیا ملائیشیا کا میڈیا سرکاری دباؤ تلے ہی رہا۔ وہاں کے تمام چینلز "پی ٹی وی" ہیں جن کا کام حکومت کے عیوب کو چھپانا اور اپوزیشن کو بالکل چھپا دینا ہے۔ اپوزیشن لیڈرز کے انٹرویو جلسوں اور ریلی وغیرہ کو میڈیا کوریج نہیں دیتا۔ یوں کسی بھی حکومت کی جب تک غلطیوں کی نشاندہی نہ کی جائے وہ بگڑتی چلی جاتی ہے اور اس وقت ملائیشیا میں بھی یہی حال تھا۔

☼ ☼ ☼

اب ہم واپس کے ایل کی اونچی عمارتوں تک آتے ہیں۔ جو بارش میں کھڑی بھیگ رہی تھیں۔ سرسبز پہاڑیاں نیلا سمندر اور اونچی سرمئی عمارتیں۔ یہ ہر روز کا کے ایل تھا۔ جیسے کسی بھیگی جنت کا ٹکڑا ہو۔

دیسہ پک سٹی کے ایل کا وہ علاقہ تھا جو امیر اور اثر و رسوخ رکھنے والے خاندانوں کا مسکن تھا۔ اس کے گرد چار دیواری بنی تھی جو اس کو باقی کے ایل سے منقطع کرکے خاص الخاص بناتی تھی۔ وہاں ایک کالونی میں بڑے سے لان اور پول سے گھرا ایک تین منزلہ محل نما گھر تھا جس کے ڈائننگ ہال میں ناشتے کی میز سجی تھی اور اشتہا انگیز

خوشبوئیں سارے ماحول کو مہکا رہی تھیں۔
میز پہ چھوٹے چھوٹے برتنوں میں رنگ برنگی اشیاء چنی گئی تھیں۔ کری پفز' ناسی لیما' ڈاگنگ رینڈنگ' تربوز کا جوس اور تہہ تاریک (چائے) مگر سربراہی کرسی پہ بیٹھے فاتح رامزل نے ان پر تکلف اشیاء کو ہاتھ لگانے کی بجائے صرف سوپ کے پیالے پہ اکتفا کیا تھا' جسے پیتے ہوئے وہ ناک پہ عینک جمائے اخبار کھولے مطالعے میں منہمک تھا۔ سوپ میں ابلی مرغی کا ٹکڑا منہ میں آجاتا تو وہ نظریں الفاظ پہ رکھے' بند ہونٹوں سے خاموشی سے چباتا اور اگلا چمچ بھر لیتا۔ دائیں ہاتھ کی کرسی پہ عصرہ بیٹھی تھی۔ بھورے سرخ کٹے بال ماتھے پہ گر رہے تھے اور باقی پیچھے جوڑے میں بندھے تھے۔ کاجل لگی بڑی بڑی آنکھیں اٹھا کے وہ گاہے بگاہے فاتح کا چہرہ دیکھتی' پھر کری پف کترنے لگتی۔
پیچھے ایڈم مستعد سا کھڑا تھا۔ ڈریس شرٹ اور پینٹ پہنے' وہ کل کی نسبت زیادہ پر اعتماد اور مطمئن لگ رہا تھا۔ اخبار اسی نے لا کر دیا تھا اور اب وہ منتظر تھا کہ ادھر فاتح نہانے کے لیے جائے' ادھر وہ اس کا فون چارج پہ لگائے۔ بس یہی کام تھے ایک باڈی مین کے۔
"السلام علیکم!" ایک خوش گوار مسکراتی ہوئی آواز آئی تو دونوں میاں بیوی نے نظریں اٹھائیں۔
داخلی دروازے سے ایک اسمارٹ سا آدمی چلا آرہا تھا۔ پینتیس چالیس کے درمیان ہوگا' کافی خوش شکل تھا اور عصرہ میں ملتا تھا۔ آنکھیں تو ہو بہو عصرہ جیسی تھیں۔ گرے سوٹ' ٹائی' کف لنکس پہنے اور گیلے بال سامنے سے اسپائنکس کی صورت کھڑے کیے' وہ خوش مزاج اور تر و تازہ سا لگ رہا تھا۔
"کاکا (آپی)..... آبنگ (بھائی)!" اس نے مسکرا کے کہتے باری باری دونوں کو سلام کیا اور فاتح کے دوسری طرف کرسی کھینچ کے بیٹھا۔ فاتح ذرا سا مسکرایا' سر کو خم دیا اور دوبارہ اخبار پڑھنے لگا۔ عصرہ البتہ پورے دل سے مسکرائی اور فخریہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ نو وارد کے ملازم نے میز پہ ٹوکری لا کر رکھی۔ جس میں سرخ گلابی سے انویٹیشن کارڈز جھلک رہے تھے۔
"کیسے ہو ایش؟"
"ہمیشہ کی طرح اچھا اور سوری' میں آنے سے پہلے بتا ہی نہیں سکا۔" وہ مسکرا کے کہنے لگا تو فاتح صفحہ پلٹاتے ہوئے سادگی سے بولا۔
"فکر نہ کرو' تمہاری بہن کو وحی آجاتی ہے اس لیے وہ تمہاری پسند کا ناشتا بنا لیتی ہے۔ ریلیکس۔ ناشتہ کرو۔" عصرہ کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ چہرہ خفت سے گلابی ہوا۔ نگاہیں چرائیں' مگر اشعر ہنس پڑا اور پلیٹ قریب کھسکائی۔
"وہ کیا ہے آبنگ (بھائی) کہ خون کے رشتوں کی کشش کے آگے دنیا کے سارے رابطے ہیچ ہوتے ہیں۔" فاتح نے اگلا صفحہ پلٹا اور گہری سانس لے کر اخبار پہ نظریں جمائے بولا۔ "بہت لوگ دیکھے ہیں ایش' مگر تمہاری طرح ڈھیٹ جھوٹا ابھی تک نہیں دیکھا۔"
"میری خوش قسمتی ہے' بھائی!" وہ پھر سے ہنس دیا اور پلیٹ میں چاول نکالتے ہوئے ایک نظر اطراف میں ڈالی۔ پیچھے کھڑے ایڈم نے محسوس کیا تھا کہ اس کی نظریں بہت تیز تھیں۔ عقاب جیسی نہیں۔ کسی لومڑی کی مانند۔
"عبداللہ کہاں گیا؟" فوراً" سے تبدیلی محسوس کر کے پوچھا۔
"چھٹی پہ گیا ہے۔ تم سناؤ' کیسے آئے؟" عصرہ اشیائے طعام اس کے سامنے رکھتے ہوئے موضوع بدلنے لگی۔
"میں یہ آپ کے لیے نیلامی کے کارڈز لایا تھا۔ آپ کے آرٹ پیسز کی نیلامی کی تقریب کے سارے انتظامات مکمل ہو گئے ہیں۔ آپ کارڈز دیکھ لیں۔ ابھی میں نے کسی کو بھیجے نہیں ہیں۔ لیٹ نائٹ آئے تو میں صبح

سب سے پہلے ادھر ہی چلا آیا اور ایک تو صبح صبح اس دی مالے ٹائمز کے رپورٹر نے فون پہ فون کرنے شروع کر دیے تھے۔ پتا نہیں ان کو کون بتاتا ہے کہ فاتح بھائی چیئرمین کا الیکشن نہیں لڑ رہے۔ میری رائے پوچھ رہا تھا۔ ابھی تو میں نے پالیسی اسسٹنٹ دی ہے لیکن سچ پوچھیں تو میں آپ لوگوں کے اس فیصلے سے خوش نہیں ہوں۔" اس کے لہجے میں افسوس تھا۔ فاتح نے اخبار سے نظر تک ہٹانے کا تکلف نہیں کیا۔ سوچتے ہوئے وہ کالم پڑھتا رہا۔

"میں آج جو کچھ بھی ہوں۔ سیاست میں میرا جو مقام بھی ہے' وہ آپ دونوں' بالخصوص فاتح بھائی کی وجہ سے ہے۔ اگر بھائی مجھے انگلی پکڑ کے چلنا نہ سکھاتا' مجھے ہر وقت اپنے ساتھ نہ رکھتا تو میں ایک عام سا وکیل ہوتا' ایک ممبر پارلیمنٹ نہ ہوتا اور اب جب وہ وقت آیا ہے کہ آپ دونوں مجھے چیئرمین بنا رہے ہیں' مجھے اس عہدے تک لے جا رہے ہیں جس کے میں قابل نہیں ہوں تو آپ سیاست سے کنارہ کش ہو کے باہر جانا چاہتے ہیں۔" وہ احساس بھری خفگی سے کہہ رہا تھا اور کہتے ہوئے اپنی سیاہ چمکتی آنکھوں سے باری باری دونوں کے تاثرات دیکھتا تھا۔ "میں اپنے حق میں آپ کی دست برداری کے فیصلے کی جتنی قدر کرتا ہوں' اتنا ہی مجھے اپنا آپ اکیلا محسوس ہونے لگا ہے۔

"بھائی! اگر آپ لوگ چلے گئے تو مجھے کون گائیڈ کرے گا؟ کاکا۔۔۔ اتنی ضد مت کریں۔" اس نے گویا بہن کی منت کی۔

"میں پولیٹیکل وائف پوز کر کر کے تھک چکی ہوں ایش۔ ہمارے پاس اس مہنگے شوق کو جاری رکھنے کے لیے کوئی فنڈز نہیں ہیں۔ آریانہ کے بعد تو میرا کسی چیز میں دل نہیں لگتا۔ میں بس واپس جانا چاہتی ہوں اور ظاہر ہے فاتح کو اپنی فیملی بہت عزیز ہے' بیوی بچوں سے الگ تو وہ نہیں رہ سکتا۔"

اشعر نے خستہ کری پف کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور اسے چباتے ہوئے پرسوچ نظروں سے فاتح کو دیکھا۔ "آبنگ (بھائی)۔۔۔ آدمی کو آپ جیسا جمہوری بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میرے حق میں دست برداری کی میں بہت قدر کرتا ہوں' مگر یوں ملک چھوڑ کے۔۔۔"

"تم سے کس نے کہا کہ میں دست بردار ہو رہا ہوں' ایش؟" اس نے عینک اتارتے ہوئے اور اخبار چہرے کے سامنے سے ہٹاتے ہوئے ٹھنڈی نظروں سے ایش کو دیکھ کے کہا تو لمحے بھر کو نوجوان سیاست دان کی رنگت اڑ گئی' مگر وہ سنبھل کے مسکرا دیا۔ "آپ کا جو بھی فیصلہ ہو گا' میں اس میں آپ کے ساتھ ہوں گا' آبنگ۔ جیسے آپ نے مجھے اکیلا نہیں چھوڑا' میں بھی نہیں چھوڑوں گا۔ آپ میرے آئیڈیل ہیں' کبھی مت بھولیے گا۔"

"تھینک یو۔" وہ اخبار تہ کر کے کرسی دھکیلتا اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ایڈم نے جلدی سے اس کا سیل اٹھایا اور فاتح کے پیچھے لپکا۔ ذہن میں مسلسل ماں کی باتیں گونجنے لگی تھیں۔ اسے ان باتوں کے تہ در تہ معانی اب سمجھ آنے لگے تھے۔۔۔

ڈائننگ روم خالی ہوا تو اشعر آگے کو جھکا اور فکر مندی سے بہن کو دیکھا۔ "آپ نے تو کہا تھا' بھائی مان گیا ہے۔"

"ایش!" عصرہ نے اس کا ہاتھ دبایا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگلے وزیراعظم تم بنو گے تو تم ہی بنو گے۔ میں فاتح کو مزید سیاست میں خود کو تباہ کرتے نہیں دیکھ سکتی۔ اسی سیاسی Campaign (مہم) کے دوران آریانہ کو کھویا تھا ہم نے۔ فاتح کے پاس صرف خواب ہیں' پیسے نہیں۔ میں اسے مزید اپنا اور میرا پیسا اس سیاست میں نہیں جھونکنے دوں گی۔"

"مگر میں برا فیل کر رہا ہوں۔ بھائی مجھ سے خفا ہے۔"

"وہ تم سے خفا نہیں ہے۔" عصرہ نے ٹوکری سے ایک کارڈ نکالتے ہوئے ہاتھ جھلا کے اس کے واہمے کو رد کیا۔

"وہ خود سے خفا ہے۔ وہ ناکام ہو چکا ہے اور اس ناکامی کا اعتراف نہیں کرنا چاہتا۔"

"ویسے تمہیں ان سے ملک چھوڑنے کا نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ملائیشیا ان کے خون کا حصہ ہے۔" وہ جانچتی پرکھتی نظروں سے بہن کو دیکھتے ہوئے بظاہر سادگی سے بولا تھا۔

"میں اس سے کم پہ راضی نہیں ہو سکتی۔ سوری۔" پھر کارڈ کھولا تو اس کی بھوری آنکھوں میں ستائش ابھری۔

"بہت خوب صورت کارڈز ہیں۔ تھینک یو ایش۔ تم نے میرے کہے بغیر سارا انتظام اپنے سر لے لیا۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو کاکا۔ تمہیں باہر سیٹل ہونے کے لیے رقم چاہیے تھی۔ اتنے سالوں سے اتنی بڑی آرٹ گیلری کی مالک رہی ہو' اب اس سارے آرٹ کو فروخت کرنے لگی ہو تو اونے پونے داموں تو نہیں بیچنے دوں گا نا اس سب کو۔ ایک دنیا شریک ہوگی اس میں۔"

"زبردست۔ نیلامی کی رقم کا ایک چوتھائی چیریٹی میں جائے گا اور اسی چیز کو بنیاد بنا کے ہم اس کی تشہیر کریں گے۔" وہ جوش سے بتا رہی تھی۔ پھر جیسے یاد آیا۔ "جمعرات کی سہ پہر وہ کوبتی امیر میری گیلری آئیں گے۔"

"کون سے کویتی؟"

"تم اور فاتح ایک جیسے ہو۔ بار بار بھول جاتے ہو۔ میں نے بتایا تھا نا کہ ایک کویتی امیر ہمیں نیلامی کے لیے ایک نادر پینٹنگ کا عطیہ دے رہے ہیں۔ اسپائلم کی پینٹنگ "گھائل غزال" (زخمی ہرن)۔ وہ ایک مشہور آرٹ کلیکٹر ہیں اور جس وقت وہ گیلری آئیں۔ تمہیں وہاں ہونا ہے لازمی۔ سیاست دانوں کی بیویوں کو لوگ عطیہ صرف سیاست دان سے تعلقات بنانے کے لیے دیتے ہیں۔ ان کا کوئی کام وغیرہ ہو تو تم کر دینا۔ فاتح سے تو مجھے امید نہیں ہے۔" وہ بے رخی سے کہہ کے کارڈ کو دیکھ رہی تھی۔

"شیور' مگر پینٹنگ کو کسی ایکسپرٹ سے چیک ضرور کروانا۔ نقلی نہ نکلے۔"

"ظاہر ہے' کرواؤں گی۔ ایسے ہی تو نیلامی پہ نہیں رکھ دوں گی نا۔ میری کریڈیبلٹی کا سوال ہے۔" وہ اب کارڈز واپس ڈال رہی تھی۔ اشعر نے ایک نظر کھڑکیوں کو دیکھا جن پہ ٹپ ٹپ قطرے برس رہے تھے اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلتا ہوں کاکا۔ آج بہت کام ہیں۔"

عصرہ نے چہرہ اٹھا کے محبت بھری نظروں سے اشعر کو دیکھا۔ "تم شادی کر لو اشعر۔"

"شادی!" اس نے بھنویں اکٹھی کیں۔ جیسے اچانک اس ذکر پہ حیرت ہوئی ہو۔

"ہاں ایش۔۔۔ کسی اعلا خاندان کی خوب صورت لڑکی سے شادی کر لو۔ ملے زیا کے لوگوں کو کیا اچھا لگتا ہے؟ ان کے لیڈر کی ایک مثالی' خوب صورت بیوی اور دو بچے ہوں۔ پرفیکٹ فیملی۔ تمہاری ریٹنگ بھی اوپر جائے گی اور شہرت بھی بڑھے گی۔"

"ہوں۔" وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔ "مگر کاکا اتنی پرفیکٹ لڑکی کہاں ملے گی؟"

"جیسے تمہارے حلقۂ احباب اور عادتوں کو میں تو جانتی ہی نہیں۔ جاؤ' ڈھونڈو کوئی۔" عصرہ نے ہاتھ جھلا کے اسے ہلکا سا جھاڑ دیا اور کارڈز کی طرف متوجہ ہو گئی۔ ایش ہنس دیا۔ پھر اپنی کالی آنکھوں سے اطراف کا عمیق جائزہ لیا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

کے ایل کے ایک دوسرے رہائشی علاقے میں آؤ تو یہاں تنکو کامل کے گھر میں بھی صبح ہو چکی تھی۔ بارش یہاں بھی تڑا تڑ برس رہی تھی۔ لاؤنج کی کھڑکیوں سے بھیگتا لان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ مسز شیلا صوفے پہ بیٹھی' دل گرفتی سے سامنے بیٹھی تالیہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"وہ ایسے تمہاری شادی کیسے کرسکتے ہیں؟"

تالیہ نے گلابی متورم آنکھیں اٹھائیں۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھی' سیاہ بال کس کے باندھ رکھے تھے اور چہرے پہ اداسی تھی۔ "سر نے جو پیسے مجھے دیے تھے اور جو اس آدمی نے دیے تھے' وہ میں نے اپنے والد کو بھجوائے۔ مجھے لگا تھا وہ خوش ہوں گے' مگر ان کو لگتا ہے کہ میں غلط کاموں میں پڑ گئی ہوں' اس لیے انہوں نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے اور مجھے واپس بلا لیا ہے۔" آنکھیں بھیگنے لگیں "مگر میں غلط کاموں میں تو نہیں پڑی تھی نا میم۔ تالیہ نے تو وہی کیا جو مسٹر کامل نے کہا تھا۔ تالیہ نے تو چوری نہیں کی تھی نا میم۔" آنسو اس کی آنکھ سے ٹپکا اور گلابی گال پہ لڑھک گیا۔

"میں تمہارا دکھ سمجھ سکتی ہوں تالیہ۔" شیلا نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا۔ "میری ماں نے بھی میری بہن کے ساتھ یہ کیا تھا۔ آہ ہم ایشیائی عورتیں۔ میں تو اس وجہ سے ماں کو کبھی معاف نہیں کر سکی۔"

تالیہ چونکی۔ "مگر آپ کو تو اپنی والدہ سے بہت محبت تھی نا۔ آپ نے بتایا تھا کہ انہوں نے آپ کو ایک تاج دیا تھا جو آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی کے لیے سنبھال رکھا ہے۔"

"کون سی محبت؟ ہونہہ۔ سوتیلی ماں تھی وہ ہماری۔ اس کا دیا زیور بھی پہننے کو دل نہیں چاہتا میرا۔ قیمتی نہ ہوتا تو سنبھال کر نہ رکھتی۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا تو تالیہ کا منہ کھل گیا۔ ایک بے بس سی نظر اوپر ڈالی۔ جہاں اسٹڈی کے لاکر میں وہ اس تاج کو ان پہ رحم کھا کے چھوڑ آئی تھی۔ (اف اف۔۔۔ کاش خواہ مخواہ انسانیت کے چکر میں نہ پڑی ہوتی۔ ہائے۔ وہ کتنا پیارا اور قیمتی تھا۔ کاش موٹی کی بات سن لی ہوتی۔)

"میں چلتی ہوں میم اور اگر آپ لوگ کبھی لاہور آئیں تو میرے پاس ضرور آیئے گا۔ ہم لاہور کے لوگ بہت پیارے ۔۔۔ ہیں۔ کھلے دل کے' مہمان نواز اور کھاتے پیتے سے۔" وہ بادل نخواستہ کہتی چھتری اٹھائے اٹھی تو وہ بھی کھڑی ہو گئیں۔

"ان شاء اللہ کیوں نہیں۔" وہ مسکرا کے بولیں پھر پرس کھولا۔ "اپنی باقی تنخواہ لیتی جاؤ۔"

"نہیں میم۔۔۔ سر نے اتنا کچھ دے دیا ہے' میں اب مزید کچھ نہیں لوں گی۔" وہ فوراً" پیچھے ہٹ گئی۔ اور سختی سے گردن دائیں بائیں ہلائی۔ انہوں نے زبردستی تھمانے چاہے تو تالیہ نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ "نہیں میم! یہ میں نہیں لوں گی۔"

"اچھا میں کچھ اور کر سکتی ہوں تمہارے لیے؟" وہ خلوص سے پوچھ رہی تھیں۔ تالیہ نے بدقت اپنے خفا جذبات کو چہرے پہ آنے سے روکا۔ (ماں کے زیور کے قصے کیوں سنائے تھے آخر پھر؟ اف تالیہ تم نے وہ کیوں چھوڑ دیا؟) "بس دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔"

"کیوں نہیں تالیہ۔ اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ تم اتنی اچھی' صاف اور سچے دل کی مالک جو ہو۔"

باہر ایک دم زور سے بجلی کڑکی۔ بارش کی بوچھاڑ تیز ہوئی۔ تالیہ کی آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ سیاہ تاریک مایوس سا سایہ۔ دل ایسے ڈوبا۔۔۔ جیسے نیلے سمندر میں ٹوٹا ہوا جہاز ڈوب جاتا ہے۔۔۔

(اللہ تعالیٰ اس بات سے اتفاق نہیں کرے گا' مسز شیلا۔۔۔ مگر خیر۔۔۔) اس نے سر جھٹک دیا۔ ہمیشہ کی طرح گلٹ کو بھی جھٹک دیا۔

مسز شیلا اب پرس واپس رکھ کے اسے وقت رخصت کی دعائیں دے رہی تھیں۔ بارش ویسے ہی برس رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ گھر آئی تو دروازہ کھلا تھا۔ داتن پھیل کے لاؤنج کے مرکزی صوفے پہ براجمان تھی۔ ٹی وی چل رہا تھا اور وہ آلو

کے گرما گرم چپس کھا رہی تھی۔ تالیہ نے سامنے آتے ہوئے آنکھیں چھوٹی کرکے اسے دیکھا۔

"اتنے سارے چپس۔۔۔" ایک مشکوک نظر اوپن کچن کاؤنٹر پہ ڈالی۔ "اور اتنے سارے جھوٹے برتن ظاہر کر رہے ہیں کہ تم کب سے بیٹھی بس کھا ہی رہی ہو۔ یقیناً" رات دیر تک جاگتی رہی تھیں۔۔۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے سامنے پھیلے بکھراوے کو دیکھنے لگی۔ کاغذات 'لیپ ٹاپ' کتابیں۔ "یہ کام تو تم نے صبح اٹھ کے میرے جانے کے بعد شروع کیا ہوگا' پھر رات بھر جاگ کے کمپیوٹر پہ کیا کرتی رہی تھیں؟"

"مجھے سوچنے دو۔ ہوں۔" تالیہ نے انگلی سے گال پہ دستک دی اور اوپر چھت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"جب داتن ساری رات کمپیوٹر پہ بیٹھے اور اتنا کھائے اور صبح اس کے چہرے پہ یہ پچھتاوے بھری خاموشی ہو تو اس کا ایک ہی مطلب ہوتا ہے کہ تم رات بھر گوگل پہ دبلے ہونے کے طریقے دیکھتی رہی تھیں۔"

داتن جو ناک پہ عینک جمائے اسکرین کو دیکھ رہی تھی' اس بات پہ نظریں اٹھاکے اسے گھورا۔ "اور تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا؟"

"تمہاری آنکھوں کے گرد لکیروں میں لکھا ہے' اولڈ لیڈی۔"

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔ تم نے صبح میرے لیپ ٹاپ کی ہسٹری چیک کی ہوگی۔"

"ظاہر ہے میں نے ہسٹری چیک کی تھی۔" وہ کھلکھلا کے ہنس دی اور اس کے ساتھ صوفے پہ آبیٹھی۔ پیروں کو قینچی بنا کے میز پہ رکھ لیے۔ "اتنا ہلکان نہ ہوا کرو داتن۔ تم اب دبلی نہیں ہو سکتیں۔"

"دبلا ہونے کے لیے عمر کی شرط نہیں ہے۔ انسان کسی بھی عمر میں دبلا ہو سکتا ہے۔"

"انسان ہو سکتا ہے نا۔ برائلر مرغیاں نہیں۔" وہ کہہ کے زور سے ہنسی۔ "ویسے دیکھا ہے تم نے کبھی کسی مرغی کو ڈائٹنگ کرتے؟ سوپ اور ابلی سبزیاں کھاتے؟ نہیں نا۔"

داتن نے خفگی سے ناک سکیڑی اور اسے وزدیدہ نظروں سے دیکھا۔ "بہت خوش نظر آرہی ہو۔ خیر ہے؟"

"ہاں نا۔ تنکو کامل کے گھر سے استعفیٰ دے آئی ہوں۔ بقایا تنخواہ بھی ان کو صدقہ کر آئی ہوں۔ جلد ان کو اس کی ضرورت پڑے گی۔ چچ چچ۔" افسوس سے سر ہلایا۔ اپنی انسانیت کا نتیجہ گول کر گئی۔ "خیر۔ اب ہم فاتح رامزل پہ کام کرنا شروع کریں گے۔ میں فریش ہو کے آتی ہوں اور پلان بتاتی ہوں۔"

کہہ کے اس نے پیر نیچے اتارے اور جھک کے جوتے کھولنے لگی۔ چونکہ تالیہ کے بال جوڑے میں بندھے تھے۔ گردن کی پشت پہ گول سا جلنے کا نشان دکھائی دے رہا تھا۔ داتن اس کو دیکھے گئی' پھر موبائل نکالا اور ہاتھ اونچا کرکے اس نشان کی تصویر لی۔

"کیا کر رہی ہو؟ میری جیسی دبلی تم اگلی دس زندگیوں میں بھی نہیں ہو سکتیں۔" تالیہ جوتے پہنتے سیدھی ہوئی' اسے چڑانے کو بولی اور سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ داتن نے کچھ نہیں کہا۔ بس اسکرین کو زوم کر کے اس نشان کو غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی سیاہ موٹی موٹی آنکھوں میں اچنبھا سا تھا۔ اس نے تصویر موبائل سے لیپ ٹاپ میں ڈالی' اس کا پرنٹ آؤٹ نکالا اور پھر اس کاغذ کو تہ کرکے اپنے پرس میں رکھ لیا۔

وہ فریش ہو کر آئی تو داتن اس تصویر لینے کا ہر نشان مٹا چکی تھی۔ تالیہ نے گیلے سیاہ بال تولیے میں لپیٹ رکھے تھے اور پیروں میں سلیپر زیب تن رکھے تھے۔ وہ سامنے والے صوفے پہ آلتی پالتی کر کے بیٹھی اور بولی۔

"تو ہم کیا جانتے ہیں فاتح رامزل کے بارے میں؟"

☆ ☆ ☆

(فاتح رامزل جس کے نام کے ساتھ دان لگتا ہے۔ اور تم جانتی ہو تالیہ! کہ دان ملائیشیا میں ان لوگوں کے ناموں

کے ساتھ لگتا ہے جو اوپر سے شاہی خاندان میں سے تھے مگر پھر کسی ایک نے کسی عام آدمی سے شادی کرلی تو ان کی نسل میں ملاوٹ ہو گئی۔)

کے ایل کی سڑک پہ وہ سیاہ لمبی کار دوڑ رہی تھی اور پچھلی سیٹ پہ بیٹھا فاتح کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں پر سوچ انداز میں چھوٹی کر رکھی تھیں اور مسلسل ٹھوڑی کو انگوٹھے سے رگڑ رہا تھا۔ اگلی نشست پہ تابعداری سے بیٹھا ایڈم گاہے بگاہے آئینے میں اپنے مالک کو دیکھ لیتا تھا۔ عارضی مالک کو۔ اس نے سوچ کی تصحیح کی۔

(فاتح کم عمری میں اپنے والدین کے ساتھ امریکا چلا گیا تھا۔ اس کو وہاں کی شہریت بھی مل گئی مگر وہ کبھی ملک سے کٹا نہیں۔ چھٹیوں میں تہواروں پہ وہ کے ایل آجاتا تھا۔ لوگ کہتے ہیں وہ وہاں کالج میں کافی مقبول تھا۔)

"یوں کرو کار موڑلو۔" کھڑکی سے نظر ہٹائے بغیر فاتح نے ڈرائیور کو مخاطب کیا تو وہ چونکا۔

"سر! ہم پارلیمنٹ نہیں جا رہے؟" اس کے وقت کا ایک ایک منٹ ڈائری میں لکھا ہوتا تھا۔ ایسے میں یہ تبدیلی؟

"شمس کے گھر کی طرف لے چلو۔"

"مگر سر! کیا آج آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟" ڈرائیور نے فکر مندی سے پوچھا۔

"راستے سے پھول بھی لیتے چلو۔ شمس بیمار ہے کچھ عرصے سے۔"

"اوکے سر۔ میں پولیٹیکل سیکریٹری کو انفارم کر دوں کہ آپ سیشن اٹینڈ نہیں کریں گے؟" ایڈم نے جلدی سے فون نکالا۔ سیکریٹری دوسری کار میں آرہا تھا۔

"گلاب مت لینا۔ شمس کو اس سے الرجی ہے۔ کچھ اور لینا۔" وہ کھڑکی سے باہر دور نظر آتی اونچی عمارتوں پہ نظریں جمائے بولا تھا۔ ایڈم گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اتنا تو وہ پچھلے تیس گھنٹوں میں سمجھ چکا تھا کہ اس کا عارضی مالک باتیں کا سیدھا جواب نہیں دیتا۔

(فاتح نے دو دفعہ اسٹیٹ اٹارنی کا الیکشن لڑا اور دونوں دفعہ ریاست کے لوگوں نے اسے منتخب کر کے آفس میں پہنچایا۔ وہ امریکا میں کافی مقبول تھا۔ اس کا ریکارڈ شاندار تھا۔ ایمان دار آدمی' سچا اور کھرا' مگر وہ سب چھوڑ کے ملائیشیا واپس آیا اور یہاں کی سیاست میں حصہ لینا شروع کیا۔)

کار اب بھی سڑک پہ دوڑ رہی تھی اور وہ ہنوز باہر دیکھتے ہوئے کچھ سوچے جا رہا تھا۔ ڈرائیور اور باڈی مین اپنے اپنے فونز پہ لگے تھے۔ سیکریٹری کو اطلاع' شمس صاحب کے آفس میں اطلاع.... پروٹوکول.... سیکیورٹی انتظامات.... افراتفری سی مچ گئی تھی۔

(وہ دو دفعہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا ہے اور ان دس سالوں میں اس نے اپنے حلقے کے لیے بہت کچھ کیا ہے۔ اس نے علاقے کو صاف کیا' وہاں بہترین اسکولز بنوائے' بہترین اسپتالوں کا نظام لایا' سیکیورٹی بہتر کی۔ لوگ اس سے خوش ہیں۔ اگر کوئی نہیں خوش تو اس کی اپنی پارٹی ہے۔)

کار اب ایک پھولوں کی دکان کے سامنے رکی ہوئی تھی۔ وہ ابھی تک باہر دیکھتے ہوئے گہری سوچ میں گم تھا۔ جیب میں رکھا موبائل وقفے وقفے سے تھرتھراتا تھا' مگر وہ ادھر متوجہ نہیں تھا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

(اس کی صاف گوئی نے جہاں بہت سے دوستوں کو ناراض کیا وہاں حد سے زیادہ بے نیازی' امیر lobbyists (مخصوص سوچ والے لوگ) کو اس سے دور کر کے اشعر کے قریب لے گئی۔ اشعر اس کی بیوی کا بھائی ہے۔ میٹھی چھری جیسا۔ ہر وقت ہنستا مسکراتا ہوا ایک نمبر کا دوغلا اور پرعزم ambitious ' جاہ طلب انسان۔ اشعر نے اپنے آبنگ کے نام پہ لوگوں سے قرضے لیے' فیور زمانگے۔ یہ نہیں کہ فاتح ان کو ادا کرے گا' بلکہ یہ کہ اس طرح میں آپ کو فاتح سے قریب کر دوں گا۔ اشعر امیر ہوتا گیا اور فاتح کی جمع پونجی کم ہوتی گئی۔

سیاست بہت مہنگا شوق ہے اور اس کی بیوی کا کام بھی اس سے متاثر ہوا ہے۔ اوپر اوپر سے لگژری لائف اسٹائل کا ملمع تو ہے مگر اندر سے ان کے پاس کچھ نہیں بچا مگر وان فاتح کو اس کی پرواہی نہیں ہے۔)
کار پھر سے چل پڑی تھی۔ پھول ایڈم نے ڈیش بورڈ پہ رکھ دیے تھے اور ان کی خوشبو نے ساری کار کو مہکا دیا تھا۔ ایسی دلفریب خوشبو کہ طبیعت خوش ہو جائے۔ ایڈم کا موڈ بھی ایک دم کافی خوش ہو گیا۔
(وہ ایک خواب میں جی رہا ہے تالیہ! ایک آئیڈیلزم میں۔ لوگ کہتے ہیں اسے سیاست نہیں آتی۔ اسے عیاریاں نہیں آتیں۔ وہ عوام کے ووٹ کے بھروسے پہ وزیر اعظم بننے کے لیے پر یقین اور پر امید ہے مگر اسے اتنا بھی احساس نہیں کہ ملے زیا (ملائشیا) میں جمہور کی حمایت کافی نہیں۔ امیر دوست زیادہ ضروری ہیں۔)
گاڑیوں کا قافلہ ایک بنگلے کے باہر پہنچا تو خود کار گیٹ کھل کے دیوار میں گھستا گیا۔ کار طویل ڈرائیو وے پہ آگے بڑھتی آئی۔
(فاتح ایک سادہ آدمی ہے۔ مغرور بھی ہے مگر ہر ایک پہ اعتبار کر لیتا ہے۔ سب کو اپنے جیسا سچا سمجھتا ہے۔ اس کے دوست اشعر کے ساتھ ملتے جا رہے ہیں۔ دباؤ بڑھ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ فاتح رامزل اپنے خواب سے دست بردار ہوتا ہے یا نہیں۔)
ایڈم جھٹ کار سے نکلا اور فاتح کا دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر وہ فاتح نے دروازہ خود ہی کھولا اور کوٹ کا بٹن بند کرتے باہر نکلا۔

☼ ☼ ☼

باہر نکل کے فاتح رامزل نے گردن اٹھا کے اس اونچے گھر کو دیکھا۔ بارش اب تھم چکی تھی۔ سیاہ بادل غائب ہو رہے تھے۔
"تم لوگ یہیں رکو۔" اس نے بے نیازی سے تمام ملازموں کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جو ساتھ آ رہے تھے۔ سب رک گئے اور سمجھ کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے۔ فاتح گھر کے برآمدے کی طرف بڑھا۔ جہاں شمس کے ملازم اس کو اندر لے جانے کے لیے مستعد کھڑے تھے۔ پھر وہ ٹھہرا اور گردن موڑ کے سوالیہ نظروں سے ایڈم کو دیکھا جو ساتھ چلا آ رہا تھا۔
"مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ یہیں رکو۔"
"سوری سر! مگر آپ کو صبح سے فلو کی شکایت ہے' آپ کو بار بار ٹشو کی ضرورت ہو گی جو میں ساتھ لایا ہوں اور آپ کو کسی دوسرے کے ملازم کے ٹشو پہ نہیں چھوڑ سکتا۔ مجھے آپ کے ساتھ آنا ہو گا۔"
فاتح نے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے ایک ابرو اٹھائی۔ "تم مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"
"نہیں سر۔ میں نے آج صبح ہی یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ سچائی اور ایمان داری سے کام کروں گا' کیونکہ میں آپ کے ملازموں میں وہ واحد مخلص ہوں جس کو آپ سے کچھ نہیں چاہیے۔" وہ سادگی سے مسکرایا۔
"واقعی؟" (تمام ملازمین' سیکریٹری' سب ایڈم کو گھور رہے تھے' مگر وہ نڈر سا بولے جا رہا تھا۔)
"سر! میری نوکری ویسے بھی چند دن میں ختم ہو جائے گی اور آپ کبھی کسی کی سفارش نہیں کرتے' سو مجھے آپ سے کچھ نہیں ملنے والا۔ کل رات تک میرے دل میں لالچ تھا' اس لیے میں نے جھوٹ بولا تھا کہ میں نے کسی کو ووٹ نہیں دیا۔ میں نے آپ کے مخالف امیدوار کو ووٹ دیا تھا سر' حکمراں پارٹی کو۔ اپنے موجودہ وزیر اعظم کو مگر اب مجھے خوف نہیں ہے سر۔ سچ بولنے والے انسانوں کی ناراضی سے ڈرتے نہیں ہیں۔ اس لیے سوری' مگر میں

آپ کو اکیلے اندر نہیں جانے دے سکتا۔ جب کہ آپ کو فلو ہے۔"
فاتح ہلکا سا مسکرایا اور آنکھیں چھوٹی کر کے اسے دیکھا۔ "تم واقعی مجھے متاثر کرنے کی کوشش کر رہے ہو۔"
اور آگے بڑھ گیا۔ ایڈم مستعدی سے پیچھے لپکا۔ سیکریٹری نے تادیبی انداز میں پکارا' ڈرائیور نے گھورا' مگر چونکہ فاتح نے منع نہیں کیا' اس لیے وہ رکا نہیں۔

کچھ دیر بعد وہ لوگ ایک خوب صورتی سے سجائے گئے شاہانہ طرز کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ اونچی کھڑکیاں' سنہری پردے اور سفید مخملیں صوفے۔ جیسے کراچی کا کوئی بنگلہ ہو۔ شمس صاحب چینی نقوش کے حامل ادھیڑ عمر انسان تھے۔ ان کے سامنے فاتح رامزل براجمان تھا۔ ہاتھ صوفے کی پشت پہ پھیلائے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔ ایڈم پیچھے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ٹشو کا پیکٹ تھا۔

"تمہیں کچھ پریشان کر رہا ہے فاتح؟" شمس صاحب تفکر سے اس کا چہرہ دیکھ کے بولے تھے۔

"میں ایک دوراہے پہ کھڑا ہوں۔ کراس روڈز پہ۔ سامنے تین سڑکیں ہیں۔ فیصلہ نہیں کرپا رہا کہ کون سی لوں۔" بات کے اختتام پہ وہ جھکا اور میز پہ رکھے ٹشو باکس سے تین ٹشو کھینچے۔ (ایڈم کا منہ کھل گیا۔) "تمہارے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ اپنا ذہن کلیئر کرسکوں۔"

"مجھے خوشی ہے کہ تم نے ہر برے وقت میں مجھے یاد رکھا ہے اور مجھ پہ بھروسا کیا ہے۔"

"میں کسی برے وقت میں نہیں ہوں شمس۔" تہ شدہ ٹشو سے ناک رگڑتے اس نے کندھے ذرا سے اچکائے تھے۔ ایڈم نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ٹشو کا پیکٹ پکڑا ہاتھ پہلو میں ڈھیلا سا گر گیا۔

"اگر مجھ پہ بھروسا کیا ہی ہے تو میری رائے کو تحمل سے سنو۔ تم اچھے وقت میں بھی نہیں ہو فاتح۔ لوگ تم سے ہاتھ کھینچ رہے ہیں۔"

"ایلش چاہتا ہے میں چیئرمین شپ کے الیکشن سے دست بردار ہو جاؤں۔ عصرہ چاہتی ہے کہ ہم امریکا چلے جائیں۔"

"یہ سراسر ظلم ہے۔" شمس صاحب کے چہرے پہ غصہ نظر آنے لگا۔ "چیئرمین بننے کا اگر یہ درست وقت نہیں ہے تو وہ الگ بات ہے' لیکن ملک چھوڑنا۔ اپنی سیاست چھوڑ کے کسی lounge lizard کی طرح ریٹائرمنٹ گزارنا۔ یہ تمہاری شان کے خلاف ہے۔"

فاتح نے اسی سادگی سے دوسرا ٹشو تہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"سیاست درمیانی راستے کا نام ہے۔ مفاہمت کا۔ بات چیت سے مسائل حل کرنے کا۔" وہ سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔ وہ ٹشو مٹھی میں دبائے آنکھیں چھوٹی کر کے ان کو غور سے دیکھتا رہا۔

"تم کچھ اپنی منواؤ۔ کچھ اس کی مانو۔ چیئرمین شپ چھوڑ دو' مگر کسی ایک ریاست کی حکومت مانگ لو۔ ایلش وزیر اعظم بن کے ایک ریاست تمہارے حوالے کر دے' تم اس شرط پہ ایلش سے ڈیل کر لو۔"

"واقعی؟" فاتح نے سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"یہ بہترین آپشن ہے۔ پانچ سال تم اس ریاست کے حاکم بن کے خود کو مزید مضبوط کرو۔ پانچ سال بعد تم چیئرمین شپ کا الیکشن لڑو اور وزیر اعظم بننے کی کوشش کرو۔"

"صحیح۔ میں اس بارے میں سوچوں گا۔" اس نے سر کو آہستہ سے ہلایا اور کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی' پھر ٹانگ سے ٹانگ ہٹائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔ شمس صاحب بھی ساتھ ہی اٹھے۔

"اب اجازت۔ عصرہ کی نیلامی پہ ملاقات ہوگی ان شاء اللہ۔"

"اچھا کوئی ایونٹ ہو رہا ہے مسز عصرہ کا۔ اللہ برکت دے۔"

"ہاں ایش ارینج کروا رہا ہے۔" وہ مصافحہ کرکے آگے بڑھ گیا۔ ڈرائنگ روم سے نکل کر وہ لابی تک آئے تو درمیانی میز پہ پھولوں کی ٹوکری رکھی تھی۔ ایڈم نے گزرتے ہوئے یوں ہی نظر گھمائی تو چونکا۔

ٹوکری میں ایک سرخ اور گلابی کارڈ کا کونا جھلک رہا تھا۔ ذہن میں جھماکا ہوا۔ (ڈلیٹ نائٹ کارڈز آئے تھے' صبح صبح سب سے پہلے ادھر ہی آیا")۔

کسی خواب کی سی کیفیت میں ایڈم سیدھا ہوا' پھر آگے دیکھا۔ فاتح موبائل پہ بٹن دباتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ ایڈم شل سا پیچھے آیا۔ اس کا دماغ سن ہو رہا تھا' مگر اسے خود پہ قابو پاکر گاڑی میں بیٹھنا تھا۔

گیٹ پہ کھڑے ہو کر شمس صاحب نے فاتح کی کار کو الوداعی ہاتھ ہلایا اور جب تمام گاڑیاں نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو انہوں نے موبائل نکالا اور اسپیڈ ڈائل پہ ایک نمبر ملا کے فون کان سے لگایا' پھر ایک ہاتھ کمر پہ جمائے تھنٹی سننے لگے۔

"ایش!" رابطہ ملنے پہ انہوں نے گہری سانس لی۔ "تم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ سب سے پہلے میرے پاس آیا ہے۔ ہاں بے فکر رہو' میں نے وہی کہا ہے جو تم نے بولا تھا۔ ایک ریاست کی حاکمیت اور بس۔" دوسری طرف سے کچھ کہا گیا تو وہ سوچتے ہوئے بولے۔ "کچھ کہہ نہیں سکتا' مگر وہ دست برداری کے لیے نیم رضامند لگتا ہے۔ نہیں نہیں' اس کو مجھ پہ شک نہیں ہو گا' وہ مجھ پہ اعتبار کرتا ہے۔" وہ اب بولتے ہوئے اندر کی طرف مڑ گئے تھے۔ آواز ہلکی ہوتی جا رہی تھی۔

چند کلو میٹر دور۔۔۔ اپنے آفس فلور کے کارنر آفس میں اشعر پاور سیٹ سنبھالے بیٹھا تھا۔ ٹیک لگائے وہ فون کان پہ جمائے مسکرا کے سن رہا تھا۔

"گڈ۔ مجھ معلوم تھا کہ وہ کبھی بھی امریکا نہیں جائے گا۔ ہم نے اس کو موت دکھا کے بخار پہ راضی کرنا ہے۔ وہ مجھ سے جلد ہی ایک ریاست کی بات کرے گا اور میں اس کا مان رکھ لوں گا۔ وہ سمجھے گا' سارا آئیڈیا اسی کا ہے۔"

کال بند کرکے اس نے اپنے چیف آف اسٹاف کو بلایا۔ جیسے ہی وہ اندر آیا اس نے دیکھا کہ اشعر سنجیدہ سپاٹ سا بیٹھا ہے۔ چہرے پہ بے رحمی بھری سختی اور ماتھے پہ بل ہیں۔

"عرب امیر زادے کا بندوبست کر لیا ہے؟" اس نے سرد آواز میں پوچھا۔

"یس سر! سارے کاغذات پکے ہیں۔ مسز عصرہ کو شک بھی نہیں ہو گا کہ جس عرب امیر سے وہ ملنے جا رہی ہیں' وہ ایک اداکار ہے۔"

"اور پینٹنگ؟"

"اسی شیخ کے ملازم سے ان کے گھر سے اٹھوائی ہے' لیکن اصل شیخ صاحب اس کو مس نہیں کریں گے کیونکہ چند سال قبل جب زخمی ہرن کی پینٹنگ چوری ہوئی تھی تو چور ہمیشہ کی طرح ایک نقلی پینٹنگ چھوڑ گئے تھے۔ بہت مہارت سے بنائی گئی ہے وہ۔ شیخ صاحب نے غصے سے اس کو اسٹور میں پھنکوا دیا تھا۔"

"اور ایکسپرٹ؟"

"دو ایکسپرٹس کا بندوبست کر لیا ہے جو پینٹنگ کی تصدیق کریں گے اور مسز عصرہ کو بتائیں گے کہ وہ اصلی ہے۔ مسز عصرہ کے اپنے ایکسپرٹ کو عین موقعے پہ ملک سے بھیجنے کا بندوبست بھی کر لیا ہے۔ مسز عصرہ گیلری اونر ہیں' ایکسپرٹ نہیں۔ وہ دھوکا کھا جائیں گی۔"

"گڈ۔" اشعر پہلی دفعہ مسکرایا۔ "نیلامی پہ جب پینٹنگ مہنگے داموں بک جائے گی تو عین وقت پہ باہر سے آیا ایک مشہور ایکسپرٹ اس کا معائنہ کرے گا اور میڈیا کے سامنے یہ آشکار کرے گا کہ مسز عصرہ فاتح جعلی پینٹنگ چیریٹی کے نام پہ بیچ رہی تھیں۔ فاتح بھائی کو ذمہ داری قبول کرکے پارلیمنٹ کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑے گا۔

چچ چچ۔“

”بہت بدنامی ہوگی سر۔“ منیجر کے الفاظ میں افسوس تھا۔ پھر وہ ہچکچایا۔ ”مگر سر.... آپ مسز عصو کے بھائی ہیں۔“

”غلط!“ اس نے سپاٹ لہجے میں بات کاٹی۔ ”میں صرف مالے زیا (ملائیشیا) کی وزارت عظمیٰ کا امیدوار ہوں! یہ تخت کا معاملہ ہے عرفان۔ اور تخت کے لیے بیٹے اپنے باپ کو اور باپ بیٹوں کو مار دیا کرتے ہیں۔ ہم ملے زیا کا تخت ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں نہیں دے سکتے جو دس پندرہ سال پہلے ملے زیا آیا تھا۔ اس ملک میں ساری عمر ہم نے گزاری ہے۔ اس کو ایشین ٹائیگر بنتے ہم نے دیکھا ہے۔ اس کے وارث ہم ہی ہیں۔“ اس نے سختی سے ہاتھ جھلایا گویا جانے کا اشارہ کیا۔

”جی سر!“ منیجر نے جلدی سے بات ختم کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

☆ ☆ ☆

کوالالمپور پہ چھائے سرمئی بادلوں کو سورج نے دونوں ہاتھوں سے دائیں بائیں دھکیل کر اپنے جھانکنے کا راستہ بنالیا تھا۔ بارش ختم ہوگئی تھی اور سنہری دن نکل آیا تھا۔ ایسے میں شہر کا ایک مشہور و معروف کنونشن سینٹر جس کو پترا ورلڈ ٹریڈ سینٹر کہا جاتا تھا اپنی پوری آب و تاب سے کھڑا تھا۔ تکون عمارت جو سامنے سے شیشوں سے ڈھکی تھی اور اس کے اندر بڑے بڑے ہال بنے تھے جہاں کنونشن اور سیمینارز منعقد ہوتے تھے۔ ایک طرف شاپنگ مال تھا اور اوپر آفس بلڈنگز۔ بارسن نیشنل کا ہیڈ آفس اسی تکون عمارت کے اندر واقع تھا اور اس وقت فاتح رامزل آفس فلور کی لابی میں تیز تیز چلتا جارہا تھا۔ چار پانچ افراد بھی اس کی معیت میں قدم اٹھا رہے تھے۔ ایڈم بالکل خاموش تھا۔ ذہن کے پردے پہ بار بار نوکری سے جھانکتا کارڈ آتا تھا۔

فاتح رامزل اس سے چند قدم آگے تھا۔ سیکریٹری اور باڈی گارڈز کی موجودگی کے باعث وہ اس کے قریب نہیں جاپارہا تھا۔ اور پھر راستے میں اسے دیکھ کے رک رک جاتے لوگ.... جن کو وہ مسکرا کے 'ہاتھ ماتھے پہ لے جاکر سلام کہتا آگے بڑھتا جارہا تھا۔

”سر! مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ ایڈم نے پیچھے سے اسے پکارا' مگر فاتح نے اسے ایک نظر بھی نہیں دیکھا البتہ پولیٹیکل سیکریٹری ایڑیوں پہ گھوما اور غصے سے اسے گھورا۔

”ایڈم کچھ دیر بعد تم مجھ سے ملو مجھے لگتا ہے عبداللہ نے تمہیں مینرز سکھائے بغیر بھیج دیا ہے۔“

ایڈم خاموش ہوگیا۔ فاتح آفس میں چلا گیا تو وہ باہر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی پولیٹیکل سیکریٹری کسی کام سے باہر گیا وہ تیزی سے دستک دے کر آفس میں داخل ہوا۔ اندر بلائنڈز کھلے تھے۔ کمرہ روشنی میں نہایا ہوا لگتا تھا۔ فاتح نے کوٹ اتار کے اسٹینڈ پہ لٹکا دیا تھا اور خود پاور چیئر پہ بیٹھا' عینک لگائے چند کاغذات دیکھ رہا تھا۔ آہٹ پہ بھی متوجہ نہ ہوا۔

”سر!“ ایڈم سنجیدگی سے کہتا سامنے آیا۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ محتاط سا کن اکھیوں سے دروازے کو بھی دیکھ لیتا' کہیں سیکریٹری واپس نہ آجائے۔ ”کیا میں آپ سے ایک بات کہہ سکتا ہوں؟“

”میں نہیں جانتا' لوگ سوال پوچھنے کی اجازت کیوں طلب کرتے ہیں' جب کہ انہیں جواب میں صرف ہاں ہی سننا ہوتا ہے اور اجازت کی انہیں پروا نہیں ہوتی۔“ وہ اپنی ڈائری کے صفحے پلٹتے ہوئے مصروف انداز میں بولا تھا۔ اسے بہت سے کام کرنے تھے۔ وہ ملک کے مصروف ترین لوگوں میں سے تھا۔ ایڈم کا حلق سوکھنے لگا۔

”سر! آپ شمس صاحب کے پاس گئے اور ان سے اشعر صاحب کے بارے میں مشورہ طلب کیا۔“ وہ جلدی

جلدی کہنے لگا۔

فاتح اب سیل فون اٹھا کے کوئی چیز ڈائری کے صفحے سے ملا رہا تھا۔

"انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ آپ کے دوست ہیں اور یہ کہ انہیں مسز عصرو کے ایونٹ کے بارے میں معلوم نہیں ہے مگر اشعر صاحب نے صبح کہا تھا کہ وہ کارڈز سب سے پہلے آپ کی طرف لائے ہیں مگر ایک کارڈ شمس صاحب کے گھر بھی پڑا تھا۔ شمس صاحب کا گھر اشعر صاحب کے گھر کے قریب ہے۔ اگر وہ پہلے ان کو کارڈ دے کر آئے ہیں تو یقیناً" دونوں کی دوستی گہری اور فارملیٹیز سے پاک ہے۔"

مگر ایڈم کو لگا وہ سن نہیں رہا۔ اس کی ٹانگیں ہولے ہولے کانپنے لگیں۔

"مجھے لگتا ہے سر! آپ غلط آدمی پہ بھروسا کر کے اس سے مشورہ لے کر آئے ہیں۔ وہ آپ کے ساتھ مخلص نہیں ہیں۔"

فاتح کے چلتے ہاتھ رک گئے۔ اس نے نظریں اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر آنکھوں کو پرسوچ انداز میں چھوٹا کیا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟"

ایڈم کی چلتی زبان کو بریک لگا۔ "ایڈم بن محمد۔"

"ایڈم! رائٹ۔" اس نے سر ہلایا اور پھر ایڈم پہ ٹھنڈی نظریں جمائے پیچھے کو ٹیک لگائی اور عینک اتاری۔

"ایڈم! کسی گاؤں میں ایک آدمی کا قتل ہو گیا تو لوگوں نے شہر سے ایک ماہر سراغ رساں کو بلایا۔ اس نے موقع واردات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ مرنے والے کا کسی شادی شدہ عورت سے افیئر تھا۔ عورت کون تھی کوئی نہیں جانتا تھا۔ سراغ رساں سیدھا چرچ گیا اور پادری کے ساتھ اعترافی کمرے میں بیٹھ گیا۔ یو نو' ہمارے مسیحی بھائی جب گناہ کرتے ہیں تو پردے کے پیچھے وہ پادری کے سامنے اعتراف کر لیتے ہیں۔ سو اس نے پردے کے پیچھے پادری سے کہا کہ فادر۔ میں بہت گناہ گار ہوں' میرا ایک شادی شدہ عورت سے تعلق ہے۔"

ایڈم سانس روکے سن رہا تھا اور وہ اس پہ نظریں جمائے مدھم مسکراہٹ سے کہے جا رہا تھا۔

"پادری نے فوراً" پوچھا "کیا مسز جولیا سے؟" اس نے کہا "نہیں۔" پادری بولا "کیا مسز مارتھا سے؟" اس نے کہا "نہیں" تو پادری نے کہا۔ "پھر یقیناً" مسز باربرا ہوں گی۔" سراغ رساں وہاں سے نکل آیا۔ باہر کسی نے اس سے پوچھا کہ تم قتل کی تفتیش کے بجائے کیا کرتے پھر رہے ہو؟ تو اس نے کہا جب میں چرچ میں گیا تھا تو خالی ہاتھ تھا' اب جب کہ میں نکلا ہوں تو میرے پاس تین مشتبہ عورتوں کے نام ہیں!" آخر میں وہ ہلکا سا مسکرایا۔

ایڈم کا منہ کھل گیا۔ چند لمحے لگے اسے بات سمجھنے میں۔ "آپ جانتے تھے کہ وہ اشعر صاحب کے ساتھ ملے ہوئے ہیں' اس لیے آپ ان سے ملنے گئے تاکہ۔۔۔ تاکہ یہ جان سکیں کہ اشعر صاحب اصل میں کیا چاہتے ہیں۔ ان کی اینڈ گیم کیا ہے۔" فاتح نے جواب نہیں دیا' مگر اسی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ "تمہاری تسلی ہو گئی؟"

"میں۔۔۔ میں سمجھا کہ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔" وہ کہہ نہیں سکا کہ آپ بے وقوف ہیں۔ رعب سا رعب تھا جو اس کے وجود پہ طاری ہو رہا تھا۔ ٹانگیں ایک دفعہ پھر سے لرزنے لگی تھیں۔

"ایڈم!" وہ آگے کو جھکا اور ہاتھ باہم پھنسائے گردن اٹھائے اسے مسکرا کے دیکھا۔

"اگر تمہیں کبھی کسی انسان کی قابلیت کو ماپنا ہو تو پیمانہ اس جنگ کو نہ بنانا جو اس نے جیتی یا ہاری ہے بلکہ ہمارے کردار کا تعین تو وہ جنگیں کرتی ہیں جن کو لڑنے کی ہم ہمت کرتے ہیں۔ اگر تم جاننا چاہتے ہو کہ کوئی انسان کس مقام پہ کھڑا ہے تو دیکھو کہ اس کے خواب کیا ہیں۔ وہ کون سے مقاصد اور منزلیں پا لینا چاہتا ہے۔ انسان وہ ہوتا ہے جو اس کا سب سے بڑا خواب ہوتا ہے' بھلے وہ اس کو نہ بھی حاصل کر سکے اور اگر ایک آدمی کا خواب اس

ملک کے سب سے بڑے عہدے پر پہنچنا ہے اور اپنے ملک کو ایشیا کا لیڈر بنانا ہے' اور وہ شخص اس خواب کے لیے آخری حد تک کوشش بھی کر رہا ہے تو وہ کچھ بھی ہو سکتا ہے 'مگر بے وقوف نہیں۔"

ایڈم نے شل سے انداز میں سر ہلا دیا۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے تھے۔

"سب کہتے ہیں کہ آپ ہر ایک پر اعتبار کر لیتے ہیں۔"

"غلط نہیں کہتے۔"

"آپ نے مجھ سے ٹشو کیوں نہیں لیا سر؟ جب کہ آپ جانتے تھے کہ میں اسی کام کے لیے کھڑا تھا۔"

"ایڈم، تمہیں واقعی لگتا ہے کہ فاتح بن رامزل کسی پہ Depend "(انحصار) کر سکتا ہے!" حیرت بھری مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پھر سے عینک لگائی اور ڈائری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایڈم خاموشی سے باہر نکل گیا۔

وہ آج پہلی دفعہ فاتح رامزل سے ملا تھا اور اس کا دل ایک عجیب خوش گوار حیرت سے بھر گیا تھا مگر پھر۔ دل پہ ایک بوجھ سا آگرا۔ گیارہ دن میں یہ ڈیوٹی ختم ہو جائے گی اور وہ کبھی اس سے یوں نہیں مل سکے گا۔ صرف گیارہ دن تھے اس کے پاس ملک کے سب سے بڑے وزنری (حالم) سے کچھ سیکھنے کے لیے۔

ظاہر ہے 'ابھی وہ یہ تھوڑا ہی جانتا تھا کہ یہ گیارہ دن کبھی نہ ختم ہونے والے دن بننے جا رہے ہیں۔

اگلی دوپہر شہر پہ پھیلی تو تمام کے ایل سونے کے پانی میں نہا گیا اور گزشتہ روز کی بارش کی نمی کچھ دیر کے لیے کم ہو گئی۔ ایسے میں اس کالونی کے دونوں اطراف میں اونچے اونچے محل نما گھروں کی دو قطاریں بنی تھیں۔ تمام گھروں کے لان کشادہ تھے اور تین چار فٹ کی چھوٹی سی چار دیواری تھی۔ ان میں ایک فاتح رامزل کی رہائش گاہ بھی تھی جو چمکتے سورج تلے دمک رہی تھی۔

تھوڑے فاصلے پہ ایک درخت کی اوٹ میں ایک کار کھڑی تھی اور اس میں وہ دونوں بیٹھی نظر آ رہی تھیں۔ تالیہ نے سیاہ لباس اور سیاہ ٹوپی پہن رکھی تھی اور نظریں جھکائے دستانے ہاتھوں پہ چڑھا رہی تھی۔ داتن نے اسکارف چہرے کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ وہ بھدا سا کالا چشمہ لگائے ہوئے تھی۔ چہرہ موڑ کے تالیہ کی کارروائی دیکھتی رہی پھر رہ نہ سکی۔

"دن دیہاڑے چوری زیادہ خطرناک نہیں ہو گی تالیہ؟"

تالیہ نے سیاہ آنکھیں اٹھا کے اسے گھورا۔ "تم واقعی بوڑھی ہو رہی ہو' اس لیے بھول جاتی ہو کہ دنیا بھر میں ستر فیصد سے زائد چوریاں دن کے وقت ہوتی ہیں۔ ہم چور 'سیکیورٹی الارم یا کتوں سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا گھر والوں سے ڈرتے ہیں اور دوپہر میں سب عموماً "کام پہ ہوتے ہیں۔ خیر۔ سب تیاری مکمل ہے نا۔" اس نے دوسرا دستانہ پہنتے ہوئے کسی لیڈر کی طرح پوچھا۔

داتن نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "ہاں۔ کل میں نے ان کا گھر case (جائزہ) کر لیا تھا۔ دوپہر کے وقت یہاں صرف تین گارڈز ہوتے ہیں اور ایک ملازمہ۔ کچھ عرصہ پہلے مسز عصرہ نے بہت سے ملازم فارغ کیے تھے۔ باقی گارڈز فاتح صاحب یا عصرہ صاحبہ کے ساتھ جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ ان کا ہوم الارم سسٹم کون سا ہے۔"

"کاش تم ہیکر ہوتیں اور ہم اتنا تردد کرنے کے بجائے سیکیورٹی سسٹم کو صرف ہیک کر لیا کرتے۔"

اب کے داتن نے اسے گھورا۔ "اول تو یہ کہ ہیکر بننا آسان نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ اس کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ایک بچہ بھی کسی کا ہوم الارم بند کر سکتا ہے۔ چند فٹ کے فاصلے سے بھی میں اس عام سے جیمر کا ایک بٹن دباؤں گی اور ان کا الارم جام ہو جائے گا۔"

"اور سیکیورٹی کیمرے؟"

"وہ وائی فائی پہ ہیں۔ میں دوسرے جیمر سے وائی فائی بھی جام کر دوں گی۔ پھر میں دروازے پہ جا کے فاتح

رامزل کی ناراض ووٹر بن کے دھرنا دوں گی' چاروں ملازم اکٹھے ہوجائیں گے' اور مجھے بھگانے کی کوشش کریں گے۔ تم کونے سے دیوار پھلانگ کے اندر چلی جانا۔" پھر وہ ان گھروں کو دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھر کے بولی۔ "کیا تمہیں ان امیر لوگوں پہ ترس نہیں آتا تالیہ! جو یہ تک نہیں جانتے کہ ان کی سیکیورٹی کمپنیز ابھی تک نوے کی دہائی والی الارم ٹیکنالوجی استعمال کر رہی ہیں۔ یہ ان بے چاروں کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں یہاں ہر ایک کے گھر میں چوری کرنی چاہیے تاکہ ان کے الارم کی اصلیت کھل کے ان کے سامنے آجائے۔ یہ ان پہ کتنا بڑا احسان ہوگا نا۔"

یہ سن کر بھی تالیہ نہیں ہنسی۔ اس کا ذہن بٹا ہوا تھا۔ ٹوپی سے بال اچھی طرح ڈھکے اور گلاسز آنکھوں پہ چڑھائے۔ پھر کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ایک ایک لمحہ پلان کے مطابق استعمال کرنا تھا۔

"میں تیار ہوں۔ سگنل جام کرو۔"

"لیانہ صابری کا اس کالونی پہ پہلا احسان مگر یقیناً" یہ آخری نہیں ہوگا۔" لیانہ عرف داتن نے بہت فیاضی سے بٹن دبا دیا۔ تالیہ کی نظریں گھر کے گیٹ پہ جمی تھیں۔ جہاں سیکیورٹی گارڈ سیاہ سوٹ اور ٹائی میں ملبوس کھڑا فون پہ بات کر رہا تھا۔

"الارم' وائی فائی' سب ہوگئے جام۔ اب تم جا سکتی ہو۔ اور میں بھی۔" داتن دروازہ کھولنے لگی مگر تالیہ نے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ "ایک منٹ" اس کی چوکنی نظریں گارڈ پہ جمی تھیں۔

وہ کال کے دوران ایک دم فون کان سے ہٹا کر دیکھنے لگا' پھر جلدی سے اسے کان سے لگایا اور شاید الوداعی کلمات کہہ کر فون بند کیا۔ پھر اسکرین پہ انگلی پھیرتا اندر کو بھاگا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ گڑبڑ ہے داتن۔" وہ سانس روکے' بنا پلکیں جھپکے دیکھ رہی تھی۔ جیسے ہی وہ اندر غائب ہوا' گھر کا الارم بجنے لگا۔ اگلے ہی لمحے وہ گارڈ دوسرے دو گارڈز کے ہمراہ باہر آتا دکھائی دیا۔ سب ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے پستول نکال لیے تھے۔

"نکلو یہاں سے' جلدی۔" اس کا فقرہ مکمل بھی نہیں ہوا تھا کہ داتن نے گاڑی چلائی اور موڑ کاٹ لیا۔ وہ کالونی کے سرے پہ تھیں اس لیے گارڈز کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔

"الارم کیسے بجا؟" داتن ہکا بکا تھی۔ یہ پہلی دفعہ ہوا تھا۔

"ان کے الارم سسٹم میں جامر سے بچاؤ کے لیے کوئی جامنگ ایلگورتھم کا استعمال کیا گیا ہے۔ اگر کوئی سگنل جام کرنے کی کوشش کرے تو گارڈز کو ٹیکسٹ میسیج پہ الرٹ آجائے گا اور پھر وہ خود اپنے ہاتھ سے الارم آن کر کے چور کی تلاش میں دوڑتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان امیر لوگوں کو تمہارے احسان کی ضرورت نہیں ہے لیانہ صابری!"

"ہا۔" داتن نے منہ پھلا لیا۔ وہ شدید خفا نظر آرہی تھی۔ "ہم نے ان کو انڈر اسٹیمیٹ کیا۔ اب ہم کیا کریں۔"

"ڈونٹ وری' تالیہ کے پاس پلان سی ہے۔" وہ دستانے اتارتے ہوئے اطمینان سے بولی۔ گاڑی چلاتی داتن نے گھور کے اسے دیکھا۔ "مگر ہم ان کا الارم نہیں بند کر سکتے۔ یعنی ہم ان کے گھر تب تک نہیں جا سکتے جب تک وہ خود ہمیں انوائیٹ نہ کریں۔"

"بالکل۔ اور اب وہ ہمیں خود انوائیٹ کریں گے۔" اس نے ٹوپی اتاری اور بیگ میں پھینکی۔ سیاہ بال کس کے جوڑے میں بندھے نظر آرہے تھے اور دھلا دھلایا نکھرا ہوا چہرہ گہری سوچ میں ڈوبا لگتا تھا۔

"مگر کیسے؟"

"جانتی ہو ایک بہترین Con Game کیسے کھیلی جاتی ہے؟ Con کا لفظ کانفیڈنس سے ہے۔ ہمیں دیکھنا ہوتا ہے کہ ہمارے شکار کو کس چیز پہ اعتماد ہے۔ اندھا اعتماد۔ مگر کچھ Congames میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا شکار کس چیز سے سب سے زیادہ ڈرتا ہے اور تمہیں پتا ہے لاہور اور ملائیشیا کے لوگ سب سے زیادہ کس سے ڈرتے ہیں؟"

"پولیس سے؟"

"نہیں' داتن! ڈینگی سے۔"

"رائٹ!" داتن نے گہری سانس لے کر سر ہلایا تھا۔

The dengue scam

☼ ☼ ☼

اگلی صبح جب اس کالونی پہ اُتری تو ایک لڑکی بائیسکل چلاتی سڑک پہ آتی دکھائی دی۔ اس نے ہاتھوں میں باریک دستانے چڑھا رکھے تھے۔ چہرے پہ سبز رنگ کا ڈوسٹ ماسک تھا اور سر پہ پی کیپ۔ سائیکل کی ٹوکری میں اخبارات کے رول پڑے تھے۔ جن کو وہ ایک ایک کر کے ہر گھر میں اچھالتی جا رہی تھی۔ جیسے ہی وہ موڑ کاٹ کے غائب ہوئی' سڑک پہ پھر سے خاموشی چھا گئی۔

فاتح رامزل کے دروازے سے گارڈ نے اخبار کا رول کھولا تو وہ فلمی میگزین تھا۔ وہ صفحے پلٹتا ہوا اندر کی طرف چلا آیا اور رسالہ ملازمہ کی طرف بڑھا دیا جو اس نے لیتے ساتھ ہی ریک میں رکھ دیا کیونکہ ایسے بے کار رسالے گھر میں کوئی نہیں پڑھتا تھا مگر اخبار والے پھینک جایا کرتے تھے۔

ناشتے کے لیے ملازمہ جب تازہ ڈبل روٹی لینے باہر نکلی تو وہ نامحسوس انداز میں اپنی کلائی کھجا رہی تھی۔ وہ ہر صبح اس بیکری پہ تازہ ڈبل روٹی لینے آتی تھی۔ مگر آج وہ شدید کوفت زدہ نظر آ رہی تھی۔ ٹرالی میں روزمرہ کا سامان بھرتے ہوئے وہ کبھی ماتھے کو — کھجاتی' کبھی گردن کی پشت کو رومال سے رگڑتی۔ سرخ ننھے ننھے دانے سے اس کی جلد پہ پھوٹ رہے تھے۔

"یہ ڈبل روٹی پکڑانا۔" اس نے طبیعت پہ چھائی اکتاہٹ سے سامنے کھڑی موٹی سیاہ عورت کو مخاطب کیا جو آواز پہ پلٹی' اور پھر ڈبل روٹی کا پیکٹ اٹھا کے اس کی طرف آئی' مگر اس کی جلد دیکھ کے اس کا منہ کھلا رہ گیا۔ پیکٹ ٹرالی میں قریباً" پھینکا اور خود بدک کے دو قدم پیچھے ہٹی۔

"مجھ سے دور رہو۔ تمہیں تو ڈینگی ہو رہا ہے۔"

"ڈینگی؟" ملازمہ شل رہ گئی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ عورت اب آگے بڑھ گئی تھی' کسی اور نے نہیں سنا تھا۔ وہ سر جھٹکتی ٹرالی دھکیلی گئی۔ البتہ چہرے پہ پریشانی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

"ان نقلی علامات کو اترنے میں کتنی دیر لگے گی تالیہ؟"

فاتح رامزل کے گھر سے دو گلیاں چھوڑ کے ایک پارک آتا تھا۔ اس کے سرے پہ ایک بنچ پہ تالیہ بیٹھی پیکٹ سے چپس نکال نکال کے کھا رہی تھی' جب ہانپتی کانپتی داتن اس کے ساتھ آ کر بیٹھی۔ ان دونوں نے عبایا کی طرز کا ڈھنگ پہن رکھا تھا۔ جس میں سارا جسم ڈھک جاتا تھا' صرف چہرہ کھلا رہتا تھا۔

"ایک دن' مگر بے فکر رہو۔ آدھی بیماری اللہ دیتا ہے تو باقی آدھی گوگل دیتا ہے۔ جب یہ ڈینگی کو نیٹ پر سرچ کرے گی تو دو چار مزید علامات بھی ظاہر ہونے لگیں گی جو ہمارے الرجک اسپرے کا حصہ ہی نہیں تھیں۔"

ملازمہ جس وقت ڈائننگ ٹیبل پہ ناشتہ لگا رہی تھی' اس کا جسم بخار سے ٹوٹ رہا تھا' سر دکھ رہا تھا' اور جلد پہ سرخ دھبے ظاہر ہو رہے تھے۔ وہ موبائل پہ ڈینگی کو سرچ کر چکی تھی اور اسے لگ رہا تھا کہ وہ مرنے والی ہے۔ خاموشی سے اس نے ناشتا عصرہ کے سامنے لا رکھا جو گہرے نیلے اسکرٹ بلاؤز میں ملبوس' گیلری جانے کے لیے تیار بیٹھی تھی۔ گردن سے چپکی موتیوں کی لڑی اور کلائی میں طلائی بریسلیٹ پہنے' وہ سیل فون دیکھ رہی تھی جب کسی احساس کے تحت چونکی۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"میم! مجھے شاید ڈینگی ہو گیا ہے۔"

"واٹ؟" عصرہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ "کیسے؟ کب؟ گاڈ! تم لوگ اپنے گھروں میں پانی کیوں جمع رکھتے ہو؟"

"میم' میرا قصور نہیں ہے۔ مشتاق کے بھی ایسے ہی دانے نکل رہے ہیں۔" وہ منمنائی۔

"گاڈ۔" عصرہ نے کنپٹی کو چھوا۔ "چیک اپ کرواؤ اپنا۔ اور مشتاق سے بھی کہو۔ سمیع' تم بچوں کا خیال رکھنا۔ اور گھر کی صفائی اپنی نگرانی میں کرواؤ۔ اور آج خیال آیا تمہیں یہ بتانے کا؟ ریش تو ہفتے بھر کے بعد جا کے ہوتی ہے۔" اس کا ناشتا حرام ہو چکا تھا۔

"جی میم' بخار تو تھا کچھ دن سے۔" اسے سوچ کے ہی تھکاوٹ ہونے لگی۔

پارک میں وہ ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھیں۔ تالیہ مسلسل چپس کھا رہی تھی۔ داتن بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

"کتنا انتظار کرنا ہے مزید؟"

"چند منٹ مزید۔" وہ مسکرا کے بولی تھی۔ "مسز فاتح اب تک پیسٹ کنٹرول فون کر چکی ہوں گی۔"

چند منٹ گزرے اور پیسٹ کنٹرول کی ایک بڑی سی وین قریب سے گزری۔ تالیہ نے گردن موڑ کے دیکھا۔ سیاہ حجاب کے ہالے میں اس کا چہرہ دمک رہا تھا اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی۔ وین کی ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے چینی نوجوان نے اسے دیکھ کر صرف سر کو خم دیا اور وین روک لی۔

"چلو۔" وہ تیزی سے اٹھی۔ آگے پیچھے دونوں وین کی طرف بڑھی تھیں۔

"وین کے پچھلے حصے میں سوار ہو کر انہوں نے اپنے تدنگ اتار دیے۔ نیچے دونوں نے پیسٹ کنٹرول کا زرد یونیفارم پہن رکھا تھا۔ تالیہ نے اپنے بیگ سے ٹوپیاں اور ماسک نکال کے داتن کی طرف بڑھائے۔ پچھلی طرف ایک ہی ورکر بیٹھا تھا جو ان سے واقف لگتا تھا اس لیے جلدی جلدی ان کو سلنڈر اور دوسری چیزیں تھمانے لگا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہونے چاہیے' کیتھ۔" داتن نے رعب دار آواز میں اسے گھورا تھا۔

"یہ تیسرا اسکام ہے جو سا شا میں اور آپ کر رہے ہیں۔ پہلے کبھی گڑبڑ ہوئی تھی کیا؟ ہم پیسٹ کنٹرول میں نوکری ہی اس لیے کرتے ہیں تاکہ ڈینگی اسکام کر سکیں۔ اگر ہماری جگہ آپ جعلی ورکرز لے کر جاتیں تو بعد میں بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اب ہمارا سارا کام لیگل ہے۔" وہ برا مان کے بولا تھا۔

"اور سنو۔" داتن بولنے لگی تو تالیہ نے دبی آواز میں اسے ٹوکا۔

"زیادہ باتیں نہیں کرو اس سے موٹی!"

"شرم کرو۔ میں تمہاری ماں کی عمر کی ہوں۔"

"غلط۔ تم میری دادی کی عمر کی ہو۔"

چند منٹ بعد فاتح رامزل کے لان میں ورکرز اسپرے کرتے نظر آ رہے تھے۔ عصرہ بادل نخواستہ رک گئی تھی مگر کار میں بیٹھی تھی۔ ملازم نگرانی پہ کھڑے تھے۔ ورکرز کا ہیڈ آصف اونچی آواز میں ہدایات دے رہا تھا۔ سارے میں

گہری دھند پھیلی تھی۔ داتن لاؤنج میں اسپرے کروا رہی تھی۔ ایسے میں سب کو مصروف پا کر تالیہ دھند میں فاگ گلاسز کی مدد سے دیکھتی آگے چلتی گئی۔ اس نے وائی فائی جام کر دیا تھا اور ہوم الارم گارڈز نے خود ہی بند کر دیا تھا۔

"کہا تھا نا' وہ ہمیں خود دعوت دیں گے اب۔" تالیہ کان میں لگے ننھے سے آلے میں بولی۔ ایسا ہی ایک آلہ داتن کے کان میں بھی لگا تھا۔ اس نے لاؤنج کے پرلے کونے سے اشارہ کیا۔ کوئی اس طرف متوجہ نہیں تھا۔ تالیہ تیزی سے بیڈ روم میں گھس آئی۔

اندر آ کے اس نے گلاسز اتارے اور گردن گھما کے اطراف کا جائزہ لیا۔ سادہ کمرہ۔ سادہ پردے' خالی دیواریں' بیڈ سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ایک ننھی بچی کی تصویر اور ساتھ میں مسکراتا فاتح۔ تالیہ آگے آئی اور ڈریسنگ روم کی الماریاں کھولیں۔ مردانہ کپڑے ٹنگے تھے۔ یہ فاتح رامزل کا کمرہ تھا۔

"بریسلیٹ تو مسز فاتح کلائی میں پہنے رہتی ہیں مگر ایک اینٹیک تحفہ انہوں نے یقیناً" الماری یا لاکر میں رکھا ہو گا۔"

"مگر تالیہ! تم تو کہہ رہی تھیں کہ فاتح نے تنکو کامل کے بیٹے کے منہ پہ کہہ دیا تھا کہ وہ سکہ اصلی نہیں ہے۔"

"ہاں اصلی نہ سہی قدیم تو ہے نا۔ کوئی اینٹیک ایسے پھینک تو نہیں دیتا اور مسز عصرہ جیسی آرٹ کلکٹر تو بالکل بھی نہیں۔"

اب وہ جلدی جلدی دراز کھول رہی تھی۔ مختلف خانے چیک کیے۔ پھر آخری الماری کھولی تو دیکھا' سامنے کونے میں ننھا سا سیف نصب تھا۔ سیف کی بناوٹ دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

"آج ہمارا اچھا دن ہے بڑھیا۔" کان میں لگے آلے میں وہ بولی۔ "کیونکہ اتنے بڑے لیڈر نے اپنی قیمتی چیزوں کو چھپانے کے لیے صرف ایک فائر سیف کا سہارا لیا ہے۔"

"کیا؟ فائر سیف؟" دروازے کے باہر کھڑی داتن نے حیرت سے سرگوشی کی۔ پھر اندر آتے ملازم کو دیکھا تو اس پہ برس پڑی۔

"تم بغیر ماسک کے اندر کیا آ رہے ہو؟ کینسر کروانا ہے؟" پھیپھڑے خراب کروانے ہیں؟ جانتے ہو یہ کیمیکل کتنے نقصان دہ ہیں۔ ماسک پہن کر آؤ۔" ملازم ہڑبڑا کے باہر بھاگا۔

"میرے کان میں مت چیخو۔" اندر سیف کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھتی تالیہ نے برا منہ بنایا پھر اپنا ننھا بیگ زمین پہ رکھا۔

(تجوریاں مختلف طرح کی ہوتی ہیں۔ فائر سیف وہ تجوری ہوتی ہے جس کو اگر آگ لگ جائے اور تجوری دو تین گھنٹے جلتی بھی رہے تب بھی اندر چیزیں محفوظ رہتی ہیں۔ ایسی تجوریوں میں لوگ قیمتی کاغذات رکھتے ہیں' اور ان کو کھولنا آسان ہوتا ہے۔ دوسری قسم کی تجوریاں جو زیورات یا رقم کے لیے ہوتی ہیں ان کو برگلری سیف (چوروں کی تجوری) کہا جاتا ہے۔ جلتی یہ بھی نہیں ہیں مگر چوروں کے لیے ان کو کھولنا بہت کٹھن ہوتا ہے۔)

"تم مقناطیس لائی ہو۔" داتن نے دبی سرگوشی میں کہا۔

"تالیہ سارا زاد راہ ساتھ لاتی ہے میڈم۔" اس نے مسکرا کے بیگ سے ایک سلور رنگ کا گول ہاکی پٹ ریئر ارتھ میگنٹ نکالا (وہ ایسا تھا جیسے دو شامی کبابوں کو اوپر تلے ملا کے رکھا گیا ہو) اور اس کو ایک جراب میں ڈالا۔ (اگر ڈائریکٹ مقناطیس لوہے پہ رکھ دیتی اور اس کی انگلی درمیان میں آ جاتی تو وہ وہیں چپکی پڑی ہوتی) پھر جراب میں لپٹے مقناطیس کو تجوری کے دروازے کے اوپری بائیں کونے پہ رکھا۔

"یہ سب سے پہلا سیف ہے جس کو کھولنا سیکھا تھا میں نے داتن۔" وہ مسکرا کے بتانے لگی۔ "اس کے اندر جو کنڈا دروازے کے لاک کو جوڑے ہوئے ہے۔ وہ مقناطیس کے ساتھ چپک جاتا ہے یوں۔ اور۔" اس نے

مقناطیس آہستہ سے دائیں طرف پھیرا تو دروازے کے دوسری طرف کنڈا ہلنے لگا۔ چند سیکنڈ مزید لگے اور کلک کی آواز آئی۔ تالیہ نے تجوری پہ نصب پاس ورڈ پیڈ کو زبان نکال کے دکھائی (ہاہا۔۔۔جب مقناطیس ہے میرے پاس تو تمہارے پاس ورڈ کو دبانے کی ضرورت کیا ہے) اور مزے سے دروازہ کھولا۔ وہ کھل گیا۔

"فاتح رامزل کے فرشتوں کو بھی نہیں علم ہو گا کہ کسی نے تجوری کھولی تھی۔" مسکرا کے اب وہ کاغذات باہر نکالنے لگی۔ پھر اندر ہاتھ مارا۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔ وہاں کچھ رقم 'پاسپورٹ' کاغذات وغیرہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ تالیہ کا چہرہ اتر گیا۔

تجوری بند کر کے اٹھی اور کھلی الماری کو دیکھا۔ پھر بھنویں سکیڑیں۔ صرف مردانہ کپڑے 'ٹائی' کوٹ؟ یہ صرف فاتح کا کمرہ ہے کیا؟ وہ چونکی پھر جلدی سے سب کچھ ٹھیک کر کے باہر آئی۔

لاؤنج میں ورکرز اسی طرح کام کر رہے تھے۔ گہری دھند ہر سو پھیلی تھی۔ داتن کو اشارہ کرتی وہ دوسرے ماسٹر بیڈ روم میں چپکے سے داخل ہوئی (دو ملازم سامنے ہی تھے مگر دھند کے باعث اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے)۔

واہ۔۔۔ کیا عالی شان کمرہ تھا' عصرہ کا۔ اونچے مخملیں پردے۔ قیمتی پینٹنگز اور آرٹ ورک۔۔۔ ڈریسنگ ٹیبل پہ سجی پرفیوم کی بوتلیں۔ ستائشی انداز میں ادھر ادھر دیکھتی وہ سنگھار میز تک آئی اور دراز کھولے۔ پھر وارڈ روب کھولا۔ کوئی سیف نہیں تھا۔ بیڈ سائیڈ ٹیبل چیک کی مگر بے سود۔ ٹھہرو' وہاں ایک ریموٹ پڑا تھا۔ یہ بلائنڈز کے ریموٹ جیسا تھا۔ اے سی کا تو نہیں تھا۔ تالیہ نے ریموٹ ایک پینٹنگ کی طرف بلند کیا اور بٹن دبایا۔ پینٹنگ آہستہ سے دائیں طرف ہٹی اور دیوار میں خانہ نظر آنے لگا۔ اندر یقیناً "سیف تھا۔ وہ مسکرائی اور آگے بڑھی' مگر جیسے ہی وہ قریب آئی۔ مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ دل دھک سے رہ گیا۔

"جلدی کرو تالیہ۔" داتن اس کے کان میں شور۔۔۔ کر رہی تھی۔

"داتن!" اس کو اپنی آواز گہری کھائی سے آتی سنائی دی۔ "سیف مل گیا ہے مگر۔۔۔ مگر یہ TL30 سیف ہے۔ گروپ ۲ کمبینیشن لاک۔" اس نے دروازے پہ لگے پہیے کو چھوا۔ "اگر اس میں ڈرل سے سوراخ کروں تو دروازے کے اندر شیشے کی تہہ ٹوٹ کر اس کو مزید مشکل طریقے سے لاک کر دے گی۔ مکے ماروں تو اسپرنگ ری لاک ہو جائے گا۔ آری سے کاٹوں تو ایک گھنٹے بعد دروازہ کٹے گا۔"

"فلموں میں تو لوگ ایک منٹ میں کھول لیتے ہیں تالیہ۔"

"شاید دو چار ایسے ایکسپرٹ ہوں دنیا میں لیکن اگر میں لاک کو گھما کر اندر رہنز کی آواز سنتے ہوئے اس کا پاس ورڈ کمبینیشن معلوم کرنے کی کوشش کروں تو اس میں پچھتر منٹ لگیں گے۔ سوا گھنٹہ۔"

"اتنا وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔"

"تو بس۔" تالیہ نے رک کر حسرت بھری نگاہ سے سیف کو دیکھا اور چند قدم پیچھے ہٹی۔ "پھر بھاگو داتن۔ میں تم سے گاڑی میں ملتی ہوں۔"

داتن تیزی سے باہر کو نکلی۔ چہرہ جھکائے دھند میں چلتی وہ گھر سے باہر نکل آئی اور سڑک پار کی۔ پارک تک آئی ان کی کار وہیں کھڑی تھی۔ داتن نے بیٹھتے ہی اپنا ماسک اتارا اور ادھر ادھر دیکھا۔ تالیہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتی رہی۔

"تالیہ! کدھر ہو۔" اسے فکر ہوئی۔ تالیہ کی پھنسی پھنسی سی آواز سنائی دی۔

"داتن۔۔۔ وہ ملازم آ گیا تو میں الماری میں چھپ گئی۔ وہ مجھے الماری میں لاک کر گیا ہے۔" داتن کے پیروں تلے سے زمین نکلنے لگی۔

"تالیہ۔۔۔ تالیہ۔۔۔ یہ کیسے ہوا؟"

"داتن۔ مجھے نکالو۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ اوہ میں کیا کروں۔"
"تم پریشان نہ ہو۔ میں کچھ کرتی ہوں۔" داتن کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔
"داتن۔ مجھے نکالو۔ مجھے سانس نہیں آرہا۔ او خدایا، پلیز بچالیں۔ میرا دمہ خراب ہو رہا ہے۔"
"تالیہ۔ میری بچی تم۔" داتن کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ جلدی سے ماسک پہننے لگی پھر رکی۔ "تمہیں کب دمہ ہوا۔"
"دو منٹ پہلے!" وہ اس کے کان کے اتنا قریب چیخی کہ داتن اچھل پڑی۔
تالیہ ہنستی ہوئی دروازہ کھول کے اندر بیٹھ رہی تھی۔ داتن کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ اعصاب شل تھے۔ چند لمحے گزرے اور اس کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔ "تم!" غصے کے مارے وہ بول نہیں پارہی تھی۔
"ہاہاہا۔۔۔" وہ ہنسے جارہی تھی۔ "میں الماری میں پھنس سکتی ہوں کیا؟ ہاہا۔۔۔ تم تو رونے والی ہوگئی تھیں۔ اف تم کتنی کیوٹ ہو داتن پدوکا۔" اس نے موٹی عورت کے سیاہ پھولے گال کی چٹکی کاٹی۔
داتن نے غصے سے آنکھیں رگڑیں اور بے بسی سے اسے دیکھا۔ "تم۔۔۔ تم چھوٹی ہرنی۔ تم نے مجھے کتنا ڈرا دیا اندازہ ہے تمہیں؟ کسی دن سچ میں پھنسو گی اور میں نہیں آؤں گی، کن چیل (کہانیوں والا چھوٹا ہرن)۔"
"اچھا نا۔۔۔ ڈانٹو تو نہیں۔" وہ ٹوپی اتارتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
داتن نے ہونہہ کہہ کے گاڑی اسٹارٹ کی۔ "اب کیا ہوگا؟ پلان اے کے بعد پلان سی بھی بے کار ہوگیا۔"
"بے فکر رہو۔ پلان ڈی ہے نا۔" پھر اس نے جیب سے ایک سرخ اور گلابی کارڈ لہرا کے دکھایا۔ "مجھے دیر اس لیے ہوئی کیونکہ میں مسز عصرہ کی نیلامی میں اپنا زبردستی والا انویٹیشن کارڈ اٹھانے رک گئی تھی۔ یہی ہے ہمارا پلان ڈی۔"
"اور پلان بی کا کیا؟" داتن کو سخت چڑ ہوئی۔
"تالیہ کے پلانز ہیں، تالیہ کی مرضی۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔
"اور اگر۔۔۔ ملازمہ نے چیک اپ کے بعد بتایا کہ اس کو ڈینگی نہیں ہوا تو عصرہ کو شک نہیں ہوگا؟" داتن ابھی تک غصے سے اس کی غلطی نکالنا چاہ رہی تھی۔
"ابھی دنیا میں ملازموں کی وہ قسم پیدا نہیں ہوئی داتن! جو مالک کو کہے وہ بیمار نہیں ہے۔ تمہیں کیا لگتا ہے، وہ سب سچ بتا کے چھٹی اور مالی امداد لینے کا اتنا اچھا موقع گنوا دے گی؟" داتن کا غصہ ہوا ہونے لگا۔ گاڑی چلاتے ہوئے اس نے ایک گہری سانس لے کر تالیہ کو دیکھا۔
"اس وقت مجھے بہت بری لگ رہی ہو تم لیکن ایک بات ہے۔ تم کبھی بھی مایوس نہیں ہوتیں، ہار نہیں مانتیں۔ ایک پلان ٹھپ ہوئے تو دوسرا لے آتی ہو۔ اتنی ہمت کہاں سے لاتی ہو تم تالیہ؟"
"پتلے اور جوان لوگوں میں بڑی ہمت ہوتی ہے، بڑی بی! ۔۔۔ مگر تم کیا جانو۔" وہ افسوس سے بولی تھی اور داتن نے چند منٹ کے لیے اس سے بات نہ کرنے کی قسم کھالی تھی۔

☆ ☆ ☆

کے ایل پہ اس دوپہر پھر سے سیاہ بادل چھا گئے تھے۔ بارش کے موٹے موٹے قطرے ایک دم سے برسنا شروع ہوئے اور ساری سڑکیں جل تھل ہوتی گئیں۔ بازاروں میں پھرتے لوگوں نے چھتریاں تان لیں اور سائبان کی طرف دوڑے۔ ایسے میں آفس کا دروازہ کھول کے ایڈم داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی۔ جس میں کافی کا گلاس، بند ڈھکن اور اسٹرا سے لیس رکھا تھا۔

آفس میں مدھم بتیاں جل رہی تھیں۔ بلائنڈز سختی سے بند تھے۔ فاتح کنٹرول چیئر پہ بیٹھا تھا۔ قدرے تکان زدہ، پیچھے کو ٹیک لگائے ٹائی ڈھیلی کر کے سفید شرٹ کی آستینیں پیچھے کو موڑے۔ وہ سنجیدہ لگتا تھا۔ سامنے ایک سفید بالوں والے صاحب بیٹھے تھے۔ یہاں سے ایڈم کو ان کی پشت نظر آرہی تھی۔ وہ کھنکھارتا ہوا میز تک آیا۔ مہمان کا چہرہ واضح ہوا۔ وہ فاتح کے ساتھ محو گفتگو تھے۔

''عبد اللطیف'' ٹی وی پہ اس نے ان کو دیکھ رکھا تھا۔ نامور سیاست دان اور کاروباری شخصیت۔ ایک چور نظر ان پہ ڈالے سنجیدگی سے ایڈم نے میز پہ ٹرے رکھی۔ (مہمان کی چائے آئی رکھی تھی۔ یہ فاتح کی کافی تھی جو وہ مال میں ایک خاص شاپ سے لایا تھا۔ وہ اس کے علاوہ کہیں کی کافی نہیں پیتا تھا۔)

''اس کو فکس کرو۔'' وہ کافی رکھ کے مڑنے ہی والا تھا کہ فاتح نے انگلی سے اشارہ کیا۔ ایڈم نے چونک کے اس طرف دیکھا۔ ایک آفس کیبنٹ کا دروازہ گرا پڑا تھا۔ دروازے کا جوڑ' قبضہ وغیرہ' سب اکھڑ گئے تھے۔

''رائٹ سر!'' وہ آگے بڑھا' پھر رکا۔ ادھر ادھر دیکھا۔ پھر فاتح کی طرف گھوما۔ ''میخ اور ہتھوڑا ہوگا ادھر سر؟''

وہ جو الجھن اور اکتاہٹ سے گفتگو شروع کرنے جارہا تھا' اس سوال پہ ایک نظر اٹھا کے ایڈم کو دیکھا اور پھر واپس مہمان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ ایک سخت نظر ایڈم پہ گھڑوں پانی ڈال گئی۔ وہ تیزی سے باہر لپکا۔ فاتح کے سیکریٹری سے ہتھوڑا مانگا۔ وہاں نہیں تھا۔ کسی نے بتایا کچن میں دیکھے۔ وہ ادھر بھاگا۔ بہرحال تھوڑی تگ و دو کے بعد وہ میخیں' اور پیچ کس لیے آفس میں دوبارہ داخل ہوا اور باس سے نظر ملائے بغیر ٹوٹی کیبنٹ تک آیا اور پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا۔

''ایلیش نے تمہیں پھنسا دیا ہے فاتح۔ اب تم کیا کرو گے؟'' کن انکھیوں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ عبد اللطیف صاحب فکر مندی سے کہہ رہے تھے۔ وہ جواب میں کچھ نہیں بولا۔ خاموشی سے ایک ہاتھ گال تلے رکھے کھڑکی کو دیکھتا رہا۔

''ہار مان جاؤ گے؟ صرف پیسوں کے پیچھے؟ ہم پولیٹیکل فنڈ ریزنگ کر سکتے ہیں۔ عوام تمہارے ساتھ ہوں گے۔ بارسین نیشنل کے ڈھائی لاکھ ممبرز کو ہم اپروچ کر سکتے ہیں۔ تم پارٹی چیئرمین منتخب ہو سکتے ہو۔''

''ایک آدمی تھا عرب میں۔'' وہ گہری سانس لے کر عبد اللطیف کی طرف چہرہ گھما کے کہنے لگا۔ آواز آہستہ اور تکان زدہ تھی۔

(ایڈم دھیرے دھیرے پیچ کسنے لگا۔ سر جھکائے سنجیدہ صورت بنائے مگر کان گفتگو پہ لگائے ہوئے)

''مال دار' عزت دار' باوقار' اس کا نام عمرو تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ بہت اچھا تھا۔ کعبہ آنے والے حاجیوں کے لیے شوربے میں روٹی توڑ توڑ کے رکھ چھوڑتا جس کو سب کھاتے اور اسے دعائیں دیتے تھے۔ اس لیے لوگوں نے اس کا نام ہاشم رکھ دیا۔ روٹی توڑنے والا' جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں اور اخلاق کے اچھے ہوتے ہیں انہیں دنیا اچھے ناموں سے یاد رکھتی ہے۔''

ایڈم پیچ قبضے پہ جمائے آہستہ سے اسے اوزار سے کس رہا تھا۔ دھیان وہیں تھا۔

''ہاشم ایک دفعہ ملک شام گیا تو راستے میں مدینے میں اس نے ایک خاتون سے شادی کرلی۔ کچھ دن وہاں ٹھہرا اور پھر شام چلا گیا۔ اس سفر میں اس کا انتقال ہوگیا۔ پیچھے بیوی کے ہاں بیٹا پیدا ہوا مگر ہاشم کے خاندان والے اس شادی سے واقف نہیں تھے تو بچہ ماں کے پاس پلتا رہا۔ اس کے بال بالکل سفید سے تھے' بلونڈ سنہرے جیسے۔ اس لیے اس کا نام شیبہ (سفید بالوں والا) رکھا گیا۔ شیبہ دس بارہ سال کا ہوا تو ہاشم کے بھائی مطلب کو اس کا علم ہوا مطلب کے لیے یہ ایک جذباتی دھچکا تھا۔ وہ فوراً'' مدینہ گیا اور بھتیجے کو اس کی ماں سے اصرار کے ساتھ اپنے ساتھ لے آیا۔''

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
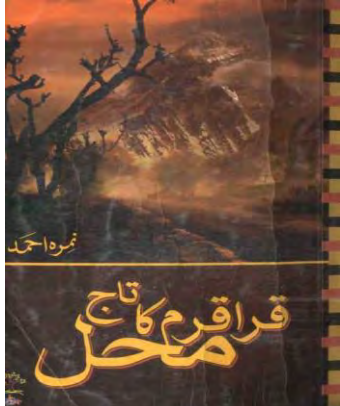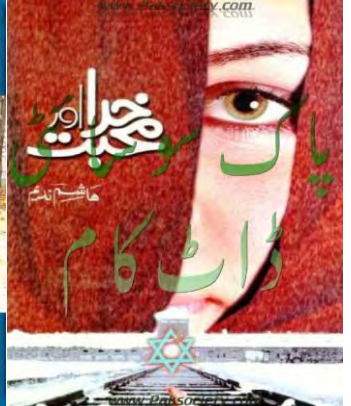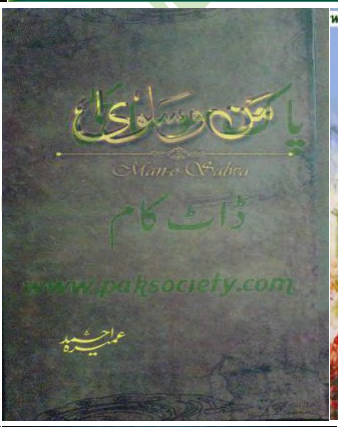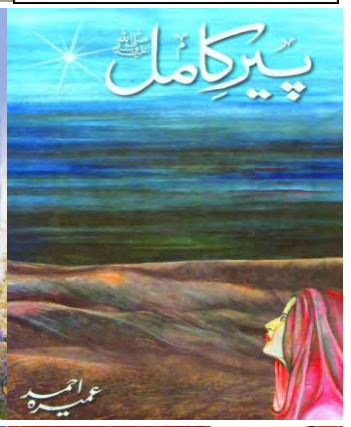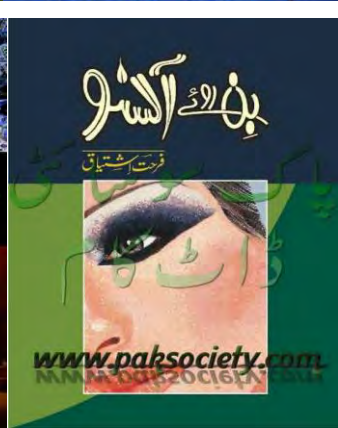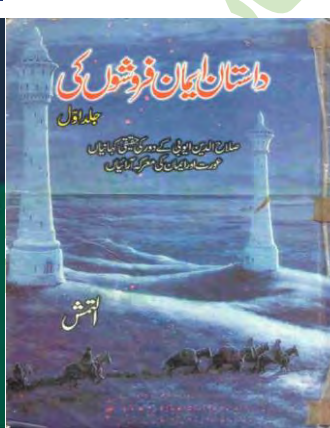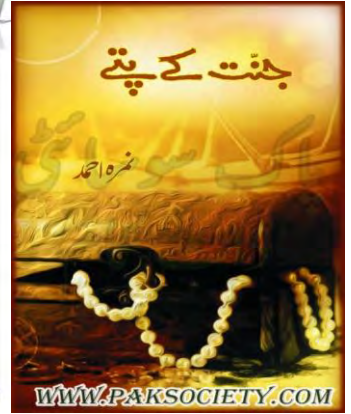
"عرب میں لوگ سفر سے واپسی پہ نوجوان غلام خرید کے ساتھ لایا کرتے تھے۔ مطلب جس وقت شیبہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ وہ نیا غلام خرید کر لایا ہے' تو اس لڑکے کو "عبدالمطلب" پکارنے لگے۔ یعنی مطلب کا غلام۔ مطلب نے واضح کر دیا کہ یہ میرا بھتیجا ہے مگر شیبہ کا نام اس دن سے عبدالمطلب پڑ گیا اور آج تک ہم ان کو اسی نام سے جانتے ہیں۔ مگر میں تمہیں یہ قصہ کیوں سنا رہا ہوں؟ ٹھہرو۔"

عبداللطیف صاحب نے پہلو بدلا تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کر کے انہیں ٹھہرنے کو کہا اور اسی سنجیدگی سے بات جاری رکھی۔ ایڈم کے کان بھی وہیں لگے تھے۔

"عبدالمطلب مکہ کے اعلا اور معزز خاندان میں سے تھے۔ اگر تم ان لوگوں کی تاریخ پڑھو تو دیکھو گے کہ یہ بہت اونچے اخلاق کے عظیم لوگ تھے۔ باوقار' بہادر اور جری۔ یہ ہماری طرح چھوٹے چھوٹے مفادات کے پیچھے بڑے بڑے سمجھوتے نہیں کرتے تھے۔ یہ دولت اور قیمتی چیزوں کے انبار اپنے گرد لگا کے خود کو ان کا غلام نہیں بناتے تھے۔ بھلے یہ مسلمان نہیں تھے' مگر اس وقت کوئی نبی موجود نہیں تھا۔ اس لیے ان کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے۔ مگر یہ آزاد لوگ تھے۔ یہ اپنے جذبات اپنی آستین پہ پہن کے رکھتے تھے۔ عبدالمطلب کی مکہ میں بہت عزت اور ناموری تھی۔ وہ بہت اچھے انسان تھے۔ خوب صورت' نڈر اور دل کے سچے۔ ان کو ایک رات خواب میں کسی کی آواز آئی کہ زم زم کا کنواں کھودو۔ وہ اٹھے تو دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ اکیلے تھے۔"

وہ سانس لینے کو ٹھہرا۔ ایڈم کے ہاتھ رک چکے تھے۔ وہ بالکل دم سادھے سن رہا تھا۔ گردن کے پیچھے کے بال کھڑے ہو چکے تھے۔

"زم زم کا کنواں کئی صدیاں پہلے بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت دفن کر دیا تھا' اور ساتھ انہوں نے کعبہ کے سونے کے دو ہرن' قدیم تلواریں' زرہیں وغیرہ بھی اس میں دفن کی تھیں۔ یہ سب قومی خزانہ تھا۔ مگر عبدالمطلب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کو کیسے کھودیں۔ اگلی رات انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے' زم زم کا کنواں کھودو۔ تم اسے کھود کے نہیں پچھتاؤ گے۔ یہ تمہارے آباؤ اجداد کی طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔ یہ نہ کبھی سوکھے گا نہ اس کا پانی کم ہو گا۔ یہ حاجیوں کی پیاس بجھانے کو کافی ہو گا۔ عبدالمطلب نے پوچھا کہ یہ کہاں ہے تو جواب ملا' ٹیلے کے پاس۔ جہاں کوا چونچ سے زمین پہ دستک دے رہا ہے۔

اگلی صبح وہ اپنے اکلوتے بیٹے حارث کے ساتھ کعبہ کی طرف گئے۔ قریبی ٹیلے پہ ایک کوا اڑتا ہوا آیا اور زمین پہ چونچ رگڑنے لگا۔ دونوں باپ بیٹے نے کدالیں تھامیں اور اس جگہ کو کھودنے لگے۔ یوں صدیوں سے دفن کنواں دریافت ہو گیا۔ خزانہ بھی مل گیا' مگر دوسرے لوگ اکٹھے ہونے لگے۔ انہوں نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہے مگر عبدالمطلب کا کہنا تھا کہ یہ ہمارا ہے' اسے ہم نے ڈھونڈا ہے۔ وہ لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔

عبدالمطلب وہاں اکیلے تھے' اور ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ اس وقت ان کو اپنا آپ بہت کمزور لگا اور گو کہ بعد میں ان کو سارا خزانہ اور کنویں میں سے حصہ مل ہی گیا لیکن اس موقع پہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اگر اللہ مجھے دس بیٹے دے تو میں ایک کعبہ کے پاس قربان کر دوں گا۔ ان کے مرتبے کا سردار' ایک بہادر آدمی' ایک جرات مند لیڈر' وہ صرف ایک چیز کے بل بوتے پہ ان کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ اپنے خاندان کی طاقت اور کچھ نہیں۔ ہم تب تک کسی جنگ میں نہیں جا سکتے عبداللطیف! جب تک ہمارا خاندان ہمارے ساتھ نہ کھڑا ہو۔ اگر ہم ان کو کنوینس نہ کر سکیں کہ ہم جیت سکتے ہیں۔ اگر وہ ساتھ چھوڑ دیں تو چیزیں زیادہ مشکل ہو جاتی ہیں۔"

اس کی آواز میں تکلیف سمٹ آئی تھی۔ ایڈم بالکل شل سا بیٹھا تھا۔ اس نے باس کو اتنے دکھ سے بات کرتے پہلی دفعہ سنا تھا۔ "میں اس انتخاب میں تب تک نہیں جا سکتا جب تک عصرہ اور بچے میرے ساتھ نہ ہوں۔ میں پیسے کی کمی سے نہیں ڈرتا۔ لیکن اتنے سال میں نے ملے زیا (ملائیشیا) کے لیے جدوجہد کی' دکھ اٹھائے' قربانیاں

دیں۔" اس نے ایک نظر اس فوٹو فریم پہ ڈالی جو میز پہ رکھا تھا۔ ننھی سی مسکراتی بچی۔ فاتح کی آنکھوں میں تکلیف ابھری)
لیکن اب ایش چاہتا ہے کہ میں اپنے خواب سے دست بردار ہو جاؤں۔ تو کیا وہ اتنے سال بے مصرف گئے؟ ان ساری قربانیوں کو میں ضائع کر دوں؟ خواب تو بچوں کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم ان کو اپنے ساتھ بڑا کرتے ہیں' لیکن میرے خواب شاید بوڑھے ہو گئے ہیں۔"
ایڈم نے آخری پیچ کسا اور سامان اٹھا کے اٹھ گیا۔ دروازے کھولتے ہوئے اس نے سنا کہ عبدالطیف کہہ رہے تھے۔
"عصرہ کو کونینس کیا جا سکتا ہے۔ میں اگر۔۔۔" اس نے باہر آکر دروازہ بند کیا تو آوازوں کا رستہ رک گیا۔ وہ وہیں سیکریٹری کے کیبن کے آگے منتظر افراد کے پیچھے صوفے پہ بیٹھا اور موبائل نکال کے اپنی ماں کو کال ملائی۔ جیسے ہی اس نے فون اٹھایا' ایڈم گہری سانس لے کر' نظریں جھکائے کہنے لگا۔
"تم صحیح کہتی تھیں ماں! مجھے فاتح رامزل کی دل سے خدمت کرنی ہے۔ وفاداری' سچائی اور امانت کا آج کل کوئی مول نہیں ہوتا۔ اور پتا ہے کیا۔ اب میں بھی زندگی میں کچھ بننا چاہتا ہوں۔ بڑا آدمی' اونچے خواب' اونچے مقصد رکھنے والا۔۔۔ مجھے اپنے آپ کو کسی بامقصد کام کے لیے وقف کرنا ہے اور۔۔۔"
وہ جو آنکھوں میں نئے نئے خواب سجائے کہہ رہا تھا' ایک دم اس کے جوتے پہ کسی نے بوٹ رکھا تو وہ بلبلا کے کھڑا ہوا اور موبائل نیچے کیا۔ سامنے سیکریٹری کھڑا اسے گھور رہا تھا۔
"کیا ہوا' سر؟" وہ بوکھلایا۔
"تمہیں اب تک برداشت کر رہا ہوں لیکن یہ جو تم اوور اسمارٹ بن کے فاتح صاحب کے آگے پیچھے پھرنے کی کوشش کر رہے ہو۔ عبداللہ کی نوکری ہتھیانا چاہتے ہو تم کیا؟ ہاں؟"
"نن۔۔۔ نہیں سر۔ آپ کو غلط فہمی۔۔۔" وہ ہکلایا مگر سیکریٹری نے غصیلی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بوٹ سے اس کا انگوٹھا مزید زور سے دبایا۔ "اس آفس میں بہت سے آئے اور بہت سے گئے۔ جو آتا ہے "طاقت" کا خواب لے کر آتا ہے اور میں اسے مکھی کی طرح نکال پھینکتا ہوں۔ اس لیے لمبے لمبے خواب مت دیکھو۔ اپنے گنے چنے دن پورے کرو' اور سر سے زیادہ فرینک نہ ہو۔ ورنہ ابھی عبداللہ کو کال کر کے بتا دوں گا کہ تم اس کی نوکری ہتھیانے کی کوشش کر رہے ہو۔ وہ تمہاری جان لے لے گا۔ سمجھ میں آیا؟"
"جی سر!" ایڈم نے نگاہیں جھکا لیں۔
"اب مجھ سے معافی مانگو!" تو جوان سیکریٹری اسے اسی طرح گھورتے ہوئے چبا چبا کے بولا تو ایڈم نے گلابی پڑتی آنکھیں اٹھائیں۔ "سوری سر! اب ایسا نہیں ہو گا۔"
"ہوں!" وہ ہنکارا بھر کے مڑا اور بوٹ اس کے پیر سے ہٹا دیا۔ ایڈم نے فون اوپر کر کے دیکھا۔ کال ابھی تک ملی ہوئی تھی اور ماں یقیناً "خاموشی سے سن رہی تھی۔ اس نے فون کان سے لگایا تو وہ خود ہی کہنے لگی۔
"لوگوں کی تنقید نہ ہو تو کوئی آگے بڑھ ہی نہ سکے۔ تم دیکھنا اللہ تمہیں دہرا بخت لگائے گا ایڈم! تم ایک دن دنیا پہ حکومت کرو گے۔ یہ تمہاری ماں کی دعا ہے۔" اس نے جواب نہیں دیا اور فون بند کر دیا۔ وہ جانتا تھا وہ صرف اس کا دل رکھنے کے لیے کہہ رہی ہے' ورنہ آج کل کے دور میں سونے کے ہرن اور زم زم کے کنویں کیسے ملتے ہیں؟

✡ ✡ ✡

اس نے دیکھا۔۔۔

کہ وہ کیچڑ زدہ زمین تھی۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ چار پانچ درختوں میں گھرے ہوئے' بارش تڑا تڑ برس رہی تھی۔

وہ درخت سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھا تھا اور اسے پتلیاں سکیڑ کے چبھتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سامنے کیچڑ پہ بیٹھی تھی۔ اس کے منہ پہ مٹی لگی تھی۔ الجھے سنہری بال گرد آلود تھے۔ چہرے پہ زخم کے نشان تھے۔ کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ وہ بھی فاتح کو ان ہی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اور بازوؤں میں کچھ پکڑے بیٹھی تھی۔

ایک ننھا ہرن تھا وہ' وہ اس کو اپنے بازوؤں میں زبردستی جکڑے ہوئے تھی۔ ہرن کسمسا رہا تھا' پھڑپھڑا رہا تھا' مگر تالیہ نے اپنا کیچڑ آلود پاؤں اس جانور کی گردن پہ رکھا ہوا تھا۔

''آپ نے مجھ سے پوچھا تھا' یاد ہے۔'' وہ نظریں اس پہ جمائے کیچڑ پہ رکھا چاقو اٹھاتے ہوئے غرائی تھی۔ ''کہ تاشہ تمہارا ٹیلنٹ کیا ہے؟ تمہاری زندگی میں کامیابیاں کیا ہیں؟ تمہیں کیا آتا ہے؟'' وہ ایک ایک لفظ چبا چبا کے ادا کر رہی تھی۔ چاقو اب ہرن کی گردن پہ ٹکا لیا تھا' نظریں فاتح کے چہرے پہ مرکوز تھیں۔

''مجھے... یہ آتا ہے۔'' اور ساتھ ہی چاقو تیزی سے ہرن کی گردن میں اتار دیا۔ معصوم جانور چلایا۔ تڑپا' خون کے تازہ چھینٹے فاتح کے چہرے اور شرٹ پہ آگرے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں اور سر جھٹکا۔ بولا کچھ نہیں۔

ہرن تڑپ رہا تھا۔ خون بہہ رہا تھا۔ اس کے کپڑے' زمین' سرخ خون سے رنگین ہوتی جارہی تھی۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ گھبرا کے ادھر ادھر دیکھا۔

بیڈروم تاریک تھا۔ وہ اکیلی تھی۔ اے سی چل رہا تھا اور آرام دہ ٹھنڈے ماحول میں سکون ہی سکون تھا۔ مگر اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ سارا جسم پسینے میں نہایا ہوا تھا۔ بال تک گیلے ہوگئے تھے۔ وہ تیزی سے بستر سے اتری اور لیمپ جلایا۔ زرد روشنی تاریکی میں گھل کے کمرے کو نیم روشن کرگئی۔ اس نے بے اختیار اپنے ہاتھ دیکھے۔ اپنے کپڑے جھاڑے۔ کوئی خون' کوئی جانور' کچھ بھی تو نہ تھا۔

تالیہ نے سر ہاتھوں میں گرالیا اور بیڈ کے کنارے بیٹھتی چلی گئی۔ ایسا پہلی دفعہ ہوا تھا۔ ایسے بھیانک' خوف زدہ کرنے والے خواب وہ پہلے نہیں دیکھا کرتی تھی۔ اسے ان سے کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ پھر اب کیا ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

آرٹ گیلری اس شام اپنی مرمریں راہداریوں کے ساتھ چمکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ دور دور تک دیواروں پہ آویزاں پینٹنگز' شیشے کے چوکھٹوں میں نمائش کے لیے لگائے گئے نوادرات... بڑے ہال نما کمرے کی چھت دو منزلیں اوپر تھی۔ کسی شاپنگ مال کی طرح فرش پہ کھڑے ہو کر گردن اٹھاؤ تو اوپری دونوں منزلوں کی چوکور بالکونیاں اور ان میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ سیاح اور آرٹ کے قدر دان رک رک کر نمائشی شہ پارے دیکھ رہے تھے۔

ایسے میں اوپری منزل پہ کارنر آفس کے اندر خوش گوار ماحول میں میٹنگ جاری تھی۔ کنٹرول چیئر پر عصرہ محمود بیٹھی تھی۔ ماتھے پہ کٹے بال سامنے کیے' اور باقی کو فرانسیسی جوڑے میں گوندھے اس نے اسکرٹ کے اوپر گرے منی کوٹ پہن رکھا تھا۔ بڑی بھوری آنکھوں میں مسکراہٹ لیے وہ ہاتھ باہم ملائے' آگے کو ہو کر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''میں آپ کی اس عنایت کی جتنی قدر کروں کم ہے۔ ہم اس پینٹنگ کو نیلامی میں رکھیں گے اور اس سے حاصل ہونے والی رقم کا چوتھا حصہ خیراتی اداروں کو بھیجا جائے گا۔ اللہ آپ کا یہ عطیہ قبول کرے۔''

سامنے حبشی صورت سوٹ میں ملبوس لمبا تڑنگا آدمی بیٹھا تھا جس کی فرنچ داڑھی تھی اور اس کے آگے پیچھے

تین چار افراد بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک اشعر بھی تھا۔ وہ بس مسکرا کے ساری کارروائی دیکھ رہا تھا۔ عصرہ کی سیکریٹری عصرہ کے پیچھے مستعد سی کھڑی تھی اور میز پہ ایک بڑا سا لکڑی کا ڈبہ رکھا تھا جس کے اندر فریم میں یقیناً" ایک پینٹنگ تھی۔

"نوازش 'میم!" وہ سر کو خم دے کر مسکرا کے بولا تھا۔ "یہ پینٹنگ ہمارے خاندان میں پچھلے ستر سال سے موجود ہے۔ تمام لیگل ڈاکومنٹس میں نے آپ کو دے دیے ہیں۔ سمپا تلم (چینی پینٹر) عموماً" چینی اور مغلی تاجروں کے پورٹریٹ بناتا تھا مگر اس کا یہ کام "زخمی ہرن" اس کے دوسرے تمام کام سے مختلف ہے۔"

پیچھے کھڑے گارڈ نے جھک کر ڈبے کا ڈھکن ہٹایا تو عصرہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تمام بیٹھے ہوئے افراد بھی اٹھ گئے۔

پینٹنگ ایک درخت کی تھی' جس کے تنے کے ساتھ ایک ہرن گرا پڑا تھا۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور اس کی آنکھیں آسمان پہ جمی تھیں۔ ان آنکھوں کی یاسیت۔ ان کا کرب 'عصرہ نے ستائش سے گہری سانس لی اور ہولے سے پینٹنگ کے شیشے کو چھوا۔

"سمپاتلم کی سب سے مزیدار بات یہ تھی کہ وہ ریورس گلاس پینٹنگ کرنا جانتا تھا۔ اس زمانے میں۔ اٹھارویں صدی میں صرف مغلی پینٹرز اس میں مہارت رکھتے تھے۔ شیشے پہ الٹی تصویر بنانا اور پھر اس کو سیدھا کرنا۔۔۔ سبحان اللہ۔" وہ تحسین سے کہہ رہی تھی۔ پھر اس نے سر اٹھایا اور مسکرا کے مہمانوں کو دیکھا۔

"میں فاتح کے لیے معذرت خواہ ہوں۔ وہ یقیناً" ٹریفک میں پھنس گیا ہو گا ورنہ وہ پہنچ جاتا۔ اس نے وعدہ کیا تھا۔" پھر وہ ذرا ٹھہری۔ "اگر آپ تھوڑی دیر ٹھہر جائیں تو۔۔۔"

"میری شدید خواہش تھی مگر کچھ کام ایسے آن پڑے ہیں کہ مجھے جانا پڑ رہا ہے۔ مگر آپ یہ نہ سمجھیے گا کہ یہ تحفہ کسی مطلب کے لیے ہے۔" وہ خفیف سا ہو کے بولا تو وہ مسکرا دی۔

"بالکل بھی نہیں۔" (اشعر کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔)

چند منٹ بعد جب تمام مہمان جا چکے تو عصرہ واپس کرسی پر بیٹھی اور بے نیازی سے سیکرٹری کو اشارہ کیا۔

"ایکسپرٹس کو بلاؤ۔ وہ آئیں تو میں اس کام سے فارغ ہو جاؤں۔ جینوئن ہے تو ہم اس کو رکھیں ورنہ پھینک دیں۔"

"احسان صاحب اور رزاق صاحب باہر انتظار کر رہے ہیں۔"

"اور عبدالحلیم صاحب؟ ان کو نہیں بلایا؟"

"نہیں 'عبدالحلیم صاحب ملک سے باہر ہیں۔ صرف یہی دستیاب تھے۔"

"ٹھیک ہے 'ان کو بلاؤ۔" اس نے نخوت سے ہاتھ کا اشارہ کیا اور فون کو دیکھنے لگی۔ سیکرٹری جھٹ باہر نکل گئی۔

"فاتح کبھی میرا مان نہیں رکھ سکتا۔" وہ بے بسی بھرے غصے سے اشعر سے بولی تو وہ نرمی سے اسے تسلی دینے لگا۔

"کاکا۔۔۔ اچھا ہوا کہ آبنگ نہیں آیا ورنہ وہ شاید ان کی شان میں صاف گوئی سے کچھ ایسا کہہ دیتا کہ الٹا ہمیں ان کو دو چار اینٹھکس دے کر بات ختم کرنا پڑتی۔"

اس کے انداز پہ وہ بے ساختہ ہنس دی۔

☼ ☼ ☼

چند میل دور۔۔۔ حالم کے بنگلے پہ وہ صبح تازہ پھولوں کی خوشبو میں رچی بسی جلوہ گر ہوئی تھی۔ لاؤنج میں داتن نے

مہکتے گلاب لا کر رکھے تھے جنہوں نے سارے گھر کو مہکا دیا تھا۔ اور خود وہ اوپن کچن میں کھڑی کھانا بنا رہی تھی۔
تالیہ لاؤنج کے بڑے صوفے پہ بیٹھی 'بال باندھے' پیر اوپر کیے ریموٹ سے چینل بدلے جا رہی تھی۔
"تم ڈسٹرب ہو۔"
"ہوں۔" اس نے اداسی سے ہنکارا بھرا۔ یاسیت بھری نظریں اسکرین پہ جمی تھیں۔ چہرہ زرد لگتا تھا۔ "میں نے خواب میں دیکھا... وہ میرے سامنے بیٹھا ہے اور میں نے اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہرن کو ذبح کر ڈالا۔"
داتن کے ہاتھ سے ڈوئی چھوٹ گئی۔ ہڑبڑا کے وہ پلٹی اور بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"ہرن کو؟ ذبح؟" پھر اس نے جھرجھری لی۔ "شروع شروع میں جب میں مرغیاں پالتی تھی تو تم ایک آدھ کو ذبح کر لیتی تھیں مگر ہرن!"
"مجھے یہ سب چیزیں آتی ہیں داتن۔ خنجر کا استعمال' گن کا استعمال۔ ہاتھوں کا استعمال... مگر میں اس طرح کسی معصوم جانور کو نہیں مار سکتی۔" اس نے سر جھٹکا۔ پھر چونکی۔ "اور وہ مجھے تاشہ کہہ رہا تھا۔"
"ساشا؟" داتن کو لگا' اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔" وہ ساشا کے نام سے ایک آئی ڈی ہے نا تمہارے پاس۔"
"نہیں داتن۔ اس نے مجھے تاشہ کہا۔ بلکہ میں نے خود اسے بتایا کہ اس نے مجھے یہ کہہ کر کچھ پوچھا تھا... خیر۔" اس نے سر جھٹکا۔ "میں نے اسے ہرن ذبح کر کے بتایا کہ یہ میرا ٹیلنٹ ہے۔ مگر یہ کیا بات ہوئی؟ خواب تو علامتی ہوتے ہیں نا تو پھر یہ سب کیا تھا؟" وہ الجھی ہوئی تھی۔
"تمہارا ٹیلنٹ کیا ہے؟" اس سوال پہ اس کا چہرہ زخمی سا ہو گیا۔
"لوگوں کو دھوکا دے کر پیسے بٹورنا اور چوریاں کرنا۔" وہ تلخ ہوئی۔
"مگر اس کے علاوہ تم ایک اچھی آرٹسٹ بھی ہو' آرٹ کی پہچان ہے تمہیں' اگر تم کسی یونیورسٹی میں یا کسی آرٹ میوزیم میں بطور ایکسپرٹ کام کرو تو بہت پیسے بنا سکتی ہو۔ یو نو' اصلی اور نقلی آرٹ کی تصدیق بہت کٹھن کام ہوتا ہے۔"
"جانے دو۔ اس کا میرے خواب سے کیا تعلق؟ خیر۔ آج ہم پلان ڈی کی طرف آئیں گے۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی بند کیا اور تمام الجھنوں کو گویا جھٹک کے مکمل طور پہ داتن کی طرف متوجہ ہوئی۔
"مسز یاسمین اور مسز فوزیہ کس وقت گیلری جائیں گی؟"
"میں نے تمہارے نمبر سے ان دونوں کو میسیج کر کے آج شام کا کہا تھا۔ مگر تالیہ..." داتن چین ڈھک کے سامنے آئی اور فکرمندی سے اسے دیکھا۔ "تم ان کے ساتھ گیلری جاؤ گی تو وہ وہاں کسی کو بھی بتا دیں گی کہ تم تالیہ مراد ہو۔"
"ہاں تو وہ کس تالیہ مراد کو جانتی ہیں؟ امیر کبیر سوشلائیٹ اور آرٹ کی قدردان تالیہ کو جانتی ہیں نا وہ۔ ان کو یہ تو نہیں معلوم کہ میرا اصل ذریعہ آمدنی کیا ہے۔ اور میں نے جن علاقوں میں ویٹرس یا نوکرانی بن کے کام کیا ہے وہ یہاں سے کافی دور ہیں' اور وہ اپرمڈل کلاس ہے۔ تالیہ مراد ہائی ایلیٹ میں موو کرنے والی لڑکی ہے جس کے بال سنہری ہیں اور جو صرف ڈیزائنرز ڈائمنڈ پہنتی ہے۔"
"یہی تو میں کہہ رہی ہوں کہ مسز عصرہ سے بریسلیٹ چرانے کے لیے تم نے اگر گرفٹر ہی بننا ہے تو کوئی اور روپ دھار لو۔"
(گرفٹر وہ ٹھگ جو کوئی کردار اپنا کے' بھیس بدل کے کسی کے پاس جاتا ہے اور اپنی چرب زبانی سے ان سے مطلوبہ مال لوٹتا ہے جیسے بزنس انویسٹمنٹ کا جھانسہ دینا وغیرہ)

"میں کبھی گرفٹنگ نہیں کرتی واتن! وہ تم کرتی ہو۔ میرا چہرہ کے ایل کے اس علاقے میں ایک امیر سوشلائیٹ کے طور پہ مشہور ہے، جو اپنے باپ کی دولت خرچ کررہی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ کل کو جب میں یہ کام چھوڑوں تو کوئی مجھے پہچان لے۔ ابھی تک تالیہ نے کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کیا۔" وہ بے فکر تھی۔ جیسے برستی بارش میں کوئی کھلے آسمان تلے خوش باش مراقبے میں بیٹھا ہو۔

"مگر تم نے نوکرانی کا رول ادا کرنے کے لیے یہ نام استعمال کیا تھا تالیہ۔"

"مجھے اچھا لگ رہا تھا اپنے نام کے ساتھ وہ اچھے القابات سننا' مگر اس میں میرا حلیہ بالکل مختلف تھا اور اب بھی میں سا شایا کچھ اور بن کے نہیں جاؤں گی۔ میں تالیہ مراد ہی بن کے جاؤں گی۔" وہ مطمئن بیٹھی تھی۔ مگر واتن نے اسی بے چینی سے اسے دیکھا۔

"تم نے مسز عصرہ کو جوس سرو کیا تھا' اگر اس نے پہچان لیا؟"

"اوہ واتن.... ہم روز ریسٹورنٹ میں درجنوں ویٹرز کو دیکھتے ہیں۔ ایک دو سیکنڈ کے لیے ایک ہی یونیفارم میں ملبوس ایک عمر کی تین چار لڑکیوں کو دیکھ کر کوئی بعد میں نہیں پہچان سکتا۔ عصرہ دن میں دس جگہوں پہ جاتی ہیں اور انہوں نے مجھے دیکھا ضرور تھا' نظر نہیں ملائی تھی۔ کسی کو بھی میں یاد نہیں ہوں گی' لائیٹس بھی ڈم تھیں۔ رہے ان کے ملازم تو وہ کوئی اتنے ذہین فطین عقابی نظروں کے مالک نہیں تھے کہ مجھے پہچان لیں۔" وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے بات کرتی تھی۔ جیسے ہواؤں میں ان دیکھے تار چھیڑ رہی ہو۔ جیسے کوئی جادوگر سارے جادو بکھیر کے ہر چیز طے کیے بیٹھا ہو۔

"تو اب تم باقاعدہ عصرہ سے ملنے جارہی ہو' مگر تم کیا کہو گی؟"

تالیہ کے چہرے پہ آسودہ سی مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ پیر نیچے اتارتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ "میں نے کچھ نہیں کہنا۔ جو کہنا ہے میرے ڈائمنڈز نے کہنا ہے۔ تم کھانا بناؤ' میں بال ڈائی کر کے واپس تالیہ مراد بن جاؤں۔" اور پیروں میں چپل گھسیٹتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

پیچھے دیگچی میں جلنے کی خوشبو آنے لگی تو واتن ہڑبڑا کے اس طرف لپکی۔

☆ ☆ ☆

ایکسپرٹس پینٹنگ کی تصدیق کر کے جا چکے تھے اور اب عصرہ اور اشعر آفس کے باہر بالکونی میں کھڑے تھے۔ یہ گول بالکونی تھی۔ درمیان میں خلا تھا جہاں سے نیچے کا مرمریں ہال اور اس میں ٹہلتے لوگ صاف دکھائی دیتے تھے۔ رنگ برنگی لڑکیاں' لڑکے۔ بے فکر لوگ۔

"شکریہ ایلش.... تم نے آج میرے لیے اتنا وقت نکالا۔" وہ اس کی ممنون ہوئی تو ایلش نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھوں کے گرد بازو پھیلا لیا۔ "میں تمہارا بھائی ہوں' کاکا۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔"

"شادی کرلو' ایلش!" وہ اس کے انداز پہ محبت سے بولی تو وہ ہلکا سا ہنس دیا۔

"جتنا تم مجبور کررہی ہو' میں واقعی اس بارے میں سوچنے لگا ہوں۔" وہ دونوں بالکونی کی ریلنگ کے ساتھ آمنے سامنے کھڑے تھے۔

"تمہاری بات نے میرا مان بڑھا دیا ہے۔" عصرہ کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔ "کوئی ڈھونڈ رکھی ہے تو مجھے ملوا دو اس سے۔ میں امریکہ جانے سے قبل تمہاری یہ خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"نہیں کاکا۔" اس نے تاسف سے سر جھٹکا اور نیچے ہال میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ "میرے حلقہ احباب میں نامکمل لڑکیاں ہیں۔ جو حسین ہے' اس میں وقار نہیں ہے۔ جس میں وقار ہے' اس کا خاندان اعلا

نہیں ہے۔ جس میں یہ سب کچھ ہے' وہ ذہین نہیں ہے۔ اگر اشعر محمود کسی لڑکی کو ملک کی فرسٹ لیڈی بنائے گا تو اس کو پرفیکٹ ہونا چاہیے۔"

"اچھا۔ مثلاً" اس کو کس طرح پرفیکٹ ہونا چاہیے؟" عصرہ محبت اور دلچسپی سے اس کو دیکھ کے چھیڑنے لگی۔

"اس کو۔" وہ عام سے انداز میں بات کا آغاز کرنے لگا' مگر پھر ٹھہر گیا۔ نظر نیچے ہال کے دروازے سے اندر آتی تین لڑکیوں پہ پڑی۔ ان میں سے دو امراء کے کسی خاندان کی تک سک سے تیار معمولی شکل کی لگتی تھیں اور تیسری۔۔۔ وہ لمحے بھر کو بالکل مبہوت ہو گیا۔ "اس کو۔" اس نے نظریں اس پہ ٹکائے الفاظ جوڑنے چاہے۔

"اس کو منفرد ہونا چاہیے۔"

وہ پیر تک آتے سفید اسکرٹ اور سفید بلاؤز میں ملبوس تھی۔ جل پری کا سا لباس۔ بالکل سفید۔ کندھوں پہ چھوٹا سا سرخ منی کوٹ پہن رکھا تھا۔

"اور وہ بے حد حسین ہو۔"

اس کے سیدھے سنہری بال ٹھوڑی سے نیچے تک آتے تھے۔ گوری سرخ رنگت' سیاہ آنکھیں' وہ ساتھ والی خاتون کی بات پہ مسکرا رہی تھی اور گال میں ڈمپل پڑ رہا تھا۔

"اور کافی دولت مند بھی ہو۔"

لڑکی نے کانوں میں موٹے موٹے نازک سے سرخ یاقوت جڑے ایئر رنگز پہن رکھے تھے اور یہاں سے بھی وہ دیکھ سکتا تھا کہ اس کی انگلی میں موٹے سے نادر ہیرے والی انگوٹھی تھی۔ کہنی پہ سفید ہینڈ بیگ ٹکا تھا۔

"اور اس کے ہر انداز سے اس کے اعلا خاندان کا پتا چلتا ہو۔ ریگل۔ ریگل سی لڑکی ہو وہ۔"

اس کے ساتھ والی خواتین خوش گپیاں کرتی آگے بڑھ گئیں مگر وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اردگرد سے بے نیاز پوری توجہ سے اس آرٹ کو دیکھنے لگی۔

"اور ذہین بھی ہو!" وہ پہلی پینٹنگ کے سامنے سے جلد ہی ہٹ گئی البتہ اگلی کے سامنے ٹھہر گئی۔ لبوں پہ مسکراہٹ آئی۔ اشعر نے دیکھا' وہ عام کو نظر انداز کر کے خاص اور قدیم کے سامنے رکی تھی۔ "کسی خوب صورت اور ذہین ہرنی کی طرح!"

"تم اس کو جانتے ہو؟" عصرہ نے اس کے قریب ہو کے سرگوشی کی تو اس نے چونک کر عصرہ کو دیکھا پھر ذرا خجل ہوا۔ "او ہو کاکا۔۔۔ میں تو یوں ہی ایک بات کر رہا تھا۔"

"اگر تمہیں وہ پسند آ گئی ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ مسکراہٹ دبا کر بولی تھی۔ اشعر ہلکے سے ہنس دیا۔ پھر دوبارہ نیچے دیکھا۔ وہ ابھی تک اس پینٹنگ کو دیکھ رہی تھی۔

"ویسے کون ہے یہ کاکا؟" عصرہ نے شانے اچکا دیے۔

"میں تو نہیں جانتی۔ تم خود پوچھ لو۔"

اشعر نے دور کھڑی سیکریٹری کو چٹکی سے ادھر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً" دوڑی چلی آئی۔

"یہ لڑکی کون ہے سفید لباس اور سرخ منی کوٹ پہلے۔ معلوم کر کے دو۔" سنجیدہ صورت بنا کر اس نے سپاٹ انداز میں حکم دیا تو فوراً" "دلیس سر" کہتے ہوئے سیڑھیوں کی طرف دیکھا۔

گیلری کے باہر ایک کافی شاپ کے برآمدے میں چھتری تلے بیٹھی دانتن گرما گرم کافی پی رہی تھی۔ بارش ابھی تھمی تھی اور موسم ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی وہ کان میں لگے ننھے ٹکڑے کو دبا کے کہہ رہی تھی۔ "اور تمہیں کیوں لگتا ہے کہ تم عصرہ سے ملاقات کر لو گی۔"

اندر پینٹنگ کے سامنے کھڑی تالیہ نے ہونٹوں کی کم سے کم جنبش کے ساتھ جواب دیا۔ ”کیونکہ میرے ڈائمنڈز اسے متوجہ کرلیں گے۔ وہ ابھی بھی اوپر کھڑی مجھے ہی دیکھ رہی ہے۔ ساتھ اس کا بھائی بھی ہے۔“

”بس خدا کرے اس نے اس سنگاپوری تاجر کی بیوی کو کبھی یہ یاقوتی سیٹ پہنے نہ دیکھا ہو جس کا ہم نے یہ چرایا تھا۔“

”خدا کی قسم داتن ' اگر تم نے مجھے اس سچویشن میں ہنسانے کی کوشش کی تو میں تمہارا کھانا پینا بند کردوں گی۔“ وہ بدقت مسکراہٹ دبا کے بولی تھی۔ ”اور تیر نشانے پہ لگا ہے۔ عصرہ کی سیکریٹری مسز یاسمین کے ساتھ کھدبد کرتی نظر آرہی ہے۔ یقیناً ”میرا ہی پوچھ رہی ہوگی اور مسز یاسمین معصوم سی ہے' جو امپریشن میں نے بنا رکھا ہے اس کو بڑھا چڑھا کے بتائے گی۔“ وہ کن آکھیوں سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ نظریں پینٹنگ پہ جمی تھیں۔ پھر جیسے ہی اس نے دیکھا کہ یاسمین خاموش ہوگئی ہے' اور سیکریٹری سرہلا کے مڑنے کو ہے' وہ ایک دم گھومی اور چند قدم چل کے ان کے قریب آئی۔

”سنو تم.... تم یہاں کام کرتی ہو؟“ سنجیدگی سے اسے مخاطب کیا تو سیکریٹری نے پہلے یاسمین کو دیکھا' جو اپنی جگہ خجل ہوئی تھی اور پھر تالیہ کو۔

”جی۔“

”مجھے یہ پینٹنگ خریدنی ہے۔ ابھی' اسی وقت۔“ اس کے انداز میں ایک شاہانہ پن سا تھا۔

”یہ تو.... کافی.... آ۔“ وہ ہکلائی۔ ”قیمتی ہے' اور اس طرح ان کو بیچا نہیں جاتا' لیکن....“

”قیمت کا مسئلہ نہیں ہے۔ میں ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔“ تالیہ نے اسی شاہانہ انداز میں ہاتھ جھلا کے جیسے اس کے خدشے کو رد کیا تھا۔ ”متعلقہ آفیسر کو میرے پاس بھیجو۔ مجھے یہ ابھی چاہیے۔“ اور بے نیازی سے واپس پلٹ کر اسی پینٹنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ سیکریٹری کچھ مرعوب' کچھ کنفیوژ سی واپس اوپر بھاگی۔

”اس کا نام تالیہ مراد ہے۔ باپ مرتے وقت لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ گیا تھا' اس نے چند نامور کمپنیز میں انویسٹمنٹ کررکھی ہے اور ان شیئرز کی خرید و فروخت کے منافع سے کافی آسودہ زندگی گزار رہی ہے۔“ سیکریٹری اب ان دونوں کے ساتھ کھڑی دھیمی' آواز میں بتارہی تھی۔

اشعر کی نظریں نیچے ہال پہ جمی تھیں جہاں وہ اس جانب کمر کیے پینٹنگ کے مطالعے میں محو تھی۔ عصرہ سینے پہ بازو لپیٹے بنا کسی تاثر کے سنتی رہی۔

”یہ ایک سوشلائیٹ ہے (ایسی عورت جو بے پناہ دولت ہونے کے باعث سارا وقت پارٹیز اور فنکشنز اٹینڈ کرنے میں گزارتی ہے۔) مختلف چیریٹی ایونٹس میں بھاری ڈونیشن بھی دیتی رہی ہے۔ آرٹ کلیکٹر ہے۔ اور میم....“ وہ کھنکھاری۔ ”وہ اس پینٹنگ کو خریدنا چاہتی ہے۔“

”اس پینٹنگ کو؟“ عصرہ نے بازو گرائے اور تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ”لینگ مے کی اس پینٹنگ کو وہ خریدنا چاہتی ہے؟ اس کو اس کی قیمت معلوم بھی ہے۔“

”بیچ دو۔“ اشعر نے اطمینان سے عصرہ کی آنکھوں میں دیکھا اور دھیما سا بولا۔ ”اس کو جو چاہیے اس کو فروخت کردو' کاکا۔“

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

ہر گام زندگی

مصباح علی سیّد

"تمہارا آج بھی روزہ نہیں ہے؟" صوفے کے بیچوں بیچ پھسکڑا مارے عشبہ کڑھی کا پیالہ ہاتھ میں لیے اسے انگلیوں سے چاٹ رہی تھی۔ چٹ پٹے مسالا جات کے اثر سے ناک اور آنکھیں خاصی نم آلود تھیں۔ کچھ حسیل کے اچھنبے نے کردیں۔ کچھ سرخی میں بدل کر گالوں سے رینگتی کان کی لو تک جا پہنچی تھی۔ مجال ہے، جو اپنی خجالت کا احساس کسی دوسرے پر ظاہر ہونے دے دے۔ پیالہ وہاں ہی دھر جھٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آج بھی کا کیا مطلب ہے...؟" بھنویں اچکائے وہ اس کے دوبدو تھی۔

مانا روزے سخت گرمی کے تھے اور ملتان جیسے شہر میں مگر اب ایسی بھی گرمی صحت مند حسیل کے دماغ کو نہ چڑھی تھی کہ ہر جگہ اسے عشبہ کھاتی پیتی دکھائی دے۔ ابھی کل ہی کی بات تھی گھڑی بھر کو بادل آسمان پر آئے تھے۔ تمام لڑکیاں صحن پھلانگتیں پچھلے باغ میں گھس گئیں۔

کوئی مربعوں پر پھیلا باغ نہیں تھا۔ گھر کے پچھواڑے چھوٹا سا قطعہ اراضی تھا جسے نانی اماں نے طرح طرح کے بیج ڈال کر ہریالی میں بدل رکھا تھا۔ وقت گزرتا رہا' پودے بڑے ہوتے رہے اور جو پہلے بڑے تھے وہ توانا درخت بن گئے۔ دو آم کے' تین جامن کے' ایک ڈوکے (کھجور) کا۔ اس کے علاوہ لسوڑھے اور انار کے کئی چھوٹے بڑے بوٹے تھے۔

جب بھی کوئی نواسی' نواسا رہنے کے لیے آتا تو تمام کزنز مل کر اسے وی آئی پی پروٹوکول دیتے ہوئے کسی پھول کا چھوٹا سا پودا لگوا دیتے۔ یوں وہ قطعہ اراضی اک باغ میں بدل گیا۔ نانا کے بعد نانی اماں کے لیے بھی بہترین مصروفیت بن گئی بلکہ بڑے بیٹے نے کونے میں چھوٹا سا حوض بنا کر دو بطخیں چھوڑ دیں۔

بڑی بیٹی آئی تو دو جوڑے آسٹریلین طوطے لے آئی۔ خود پالے تھے مگر اب بیزار آچکی تھی۔ پنجرہ لا کر ایک درخت پر لٹکا دیا۔ یوں باغ میں چہکار بھی ہوگئی اترتا' چڑھتا سورج اپنی کرنوں کو ہوا میں لپیٹ کر باغ کو معطر کر دیتا تھا۔ بادل چھائے' لڑکیاں کد کڑے لگاتی پہلے پہنچ گئیں اور ان سب میں توانا عشبہ لگ رہی تھی۔ دل بھر کر جھولا جھولا' چنبیلی کی ڈوڈیاں توڑ کر نانی کے لیے گجرا بنایا۔ اتنی محنت سے ہی تھک چکی تھی۔ طاقت بحال کرنے کے لیے کیری توڑی' درخت پر چڑھی کچر کچر کھا رہی تھی۔ ماموں کی دونوں بیٹیاں جامن کے نیچے بچھی چارپائی پر پائنتی' سرہانے لیٹی تھیں۔ منہ پر گیلے دوپٹے ڈال رکھے تھے۔ جن کا روزہ تھا انہیں ہی پتا تھا۔ مگر عشبہ بی بی ہر پانچ منٹ بعد نعرہ مار دیتیں۔

"روزے داروں اللہ کے پیاروں...
پتنگیں جھولو وقت ہنڈالو۔" (گزارو)

ان بے چاریوں کے حلق اندر سے چپکے پڑے تھے۔ ہاتھ سے اسے "دفع دور" کا اشارہ کیا۔ کروٹ بدل لی۔ وہ اپنی مستی میں جھول رہی تھی۔ گلے میں پڑا لمبا دوپٹہ ہوا کے سنگ رنگ بکھیر رہا تھا تب اچانک اس کا جھولا آہنی شکنجے سے رکا۔ اس نے پلٹ کر دیکھا تھا۔ کیری پر جمے دانت ویسے ہی رہ گئے آنکھیں پوری کھل گئیں۔

جھولے کی رسی کو تھامے حسیل جما کھڑا تھا۔ سیاہ آنکھیں اس کی کیری پر گڑی تھیں۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے کی بات تھی۔ وہ ظہر پڑھ کر مسجد سے آیا تھا۔ سیدھا نانی اماں کے پاس آ بیٹھا۔ پانی والے کولر کی ہوا قدرے گرم محسوس ہوئی تھی۔ اس نے پنکھے کی جالی کے آگے ہاتھ پھیلاتے واٹر گیج کو دیکھا۔ پانی تقریباً" ختم تھا۔ دروازے کے پاس بیٹھی عشبہ کو اس نے کہا تھا۔

"پانی ختم ہو رہا ہے' پائپ لگادو۔"

کام کا سنتے ہی مانو عشبہ کی ساری جان نکل گئی تھی۔ بدروح کی طرح آنکھیں منہ پھاڑ کر اپنا ہاتھ چہرے کے آگے جھلنے لگی۔

"ہائے بڑا شدید روزہ لگ رہا ہے' چکر آرہے ہیں نانو۔"

اس سے پہلے کہ وہ چکرا کر گرتی' حسیل وہاں سے اٹھا ' پمپ چلا کر پائپ کولر میں لگایا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو آنکھیں موندے کولر کے بالکل سامنے لیٹی تھی۔ لمحے بھر کو غصہ تو بہت آیا۔ پھر روزے دار سمجھ کر واپس پلٹ گیا تھا۔ علی' عمران کے کمرے میں جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اور اب جب عصر پڑھ کر داخل ہوا تو محترمہ کیری سے لطف اندوز ہوتی گنگنا رہی تھیں۔

"میرا خیال ہے' آج کا روزہ بہت شدید تھا۔" اس نے اپنے کان کی لو ملکے سے کھجاتے ہوئے یاد دہانی کروائی تھی۔ اور وہ چھلانگ مار کر اتر گئی۔

"ہاں... کیری ہاتھوں سے چھٹ گئی۔ تھوکتی ہوئی نل کی جانب بھاگی تھی۔

"بھول چوک ... تو معاف ہے۔"

یہ اب صرف اللہ اور عشبہ جانتی تھی کہ اس نے کلیاں زیادہ کی تھیں یا گھونٹ زیادہ بھرے تھے۔ البتہ اس کے زور و شور سے استغفر اللہ' لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے سے آمنہ اور ہنیہ اٹھ بیٹھی تھیں۔ سر پر دوپٹہ کستی عشبہ کو اندر کی جانب بھاگتا دیکھ کر دونوں نے اشارتاً" حسیل سے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا؟"

اس نے ذو معنی کندھے اچکائے "بھول چوک" اور کہہ کر اندر کی جانب بڑھ گیا۔ افطار کے وقت زمین پر بچھائے دسترخوان پر سب بیٹھے تھے۔ سر پر خوب اچھی طرح دوپٹہ جمائے نانی کے گھٹنے سے گھٹنا ملائے عشبہ کی غیر ہوتی حالت کو دیکھ کر بڑے ماموں نے اک بار سوچا تھا۔ جلدی سے اذان ہو جائے' اللہ تو اس بچی پر رحم کر۔"

اتنے میں ہی آمنہ آپی نے جو سب کزنز میں بڑی تھیں' روح افزا کے جگ کو انگلیوں کی پشت سے چھو کر دیکھا۔ کچھ خاص محسوس نہ ہوا۔ تھوڑا سا ایک گلاس میں انڈیل کر ٹھنڈک محسوس کی پھر اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"عشبہ! اٹھو' برف توڑ کر لاؤ۔"

"عشبہ اٹھو" پر ہی اس نے کرنٹ کھا کر دیکھا۔ اس سے پہلے کہ روزے کی حالت سے' بیٹھتی سانسوں کی اداکاری شروع کرتی' آمنہ کی گھرکی سے فوراً" اٹھ گئی اور یہ سارا منظر حسیل سے چھپا نہ رہ سکا۔ اس کے ہونٹ "اوہ" سکڑے۔ بھول چوک پوری جزئیات سے گھوم گئی تھی۔ پھر تو پندرہ دن کا تسلسل دماغ میں کلبلانے لگا۔

یقیناً" پہلا' دوسرا روزہ تھا۔ محترمہ نے فجر کی نماز ادا کرتے ہی کچھ اداکاری کی پھر سانسیں بحال کرتے کہہ دیا۔

"مجھے تو آنے سے روزہ فاسق ہو گیا۔"

"اچھا بھی ہو گیا ہو گا۔" روزے داروں نے خوب آؤ بھگت کی... مہمان ہے بیمار نہ پڑ جائے۔ ایک دن چھت پر بیروں کی گٹھلیوں سے کھیلتے دیکھا گیا۔ اٹھی تو جھولی سے بیر پٹ پٹ گرے۔

"افطار کے لیے سنبھال رکھے تھے" بات بنالی اور آج تو پورا اکڑھی کا پیالہ چاٹ کر دیدہ دلیری سے "آج بھی کا کیا مطلب" پوچھ رہی تھی۔ اس نے پہلے خالی پیالے پھر اس کی بھوری آنکھوں میں جھانک کر کہا تھا۔

"محترمہ! مطلب یہ کہ آج تمام پاکستانیوں کا الحمدللہ چودھواں روزہ ہے 'اور یقیناً' اس میں آپ کا ایک بھی نہیں ہو گا۔"

اس کے پُریقین انداز پر وہ اندر تک کلس گئی تھی۔ جس حسیل کو وہ پچھلے ایک سال سے جانتی تھی کم از کم وہ زنانہ ٹوہ باز فطرت کا ہرگز نہیں تھا۔ بمشکل اس کا جملہ ہضم کیا۔ چہرے پر کرختی لاتے ہوئے ہاتھ اسٹاپ کے انداز میں اٹھایا۔

"ہر انسان کو اپنی قبر میں جانا ہے 'اسے اپنے اعمالوں کا جواب خود دینا ہے' کوئی بونس سسٹم نہیں ہو گا 'تو اس لیے... " اس نے پوری ادا سے پلکیں لرزاتے ہوئے یک لخت اٹھائیں۔ "آپ کو دخل اندازی کی قطعی ضرورت نہیں 'سمجھے...'"

"ارے...!" اس کے کہتے ہی مڑنے پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔ یہ وہی عشبہ تھی جو کچھ مہینے پہلے اسے لمبا چوڑا اسلامی درس دے رہی تھی۔ صرف اور صرف ایک ٹریٹ مانگنے پر۔ تیسرے سمسٹر میں یک لخت اس کی جی پی دو پرسنٹ بڑھی تھی۔ پریزنٹیشن اور اسائنمنٹ تیار کرنے میں حسیل نے اس کی پوری مدد کی تھی۔ ٹریٹ تو بنتی تھی لیکن وہ یک دم بول اٹھی۔

"واٹ... یعنی کہ میں تمہیں ٹریٹ دوں 'تم مجھ سے بڑے ہو پھر مرد 'شرم نہیں آتی ایک معصوم سی کزن سے دعوت مانگتے ہوئے۔"

"عشبہ بی بی! فرینڈز میں کوئی بڑا چھوٹا نہیں چلتا' میں نے تمہاری ہیلپ کی تھی 'تمہاری کارکردگی بڑھ گئی' دعوت تو بنتی ہے..." معاً اذان ہوئی عشبہ کے شاطر ذہن نے فوراً دستک دینی شروع کر دی۔ جب حسیل اس سے پیسے نکالنے کا مطالبہ کر رہا تھا۔

"نکالو نکالو 'جلدی نکالو۔"

اس نے ترچھی کی ہوئی بھنویں قدرے سمیٹتے ہوئے انگشت سے عقب کی جانب اشارہ کیا۔ کان ایسے تھے جیسے کھڑے کر لیے گئے ہوں۔

"سنائی دے رہا ہے تمہیں... موذن کیا کہہ رہا ہے' آؤ کامیابی کی طرف 'فلاح کی طرف... اور تم شیطان بنے کھانے کو الاپ رہے ہو... استغفراللہ 'میں نے آج تک زندگی میں کوئی نماز 'کوئی روزہ نہیں چھوڑا' ادھر اذان 'ادھر نماز... اور تم..." اس نے زور زور سے "چہ چہ چہ" کیا تھا۔

"نماز پڑھو' ندیدے! جنت میں دودھ شہد کی نہریں ہوں گی 'تیتر' بٹیر بھنے ملیں گے 'لیکن پہلے نماز روزے کا اہتمام کرنا پڑے گا... اس لیے اللہ حافظ' میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔"

اس نے منٹ لگایا تھا وہاں سے کھسکنے میں 'کیفے ٹیریا کی سیڑھیوں پر وہ اسے تکتا رہ گیا اور وہ اتنی تیزی سے لیڈیز نماز ہال کی جانب بڑھ رہی تھی جیسے اس نے ہی جا کر جماعت کروانی ہو اور پھر تو اس کا معمول بن گیا تھا جہاں دلیلوں میں خود کو کمزور پڑتا دیکھتی ایسے ایسے اسلامی واقعات سنا ڈالتی۔ وہ شرمندہ ہی ہو جاتا۔ ایک بار حسیل نے کہہ دیا۔ "بس کر جاؤ عشبہ 'ہر بندہ خود جواب دہ ہو گا۔"

"ارے کیسے چپ کر جاؤں 'ہم مسلمان ہیں 'امر بالمعروف 'نہی عن المنکر کا حکم ہے 'ہمیں 'بجا آوری کر رہی ہوں۔"

اور اب کیسے آرام سے کہہ کر چلتی بنی "اپنی قبر میں خود جانا ہے۔" جواب نہیں ہے عشبہ بی بی! تمہارا...

✡ ✡ ✡

حسیل اور عشبہ کی ملاقات یونی ورسٹی کے فن

فیئر پر ہوئی تھی۔ عشبہ نے اپنی کچھ سہیلیوں کے ساتھ مل کر کیمپز کا اسٹال لگا رکھا تھا۔ مارکیٹنگ کی ذمہ داری عشبہ کی تھی۔ اپنی چرب زبانی سے ہر چند منٹ بعد چند اسٹوڈنٹ گھیر لاتی۔ تب ہی اسے ایک لمبی چوڑی پشت والا نوجوان نظر آیا تھا۔ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ اڑسے کسی سے بات کر رہا تھا۔ اس کی جانب پشت تھی۔ اس نے آہستہ سے اس کی پشت بجائی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

"جی۔۔۔؟"

"وو۔۔۔ وہ" بہت مشکل سے لفظ نکلا تھا۔ اچھا خاصا رعب دار بندہ تھا۔ "وہ میں نے کہیں دیکھا ہے۔"

"کسے۔۔۔ اس کوٹ کو۔۔۔؟" اس نے کوٹ کی جانب اشارہ کیا، جو اس نے پیچھے سے بجایا تھا۔ "میں قسم کھا کر کہتا ہوں یہ میرا اپنا ہے، آپ چیک کر سکتی ہیں لیڈیز ہر گز نہیں ہے۔"

"نہیں نہیں۔۔۔" وہ گردن جھٹکتے ہوئے بولی۔ "آپ کو آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"پیچھے سے ہی اندازہ لگا لیا۔ ارے واہ! اتنی جلدی تو میری اماں نہ پہچانے۔"

"اُفف۔۔۔!" وہ سر جھٹک کر جانے لگی پھر مڑی اب کے اس کی پشت بجانے کے بجائے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں رہتے ہیں۔۔۔؟"

"ہاسٹل۔۔۔"

"نہیں میرا مطلب ہے۔۔۔ شہر۔"

"جی میں کویت سے۔۔۔"

"کویت۔۔۔" عشبہ نے زیر لب دہرایا تھا۔ کویت کوئی ایسا علاقہ نہیں تھا جو پہلے نہ سنا ہو، وہاں ایک خالہ رہتی تھیں ان کا صرف نام سن رکھا تھا یا چند تصاویر تھیں نانی کے گھر جن میں ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹے کی تصویر شامل تھی۔ یہی کوئی پندرہ سولہ برس کا لڑکا۔ لیکن یہ لڑکا تو کہیں سے نہیں لگ رہا تھا۔ کم سے کم چوبیس کو پہنچنے والا ہوگا۔ ذہن پر زور دینے سے یاد آیا کہ وہ تصویر بھی تقریباً کئی سال پرانی تھی۔ اس نے آواز دبا کر پوچھا تھا۔

"سمیعہ خالہ۔۔۔؟"

وہ لحہ بھر کو چونکا "آپ؟"

"میں نادیہ کی بیٹی۔۔۔ عشبہ۔"

"نادیہ خالہ۔۔۔"

حسیل کی آواز اس نے خود ہی سنی ہوگی باہر تو صرف تحیر پھیلا تھا۔ بہت عجیب بات تھی۔ وہ دونوں فرسٹ کزنز ایک یونی ورسٹی میں پڑھتے ایک دوسرے سے بالکل انجان یہاں تک کہ اتنا بھی معلوم نہیں تھا کہ کتنے بڑے ہیں اور کہاں پڑھتے ہیں لیکن فی الوقت دونوں اپنی خجالت کو خود سے چھپاتے ایک دوسرے کے گھر والوں کا حال احوال پوچھ رہے تھے۔

سمیعہ شادی کے بعد جب کویت گئیں تو یقیناً کوئی قسم ہی کھا کر گئی ہوں گی کہ دوبارہ نہیں ملوں گی اور وہ واقعی نہ آئیں نہ کوئی خاص رابطہ رکھا۔ کبھی ابا کی طبیعت خرابی کا پتا چلتا تو فون کر لیتیں اور بات ختم چھ سال پہلے باپ کی وفات پر آئی تھیں اور سوئم کے بعد شدید جھگڑا بھی ہوا کیونکہ انہیں تب ہی پتا چلا تھا۔ ابا نے اپنا پرانا مکان بیچ کر نادیہ کے میاں کو رقم دی ہے۔ اس کا کوئی کاروباری نقصان ہو گیا تھا۔

"اور میرا حصہ؟" انہوں نے جس قدر تلخی سے کہا تھا اماں کو جھٹکا لگا تھا۔ بھائی، بھابھیوں کے الگ منہ کھل گئے۔

"حصے بخرے ابھی کہاں ہوئے ہیں۔" اماں نے بات کو سنبھالا۔ "اسے شدید ضرورت تھی، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ تیرے باپ نے دے دیا۔"

"ابا کو ہمیشہ وہی ضرورت مند نظر آتی ہے، زیادہ سگی تھی نا ان کی، جو چیز دیکھی، سمیٹ کر اس کی جھولی میں ڈال دی۔ یہ بھی ٹھیک ہے نادیہ آپا کے ڈرامے، بچے چھوٹے ہیں۔۔۔" وہ کچھ جتاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"بہرحال، جو میرا حصہ بنتا ہے، وہ میں جاتے ہوئے لے کر جاؤں گی۔"

بڑی بھابھی نے ہاتھ پکڑ کر بٹھانا چاہا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو، فوتگی والا گھر ہے لوگ آجا

رہے ہیں۔"

"تو۔؟" انہوں نے شان بے نیازی سے کہا۔

"وراثت تو سانس نکلتے ہی شروع ہو جاتی ہے۔"

اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "نذیر! تو ہی سمجھا اسے۔" اور اس سے پہلے کہ نذیر بھائی جان کچھ بول پاتے انہوں نے کٹیلی نگاہوں سے نذیر بھائی کو دیکھا تھا۔

"ہونہہ۔ آخر میں سب کو آپ ہی ملتے ہیں' مجھے سمجھانے کے لیے' تب میں چھوٹی تھی۔ سمجھ گئی تھی۔" دفعتاً" حسیل اندر داخل ہوا تھا اماں سے کچھ کہنے کے لیے مگر سب کے چہروں کی کشیدگی نے ہمت مفقود کر دی۔ واپس پلٹنے لگا تھا تب سمیعہ کی آواز کانوں میں پہنچی۔

"حسیل! رکشہ روکو' ہم تمہاری پھپھو کی طرف جا رہے ہیں۔۔۔ بہنوں کو دیکھو کدھر ہیں۔" حسیل کے باہر نکلتے ہی اٹل انداز میں کہتی ہوئی اٹھیں۔

"میں راشدہ کی طرف جا رہی ہوں' لیکن واپسی پر اپنا حصہ لے کر جاؤں گی۔"

ان کے ہوائیاں اڑتے چہرے چھوڑ کر باہر نکل گئی تھیں اور پھر کویت جانے سے پہلے واقعی اپنے حصے کی رقم لے کر گئی تھیں۔ بھلے سے وہ اپنے نوکروں میں تقسیم کر دی ہو۔ یہ سوچے بنا کہ بھائی بھابھیوں نے کس مشکل سے اس رقم کا بندوبست کیا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ خون کا رشتہ کبھی کبھار فون کی تار سے بہہ کر اماں کے کانوں میں احساس جگا دیتا۔

"میں اور بچے ٹھیک ہیں اور بہت خوش بھی۔"

پچھلے سال بڑی بیٹی کی شادی اپنی نند کے گھر کی تھی۔ جس طرح سرسری انداز میں میکے والوں کو بلایا۔ انہوں نے اس سے بڑھ کر سرسری انداز سے شرکت کی۔ نادیہ تو کیا قدم رکھتی۔ عشبہ کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ کسی خالہ زاد کی شادی ہو رہی ہے۔ شادی پر بھی انہوں نے کسی کو ہوا نہ لگنے دی کہ ان کا بیٹا تین سال سے یہاں فیصل آباد زرعی یونیورسٹی میں پڑھ رہا ہے۔ وہ تو نادیہ نے اماں کو بتایا تھا۔

"حسیل عشبہ کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔"

اماں بھائیوں کی حیرت دکھ میں بدلی۔

"کیا تھا اگر بتا دیتی' سو مسئلے مسائل ہوتے ہیں۔۔۔ بے شک اس کے معیار کے نہیں مگر ہم اپنے تو ہیں۔۔۔ خیر جہاں رہے' خوش رہے آباد رہے۔" نذیر بھائی کو دلی صدمہ ہوا تھا۔

حسیل عشبہ سے کئی بار یونی میں ملا تھا۔ امی نے ان لوگوں کا نقشہ کھینچ رکھا تھا۔ وہ اس سے بے حد مختلف لگی تھی۔ کچھ شوخ' کچھ حاضر جواب' دل خود بخود اس کی جانب کھنچنے لگا۔ گھر والوں کا حال احوال پوچھنے کے بہانے ہلکی پھلکی ملاقات ہو جاتی۔ وہ بھی ڈسکہ سے فیصل آباد ہاسٹل میں تھی' سو کسی ضرورت کا پوچھ لینا حسیل کو اپنا فرض لگتا تھا۔

اور اس دن جب سینئرز' جونیئرز پریزنٹیشن تھی۔ جونیئرز کی طرف سے عشبہ کو پیش کرنا تھی۔ وہ اپنی یو ایس بی میں بہت اچھے طریقے سے سیٹ کر کے لائی تھی۔ بہت اعتماد سے اٹھ کر آئی۔ دیوار پر نصب ایل ای ڈی میں اپنی یو ایس بی لگائی۔ اسکرین کے روشن ہوتے ہی وہ مختلف گوشواروں کی وضاحت دینے لگی تھی۔

یونی کے طلبہ کو خواہ مخواہ عادت ہوتی ہے' پریزنٹیشن کے دوران اپنے ساتھی کو کنفیوژ کرنے کی۔ اس کی دو سانسوں کے درمیانی وقفے میں داد دینا شروع کی "واہ' واہ" شروع ہونے پر پروفیسر صاحب نے پہلے گھر کا' پھر ڈپٹا۔

"کیا بات ہے' یہاں مشاعرہ چل رہا ہے۔" سب کی کھی کھی بکھری اور اتنے میں ہی ایک ہفتے سے رٹے پوائنٹ بھک سے اڑ گئے۔

وہ پلکیں پٹپٹاتی ذہن میں جملوں کی ڈھینگا مشتی کو قابو کرنے میں سرخ ہو رہی تھی کہ دفعتاً" حسیل ہاتھ اٹھاتے ہوئے کھڑا ہوا۔

"سر! میں اس کی وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔"

پروفیسر صاحب نے سر کے خم سے اسے اجازت دی۔

وہ مضبوط قدموں سے ایل ای ڈی کے سامنے آگیا اور غیر محسوس طریقے سے عشبہ کو بیٹھ جانے کا اشارہ کیا تھا۔ سر سے ڈانٹ کی بچت ہونے پر اس کی ڈوبتی سانسیں بحال ہو گئیں۔ اپنے گروپ کے ساتھ تو باہر نکل کر اس نے جو کچھ کرنا تھا وہ ایک الگ بات تھی۔ البتہ دل میں حسیل کی طرف سے کوئی چادر سی لپٹ گئی تھی پھر تو تھوڑے عرصے میں دوستی بے تکلفی میں ڈھلنے لگی۔

گھر والوں کی باتوں کے دوران ایک دوسرے کے مزاج سے خوب واقف ہو گئے یہاں تک کہ حسیل ایک سال میں تین بار اس کے ساتھ ڈسکہ جاکر نادیہ خالہ سے مل آیا تھا۔ ان سے مل کر تو رائے یکسر بدل گئی۔

اس کی سمجھ سے باہر تھا آخر امی کو اختلاف ہے کس چیز پر؟ ان لوگوں کی غربت پر؟ آخر ان ہی کی بہن ہیں پھر کیوں۔۔۔؟ بہن کے بہانے ملتان گیا اور نانی کے گھر کے دروازے کھل گئے۔ باتوں باتوں میں جاننے کی کوشش کی مگر نانی نے بہت ہی پیار سے بات آئی گئی کر دی۔

☆ ☆ ☆

رمضان قریب تھا۔ عید پر سمیعہ نے چھوٹی بیٹی حبہ کے نکاح کی تقریب رکھی تھی۔ رشتہ بڑی بیٹی کے سسرال میں تھا۔ وہ حبہ اور میاں کے ساتھ پاکستان آنے کی تیاریوں میں لگی تھیں۔ حسیل نے بھی فون پر خبر دے دی۔

"مجھے بھی ایک لڑکی پسند ہے، آپ آکر دیکھ لیں۔"

سمیعہ نے بہت پوچھا۔ سوائے نام کے اس نے اور کچھ نہیں بتایا تھا۔

ہاسٹل میں جیسے جیسے رمضان کی تیاریاں دکھائی دینے لگیں، عشبہ کو میس کے ہول اٹھنے لگے۔ صرف سحر و افطار میں کھلے گا۔ روزے رکھے ضرور تھے مگر صرف سردیوں کے۔ گرمیوں کے طویل دنوں کا سوچ کر ہولنے لگی۔ اوپر سے یونی میں اتنا چلنا اس کے لیے ناممکن تھا۔ اس نے زور و شور سے کہنا شروع کر دیا۔

"میں تو رمضان میں بہت عبادت کرتی ہوں، اعتکاف تو لازمی ہے۔۔۔ بسا اوقات تو مہینے بھر کا بیٹھ جاتی ہوں، دیکھو بھلا سال میں ایک مہینہ آتا ہے، بندہ روزہ رکھ کر اپنے رب سے لو لگائے، یہ کیا یونی میں پھیریاں لگا کر لو لگا لو۔۔۔ نہ بابا نا میں تو مہینے بھر چھٹیاں کروں گی۔۔۔ اور ملتان نانی کے پاس جاؤں گی۔ بزرگوں کے ساتھ سحر و افطار کی برکت ہی الگ ہے۔"

اب وہ یہ کیا بتاتی، روزہ تو اس نے رکھنا نہیں اور یہ بات ماں سے چھپ بھی نہ سکے گی۔۔۔ بس پھر سب تو روزے دار اور کام کار گڑا لگے گا اس کھوجے دار کو، بہتر ہے نانی کے چل، مہمان بن کر رمضان گزار۔ وہ تو حسیل نے بتایا۔

"فکر نہیں کرو، تمہیں چھٹیاں نہیں کرنی پڑیں گی، بلکہ یونی میں رمضان کی چھٹیاں ہو رہی ہیں۔۔۔ اور ملتان کا پروگرام۔۔۔ یار! میرا بھی ادھر کا ہی ہے۔۔۔ امی آرہی ہیں ناں۔"

وہ ماں کے گھر میں حسیل کی یونی فیلو سے ملیں۔ بہت اچھی لگی تھی۔ شکل صورت، انداز سب بہترین پھر بیٹے کی پسند۔ کیوں نہ چھوٹی کے نکاح کے ساتھ حسیل کی بات طے کر دی جائے لیکن جب پتا چلا "نادیہ آپی کی بیٹی" طوفان کی صورت چہرے کے رنگ بدلے تھے۔

"امی! میں آپ کا اکلوتا بیٹا ہوں اور وہ میری پسند۔"

"اور میں بھی تمہاری اکلوتی ماں ہوں اور وہ میری ناپسند۔" انہوں نے کروفر سے کہتے ہوئے بیڈ سے پرس اٹھا کر کندھے پر لٹکایا۔ "چلو اب، مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔"

"لیکن کیوں ناپسند ہے، کوئی تو ریزن ہو گا۔"

"حسیل ہر کیوں کی ریزن نہیں ہوتی۔۔۔ سمجھے۔"

"لیکن مجھے اس کیوں کا جواب چاہیے۔"

وہ ان ہی کا بیٹا تھا، ان ہی کے انداز میں بولا۔ سمیعہ کے ابرو پھیلے تنے، پھر بھنچے دانت کچکچاتے ہوئے نتھنوں میں اکڑاؤ ابھر کر معدوم ہوا۔ اس کی خود پر گرفت

نگاہوں کے جواب میں انہوں نے اپنا ہاتھ بہت زور سے اٹھانا چاہا تھا۔ کمرے میں قدم رکھتی نانی نے پیچھے سے ہی پکڑ لیا۔

"میرے گھر میں تم میرے نواسے پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتیں... سمجھیں۔"

انہوں نے جھٹکے سے ان کا ہاتھ چھوڑا پھر انہیں ترحم بھری نگاہ سے دیکھے گئیں۔

"کسی ایک فرد کے ناپسند ہونے سے اس سے وابستہ ہر رشتہ برا نہیں ہو جاتا۔"

وہ دکھ سے کہتی اپنے بیڈ پر ٹک گئی تھیں۔

سمیعہ نے کچھ دیر ماں کو دیکھا پھر قدم ٹھونک کر رکھتی باہر نکل گئیں۔ ان کے جوتے کی ہیل کے فرش سے ٹکرا کر نانی کے کانوں میں سلاخوں کی طرح گڑی۔

حسیل ہاتھ ماتھے تک لے جا کر خدا حافظ کہتا ان کے پیچھے لپکا تھا۔ دہلیز کے پاس بنے کچن سے عشبہ دکھائی دی۔ شاید کوئی چیز کھا رہی تھی۔ حسیل کو دیکھتے ہی ہاتھ جھٹ سے پیچھے کرلیے۔ اس وقت حسیل کا موڈ قطعاً "مذاق کا نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا دو قدم آگے آیا۔ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

"یہ جو تمہاری روزہ خوری کی عادت ہے ناں 'لگتا ہے کفارہ میں ہی بھگتوں گا۔"

کچھ دیر پہلے خالہ کو جس کروفر سے جاتے دیکھا تھا اور اب اس کا جملہ... "یعنی کہ ناپسند 'اف اللہ! جی نہیں۔"

حسیل کے باہر نکلتے ہی اس نے اپنے دونوں کانوں کی لویں کھینچ کر پکڑلیں۔ "آئندہ کوئی روزہ نہیں چھوڑوں گی۔" حسیل کے ہجر میں بھوکی پیاسی بنجارن بننے سے بہت بہتر تھا بقایا سارے رکھ کر بعد میں قضا بھی ادا کرلے۔

گاڑی میں بیٹھ کر دروازہ زور سے بند کرنے سے اس کی واضح خفگی جھلک رہی تھی۔ ڈیش بورڈ پر موبائل پٹخا' گاڑی اسٹارٹ کی۔ سمیعہ نے اس کے رویے پر بالکل توجہ نہیں دی تھی۔ گاڑی کے شیشے سے باہر دیکھتی رہیں۔ وہ کچھ ہی دور گئے تھے کہ اس کا موبائل تھرکنا شروع ہو گیا۔ تیسری چوتھی گھنٹی پر اس نے گردن اچکا کر دیکھا تھا۔

"حمنیٰ کالنگ۔" چمک رہا تھا۔

حلق اندر تک تلخ ہو گیا۔ وہ کون سا کم تھی۔ اگر امی کی ہم خیال نہیں تھی تو کبھی اختلاف بھی نہیں کیا تھا۔ کتنے سالوں سے اسی شہر میں بیاہی ہوئی تھی۔ عید بقرعید پر ہی ننھیال ملنے آجاتی تھی۔ حسیل دو تین بار عشبہ کو اس کی طرف لے کر گیا تھا۔ اسے عشبہ اچھی لگی تو تھی مگر پھر بھی کہہ دیا۔

"تم جو چاہ رہے ہو امی وہ ہونے نہیں دیں گی۔"

"کیوں؟" حسیل نے وضاحت چاہی۔

"کیوں کا تو مجھے نہیں پتا... مگر تم مجھ سے کسی دفاع کی امید مت رکھنا' امی کو قائل کرنا بے حد مشکل ہے۔"

یعنی کہ اس نے صاف جھنڈی دکھا دی تھی۔

مسلسل بپ پر سمیعہ نے ناگواری سے بھنوئیں سمیٹتے پہلے حسیل کو دیکھا پھر گردن اٹھا کر نمبر پھر تو ان کی خفگی مزید بڑھ گئی۔

"میں بھی کہوں' اٹھاتے کیوں نہیں' کون سا اس مہارانی کا ہے۔"

اسے ڈپٹتے ہوئے فون اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ چند سیکنڈز کے اندر ہی سمیعہ کے چہرے کے نہ صرف رنگ اڑے بلکہ آواز بھی کسی کنوئیں میں ڈبکیاں کھاتی محسوس ہوئی۔

"کیا کہہ رہی ہو... کہا... ں... کہاں ہو۔" وہ ان کے لہجے پر چونکا۔ گاڑی کی رفتار کم کرتے ہوئے فون پکڑ لیا تھا۔ یک لخت گاڑی جھٹکے سے رکی تھی۔

"کب؟" حسیل نے پوچھا پھر اس کے بتائے پتے پر گاڑی تیزی سے بھاگنے لگی۔ ساتھ ماں کو بھی ہمت دلاسے دیتا رہا۔

"آپ حوصلہ رکھیں' اللہ خیر کرے گا۔"

اسپتال کے کوریڈور میں بینچ پر بیٹھی سمیعہ' حمنہ کو ساتھ لگائے رو رہی تھیں۔ حبہ' نانی اماں سے مل کر

اگلے دن ہی حمنہ کے پاس چلی گئی تھی۔ اس کے بچوں نے خالہ کے ساتھ ملتان گھومنے کا پروگرام بنایا تھا۔ راستے میں ہی ان کی گاڑی کے ساتھ حادثہ پیش آگیا تھا۔ حمنہ اور بچوں کو معمولی چوٹیں لگی تھیں البتہ اویس اور حبہ کی حالت تشویش ناک تھی۔ نذیر بھائی کو جیسے ہی اطلاع ملی 'وہ ماں اور بیوی کو لے کر وہاں پہنچ گئے۔ ہچکیوں سے روتی سمیعہ کے آنسو پل بھر کے لیے نہ رکتے تھے۔

"اللہ! یہ کیسی آزمائش ہے۔ میرے دو بچے زندگی اور موت سے لڑ رہے ہیں 'میرے مالک رحم کر۔ حمنہ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں 'اویس کو کچھ نہ ہو۔"

اس جملے پر نذیر بھائی نے میکانکی انداز میں سمیعہ کو دیکھا اور بہت آہستہ سے کہا۔

"حالت تو حبہ کی بھی بہت خراب ہے 'پھر تم صرف اویس کے لیے ہی کیوں فکر مند ہو؟ سمیعہ نے آنسوؤں سے لبالب بھری نگاہیں اٹھائیں۔ آنکھوں کے پانی میں سارا منظر تحلیل ہو گیا۔ پانی پر کئی برس پرانا وقت تیر رہا تھا۔

✵ ✵ ✵

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" تحیر اور غصے سے سمیعہ کی آواز پھٹ گئی۔ "تایا ابو نے سوچا بھی کیسے 'نادیہ آپی مان جائیں گی۔"

بہت رونے سے اماں کی آواز بیٹھی ہوئی تھی۔ پلو سے چہرہ رگڑ کے نیچے کیا۔ "کیسے نہیں مانے گی 'وقت اور حالات کی خاطر بہت سے فیصلے مصلحتاً کرنے پڑتے ہیں۔"

سمیعہ لال بھبھوکا چہرہ نفی میں ہلاتی تیزی سے باہر نکل کر برابر کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ جہاں پلنگ پر نادیہ آپی اپنے چند دن کے بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھیں اور اس کی نئی نئی ہوئی ملائم گنج پر ہاتھ پھیر رہی تھیں۔

نگاہ اٹھا کر سمیعہ کو دیکھا۔ دونوں آنکھوں کے کناروں سے ایک لکیر ٹپک کر ننھے کے گالوں پر گری۔ پلکیں لرز کر جھک گئیں۔ بہت غصے کے باوجود سمیعہ اس لیے بہن کو کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ الٹے قدم باہر نکلی اور دیوار سے لگ گئی۔

نادیہ کی شادی کو چار ماہ ہوئے تھے جب ایک بجلی کے جھٹکے نے اس کے سر سے سرخ دوپٹہ اتار کر سفید چادر ڈال دی۔ نوبیاہتا لڑکی کے لیے بڑا غم تھا اور اس سے بھی بڑا غم چار مہینے کی رفاقت پر اسے نو مہینے کی عدت گزارنا پڑی تھی۔ ننھے کی پیدائش پر تایا ابا اپنے پوتے کو دیکھنے سب سے پہلے پہنچے تھے۔ اسے گود میں اٹھا کر چوما لپٹایا اور باہر نکل کر برآمدے میں بیٹھ گئے جہاں چھوٹا بیٹا ندیم پہلے ہی بیٹھا تھا۔

"ندیم! یہ میرا 'تمہارے بھائی کا اور تمہارا خون ہے۔ نادیہ ابھی کم عمر اور جوان ہے 'ہم اپنے خون کو سینچنے کے لیے اس کی ساری جوانی تیاگ نہیں سکتے۔۔۔ یہ بہت زیادتی ہو گی۔" معمولی توقف کے بعد گہری سانس لی۔

"دوسری صورت میں نادیہ کو شوہر تو مل جائے گا مگر اس بچے کو باپ نہیں۔۔۔ تم بھلے دوسرے سہی لیکن کسی وقت تو اپنے خون کی گرمی شفقت میں جھلکے گی۔"

ندیم کا منہ نیم وا ہوتے بے یقین نگاہیں باپ کے چہرے پر گڑ گئی تھیں۔ آہستہ آہستہ نظریں پھسل کر صحن کے آخری کونے پر گئیں جہاں سمیعہ ننھے کے کپڑے دھو کر تار پر پھیلا رہی تھی۔ ان کی نسبت بہت عرصے سے طے تھی۔ ندیم کی نگاہیں بہت تھکی ہوئی پلٹیں 'باپ پر گئیں۔ وہ التجائیہ بچے کو اس کی جانب بڑھا رہے تھے۔

"اس بچے کو اپنا نام دے دو۔۔۔۔"

باپ کا رندھا لہجہ 'ننھے کا معصوم وجود 'اپنے جذبوں کی گرمی پر بھاری پڑ گیا۔

سمیعہ نے ٹب میں بچا پانی دھوپ سے تپتے فرش پر پھینکا 'ٹب نل کے پاس الٹا کر ہر بات سے لاتعلق کچن میں چلی گئی۔ ندیم نے آخری بار اس کے سائے کو کچن سے جھانکتے دیکھا تھا پھر ہاتھ بچے کی جانب پھیلا دیے۔

یہ فیصلہ جیسے تیسے سب کے لیے قابل قبول تھا سوائے سمیعہ کے وہ آپے سے باہر ہو گئی۔ کبھی بہن کو تنفر سے دیکھتی۔ کبھی ماں سے لڑتی۔

"بجلی کے جھٹکے سے نادیہ آپی کا کیا بگڑا ہے' جوڑ تو میرا ٹوٹا ہے' ہمدردیاں اس سے؟"

"خدا کے واسطے سمیعہ چپ کر جا۔" اماں رونے کو ہو گئیں۔ نذیر بھائی آگے بڑھے۔

"سمیعہ' میری بہن! نادیہ بہت دکھی ہے۔ اس کا بچہ بہت چھوٹا ہے۔ رحم کرو اس پر....."

"ہونہہ۔" اس نے پھنکار کر دیکھا تھا۔ "رحم اللہ کی صفت ہے' اللہ سے مانگو۔"

"اللہ کبھی کبھی اس صفت کا مطالبہ اپنے بندے سے بھی کر لیتا ہے' تم اس پر رحم کرو گی' اللہ تم پر کرے گا' ندیم سے بہت اچھا بر ملے گا تمہیں.... ان شاءاللہ!"

—— اور واقعی چھ مہینے کے اندر اندر اس کا بہت اچھا رشتہ ہوتے ہی شادی طے پا گئی۔ مگر اس کے دل سے کسک نکلتی نہیں تھی۔ نادیہ آپی' ندیم نے ایک بار بھی احتجاج نہیں کیا' اتنی کمزور محبت تھی ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی۔

وقت کے ساتھ کسک نفرت میں بدل گئی اور جب ان کی شادی کے تقریباً" پانچ سال بعد عشبہ پیدا ہوئی تو ندیم کی پہلی اولاد اس کی برداشت سے بالکل باہر ہو گئی تھی حالانکہ تب سمیعہ کے پاس دو بچے تھے۔ اس نے فوراً" میاں سے مطالبہ کیا تھا۔

"مجھے اور بچوں کو کویت اپنے پاس بلاؤ۔ حمنہ' حسیل تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔"

وہ ایسی کویت گئی تھی کسی موقع پر بھی نہیں آتی تھی۔ ابا کی وفات پر آئی' لڑ جھگڑ کر گئی۔ بیٹی کی شادی پر کسی کو اہمیت نہ دی۔ لیکن اب نذیر بھائی کا جملہ۔

"حالت تو حبہ کی بھی بہت خراب ہے' پھر تم صرف اویس کے لیے ہی کیوں فکر مند ہو چھوٹے چھوٹے بچے..... رحم۔"

ساکت نگاہیں بھائی کے چہرے سے پھسل کر زخمی حمنہ کے وجود پر رک گئیں جو آنکھیں بند کیے زور و شور سے کوئی تسبیح پڑھ رہی تھی۔ نادیہ آپی کی آنکھوں سے بہتی لکیریں آنکھوں کے سامنے گھوم گئیں۔

"وقت اور حالات کی خاطر بہت سے فیصلے مصلحتاً" کرنے پڑ جاتے ہیں۔"

پلو سے رگڑا اماں کا چہرہ آج بھی اتنا ہی نم آلود اور سرخ تھا۔ وہ بے ساختہ اپنی ماں سے لپٹ گئیں۔ ہچکیاں لیتی معافی مانگ رہی تھیں۔

"اماں' خدا کے واسطے مجھے معاف کر دو' اللہ کے واسطے مجھے معاف کر دو' بہت دل دکھایا میں نے آپ کا' نادیہ آپی کا' میں خود جا کر نادیہ آپی سے معافی مانگوں گی' ان کے پاؤں پکڑ لوں گی.... امی میری سنگ دلی کہیں میری بچیوں کے نصیب میں نہ آجائے۔"

"اللہ نہ کرے۔"

بے ساختہ اماں اور نذیر بھائی کے منہ سے نکلا تھا۔ ناسمجھی سے حمنہ نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا امی ایسے رو رو کر کس بات کی معافی مانگ رہی ہیں۔ سمجھ میں تو حسیل کے بھی نہیں آیا تھا وہ ابھی حمنہ کے زخمی بچے مرہم پٹی کرانے کے بعد عشبہ کے پاس چھوڑ کر آیا ہی تھا۔ یک لخت ہی ماحول بدل گیا۔ ماضی کو کریدنے سے اسے قطعاً" دلچسپی نہ تھی۔ یہی بہت تھا۔ نادیہ خالہ سے معافی یعنی اس کا عشبہ کا تعلق بندھ جائے گا۔

اسی سوچ کے ساتھ ڈاکٹرز کی آمد نے خاصی خوشی بھر دی تھی۔ دونوں مریض اب خطرے سے باہر ہیں۔

اور عشبہ میڈم نے حمنہ کے بچوں کی تیمارداری کے ساتھ ساتھ نہا دھو کر نئے کپڑے پہنے' دو نفل صلوٰۃ التوبہ' اور صلوٰۃ الحاجت کے ادا کیے۔

"اللہ میری توبہ' اب روزے نہیں چھوڑوں گی' بس مجھے کفارے میں حسیل چھوڑنا نہ پڑے۔"

پھر ایسا ہوا کہ نہ صرف اس نے بقایا روزے رکھے بلکہ عید کے بعد سب نے اسے شش عید کے روزے پکوڑے چاٹ کے پورے اہتمام سے رکھتے دیکھا تھا۔

✻

نیّر کاشف

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی تو کمرہ اندھیرے میں ہی ڈوبا ہوا تھا لیکن پھوپھو جانی ساتھ والے بستر پہ نہ تھیں' آنکھوں کو اندھیرے سے مانوس کرتے کرتے اور گردن پر پھیلے بالوں کو سمیٹ کر دوبارہ لیٹتے وہ پھوپھو جانی کو دبے پاؤں کمرے میں واپس آکر جائے نماز بچھاتا دیکھ چکی تھی' گھڑی کی جانب دیکھے بغیر وہ جانتی تھی کہ یہ فجر سے پہلے تہجد کی نماز ہے' فجر کی نماز ہوتی تو بھلا پھوپھو جانی مجھے اس طرح سونے دیتیں' یہ سوچتے ہوئے جہاں اس کے لب مسکرائے وہیں آنکھیں اطمینان سے بند ہو گئیں۔

"زینب ناشتا تیار ہے۔" باورچی خانے سے پراٹھوں اور آملیٹ کی خوشبو پھوپھو کی آواز سے بھی پہلے آئی تھی۔

"واہ زینب بی بی! کیا مزے ہیں گرما گرم تیار ناشتا میز پر آپ کا منتظر ہے۔" اس نے دانت برش کرتے ہوئے خوشی سے سوچا اور جلدی جلدی منہ دھو کر باہر آگئی۔

"ارے واہ میری پیاری پھوپھو جانی۔" ناشتے کے ساتھ میز پر چائے کا کپ بھی رکھا دیکھا تو پھوپھو کے گلے ہی لگ گئی۔ "پتا ہے پھوپھو جانی' جو عیش آپ مجھے ان چار پانچ دنوں میں کروا دیتی ہیں نا! وہ کمال احمد کے بارہ افراد کے کنبے کا مہینے بھر خیال رکھنے کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔" اس نے پہلا نوالہ توڑا۔

"تمیز سے بات کرو زینی! شوہر ہے وہ تمہارا۔" پھوپھو کے لہجے میں ناگواری نہ تھی تو ستائش بھی نہ تھی۔

"اچھا اچھا نہیں کہتی کچھ۔" اس نے فوراً ہی ہتھیار ڈالنے میں عافیت جانی تھی۔

زینب علی سے زینب کمال بنتے ہی وہ ماں کی شفقت سے محروم ہو گئی تھی' ابا کا پانچ برس پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا اور اماں نے اس کی رخصتی کے بعد ایسا سکون کا سانس لیا کہ دنیا سے ہی رخصت ہو گئیں۔ بھائی شادی شدہ بیرون ملک مقیم تھا اور ایسے میں پھوپھو ہی تھیں جو میکے کے نام پر زینب کا آسرا بن گئی تھیں' جن کا کوئی بیٹا نہیں تھا اور چار بیٹیاں جو اپنے اپنے گھروں کی تھیں۔

"زینی! ناشتا کر کے ادھر آنا میرے پاس' تیل ڈالوں ذرا تمہارے اس سوکھے گھاس کے گٹھڑ میں۔" پھوپھو بڑے کمرے کے صوفے پر تیل کی شیشی سنبھالتے بیٹھ گئی تھیں۔

"پھوپھو جانی ایک بات تو بتائیں سچ سچ۔" تھوڑی دیر بعد ہی وہ پھوپھو سے سر کا مساج کرواتے ہوئے آنکھیں موندے مخاطب تھی۔ "جب آپ میری عمر کی تھیں یعنی جوان تھیں' تب بھی تہجد اور پانچوں نمازیں پڑھا کرتی تھیں؟"

"ہاں تو اور کیا۔" پھوپھو نے سادہ سے لہجے میں جواب دیا تو جانے کیوں اسے مایوسی سی ہوئی۔

"پہلے زمانے کے لوگ شاید زیادہ صحت مند اور طاقت ور ہوتے تھے۔" اس نے اپنے آپ کو مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"اچھا بھئی میں ذرا دو نفل پڑھ لوں۔" پھوپھو نے تیل کی شیشی کا ڈھکن مضبوطی سے بند کر کے اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا تو وہ بھی ان کے ساتھ ہی بال سمیٹتی ہوئی اٹھ گئی۔

چاشت اور اشراق تک نہیں چھوڑتیں پھوپھو تو' ایک ہم ہیں' فرض نمازیں تک مارے باندھے پڑھتے ہیں اور بس۔۔۔ چلو کل سے ان شاء اللہ رمضان بھی شروع ہو رہا ہے۔ کل سے میں بھی عبادات پر خاص توجہ دوں گی۔ جانے اس نے عہد کیا یا خود کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

✡ ✡ ✡

"کن سوچوں میں گم ہیں محترمہ؟" کمال نے گاڑی چلاتے ہوئے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی زینب کو دیکھا۔

"کچھ نہیں کمال' بس سوچ رہی ہوں کہ اس مرتبہ روزے بہت اچھی طرح رکھوں' میرا مطلب ہے کہ عبادات وغیرہ۔۔۔ آپ مجھے تراویح کے لیے جانے کی اجازت دیں گے کمال؟"

شوہر کے ساتھ سسرال میں یہ اس کا پہلا رمضان تھا' اس حوالے سے اسے بالکل اندازہ نہیں تھا۔

"ہاں بھئی' میں کیوں منع کروں گا۔" کمال کے جواب کو سن کر اس کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی۔

گھر پہنچی تو حسب توقع کل کے روزے کے حوالے سے گہما گہمی تھی۔ حنا اور بھابھی باورچی خانے میں مصروف تھیں' منیب کے بازار کے چکر لگ رہے تھے جب کہ اماں پہلی تراویح کے لیے مردوں کے کپڑے نکالے بیٹھی تھیں۔

"لائیں اماں! استری میں کر دیتی ہوں۔" اس نے بھی اپنے لیے کام ڈھونڈ ہی لیا تھا۔

بس اس رمضان کو میں نے بہت بہت اچھا گزارنا ہے' ساری نمازیں وقت پر' چاشت' اشراق' تہجد' تراویح' قرآن' وہ پرجوش سی منصوبے بناتی رہی اور گھر

کے کام نبٹاتی رہی۔

"اماں میں نے یہ کپڑے ادھر الماری میں لٹکا دیے ہیں۔" اس نے ساس کو مخاطب کیا تو انہوں نے تسبیح گھماتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ "زینب! کمال نے بتایا ہے کہ تم تراویح کے لیے جاؤ گی۔" بھابھی نے پیاز اور چھری اس کے حوالے کرتے ہوئے سوال کیا۔

"جی بھابھی! ارادہ تو ہے بشرطیکہ اجازت مل جائے۔" اس نے چھری اور پیاز سنبھالتے ہوئے جواب دیا تو پتیلی میں تیل ڈالتی حنا رک کر پیچھے مڑی۔

"نہیں بھابھی! یہاں آپ کو اجازت کا کوئی مسئلہ نہیں ہوگا' بلکہ پچھلے سال تو میں نے اور بھابھی نے بھی تراویح کے لیے جانا شروع کیا تھا' مگر خود ہی دو تین دن کے بعد ہمت نہ ہوئی۔" حنا نے اسے تسلی دی۔

"چلو بھئی جلدی آجاؤ۔" ابا کی آواز پر کمال نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا تو وہ بھی چادر درست کرتی تیزی سے اس کے پیچھے ہولی۔ تراویح پڑھ کر لوٹی تو خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہی تھی' اللہ کا شکر کہ میرے سسرال والے کھلے دل کے ہیں' راستے بھر وہ شکر گزار ہوتی آئی تھی' تراویح سے واپسی کی تھوڑی دیر بعد کھانا کھا کر سب گھر والے اپنے اپنے

کمروں میں چلے گئے تھے اور اس تمام عرصے میں کمال اس کی یہ سرشاری دیکھ کر مسکرا تا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"زینی... زینی۔" کمال نے اسے سرگوشی کے سے انداز میں پکارتے ہوئے ہلکا سا ہلایا تو وہ فوراً" بیدار ہوگئی۔

"سحری کا وقت ہوگیا کیا؟" اس کی آواز میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا البتہ جوش بہت تھا۔

"سحری کا نہیں' وقت تو تہجد کا ہوا ہے' لیکن تم ادھر بیٹھو ابھی۔" کمال اس کو اٹھنے میں سہارا دیتے ہوئے پاس ہی بیٹھ گیا۔ "تم ہر رمضان میں ایسے ہی خوش ہوتی ہو کیا؟" اس نے محبت سے سوال کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"نہیں' سچ تو یہ ہے کہ یہ پہلا رمضان ہے' جس میں میں نے اتنی عبادات کی پلاننگ کی ہے۔"

"اس لیے زیادہ پرجوش ہو گئی ہوں اور یہ جوش چھپائے نہیں چھپ رہا۔" کمال نے اس کی بات مکمل کرتے ہوئے اس کا ہاتھ تھاما۔

"پتا ہے؟ اسد ہے نا میرا دوست' اس کی شادی کے بعد جب پہلا رمضان آیا تو اسے پتا چلا کہ اس کی بیوی روزہ ہی نہیں رکھتی تھی' بے چارہ بہت پریشان ہوا تھا اور میں تمہیں دیکھ کر اس وقت اللہ کا شکر ادا کر رہا ہوں۔" شوہر کے لہجے کے اطمینان اور محبت نے اسے اندر تک شانت کر دیا تھا۔

"پتا ہے کمال! پچھلے روزوں میں' میں اپنی امی کے ساتھ تھی اور ہمیں ذرا نہیں پتا تھا کہ یہ ان کا آخری رمضان ہے۔" اس کی آواز دکھ سے بھر گئی تھی۔

"اس بار مجھے خیال آیا کہ میں کیا جانوں یہ میرا آخری رمضان ہوا تو؟" اس کی آواز رندھ گئی۔

کمال نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور تسلی بھرا یہ لمس اسے اللہ کا شکر گزار کر گیا' تھوڑی دیر کے بعد ہلکی روشنی سے بھرے ہوئے کمرے میں دونوں جائے نماز بچھائے اپنے رب سے راز و نیاز میں مصروف تھے۔

☆ ☆ ☆

قیمہ' پراٹھے' چائے' دودھ' لسی' لچھے' دستر خوان نعمتوں سے بھرا ہوا تھا اور تمام گھر والے سحری میں مصروف تھے' سب سے پہلے دستر خوان سے کمال اٹھ گئے تھے۔

"کمال جلدی کھا کے اٹھ جاتے ہیں۔" اس نے حیرت سے دیکھا تو بھابھی نے اسے گویا اطمینان دلایا۔

"اُف! اتنے برتن۔" دستر خوان اٹھاتے اٹھاتے سنک میں برتنوں کا ڈھیر جمع ہو چکا تھا' زینب اور حنا برتن دھونے کھڑی ہو گئیں اور بھابھی باورچی خانہ سمیٹ کر چولہا اور شیلف صاف کرنے لگیں۔ وضو کر کے دوپٹا لپیٹتے ہوئے گھڑی دیکھی تو اطمینان ہوا کہ

ابھی نماز کے لیے کافی وقت ہے۔ اچھی طرح نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

نماز ادا کرکے نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ قرآن لیے بیٹھی تھی کہ کمال بھی مسجد سے واپس آگئے۔

"بیگم تم جھوم رہی ہو یا قرآن پڑھ رہی ہو۔" کمال نے بستر کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ہنس کر سوال کیا تو وہ خجل سی ہوگئی اور قرآن بند کرکے ایک طرف ہی رکھ دیا۔

"آپ کافی دیر سے آئے' ابا اور بھائی جان تو کب کے آچکے۔"

"میں پورے رمضان فجر کے بعد دیر سے ہی آتا ہوں۔" کمال نے ٹوپی اتار کر سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور سر تکیے پر' زینب لائٹ بند کرکے خود بھی سونے کے لیے لیٹ گئی۔

☆ ☆ ☆

شام چار بجے سے تمام خواتین باورچی خانے میں اکٹھی تھیں۔ تین افراد کے ہونے سے یہ فائدہ ہوا کہ عصر کے لیے ہر ایک کو باری باری اچھا خاصا وقت مل گیا تھا۔ گھر میں کل دس افراد تھے اور پکوڑوں پھلکوں جیسی لازمی ڈش کے علاوہ ہر ایک کی پسند کی ایک ڈش کا ہونا ضروری تھا' اشتہا انگیز خوشبوؤں نے دیگر گھر والوں کو دیوانہ کیا ہوا تھا تو پکانے والیوں کا حال تو سب سے بڑھ کر ہونا ہی تھا۔ کمرے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بچھا ہوا دستر خوان نعمتوں سے بھرا ہوا تھا۔

سب اپنی پسندیدہ اشیا دیکھ کر خوش تھے اور خواتین مطمئن' تین عورتوں میں تقسیم ہوکر کام کافی آسان ہوگیا تھا' لیکن روزہ تو تھا نا! پیاس سے زینب کے حلق میں کانٹے سے چبھ رہے تھے' ایک' دو' تین شربت کے گلاس پر گلاس پی کر طبیعت کو سکون ہوا اور اس کے بعد اوپر تلے سموسے' چھولے' دہی بڑے' فروٹ چاٹ' کٹلس اور جانے کیا کیا مغرب پڑھتے ہوئے

رکوع میں گئی تو ایسا لگا کہ سب کچھ معدے سے نکل کر منہ میں آجائے گا۔

جب جھکنا ہی مشکل ہو گیا تو کیسے ہوتے لمبے رکوع و سجود۔ نماز کے بعد جب تک وہ اور بھابھی دسترخوان سمیٹ کر برتن دھوتے رہے 'حنا مزیدار دم والی چائے تیار کر چکی تھی' چائے پی کر تازہ دم ہونے کا احساس ہوا تو وہ تراویح کی تیاری کے لیے اندر کمرے میں آگئی۔

کمال وضو کرکے بال بنا رہے تھے۔ "ہمت ہے تراویح کے لیے جانے کی۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے سوال کرکے زینب کی محویت کو توڑا۔

"کیوں نہ ہوگی ہمت۔" اس نے الٹا سوال کیا جواب کا انتظار کیے بغیر اور وضو کے لیے کمرے سے ملحقہ غسل خانے کی جانب بڑھ گئی۔

تراویح کی ابتدائی دو رکعت تو پھر بھی ٹھیک گزر گئیں 'لیکن باقی ساری نماز بہت مشکل سے ادا ہو پائی تھی۔ مضمحل طبیعت کے ساتھ واپسی ہوئی اور یہ کیفیت پوری رات رہی۔ بھابھی نے آج رات کے لیے بریانی بنائی تھی۔ پسندیدہ کھانے کو دیکھ کر مزاج کچھ بہتر ہوا۔ پیٹ بھر کے کھانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تو کمال غسل خانے میں تھے۔ وہ بستر پر لیٹی تو ان کے باہر آنے سے بھی پہلے گہری نیند سو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج چھٹا روزہ تھا۔ پھپھو نے تمام بیٹیوں' دامادوں کو افطار پر مدعو کیا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے زینی؟ اتنی افسردہ کیوں لگ رہی ہو؟" وہ جب سے آئی تھی مستقل پھپھو کی نظروں کے حصار میں تھی۔

باورچی خانے میں پانی کا جگ رکھنے آئی تو پھپھو نے تشویش بھرے لہجے میں سوال کر ہی لیا۔ جواب میں آنکھیں آنسوؤں سے ایسے بھریں کہ پھپھو پریشان ہی ہو گئیں۔

"بھئی کمال میاں! آج زینی کو میرے پاس چھوڑ جائیں۔" پھپھو جانی نے کمال سے بات کی تو وہ اتنی جلدی مان گئے جیسے پہلے سے تیار بیٹھے ہوں۔

"مگر وہ اماں جان۔۔۔"

"ارے بھئی ان سے میں فون پر اجازت لے لیتی ہوں۔" پھپھو جانی نے تسلی دی تو وہ چپ ہو گئی۔

سب مہمان رخصت ہو گئے تھے۔ مہمان بھی کون تھے 'بیٹیاں' ہی تو تھیں' سارا کام سمیٹ کر باورچی خانہ چمکا کر گئی تھیں۔

"چلو بھئی تراویح پڑھ لی جائے۔" پھپھو جانی وضو کے بعد آستین نیچے کرتی ہوئی اس کی جانب آئیں۔

"مجھ سے نہیں پڑھی جاتی تراویح۔" اس نے بے زاری سے منہ بسور کر کہا' مگر اس دوران آنکھیں پانیوں سے بھر گئیں۔

اب جذبات کو قابو کرنا تو مشکل تھا۔ "کتنی نیت کی تھی میں نے 'کتنے ارادے باندھے تھے۔" آواز تھی کہ رندھی جا رہی تھی۔ "کوئی نماز ڈھنگ سے نہیں پڑھی جاتی' تراویح سب اچھی طرح پڑھ رہے ہوتے تھے وہاں ایک میں ہوتی تھی بے دم بے جان' قرآن لے کر بیٹھو تو آنکھیں بند ہونے لگتی ہیں' صرف پہلے روزے کو تہجد کے لیے اٹھی بس۔۔۔ اللہ میاں ہی نہیں چاہتے میرے لیے اچھے رمضان' عبادتیں۔" آخر ساری شکایت اللہ میاں سے کر دی گئی۔

پھپھو گلے سے لگائے تسلی بھرے انداز میں بال سہلاتی رہیں۔

"آؤ زینی کھانا کھالو۔" پھپھو نے توے سے روٹی اتار کر اسے آواز دی۔

پھپھو کے نماز پڑھنے کے دوران وہ بھی کپڑے بدل کر عشاء ادا کر چکی تھی۔

"آپ نہیں کھا رہیں۔" اس نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

"روز تو کھاتی ہوں بیٹے' لیکن آج افطار میں کافی کچھ کھا ناا' اس لیے اب گنجائش نہیں ہے۔" پھپھو نے ہاتھ دھو کر سنک کا نل بند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا میں بھی یہ روٹی سحری میں کھالوں گی' ابھی دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے سامنے۔ رکھی چھوٹی سی میز سے روٹی اٹھائی اور کرسی واپس کھسکا دی۔

"ارے واہ ہم سے بھی پہلے اٹھ گئیں۔" پھپھو

چار بجے بیدار ہوئیں تو اسے وضو کر کے نکلتا دیکھا۔
"جی پھپھو! آنکھ جانے کیسے کھل گئی۔" وہ مسکرائی۔ "یہ آپ کے گھر کی برکت لگتی ہے۔"
"اچھا جی!" پھپھو پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر وضو کے لیے چلی گئیں۔
خوب دل بھر کر دعائیں مانگیں۔ پھپھو کے ساتھ مل کر سحری بنائی۔ پراٹھا' سالن' چائے۔ پھپھو نے زبردستی تین کھجوریں بھی کھلا دیں۔ اس کے گھر میں اس وقت دسترخوان یہاں سے وہاں تک سجا ہوتا ہے' وہ سوچ کے مسکرا دی۔
سحری جلدی کھالی گئی تھی نماز تک تھوڑا وقت مل گیا تھا۔ قرآن کی تلاوت کچھ نماز سے پہلے کی' کچھ بعد میں بھی کرلی۔ دل جیسے ہلکا پھلکا ہو رہا تھا۔ ظہر اور عصر بھی نہایت سکون سے ادا ہوئی۔
"کیا بنا رہی ہیں پھپھو جانی؟" باورچی خانے میں پھپھو کو کھڑے دیکھا تو عقب سے آکر ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔ کتنے دنوں کے بعد سب کچھ اچھا لگ رہا تھا۔
"بس یہ چنے تیار ہوگئے ہیں اور تم وہ میز پر رکھے پھل کاٹنا شروع کرو' میں بھی آتی ہوں۔ افطار میں فروٹ چاٹ اور چھولے ہوں گے' کھانے میں بس روٹیاں پکانی ہوں گی سالن تیار ہے۔" انہوں نے تو سادگی سے اطلاع ہی دی تھی' مگر وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہوگئی تھی۔
افطار کے بعد مغرب کے لیے کھڑی ہوئی تو گزشتہ ایام کے مقابلے میں خود کو تازہ دم پایا۔ خوش کن احساس کے ساتھ نماز ادا کر کے ابھی سلام پھیرا ہی تھا کہ اطلاعی گھنٹی بجی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہی تھے کہ کمال اندر چلے آئے۔
"پھپھو جانی! آج تو ہماری محترمہ بڑی پرسکون نظر آرہی ہیں۔" کمال کے لبوں پر تبسم اور آنکھوں میں شرارت تھی۔ اس نے مسکرا کر سلام کیا تو جواب کے ساتھ ہی کمال پھپھو کو مخاطب کر بیٹھا اور پھپھو نے جواب میں صرف مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

✡ ✡ ✡

گھر واپس آئی تو اسی طرح خوشی سے سرشار تھی' جس طرح پہلی تراویح والے دن تھی۔
"بس کمال! مجھے احساس ہوا کہ میں اتنا زیادہ کھالیتی تھی کہ سستی غالب آجاتی اور میری ساری عبادات متاثر ہوجاتیں' اب آج دیکھیں اتنے سکون سے میں نے پڑھی ساری تراویح۔" تراویح سے واپسی پر گھر کی جانب چہل قدمی کرتے ہوئے اس نے کمال سے حال دل بیان کیا۔ "لیکن آپ سے شکایت ہے مجھے۔" وہ نروٹھے انداز میں بولی تو میاں کے قدم ایک دم تھم گئے۔
"مجھ سے؟ کیا شکایت ہے بھئی؟"
"خود تو بہت تھوڑا تھوڑا کھاتے رہے۔ آفس کے ساتھ ساتھ تہجد' نماز' نوافل' تلاوت کرتے رہے اور مجھے اتنا پریشان دیکھ کر بھی کھانے سے نہیں روکا۔"
"ارے بھئی چند ماہ ہوئے ہیں ہماری شادی کو' کھانے سے روکتا تو تم جانے کیا سمجھتیں؟ لیکن ایک بات بتاؤں؟" وہ ذرا دیر کو رکا۔ "پھپھو کو کل میں نے ہی ساری صورت حال بتائی تھی اور تمہیں وہاں خاص طور سے چھوڑا تھا۔" کمال نے بات مکمل کی تو تشکر کے مارے زینب آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
دسترخوان لگ چکا تھا اور گھر کے تمام افراد رات کے کھانے کے لیے بیٹھ چکے تھے۔ آج بھابھی نے دم کا قیمہ بنایا تھا اور باہر سے نان منگوائے گئے تھے۔
"بس اب تم لوگ بیٹھو' میں گلاس اور پانی لے کر آتی ہوں۔" بھابھی نے اسے اور حنا کو مخاطب کیا تو کمال نے غیر محسوس انداز میں اس کو اپنے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ مسکراتی ہوئی وہاں بیٹھ گئی اور اپنے لیے پلیٹ اٹھائی تو کمال نے ایک دم سے اس کے ہاتھ سے پلیٹ لے لی۔
"تمہارے لیے کھانا میں نکالوں گا۔ تہجد کے لیے اٹھنا ہے کہ نہیں۔" محبت بھری سرگوشی زینب کو اندر تک شانت کر گئی۔

✡

صائمہ اقبال

اس گھر میں ناراض بندوں کا راج تھا۔ سب ایک دوسرے سے روٹھے روٹھے نظر آتے۔ گھر میں ہر وقت خاموشی کا راج ہوتا۔ اگر اس گھر کو جو ایک محل جیسا ہی بڑا تھا "ناراض محل" کا نام دے دیا جاتا تو ایسا کچھ بے جا بھی نہ تھا۔ اسے لگتا وہ یہاں پیدا ہی اس لیے ہوئی ہے کہ ناراض بندوں کے درمیان "پل" کا کام کر سکے۔

"الحان! ابا سے کہنا مجھے کچھ پیسے چاہئیں۔" اور وہ فوراً" ابا کے پاس دوڑ جاتی۔

"ابا جی! ریحام آپی کو پیسے چاہئیں۔" نظام دین فوراً" اسے نوٹ تھما دیتے اور وہ انہیں آپی کے حضور پیش کر دیتی۔

"الحان! موسیٰ سے کہہ گھر کا سودا لانا ہے۔ سب ختم ہو گیا۔ آج لے آئے جا کر۔"

اور وہ موسیٰ بھائی کو دیے گئے پیسے تھما کر امی کا پیغام من و عن پہنچا دیتی۔ ریحام آپی، ابا سے بات نہیں کرتی تھیں۔ وہ صفیہ پھپھو اور فرحان بھائی سے بھی بات نہیں کرتی تھیں۔ صفیہ پھپھو اور فرحان بھائی سے بات نہ کرنا تو خیر سمجھ میں آتا تھا، مگر ابا سے نہ بولنا اس کی کبھی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔ صفیہ پھپھو اور فرحان بھائی، امی سے بات نہیں کرتے تھے اور امی ان سے بولنے پر خود کو آمادہ نہیں کر پائی تھیں۔ ابا اور موسیٰ بھائی اسے بے چارے سے لگا کرتے، زیادہ بولتے نہ تھے مگر ہر کسی کی بات کا جواب دے دیا کرتے۔ اس کی الجھن بڑھتی جاتی۔ آخر وہ سب ایک دوسرے سے ناراض کیوں رہا کرتے ہیں۔ اگر وہ کچھ دیر پھپھو صفیہ کے پاس بیٹھ جاتی تو ریحام آپی اور امی اس کو ایسے گھرکتیں ڈانٹتیں کہ اگلے دو دن تک تو وہ ایسی کسی حرکت سے توبہ کر لیتی۔

"کیا کہہ رہی تھی وڈی پھپھی؟ سنا رہی ہو گی اپنے دکھڑے۔ اسے بھلا آتا کیا ہے۔" اور وہ بغیر کچھ کہے انہیں دیکھتی رہتی۔ گویا گھر کے اندر ایک محاذ کھلا ہوا تھا اور سب اپنے اپنے مورچے سنبھالے بیٹھے تھے۔

"پتنو! ویکھ کے کنک (گندم) چُن اگر روڑے (کنکر) اندر رہ گئے تو سارا آٹا کرکرا ہو جائے گا، نہ روٹی

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

مکمل ناول
WWW.PAKSOCIETY.COM

صبح بنے گی' نہ کھائی جائے گی' نرا عذاب۔ بلکہ تجھے تو کہا بھی تھا' پاپ لگا کے دھو دے ساری۔ پر کہاں۔ تیری عادت تو مہارانیوں جیسی ہے' جو کبھی وہ کر لے جو کوئی دوسرا کہہ دے۔" صفیہ پھپھو کی گندمی رنگت نہ جانے غصے کی زیادتی سے بدلی ہوئی تھی یا سورج کی آگ کی بدولت' پینو کے لیے کوئی نئی بات تو نہیں تھی۔ گندم کو چھاج میں پھٹکتے اس نے حد سے زیادہ بولتی عورت کو نظر اٹھا کر دیکھا' ان کے ملگجے نیلے سوٹ میں گرمی پھیلانے کا آدھا ٹھیکہ اسی کا تو تھا۔ گندم صاف ہو کر بھڑولے میں جا چکی تھی۔ چھت کی منڈیروں پر بیٹھنے والے پرندے اب اپنے گھونسلوں کی جانب رواں دواں تھے۔ دن کی سفیدی پہ غالب آتا ملگجا اندھیرا ہر چیز کو دھندلا کر رہا تھا۔

سیڑھیوں سے نیچے اترتے لمبے صحن میں آم' امرود اور کینو کے درختوں کے پتے ساکن تھے۔ شام کے حبس بھرے صحن میں پانی سے اٹھتی بھڑاس نے ہر جگہ حبس بھر دی تھی۔ صحن میں بچھی اکلوتی چارپائی پر کھیس لا کر رکھتے اس نے پینو کو دروازے سے باہر نکلتے دیکھا تھا۔

"اچھا وڈی آپا اب میں جاتی ہوں' اگر کوئی کام ہوا تو کل فیر آجاواں گی۔" پینو کے ہاتھ میں پکڑا لفافہ گندم سے اوپر تک بھرا ہوا تھا۔ صفیہ پھپھو نے سر کے اشارے سے اسے اچھا کہا اور کچن کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔

"نہ جانے ابا آج بھی گھر آئیں گے یا نہیں۔" ہر روز کی طرح بچھائی جانے والی چارپائی کو دیکھتے اس نے سوچا تھا۔ اپنی کتابیں لے کر وہ اسی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

"ہائے اگر مجھے پہلے پتا لگ جاتا کہ یہ خراب ہے' تو یہ بکھیڑا کبھی نہ پالتی۔" ریحام آپی ملک شیک کے جگ سے نبرد آزما تھیں۔ آم کی قاشیں انہوں نے اسٹیل کے جگ میں نکال دیں۔

"اس مدھانی سے کتنی دیر لگی رہوں گی۔" مخاطب وہی تھی' مگر اس نے کندھے اچکا کر لاتعلقی کا اظہار کر دیا تھا۔

برآمدے کا ایک حصہ اسی طرح کے کاموں کے لیے مخصوص تھا۔ گرمی کچن میں کھڑے نہ ہونے دیتی۔ اس لیے آج کل برآمدہ آباد نظر آتا۔ برآمدے کے ایک طرف کچن تھا اور دوسری طرف کمرے۔ ایک کمرہ اس کے اور ریحام آپی کے تصرف میں تھا تو دوسرا امی' ابا کے۔ سکینہ اور نظام دین کا یہ گھر ان دونوں کے دم سے تو کبھی کبھار ہی آباد ہوتا۔ کیونکہ ابا زیادہ تر گاؤں کی حویلی میں رہتے اور جب یہاں ہوتے تو برآمدے میں چارپائی پر۔ ان کمروں کے دوسری طرف لمبی گلی تھی اور گلی کے دوسری طرف دو کمرے' موسیٰ بھائی اور فرحان بھائی کے زیر استعمال تھے۔ فرحان بھائی ہر وقت کمرہ بند کیے نہ جانے کیا کیا کرتے۔ دوسروں کا خیال تھا کہ شاید پڑھائی وڑھائی کرتے ہوں گے۔ مگر "خیال" کرنے والوں کو بھی علم تھا کہ پڑھائی سے ان کا دور' دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا۔ گھر کے باقی معاملات میں بھی ان کی دلچسپی صفر تھی۔ محلے کے کچھ آوارہ لڑکے جو ان کے دوست کہلائے جاتے تھے۔ ان کے ساتھ (لور لور) پھرنا اور کرکٹ کھیلنا ان کا مشغلہ تھا۔ فرحان بھائی کو اگر پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی تو موسیٰ بھائی کتابوں کے کیڑے تھے۔ سارے گھر میں سیاست سے دور نظر آنے والے' موسیٰ بھائی کی سنجیدگی دیکھ کر اگلے بات بھول جاتے۔ کچن کے دوسری طرف صفیہ پھپھو کا کمرہ اور کئی ایک دوسرے کمرے جو مہمانوں کے لیے تھے۔

"ماں جی! کھانے کو کچھ ملے گا' آج بڑا اوکھا میچ تھا۔" فرحان بھائی کے نہ آنے کا وقت تھا' نہ جانے کا۔ صفیہ پھپھو کی ٹرٹر شروع ہو چکی تھی۔

"اپنی عمر دیکھ اور اپنے کرتوت دیکھ' پڑھنے میں تیرا دل نہیں لگا۔ گھر کے کام کاج جو گا تو نہیں۔" ریحام نے ______ الحان کو اشارہ کیا۔ دونوں ماں' بیٹے عموماً" اسی طرح کی بک بک' جھک جھک کرتے پائے جاتے تھے۔ الحان نے اپنی نگاہیں کتاب پر پوری طرح گاڑ دیں۔

"پھر چلا جاؤں' یہی چاہتی ہو نا تم۔" فرحان نے

بلّے کو زور سے زمین پر مارا تھا۔

"اب کا کا نہیں ہے تو' تیرا ماما اگر تجھے کچھ نہیں کہتا تو۔۔۔" صفیہ نے بولنا بند نہیں کیا تھا اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ایک بار پھر دروازے کی جانب چلا گیا تھا۔

اس کے ابا نظام دین اور صفیہ' دونوں بہن' بھائی تھے۔ نظام دین نرم مزاج انسان تھے۔ ان کا بچپن ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی بیت گیا تھا۔ باپ کی ناگہانی وفات نے ماں اور بڑی بہن کی ذمہ داری ان کے ناتواں کندھوں پر ڈال دی تھی۔ اپنی زمین داری کی بنا پر حالات کچھ ایسے دگرگوں نہیں تھے' مگر وہ جوانی ہی میں سنجیدہ مزاج ہو گئے تھے۔ محنتی تھے۔ اس لیے ساتھ ساتھ پڑھتے بھی رہے۔ صفیہ کی شادی بڑی دھوم دھام سے کرنے کے بعد وہ مطمئن تھے' مگر یہ طمانیت صرف تین سال تک رہی۔ چوتھے سال صفیہ بیوہ ہو کر دو بچوں سمیت دوبارہ ان کے در پر آگئی تھی۔ ماں نے صفیہ کی شادی کی سرتوڑ کوشش کر ڈالی تھی' مگر وہ باقی زندگی مرے ہوئے شوہر اور اس کی چھوڑی دو نشانیوں کے سہارے بتانا چاہتی تھیں۔ ماں اسے دلہن بنانے کے خواب دیکھتے دیکھتے عدم سدھار گئی۔ بہرحال نظام دین کی شادی اپنی زندگی ہی میں کر گئی تھیں۔

سکینہ' نظام دین کی بیوی' صفیہ کو ملنے والی اہمیت کو کبھی قبول نہیں کر پائی تھیں۔ لڑائی' جھگڑے' ناراضی اور گھر کی مکدر فضا کو نظام دین نے قسمت سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ وقت نظام اور سکینہ کی جھولی میں تین پھول ڈال کر آگے بڑھ گیا تھا۔ موسیٰ سب سے بڑا تھا۔ انجینئرنگ کا اسٹوڈنٹ تھا' ریحام بی ایس سی آنرز کر چکی تھی اور الحان نئی نئی فرسٹ ایئر میں آئی تھی۔

صفیہ کی ارم کئی سال ہوئے بیاہ کر زبیر کے گھر جا چکی تھی۔ تین بیٹوں کی ماں تھی اور فرحان کئی سال بی اے میں فیل ہونے کے باوجود ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

نظام دین ساری زندگی بہن اور بیوی کے درمیان پستے' سوچتے رہے تھے کہ وہ کہاں غلط ہیں اور اب تو انہوں نے سوچنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ بیوہ بہن چھوٹی عمر میں بیوگی کا دکھ لے کر عزت و عصمت کی حفاظت کرتے' ان کے گھر تھی۔ قابل عزت تھی۔ بیوی سمجھتی تھی کہ اسے صحیح مقام نہ مل سکا۔ اس کا اپنا وطیرہ تھا۔ مہینے کے تیس دنوں میں دس بیس دن وہ اپنے بھائی کے گھر رہتیں۔ کبھی ناراض ہو کر' تو کبھی خوشی سے' باقی دس دن صفیہ سے لڑنے اور اپنی قسمت کا رونا روتے گزر جاتے۔ نتیجہ صفیہ کی خود مختاری کی صورت نکلتا۔ سکینہ کے نہ ہونے کی بدولت گھر کے سارے معاملات صفیہ کے ہاتھ ہوتے۔

☆ ☆ ☆

"اس بچے کو اس بری طرح سے پیٹتے آپ کو شرم نہیں آتی۔" سر جھکائے ٹوٹی ہوئی ٹانکوں کا جائزہ لینے والے اس شخص پر بے حد و بے حساب غصہ آیا تھا اسے۔ اس نے حیرت سے اس سرپھری ڈاکٹر کو دیکھا جو بچے کے سر کا معائنہ کر رہی تھی۔ ایک عرصے کے بعد اسے اس روپ میں دیکھ کر وہ کچھ بولنے کے قابل ہی کہاں رہا تھا' جو اس کی غلط فہمی دور کرتا۔

"دل میں ذرہ برابر بھی یہ خیال نہیں آیا کہ اس معصوم ذہن پر اس مار پیٹ کا کیا اثر ہوگا۔ کیسے وہ ساری زندگی عدم تحفظ اور عدم اعتماد کا شکار رہے گا۔"

ابھی بھی وہ پوری توجہ سے اس کا سر روئی سے صاف کر رہی تھی۔ کاش کہ وہ اس کی طرف بھی ایک نظر ڈال لیتی۔ اس نے پوری دلچسپی اور دلجمعی سے اس کے خوب صورت چہرے کو فوکس کرتے ایک نظر پیچھے کھڑی نرس کے بار بار کھلتے بند ہوتے ہونٹوں کو بھی دیکھا تھا۔ مگر وہ بغیر کسی کی طرف دیکھے اپنا کام جاری رکھتے اس کے لیے ٹیکے لینے میں مصروف تھی۔

"مگر آپ کو کیا؟ آپ نے تو اسے کاروبار بنا لیا ہے۔" بازو سینے پہ باندھتے وہ مزید مطمئن ہو کر اسے دیکھ رہا تھا۔ جوڑے کی شکل میں بندھے بھورے بال' میک اپ سے عاری چہرہ' لمبی مخروطی انگلیاں اور انگارے برساتے نازک لب۔

"ویسے آپ کو ٹیچر نہیں ہونا چاہیے تھا؟" اس نے جیسے افسوس کا اظہار کیا تھا۔

"میں ٹیچر ہوں بھی نہیں۔" آہستہ سے کہتے زیر لب مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"حیدر صاحب! آئیں میں آپ کو دوسرے کمرے بھی دکھا دیتا ہوں' تاکہ آپ کام شروع کروا سکیں۔" اسپتال انتظامیہ کا وحید اسلم تیزی سے ایمرجنسی روم میں داخل ہوا تھا۔

"سوری ڈاکٹر مزین! میں دراصل حیدر صاحب کو یہ روم اور اس میں ہونے والا کام دکھانے آیا تھا' پھر سرکی کال آ گئی تو مجھے باہر جانا پڑا۔ ہمارے اسپتال کی رینوویشن حیدر صاحب کی کمپنی کر رہی ہے۔ آپ کی نائٹ شفٹ تھی' اس لیے آپ کو پہلے انفارم نہیں کر سکا۔"

وحید اسلم کی معذرت پر اس نے ہاتھ روک کر اسے دیکھا تھا۔ چمکتی آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں کو دبائے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ اس کا سر جھکے ہونے کی بدولت وہ اسے سرسری سا ہی دیکھ سکی تھی اور غور سے دیکھنے پر کتنے پرانے زخم پھر سے رسنے لگے تھے۔ بچے کے سی کرنے پر اسے اپنا دھیان فوری طور پر اس کی جانب کرنا پڑا تھا۔ نیڈل شاید کچھ بے احتیاطی سے لگی تھی۔

"ایک عرصے کے بعد آپ کو یہاں دیکھ کر مجھے وہ ڈری سہمی لڑکی یاد آ گئی جو نہایت بہادری سے۔۔۔"

نرس اور ساتھ کھڑے وحید نے بڑی حیرت سے دونوں کو دیکھا تھا۔ لاپروا انداز والا شاندار شخص اور اس مغرور ڈاکٹر سے شناسائی' دونوں کے لیے حیران کن تھی' اسی لیے دونوں نے کن اکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے ایک ــــ نظر قریب کھڑے دونوں نفوس پر بھی ڈال لی تھی۔

"ویسے مجھے آپ کے یہاں ہونے کی توقع تو بالکل بھی نہیں تھی' میرا خیال تھا کہ آپ۔۔۔" اس کے بے تحاشا بولنے پر اس نے صرف سر اٹھا کر سرسری سا اسے دیکھا تھا اور وہ چپ ہو گیا تھا۔

"ان ساری باتوں کے لیے یہ ــــ جگہ اور وقت مناسب نہیں تھا۔"

اس نے سر پر ہاتھ پھیرتے وحید کی طرف دیکھا جو منہ کھولے بار بار دونوں کا معائنہ کر رہا تھا۔ اسے وہ رات یاد آ گئی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو شاید زندگی نہ ہوتی۔ وہ اس کی زندگی ہی تو بن گئی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا ساتھ اس کی قسمت میں نہیں۔ وہ اسے کئی سال تک سوچتا رہا تھا۔ وہ کوئی سڑک چھاپ آوارہ مزاج' دو ٹکے کا عاشق نہیں تھا کہ ایک لڑکی کے فراق میں آہیں بھرتا رہتا مگر اس کا خیال اس کے ساتھ ایسے ہی رہا تھا جیسے سانس۔۔۔

"پلیز۔۔۔ کیا آپ باہر جا سکتے ہیں۔" بچے کی طرف متوجہ ہوتے اس نے نہایت سنجیدگی سے کہا تھا۔ وحید اسلم سے باقی کمروں کی تفصیلات جانتے اس کا دھیان ابھی تک اس کمرے ہی میں تھا۔

"طویل چار سالوں نے اسے کس قدر مکمل اور خوب صورت بنا دیا تھا۔" وہ اسے کب کا تلاش کر چکا ہوتا' اگر اسے اس کے اپنا ہو جانے کا یقین ہوتا۔ ان چار سالوں میں کوئی ایک دن کوئی ایک رات بھی تو اس کے تصور کے بغیر نہیں بیتی تھی۔

"سر جی! آپ جانتے ہیں مزین' ڈاکٹر مزین کو۔۔۔" وحید اسلم اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"بس ایک بار ملاقات ہوئی تھی جب وہ کہیں باہر جا رہی تھیں۔ اس سے پہلے۔" اب وہ اسے کیا بتاتا کہ اسی ایک ملاقات نے تو اس کی زندگی بدل دی تھی۔

"نہ جی وہ کہاں جا سکی تھیں باہر۔ گئی ہی نہیں' یہیں پڑھتی رہیں میڈیکل کالج میں۔ میری بیوی ڈاکٹر صاحبہ کی امی کی دور پرے کی رشتہ دار جو ہوئی اس لیے سب کچھ جانتا ہوں میں۔" اس کے ساتھ چلتے چلتے وہ بتاتے بتاتے پھر سے کوئی اور بات کرنے لگا تھا۔

"تو اتنے سال اس نے یوں ہی بے کار گزار دیے تھے۔" کاش کہ وہ اسے پہلے مل گئی ہوتی۔

☆ ☆ ☆

"مام! مجھے آپ کی گاڑی چاہیے۔" شور مچاتا ان کا

لاڈلا سپوت ان کے پیچھے آکر کھڑا ہو گیا۔

"کہیں جا رہی ہیں۔" بالوں سے رولر اتارتے دیکھ کر اس نے ان سے پوچھا تھا۔ ایک لمحے کو ہاتھ روک کر انہوں نے آئینے میں نظر آنے والے اس کے عکس پر نظریں جما دیں۔ جوان ہوتا بیٹا کتنا بھلا لگا تھا انہیں۔

"ہاں ٗ ایک پارٹی میں جا رہی ہوں ٗمگر تمہاری گاڑی کہاں ہے۔"

"میری گاڑی خراب ہے اور دوستوں کے ساتھ آج شام اسلام آباد ٗ مری جانے کا پروگرام بن گیا ہے۔ مجھے کچھ پیسے بھی چاہئیں۔" جہازی سائز بیڈ پر گرتے اس نے ایل سی ڈی کا ریموٹ اٹھالیا اور چینل بدلنے لگا۔

"اگر تم میری گاڑی لے جاؤ گے تو میں کیسے جاؤں گی۔" آف وائٹ اور میرون پارٹی ڈریس میں وہ بالکل بھی ایک جوان بیٹے کی ماں نہیں لگ رہی تھیں۔ وقت جیسے ان پر آکر ٹھہر گیا تھا۔ چمکتی جلد ٗ خوب صورت چہرہ ٗ آخر میں انہوں نے ناقدانہ انداز سے خود کو دیکھا تھا۔

"آپ ڈیڈ کی پرانی والی گاڑی لے جائیں اور ہاں مجھے وائٹ شرٹ بھی نہیں ملی اپنی وارڈ روب سے ٗ پلیز وہ تو دیکھ دیں۔" بیڈ پر کہنی ٹکائے میوزک پر ٹانگیں ہلاتے جیسے اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"کنزا کی شادی کیا ہوئی ٗ ساری ذمہ داریوں کا بوجھ ایک دم میرے سر پر آن گرا ہے۔ رکزا نے تو خیر کبھی دلچسپی لی ہی نہیں تھی۔ گھر کے کاموں میں ٗ پر اب میں کیا کیا دیکھوں۔" وہ جیسے ایک دم بے زار ہوئی تھیں۔ رکزا بڑی بیٹی تھی اور کنزا چھوٹی ٗ دونوں شادی شدہ تھیں۔ کنزا کی شادی کو صرف دو مہینے ہوئے تھے۔ اس لیے یاد بھی زیادہ آتی تھی۔

"تمہاری شرٹ کے لیے تو میرے پاس ٹائم نہیں ٗ آکر جنت بی بی کی خبر لوں گی۔ ہاں گاڑی لے جاؤ میری آج تو خیر میں چلی جاؤں گی۔ اس پرانی گاڑی میں ٗ کل کے لیے تمہارے ڈیڈ سے بات کروں گی۔" جانے کی

جلدی میں انہوں نے جلدی جلدی مسئلہ حل کیا تھا۔

"اوکے بیٹا! گاڑی تیز نہ چلانا' اب میں چلتی ہوں۔" اس کے گال کو ہلکے سے چھوتے وہ کمرے کے دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

"بائے داوے کتنے دونوں کے لیے جارہے ہو۔ کچھ تو پتا ہو تمہارے ڈیڈ کو بتانے کے لیے۔ بلکہ یوں کروں اپنے ڈیڈ کو آفس کال کرکے بتادو۔" دروازے میں ایک دم رکتے اس سے پوچھتے' نئی ہدایات دیتے وہ اس کے جواب کی منتظر تھیں۔

"تین' چار دنوں کے لیے جارہا ہوں۔ کوئی خاص لمبا پروگرام نہیں ہے۔"

"اوکے جانو۔"

"اوکے مام۔"

"پیسے دراز سے لے لو۔" چینل بدلتے ہاتھ ٹھہرے تھے۔

☼ ☼ ☼

نوید اللہ' حیدر علی کی اکلوتی اولاد تھے۔ انہیں سرامک فیکٹری وراثت میں ملی تھی اور دوسری انہوں نے اپنی محنت سے بنائی تھی۔ جس دن حیدر علی کا انتقال ہوا۔ نوید اللہ کے ہاں بیٹے کی پیدائش بھی اسی دن ہوئی تھی۔ اس لیے اس کا نام اس کے دادا کے نام پر حیدر علی نوید رکھا گیا تھا۔ پہلے دو بیٹیاں تھیں۔ بیٹے کے آنے سے ان کی جنت مکمل ہوگئی تھی۔ دولت بے بہا تھی۔ بیٹے کی کمی بھی اللہ نے پوری کردی تھی۔ وہ بہت خوش تھے۔ نورین محبت کرنے والی ہم سفر تھی۔ رکزا اور کنزا اپنے اپنے گھروں کی ہوچکی تھیں۔ حیدر بی بی اے کررہا تھا۔ کچھ سال بعد یقیناً" ان کا بازو بننے والا تھا۔ پیسے کی فراوانی محبت اور اکلوتے پن نے بھی اسے بگڑنے نہیں دیا تھا۔ وہ اللہ کا شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔

☼ ☼ ☼

"اے الحان' تو ہی چائے دے کر آ' ہر روز کے آنے والے بن بلائے مہمانوں کو' میں تو نہیں جارہی' دینے ویسے بھی وہ شخص مجھے زہر لگتا ہے۔ ہر چیز کو ایسی تنقیدی نگاہوں سے دیکھتا ہے جیسے۔۔۔ خیر۔" ریحام نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو ہر چیز سے لاتعلق ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔

"چائے بنادی' وہ بھی اس لیے کہ ابا گھر میں ہیں' ورنہ۔۔۔" وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی' اگر ابا گھر میں نہ ہوتے تو یقیناً" وہ چائے بنانے سے بھی انکار کردیتی۔ ارم آپا اور زبیر بھائی کے سامنے جانا جوئے شیر لانے کے ہی مترادف تھا۔ نہ جانے وہ ڈرائنگ روم کی چھت اور اس پر لٹکنے والے نادیدہ جالوں کا جائزہ لے چکے تھے یا لینے والے تھے۔ بہرحال اب اسے ہی یہ معرکہ سر کرنا تھا۔

"آپا! بسکٹ ادھر رکھوں یا ادھر اور چائے کے کپ؟"

"جدھر مرضی رکھ لو' کیا فرق پڑنے والا ہے۔"

ریحام نے اپنے لیے چائے کا مگ اٹھاتے منظر سے آؤٹ ہونا چاہا' اس نے انہیں سلام کرلیا تھا' اتنا ہی بہت تھا۔

"ہائے لیڈیز! کیا ہورہا ہے۔"

"اس شوخے کو بھی آج ساتھ آنا تھا۔" اس کے کان کے پاس سرگوشی کرتے ریحام بغیر کوئی جواب دیے کپ اٹھا کر باہر نکل گئی تھی۔ اس نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجالی۔

"تانو کہہ رہی ہیں چائے لے آؤ اب۔" شہزاد' ارم آپا کا سب سے بڑا بیٹا' اسی کی عمر کا تھا یا اس سے ایک دو سال بڑا ہوگا۔

"تمہاری امی ہمیشہ کی طرح روٹھ کر یقیناً" اپنے بھائی کے گھر گئی ہوں گی۔ ریحام آپا ویسے ہی ہر وقت کونے میں چائے بیٹھی رہتی ہیں۔ رہ گئی تم مسکین تو اب چائے لے بھی چلو کہ یہیں سے اسے پہیے لگ جائیں گے۔" سامنے پڑے سیب کا تیا پانچہ کرتے اس نے بڑی تفصیل سے ہر ایک کی خوبی اس پر واضح کردی تھی۔ نہ جانے وہ کیوں ہر وقت چرکے لگانے پر تلا رہتا تھا۔

"بڑے دنوں بعد چکر لگایا تم دونوں نے" آپا توکل سے بڑا یاد کر رہی تھیں تمہیں۔" اس کی بکواس سے بچنے کے لیے وہ بھاگم بھاگ ڈرائنگ روم میں پہنچی تھی۔ نظام دین تو ایسے کہہ رہے تھے جیسے وہ صدیوں بعد آئے ہوں۔

وہ کئی بار کیپ، پرچ اور باقی لوازمات کی ترتیب بدل چکی تھی، مگر تسلی نہ ہوئی۔ ارم اور زبیر کی تنقیدی نظریں اس کے ہاتھ میں پکڑی ٹرے سے ہوتی، پلیٹوں کی ترتیب کا جائزہ لیتی اس پر آکر ٹھہر گئی تھیں۔

"پڑھائی کیسی جا رہی ہے آپ کی بیٹا جی۔"

"جی ٹھیک۔" مختصر جواب دے کر وہ چائے ان کے سامنے رکھنے لگی۔ نہ جانے وہ واقعی مصنوعی پیار جتایا کرتے تھے یا صرف اسے ہی لگا کرتا تھا۔ عجیب مصنوعی پن تھا ان کے رویوں میں۔ سب کو چائے پیش کر کے اس نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

زبیر احمد کی انار کلی میں گھڑیوں کی دکان تھی۔ کچھ عرصہ پہلے وہ دکان کو تالا لگا، جمع پونجی خرچ کر کے کسی نہ کسی طرح جاپان چلے گئے تھے مگر وہاں سیٹ نہ ہونے کی بدولت واپس بھی آگئے تھے۔ واپس آنے پر دکان کو پھر سے جھاڑ پونچھ کر صاف کرنا پڑا تھا۔ دکان بس اتنی سی تھی کہ ایک آدمی سامنے رکھے شوکیس کے پیچھے کھڑا ہو سکے یا بیٹھ جائے۔ شوکیس میں کچھ پرانی مرمت شدہ گھڑیاں رکھی ہوتیں یا کچھ اوزار اور کچھ نئی گھڑیاں۔ دکان سے ہونے والی آمدنی سے کسی کو اتنی غرض نہیں تھی۔ بس ان کی سب سے بڑی قابلیت آپا کا داماد ہونا تھا۔ اس لیے اس گھر میں کوئی کام زبیر احمد کی قیمتی رائے کے بغیر انجام نہیں ہو پاتا تھا۔

"کس بچے نے کس کالج میں داخلہ لینا ہے۔"

"رشتہ کہاں طے کرنا ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔ اور جاپان سے ہو کر آنے کے بعد تو ان کی اہمیت میں کچھ اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی۔ مگر پہننے اوڑھنے کے سلیقے اور چرب زبانی نے انہیں خود بخود نمایاں کر دیا تھا۔ ان کے اپنے بہن، بھائی چھوٹے شہروں میں آباد تھے۔ ان پر بھی ان کی دھاک اس لیے تھی، کیونکہ وہ ایک زمین دار گھرانے کے داماد تھے۔

"اس گھر میں اتنی بوریت ہے کہ بندہ ایک گھنٹہ بھی بڑی مشکل سے گزارتا ہے۔" کینو کے درخت کے سوکھے پتے جھاڑتے اس نے اپنے پیچھے شہزاد کی آواز سنی تھی۔ شاید وہ اسی سے مخاطب تھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں منہمک رہی۔ اب وہ ایک ایک پتے کو اٹھا کر لفافے میں ڈال رہی تھی۔

"اگر تم اس گھر میں نہ ہو تو... بوریت کچھ اور بھی شدید ہو جائے۔" اس کے پتے جمع کرتے ہاتھ ایک لمحہ کے لیے رکے اور پھر سے متحرک ہو گئے۔

"میں کون سا تمہیں لطیفے سناتی ہوں جو تمہاری بوریت دور ہو جاتی ہے۔" الفاظ تو تیکھے نہیں تھے، ہاں لہجہ کچھ تیکھا ضرور تھا۔

"لطیفے نہ بھی سناؤ، تمہیں دیکھ کر ہی بندہ ہشاش بشاش ہو جاتا ہے۔" اس کے سپیدی مائل گلابی چہرے پر جیسے جسم کا سارا خون اکٹھا ہو گیا تھا۔ عجیب واہیات شخص تھا۔

"اگر میں یہاں آجاتا ہوں تو تمہاری وجہ سے، تمہارے چہرے کا یہ گلابی رنگ دیکھنے۔" اب وہ اس کے بالکل سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ جینز کی جیبوں میں انگلیاں پھنسائے، اشتیاق سے اسے تکتے جیسے وہ اردگرد سے بے گانہ ہو گیا تھا۔ اس نے لفافہ وہیں چھوڑا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ عین اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"تمہاری فضول بکواس سننے کے لیے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ بہتر ہے تم اندر جا کر بیٹھو۔" دھیمی آواز میں سخت لہجے کے ساتھ اس نے جیسے اسے متنبہ کیا تھا۔

"اچھا جی...." وہ جیسے اس کی بات سے محظوظ ہوا تھا۔ اسے وہیں چھوڑ کر وہ اندر آگئی۔ اس کے قہقہے نے دور تک اس کا تعاقب کیا۔

"کیا مجھے ریحام آپی کو اس کی فضولیات کے بارے میں بتانا چاہیے یا نہیں۔" وہ عجیب کشمکش کا شکار

تھی۔ ویسے بھی وہ ان کی ہر وقت لڑائی کرنے کی عادت سے بہت خوفزدہ رہتی تھی۔ انہیں تو کوئی نہ کوئی بات چاہیے ہوتی تھی۔ اگر وہ انہیں بتا دیتی تو کیا خبر وہ ابھی جا کر سب کے سامنے اس کے بخیے اُدھیڑنے لگتیں۔ وہ انہیں رسالہ پڑھتے دیکھنے لگی۔

اسے امی پر شدید غصہ آیا تھا۔ مائیں، بیٹیوں کی سہیلیاں ہوتی ہیں اور ان کی ماں کو صرف خود سے غرض تھی۔ انہیں صحیح مقام نہیں ملا تھا۔ ان کے گھر پر ان کی نند نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ ان کی اولاد کیا سوچتی ہے اور انہیں ماں کی ضرورت کس حد تک ہے۔ انہوں نے کبھی سوچنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گھر ہوتے ہوئے بھی ان کا کام صبح سے شام تک محلے کے چکر لگانا یا آرام کرنا ہی ہوا کرتا تھا۔ بے کلی کو دباتے وہ موسیٰ بھائی کے کمرے میں آگئی۔

"آپ کو کچھ چاہیے، چائے لادوں۔" اپنے سامنے رکھے پیپرز پہ وہ کچھ لکھ رہے تھے۔ انہوں نے سر اٹھا کے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔ اگرچہ وہ دستک دے کر ہی اندر آئی تھی۔ مگر اب وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھے۔

"خیر ہے ناحانی۔"

"جی بس ویسے ہی آپ سے باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔"

"آؤ بیٹھو۔" انہوں نے ایک طرف پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ سنجیدہ اور ذہانت سے چمکتی آنکھیں اس پر جمی تھیں۔

"آپ کریں اپنا کام، میں تو بس ایسے ہی۔۔۔" تیزی سے کہتے وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد انہوں نے پھر سے لکھنا شروع کر دیا تھا۔

"نہ جانے وہ کیوں عجیب سی ہو رہی تھی۔" پنسل رد کتے ذہنی رو پھر سے بھٹکی تھی۔

عجیب تو وہ سب ہی بہن بھائی تھے، بلکہ ماں، باپ۔ اس گھر کا ہر شخص عجیب تھا۔ وہ کبھی سی چیز کو بدل نہیں سکے تھے۔ بدل ہی نہیں سکتے تھے تو بس اپنے خول میں بند ہو گئے تھے۔ ماں کے لیے بچے کبھی اہم نہیں رہے تھے نہ باپ کے لیے رہے تھے تو وہ اس دنیا میں تھے ہی کیوں؟" بس اسی سوال کا جواب تو ان میں سے کسی کو نہیں پتا تھا اور اب تو انہوں نے تلاش کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بچے کا کیا حال ہے۔"

وہ نہ جانے کب اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تھا۔

شفٹ ختم ہو چکی تھی۔ اسپتال میں ہونے والے تعمیری کاموں کی بدولت اسے اپنی گاڑی اسپتال سے باہر پارک کرنی پڑی تھی۔ لمبی روش پر اس کے قدموں سے قدم ملاتے کئی لمحے خاموشی سے گزر گئے۔

"ٹھیک ہی ہو گا۔" ازلی بے نیازی سے جواب آیا تھا۔

"آپ کو سوری کرنی چاہیے۔" یقیناً "وہ اس دن کی اس کی بدتمیزی کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے ٹھہرتے، اس کے براؤن شوز سے ہوتی اس کی نگاہیں اس کی مسکراتی آنکھوں پر آکر ٹھہر گئیں۔

"نہیں۔" قطعیت سے کہتے وہ پھر سے چلنے لگی، جیسے اس کے اپنے ساتھ چلنے کی اسے کوئی پروانہ ہو۔

"تو چلیں۔۔۔ میں شکریہ ادا کر دیتا ہوں۔ بڑی دیر سے ادھار تھا میرے اوپر۔" اس نے سر کی ہلکی سی جنبش سے جیسے اس کے شکریے کو قبول کیا تھا۔

"حادثہ گزر گیا، لیکن اس کے اثرات ابھی تک میرے ساتھ ساتھ ہیں، یہ دیکھیں۔" ایک مردانہ ہاتھ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ ہتھیلی سے جھلسا ہوا۔ لکیروں سے مبرا۔۔۔ بڑی دیر تک وہ اپنے سامنے پھیلے اس ہاتھ کو گھورتی رہی تھی۔

"حادثہ واقعی گزر گیا، لیکن اس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں، تم تو اس ہاتھ کو دیکھ سکتے ہو اور میں تو ان زخموں کو نہ دیکھ سکتی ہوں اور نہ دکھا سکتی ہوں، کیونکہ روح پر لگے زخم کبھی دکھائے نہیں جا سکتے۔"

اس کے نین کٹورے لبالب پانی سے بھر گئے تھے۔ جنہیں چھپانے کو اس نے پھر سے چلنا شروع کر دیا تھا۔

"آپ تو اپنے شوہر کے پاس جارہی تھیں نا' پھر یہاں۔" وہ ابھی تک اس کے ساتھ تھا اور اسے الجھن ہونے لگی تھی۔

"اس حادثے میں بچنے والے ہم دونوں تھے۔ امید نہیں تھی کہ زندگی میں دوبارہ کبھی آپ سے ملاقات ہوگی۔" وہ بیچز شخص اس کا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ گاڑی کالاک کھولتے اس نے کوفت سے سوچا تھا۔

"کاش کہ میں بھی زندہ نہ بچی ہوتی' سارے لوگوں کے ساتھ راکھ بن گئی ہوتی۔ لیکن اب بھی میں زندہ کب ہوں' اس حادثے کے بعد ہی تو میں نے اسے خود اپنے من میں دفن کیا تھا۔ اس کی موت پر بین بھی ڈالے تھے۔ نظر آنے والی — مزین تو صرف ایک فریب ہے۔"

اس شخص کو دیکھتے اس کے سارے کے سارے زخم پھر سے ہرے ہوگئے تھے۔ کاش کہ وہ دوبارہ اسے نظر ہی نہ آیا ہوتا۔ وہ صرف اس کے نام سے واقف تھی اور لوگوں نے اس کے نام کو کس قدر شرم ناک حوالہ بنادیا تھا اس کے لیے۔

گاڑی میں بند ہوتے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ رکھے وہ اس کی طرف بالکل متوجہ نہیں تھی' جو اس اداس لڑکی کی بھوری آنکھوں کا بہت پہلے اسیر ہوچکا تھا۔ کئی بار وہ روتی' چیختی اس کے خوابوں میں چلی آتی اور اب۔ وہ اسے دیکھے بغیر تیزی سے گاڑی نکال کرلے گئی تھی۔

اس کی شخصیت ایک بند ڈبے جیسی تھی۔ نہ جانے اس ڈبے میں کیا تھا۔ وہ بہت الجھ گیا تھا۔ وہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا' مگر وہ موقع ہی کہاں دیتی تھی۔ تھوڑی دیر وہیں کھڑے رہنے کے بعد وہ بھی اپنی گاڑی اسٹارٹ کررہا تھا۔ گھر میں داخل ہوکے اسے عام دنوں سے ہٹ کر چہل پہل کا احساس ہوا تھا۔ اس کی دونوں بہنیں' ڈیڈ اور مام سب ہی تو جمع تھے کھانے کی میز پر۔

"تمہاری بہنیں بیاہی گئیں۔ بال بچوں والی ہوگئیں' پڑھائی تمہاری کب کی مکمل ہوچکی۔ ایم بی اے کرنے کے بعد تمہیں تمہاری مرضی پر چھوڑ دیا۔ فیکٹری سنبھالنے کی بجائے تم نے امید کے ساتھ مل کر کنسٹرکشن کمپنی کھول لی' میں پھر بھی چپ رہا۔" نوید اللہ اسے کھانے کی میز پر ساتھ بیٹھے دیکھ کر خود کو روک نہیں سکے تھے۔ کتنے دنوں بعد دیکھا تھا اسے' اس کی وجہ بھی شاید کنزا اور رکزا کا آنا تھا۔ نورین نے انہیں آنکھوں سے اشارہ بھی کیا' مگر وہ اس اشارے کو نظر انداز کرکے پھر سے بولنے لگے۔

"خاندان کی سب خوب صورت' قابل لڑکیاں بیاہی گئیں اور جو نہیں بیاہی گئیں' وہ بھی تمہارے رویے اور لاتعلقی کو دیکھتے اپنے اپنے گھر کی ہوجائیں گی۔" پانی کا گلاس ایک سانس میں خالی کرتے انہوں نے اس کے غیر سنجیدہ انداز کو دیکھا' وہ ابھی تک منیب کے ساتھ مگن تھا۔

"رکزا! منیب کو اندر لے جاؤ۔" انہوں نے خود پر بڑی مشکل سے قابو پاتے۔ رکزا سے سرد و سپاٹ لہجے میں کہا تھا۔ رکزا کھانا ختم کرچکی تھی۔ کھانے کی میز پر ہونے والی گفتگو اور بھائی کی طرف سے متوقع جواب وہ بھی سننا چاہتی تھی' مگر ڈیڈ کے تیور دیکھتے اسے منیب کے ساتھ اندر جانا پڑا تھا۔

"اب بتاؤ تمہارا کیا پروگرام ہے۔" بات ختم کرکے گیند اس کے کورٹ میں پھینک کر وہ اس کے جواب کے منتظر تھے۔ حیدر نے ایک نظر کنزا اور نورین کی جانب دیکھا۔ ان دونوں کی جانب سے کسی طرف داری کی توقع نہ پاتے' اس نے گلا صاف کیا۔

"ڈیڈ! میرا کوئی پروگرام نہیں ہے۔ بس کچھ مہینے اور جب میری کمپنی اسٹیبلش ہوجائے گی تو جو آپ چاہیں گے۔" کنزا' رکزا اور نورین کئی بار اس موضوع پر اس سے بات کرچکی تھیں' مگر نوید اللہ کے ہتھے آج چڑھا تھا۔ اسی لیے تھوڑا سنجیدہ بھی تھا۔ اسی وقت کنزا کے فون کی بیل بجنے لگی تھی۔ جسے لے کر وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

"ٹھیک ہے' بس کچھ مہینے اور اس کے بعد مجھے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں' پھر۔" انہوں نے جیسے بات ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

"اوکے ڈیڈ۔۔۔"

(اب تو تم سے بات کرنا لازمی ہو گیا ہے مس مزین۔) وہ ابھی تک مس تھی' اتنا تو اسے معلوم ہو ہی گیا تھا۔ کرسی دھکیلتے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"حیدر مجھے گھر چھوڑ آؤ' ریحان کی کزن آئی ہیں اپنی فیملی کے ساتھ کراچی سے۔" کنزا واپس آکر بولی۔

"تمہیں تو رہنا تھا نا ایک دو دن تو۔۔۔" نورین بیگم نے استفسار کیا۔

"پھر آجاؤں گی مام! اب اچھا نہیں لگتا نا کہ وہ آکر وہاں بیٹھے رہیں اور میں یہاں۔۔۔"

"میں باہر انتظار کر رہا ہوں' آجاؤ پھر جلدی سے۔" اسے جلدی کا کہہ کر وہ خود پورچ کی جانب بڑھ گیا۔ کنزا کا انتظار کرتے اس کا دھیان اس کے ساتھ پہلی ملاقات کی جانب مڑ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے لگتا ہے سیلاب آنے والا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں اس جہاز میں جل تھل' جل تھل ہو جائے گا۔ مجھے اپنا بندوبست کرلینا چاہیے۔" اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی پچھلے پندرہ منٹ سے رونے کا شغل جاری رکھے ہوئے تھی۔ پہلے پانچ منٹ اس نے اسے اگنور کرنے کی کوشش کی تھی' اگلے پانچ منٹ ہیڈ فون پہ لگے گانے کی طرف دھیان مبذول کرنے میں لگے تھے اور آخری پانچ منٹ دونوں کوششوں کے بے کار جانے کے بعد اسے نوٹس کرنے میں صرف ہوئے تھے۔

"نہ جانے آنسوؤں کا اتنا بڑا ذخیرہ اس دھان پان سی لڑکی میں کہاں اور کیسے جمع ہو گیا تھا۔" ایک سیٹ چھوڑ کر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھتے اب چپ رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے حیرت سے اس لڑکے کو دیکھا جو یقیناً" اسی سے مخاطب تھا۔ بہنے والے آنسوؤں کو صاف کرنے کے باوجود نئے نکل آئے تھے۔ آنسو روکنا نہ جانے میرے لیے اتنا مشکل کیوں ہے۔ "اکیلی ہیں۔" چمک دار آنکھوں والا لڑکا اسے پوچھ رہا تھا۔ نہ جانے اس کا سر اثبات میں کیوں ہل گیا تھا۔

"میں بھی۔۔۔ رہنا تو مجھے چار دن تھا' مگر دیکھیں دوسرے ہی دن واپس جانا پڑا۔ بھئی بھانجا جو نیا نیا اس دنیا میں آیا ہے۔ اسے ماموں کا دیدار بھی تو کروانا ہے۔ اسے بھی آنے کی جلدی تھی۔ میرے آنے کا بھی انتظار نہیں کیا' ناچار واپس جارہا ہوں۔" اس کے جلدی آنے پر افسوس کا اظہار کیا جارہا تھا۔

"ویسے اس کی ماں بھی اتنی ہی جلد باز ہے۔"

بولتے بولتے اسے یک دم اپنے فضول بولنے کا احساس ہوا تھا۔ نہ جانے وہ کیا کیا بول گیا تھا۔ اس نے زبان دانتوں تلے دبالی۔ اس کی لایعنی گفتگو پر پہلی بار اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے سے انداز میں کھنچے تھے۔

"کچھ تو کامیابی ملی مجھے۔" اس کی بڑی بڑی بھوری آنکھوں میں دھوپ چھاؤں کا منظر کتنا خوب صورت تھا۔ اٹھی گردن والی اس خوب صورت لڑکی کو اس نے نگاہ بھر کے بھی نہ دیکھا تھا۔ اس کے آنسو جو اس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بنے تھے۔ اب خشک ہوگئے تھے۔ وہ یقیناً" دیکھے جانے کی چیز تھی۔ نگاہیں گستاخی کی مرتکب ہو رہی تھیں۔ اس نے نگاہیں پھیر لیں ــــــ باہر سامان رکھا جارہا تھا۔ جہاز دھند کی بدولت لیٹ تھا۔

"ویسے آپ کہاں جارہی ہیں؟" اس کا دھیان بٹانے کے چکر میں وہ اس کے چکر میں آنے لگا تھا۔

"جہاز لاہور جارہا ہے تو یقیناً" سارے مسافر بھی لاہور ہی جارہے ہیں۔" تپ کر کہا گیا تھا۔

"اوہ اچھا' اطلاع بہم پہنچانے کا شکریہ۔" ایسے تاثرات تھے جیسے اس کی معلومات میں گراں قدر اضافہ ہو گیا ہو۔

"کاش موسیٰ بھائی اسے چھوڑنے بھی آجاتے۔" اسے موسیٰ بھائی پر یک دم غصہ بھی آیا تھا۔

"جہاز نہ جانے کب چلے گا۔ نہ جانے کتنی دیر یوں ہی بیٹھنا پڑے گا۔" لیپ ٹاپ نکال کر وہ کوئی فلم سرچ کرنے لگا تھا۔

"انی میٹڈ فلمز۔ پسند ہیں آپ کو۔"

"نہیں۔۔۔" ٹکڑا توڑ جواب دے کر وہ پھر سے اپنی سوچوں میں کھو گئی تھی۔

"پڑھائی چھوٹ جائے گی۔ جانے ایڈمیشن ہو نہ ہو یا وہ کروائے ہی نہیں۔ کتنی محنت کی میں نے' داخلہ بھی مل گیا اور اب۔" آنسو ایک بار پھر پلکوں کی باڑھ پھلانگنے لگے تھے۔ "ابا سے وعدہ بھی کیا تھا انہوں نے کہ پڑھائی کے بعد رخصتی' اور ابھی آٹھ مہینے ہی تو ہوئے ہیں۔ ابا بھی مان گئے جیسے میں ان کے سر پر بوجھ ہوں۔" سوچتے سوچتے اسے ہر چیز سے نفرت ہو رہی تھی۔

"وہاں کا سفر بھی تو تمہیں اکیلے ہی کرنا ہے نا' تو پھر اتنی پریشانی کس بات کی ہے۔ آتے ہوئے میں تمہارے ساتھ تھا۔ اب ایک ڈیڑھ گھنٹے کی تو بات ہے۔ آگے ابا ریسیو کر ہی لیں گے تمہیں۔" موسیٰ بھائی ایئرپورٹ پر سمجھاتے اسے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ "اگر ضروری میٹنگ نہ ہوتی تو میں تمہارے ساتھ ہی چلتا' چاہے کل پھر واپس آنا پڑتا۔"

"آپ کی میٹنگ تو سب سے زیادہ ضروری تھی نا۔" خود ہی جواب دیتے وہ سب سے متنفر ہوئی بیٹھی تھی۔

"آپ پریشان ہیں؟" اس کی سوچتی اور ایک دم گم ہو جانے والی کیفیت اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہی تھی۔

"اگر ہوں بھی تو آپ کو اس سے مطلب۔۔۔" وہ جیسے لڑنے کو تیار بیٹھی تھی۔

"ہاں مجھے مطلب نہیں ہو گا تو کسے ہو گا' آپ کے نزدیک بیٹھا ہوں۔ ایک بار اس سیلاب کی تباہ کاریوں سے بچ گیا۔ اگر دوبارہ ایسی تباہ کن صورت حال ہوئی تو میں کیسے بچاؤ کروں گا۔ بس یہی سوچ رہا تھا۔"

وہ اس کے آنسوؤں کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ اسے نظر انداز کر کے اس نے بیگ کھنگالنا شروع کر دیا۔ کوئی ایک بھی تو ایسی چیز برآمد نہیں ہو سکی تھی' جس کی طرف دھیان لگا کے وہ اس چغد کے سوالوں سے بچ سکتی۔ اس نے پاسپورٹ نکال کر اس پر لگا ویزا چیک کرنا شروع کر دیا۔

"مسز مزمن۔" دہراتے وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نہ جانے مسز دیکھ کر کیوں ایک دم دکھ ہوا تھا۔

"آپ باہر جا رہی ہیں کہیں۔"

"ہاں' اپنے شوہر کے پاس جا رہی ہوں۔ رخصتی ہو رہی ہے میری۔" کاٹ کھانے والے انداز میں جواب دے کر اس نے رخ پھیر لیا۔

شاید اب جان چھوٹ جائے۔ اس کے سوالوں سے۔۔۔

☆ ☆ ☆

"دلجان! ریحام سے کہو کل کچھ لوگ آ رہے ہیں اسے دیکھنے۔ اچھی طرح تیار ہو جائے' پہلے ہی شکل بڑی سوہنی ہے بارہ نہ وجا کے آ جائے ان کے سامنے۔ زبیر کے جاننے والے ہیں' اچھے لوگ ہیں۔" ریحام کون سا میلوں دور بیٹھی تھی کہ اسے کچھ دور کھڑی صفیہ پھپھو کی آواز سنائی نہ دیتی۔ لٹھ مار انداز اور شکل کے طعنے' اسے تو آگ ہی لگ گئی تھی۔

"انی دمی کی شکل تو جیسے پریوں جیسی ہے جو دوسروں کو شکل کے طعنے دیے جا رہے ہیں۔۔۔ اور لوگ کون ہیں زبیر کے جاننے والے۔۔۔ ہا۔۔۔ جس کی اپنی کوئی اوقات نہیں۔۔۔ ہوں گے کوئی اسی کے جیسے۔" اس نے بھی لگی لپٹی رکھے بغیر منہ میں آیا ایک ایک لفظ ان کے سامنے بیان کر دیا تھا۔ ریحام کی شکل و صورت اچھی خاصی تھی۔ بس رنگ ذرا سا خاندان والوں سے کم تھا' مگر اسے خوب صورت کہا جا سکتا تھا۔ باقیوں کے رنگ گلابی سفید تھے تو اس کا گندمی تھا۔ بس ان دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ جو بیر باندھ رکھا تھا اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ وہ اگر سیر تھی' تو دوسری سوا سیر۔ دوسری طرف سے بھی بڑبڑاہٹ بڑھتی جا رہی تھی۔ "دل" اپنی جگہ خاموش کھڑا دونوں کو سن رہا تھا۔

"جتنی لمبی تیری زبان ہے نا' کسی گھر وس جائے تو معجزہ ہی ہے۔" ڈھلے کپڑے تہہ کرتے صفیہ نے ناک کر وار کیا تھا۔

"سارے خاندان کی گوڈوں (گھٹنوں) تک لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے بھی ورثے میں ہی ملی ہے نا۔" ریحام بھی پیچھے رہنے والی نہیں تھی۔

الحان ایک ناکارہ سپاہی کی طرح دونوں طرف سے ہونے والی بمباری دیکھ اور سن رہی تھی۔

"ہاں اور کسی کی ہو نہ ہو' تیری ماں کی تو واقعی گوڈے تک لٹکی ہوئی ہے۔" صفیہ نے بھی آخری میزائل عین نشانے پر داغا تھا۔ سکینہ کلبلاتی ہوئی کمرے سے نکل آئی تھیں۔

"یہ اپنے رشتے ناتے اپنے پاس ہی رکھ' میری دھی کو رشتے بتیرے۔۔۔ اور اس کی ماں کی زبان گوڈے تک ہے تو پھر بھی تو بڑی سیدھی سوانی ہے نا وچاری (بے چاری)" اس نے منہ بنا کر اس کی نقل اتاری۔

"یہ میرا گھر ہے۔ کیا کرنا ہے' کیا نہیں' میں بڑی اچھی طرح جانتی ہوں۔ تین بچوں کی ماں ہوں' کوئی دودھ پیتی بچی نہیں کہ تم مجھے سبق پڑھاتی رہو۔ میں الف' انار اور ب بکری پڑھ کر تمہیں سناؤں اور تم شاباشی دے کر میری کمر تھپتھپا دو۔" سکینہ کے لہجے سے رعونت ٹپک رہی تھی' اچھی بھلی کھڑی صفیہ کو آگ ہی تو لگ گئی تھی۔

"اگر تو گھر والی ہے تو میرا بھی گھر ہے۔ بلکہ جتنا تیرا ہے۔ اس سے زیادہ میرا ہے' میرے باپ کی کمائی سے بنا ہے۔ تیرے شوہر کی کمائی سے نہیں۔ ویسے بھی وہ میرا بھرا پہلے ہے اور تیرا خصم بعد میں۔"

بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پہنچ گئی تھی۔ حالانکہ نظام دین رات سکینہ کو بتا چکا تھا۔ اس سے آدھی لڑائی بھی لڑلی تھی اور اسے رشتہ دیکھنے پر راضی بھی کرلیا تھا' مگر پھر بھی۔۔۔ عزت' لحاظ' مروت غرض یہ کہ ہر چیز مفقود تھی۔ نہ جانے کل ریحام آپی کو ان لوگوں کے سامنے جانا تھا یا نہیں کہ پھر سے ایک نیا تماشا لگنے والا تھا۔ اس کا دماغ سوچتے سوچتے دکھنے لگا تھا۔

موسیٰ بھائی آوازیں سن کر باہر نکل آئے تھے اور باہر نکلنے پر ابھی تک شرمندہ تھے۔ تماشا تھوڑا مختلف ضرور تھا مگر تماشائی وہی پرانے تھے۔ پہلے انہوں نے بُت بنی الحان کو دیکھا' پھر چیونگم چباتی ریحام کو اور پھر اپنی ماں پر ایک تپتی۔ نظر ڈالتے ٹھک سے دروازہ بند کرتے ایک بار پھر اندر بند ہو گئے۔

نظام دین چھت پر تھے۔ ان کی انٹری اس معرکے کے ختم ہونے کے کچھ دیر بعد ہوئی تھی۔ جب سب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ ریحام کے لیے مناسب رشتہ' ہی آج کل اس گھر کا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ زبیر کے جاننے والے کسی کو پسند نہیں آئے تھے۔ نہ لڑکے کی تعلیم زیادہ تھی' نہ ہی نوکری ایسی تھی کہ بیٹی کا ہاتھ خوشی خوشی اس کے ہاتھ میں تھما دیا جاتا۔ دوسرا رشتہ نظام دین کے دوست کے بھانجے کا تھا۔ جو زمین دار فیملی سے ہی تھا۔ مگر زیادہ پڑھا لکھا نہیں تھا اور تیسرا سکینہ کے چچازاد بھائی کے بیٹے کا جو ڈاکٹر تھا۔ نظام دین اور سکینہ زندگی میں پہلی بار کسی بات پہ متفق ہوئے تھے۔ وہ بھی اس لیے کہ سکینہ کے میکے سے رشتہ آیا تھا۔

"ماموں جی! مجھے تو یہ لوگ زیادہ اچھے نہیں لگے۔ عورتیں تو پڑھی لکھی ہیں نہیں' گھر بھی بس ٹھیک ہی ہے۔" زبیر احمد اور ارم کو مشورے کے لیے بلوایا گیا تھا۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کے بیٹھا زبیر اپنی رائے کا اظہار کر رہا تھا۔ نیلی جینز اور دھاری دار ہلکی نیلی شرٹ' نفاست سے سنورے بال' اس کی شخصیت ہمیشہ کی طرح متاثر کن تھی۔

"شادی صرف لڑکے کو دیکھ کر تو نہیں کی جاتی۔ اس کا گھر' گھر بار' گھر والے بھی تو اہمیت رکھتے ہیں اور پھر سب کچھ تو اس کے بھائیوں کا ہے' اس کا کیا ہے۔" زبیر کو جو اہمیت اس گھر میں حاصل تھی اسی کی بنا پر وہ اپنی رائے کا اظہار کھل کے کر رہا تھا۔

"ہاں تمہاری بار تو جیسے سب دیکھا گیا تھا نا' گھڑی سازنہ ہو تو' ٹکے ٹکے کی باتیں کر رہا ہے۔ اپنا گھر دیکھا ہے کبھی' ڈربا نما گھر کو نہ۔۔۔" سکینہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں خود کو بڑی مشکل سے چپ رکھ پائی تھی' مگر سوچوں ہی سوچوں میں اس کے بخیے ادھیڑ رہی

تھی۔ نظام چپ تھے۔

"صہیب اچھا لڑکا ہے' سلجھا ہوا' نوکری بھی اچھی ہے۔ پھر پرائیویٹ کلینک میں بھی جاب کرتا ہے۔ نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔"

موسیٰ پہلی بار گھر کے کسی فیصلے میں بیٹھا تھا۔ اس نے تحمل سے اپنا نقطہ نظر پیش کیا۔ صفیہ خاموش تھیں۔ زبیر نے کرسی پر پہلو بدلا اور چہرے کے زاویے بھی بدلے تھے جیسے کہہ رہا ہو۔ "سانوں کی۔"

"وہ لوگ شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں۔" سکینہ نے پہلی بار خاموشی سے دوسروں کو سنا اور آخر میں صرف ایک جملہ کہا۔

ڈرائنگ روم میں ہونے والی گفتگو باہر کھڑی الحان نے بڑے سکون سے سنی جبکہ فرحان ہمیشہ کی طرح سب سے بے نیاز اپنے موبائل پر مصروف تھا۔

"تیاری کرلو' پیا دوسرے گھر سدھارنے کی۔" اس نے رسالوں میں گھسی ریحام کا ہاتھ پکڑا۔

"ان ہی سترکی دھائی کے لوگوں کے گھر رشتہ طے ہو رہا ہے تمہارا۔ تمہاری ساس روز تمہارے دانت ٹٹول ٹٹول کر دیکھے گی۔" یہ کہہ کر زور زور سے ہنسنے لگی۔

"یار کتنے عجیب لوگ تھے' ان کا نمونہ کیسا ہوگا۔" ریحام اب واقعی ہونق لگ رہی تھی۔

"موسیٰ بھائی نے دیکھا ہے۔ وہی سب سے زیادہ طرف داری کر رہے ہیں' اچھا ہی ہوگا۔ اگر نہیں تو زبیر بھائی کے والے رشتے کو ہاں کردیں؟" اس نے آنکھ دبا کر اسے چھیڑا' ریحام نے رسالہ اٹھا کر اس پر پھینک دیا اور پھر دونوں زور' زور سے ہنسنے لگیں۔ شاید زندگی میں پہلی بار وہ دونوں اس طرح ہنسی تھیں۔

"ایک دو مہینے بعد کی تاریخ دے دیتے ہیں' ہماری تیاریاں بھی ہو جائیں گی اور آنا جانا بھی لگا رہے گا' اچھا ہے ایک دوسرے کو جاننے کا موقع بھی ملے گا۔"

نظام دین نے جیسے فیصلے پر پہنچنے کا اعلان کیا تھا۔ زبیر کا منہ اس فیصلے پر کھلے کا کھلا رہ گیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اس کی بات کو رد کیا گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا' مگر آدھی ادھوری بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ اس گھر کا بیٹا جو اس سے زیادہ پڑھا لکھا' قابل اور سمجھ دار تھا۔ رائے دینے کے قابل ہو چکا تھا۔ اس کی اہمیت آنے والے دنوں میں شاید کچھ اور کم ہونے والی تھی۔ گھر کا داماد جو ڈاکٹر تھا۔ اس سے وہ پہلے ہی خائف ہونے لگا تھا۔ اس کے پاس مخالفت کا کوئی جواز نہیں رہا تھا۔ سو وہ چپ تھا۔ صفیہ' ارم سب چپ تھے' اپنی اپنی سوچتے ہوئے۔

☆ ☆ ☆

ریحام آپی بیاہ کر صہیب بھائی کے سنگ سدھار گئی تھیں۔ سنجیدہ و متین صہیب بھائی کو دیکھ کر اسے ابا کا فیصلہ بالکل صحیح لگا تھا۔ آپی کی شادی میں وہ بہت خوش رہی تھی۔ کیونکہ بہت عرصے کے بعد خوشیوں نے ان کے در پر دستک دی تھی۔ شادی کے فنکشنز میں دو آنکھیں اس پر نگران رہی تھیں۔ شہزاد کا التفات اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کے چھچھورپن سے وہ صحیح معنوں میں عاجز آگئی تھی۔

"دل چاہتا ہے تمہیں اپنی آنکھوں میں قید کرلوں' پھر کہیں جانے نہ دوں۔"

آپی کو باہر پنڈال میں چھوڑ کر وہ اندر نہ جانے کس کام سے آئی تھی۔ راستے میں کھڑے شہزاد کی زبان کے ساتھ آنکھیں بھی بول رہی تھیں۔ مہندی کی رات کا شور ہنگامہ اندر تک سنا جاسکتا تھا۔ گاؤں سے آنے والی اس کی کزنز ڈھولک اور ناچ گانے میں مشغول تھیں۔ دائیں بائیں دیوار پر ہاتھ رکھتے اس نے اس کا راستہ بند کردیا تھا۔

"رستہ چھوڑو میرا۔" ٹھہری آواز میں بلا کی سنجیدگی در آئی تھی۔ اسے ہنوز پھیل کر کھڑے دیکھ کر اس نے ایک طرف سے ہو کر نکلنا چاہا تھا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں کہ اب تمہارے بغیر رہنا......"

"بکواس بند کرو' ورنہ ابھی یہاں وہ تماشا شروع ہو جائے گا کہ آنے والے سارے مہمان اس سے لطف اندوز ہوں گے۔" اندر جانے کے بجائے وہ ایک بار پھر باہر نکل گئی تھی۔ شہزاد کا دھواں دھواں چہرہ دیکھنے لائق تھا۔

آپی کی شادی کے دسویں دن کی ڈھلتی گہری شام کتنے گہرے بھید لیے ان کے صحن میں اتری تھی۔ موسیٰ بھائی کی نوکری اسلام آباد میں ہو گئی تھی۔ الحان میڈیکل انٹری ٹیسٹ پاس کرکے شہر کے بہترین میڈیکل کالج کی طالبہ بن گئی تھی اور سب سے بڑا دھماکا زبیر بھائی اور ارم باجی نے کیا تھا' اس کا رشتہ شہزاد کے لیے مانگ کر۔ اگر وہ کسی اور سے سنتی تو اسے یقین نہ آتا' مگر اب تو خود اس نے اپنے کانوں سے سب سنا تھا۔

"ابا نے نہ جانے کیا کہا ہوگا۔" سارے گھر میں چکراتے اس کے ذہن میں بس ایک جملے کی ہی تکرار ہو رہی تھی۔

"اگر امی گھر میں ہوتیں تو کچھ دن کے بعد ہونے والا ہنگامہ آج ہی ہو جاتا۔"

سکینہ بیگم' ریحام کی شادی کی تھکاوٹ اتارنے اپنے بھائی کے گھر جا چکی تھیں۔ انہوں نے اسے بھی ساتھ لے جانے کی کوشش کی تھی' مگر اس نے انکار کر دیا تھا۔ اسے اپنی فیشن زدہ کزنز سے کوئی دلچسپی نہیں تھی' جنہیں کپڑے بنانے اور فلمیں دیکھنے کے علاوہ کوئی کام نہیں تھا۔

زبیر بھائی اور ارم باجی کے جانے کے بعد پھپھو اور ابا سر جوڑے نہ جانے کیا راز و نیاز کیا کرتے' وہ سارا دن کمرے' برآمدے اور صحن کے چکر کاٹا کرتی' موسیٰ بھائی کے کمرے میں جا کر واپس آتی۔ عجب بے چینی تھی۔

"اف کیا کروں' ریحام آپی بھی ہنی مون کے لیے گئی ہیں' کسی سے کچھ پوچھ بھی نہیں سکتی۔"

"ان لوگوں کو تو تھوڑی دیر کے لیے برداشت کرنا مشکل ہے' کجا ساری زندگی۔" موسیٰ بھائی اپنی جانے کی تیاریوں میں مگن تھے' سو انہیں اور کچھ نظر نہ آتا۔ ابا ایک دو دن کے لیے زمینوں پر چلے گئے تھے۔

"اماں! ہم دونوں نے اپنی سی کوشش کرکے دیکھ لی' نہ جانے کیا ہو گیا ہے اسے' کوئی بات سننے کے لیے تیار نہیں۔" ابا کے جانے کے بعد ارم باجی آئی تھیں' نہ جانے خود آئی تھیں یا پھپھو نے بلوایا تھا۔ بہرحال دونوں گفتگو کر رہی تھیں۔ دونوں کی باتیں اس نے پھپھو کے کمرے کے ساتھ ملحق اسٹور میں سنی تھیں۔

"زہر تک کھانے کی دھمکی دی ہے۔ اس کے جانے میں دو مہینے ہیں' کہہ رہا ہے نکاح کرکے ہی جاؤں گا۔" یقیناً "شہزاد کی بات ہو رہی تھی۔

"نہ زبیر تیار ہیں نہ ہی میں' لیکن کیا کریں' رشتہ لے کر آنا پڑا' ورنہ بیٹے سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔"

"تو کیا اس کی ماں کو بھول گیا ہے جو اس قسم کے حربے استعمال کر رہا ہے۔ ساری عمر اس کی ماں نے گھر کو گھر نہ سمجھا۔ منا منا کر میرے بھائی کی جوتیاں گھس گئیں۔ سکون کا ایک لمحہ بھی میسر نہ آسکا اور اب اسی کی بیٹی۔ کیا وہ بھی یہی چاہتا ہے کہ اس عورت کی بیٹی اس کا گھر بھی جہنم بنا دے۔"

پھپھو کی آواز سن کر جیسے وہ سکتے میں آگئی تھی۔ کیا وہ اس سے اتنی نفرت کرتی تھیں۔ پھر اس سے وہاں کھڑا رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ باقی گھر والوں کی طرح کبھی اس نے پھپھو سے بولنا بند کیا تھا نہ ان کے آگے زبان چلائی تھی۔ پھر بھی اسے بہت دکھ ہوا تھا ان کی سوچ کو لفظوں میں ڈھلتے سننا۔۔۔ اس نے کتاب بند کر دی۔ کچھ بھی تو پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

طوفان کا شور تھم گیا تھا' مگر ایک شور اس کے اندر بھی تو تھا' جس کا کوئی انت نظر نہ آتا تھا۔ پرندوں کی چہکار صبح ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔ یہ شہر کا مصروف اسپتال تھا' جہاں اسے جاب کرتے چھ ماہ ہو گئے تھے۔

آج اسے صبح کا راؤنڈ بھی لینا تھا، کیونکہ ڈاکٹر عائشہ دو گھنٹے دیر سے آنے والی تھیں۔

"پلیز مزین! کل میری جگہ دو گھنٹے کی ڈیوٹی دے دینا، فاران کے اسکول میں پیرنٹس، ٹیچرز میٹنگ ہے اور عاصم بھی بہت بزی ہیں تو مجھے ہی اٹینڈ کرنی ہے۔"

اسے کل کی عائشہ کی تمہیدی گفتگو یاد آگئی۔ ڈاکٹرز روم کے ساتھ بنے واش روم میں چہرے پہ پانی کے چھینٹے مارتے اس نے اپنے چہرے پہ پھیلے حزن و ملال کو غور سے دیکھا تھا۔ براؤن بالوں کو ہاتھوں سے سنوارتے وہ راؤنڈ لینے کے لیے تیار تھی۔

"ڈاکٹر مزین! وارڈ نمبر تین کے بیڈ نمبر چھ کی مریضہ کو آج چھٹی مل جائے گی؟" نرس فرح نے اس اونچی لمبی، گوری چٹی لڑکی، جس کی آنکھیں اداس ٹھہرے پانیوں جیسی تھیں، سے پوچھا تھا۔

"ہاں آج چھٹی مل جائے گی انہیں۔" مختصر جواب دے کر وہ آگے بڑھ گئی تھی۔

"نہ جانے کیا دکھ ہے جو اسے مسکرانے نہیں دیتا۔" فرح نے خوب صورتی کے اس شاہکار کے پیچھے چلتے سوچا تھا۔ راؤنڈ ختم ہونے تک ڈاکٹر عائشہ آچکی تھیں۔

"تھینک یو سویٹ ہارٹ۔"

اس کے شکریے کا مسکراہٹ سے جواب دیتے وہ باہر آگئی۔ گھر سکون کا گہوارہ ہوا کرتا ہے، مگر اسے گھر کی یاد کے ساتھ ہی نہ جانے کیا کچھ یاد آجاتا تھا۔ شاید وہ یادوں سے خوف زدہ تھی۔

ایک بار اس نے کسی رائٹر کی ڈائری میں پڑھا تھا۔

"مجھے اپنی بوسیدہ ہو چکی سیاہ جلد والی ٹیلی فون اور ایڈریس بک سے خوف آنے لگا ہے۔ اس کے ہر صفحے پر قبریں ابھرنے لگتی ہیں۔ اب ان کی تعداد بڑھنے لگی ہے کہ وہ زندوں کی نسبت تعداد میں زیادہ ہو گئی۔ پہلے پہل تو یہ ہوتا تھا کہ کوئی عزیز، شناسا رخصت ہوتا تھا تو میں دل پر جبر کر کے اس کے نام پر سرخ مار کر سے لکیر پھیر دیتا، لیکن جب میں نے دیکھا کہ ٹیلی فون بک کے ہر صفحے پر سرخ لکیروں کی تعداد دن بہ دن بڑھتی جا رہی ہے اور نگاہ صرف سرخ لکیروں پہ ٹھہر جاتی ہے تو میں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔ کیونکہ ہر منسوخ کیا گیا نام پوری جزیات سمیت میرے سامنے آجاتا تھا۔"

اس کے پاس نہ تو ڈائری تھی، نہ ہی اس نے سرخ مار کر سے نام اور نمبر منسوخ کیے تھے، مگر اس کے ذہن میں بہت سے ایسے نام تھے، جو لال مار کر سے منسوخ ہو چکے تھے۔ بہت سی ایسی قبریں تھیں۔ جن میں یادیں دفن تھیں۔ ان قبروں کی تعداد اس کے اردگرد رہنے والے زندہ لوگوں سے زیادہ تھی۔

✡ ✡ ✡

ان ہی پھیکے سیٹھے دنوں میں جب کچھ کرنے کو دل نہ چاہتا، ایک ہنگامہ پرور دن کا آغاز ہوا تھا۔

"نہ جانے ابا کیا فیصلہ کرنے والے تھے۔ اگر ان ہی تنقیدی اور شوخے لوگوں کو ہاں کر دی تو کیا ہوگا۔" اس سے آگے تو اس کی سوچ جاتی ہی نہیں تھی۔ ریحام اپیا، امی، ابا ایک ساتھ ہی گھر آئے تھے۔ دھوپ صحن کی دیواریں پھلانگتے باہر نکل گئی تھی۔ ایک طویل پھیکا دن ایک دم رنگین ہو گیا تھا۔ اپیا کے پاس نئے قصے تھے، جو وہ اسے آہستہ آہستہ سنا رہی تھیں۔

"صہیب بھائی تو تھوڑی دیر ٹھہر کر ہی چلے گئے، اپیا آپ نے روکا بھی نہیں۔" سنک میں گوشت دھوتے اس نے پاس جھلاتی ریحام کو دیکھ کر پوچھا تھا۔

"بہت ضروری آپریشن تھا۔ اب پرسوں آئیں گے لینے تو بیٹھیں گے۔" ان کے نکھرے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ کتنی بھلی لگ رہی تھی۔

"موسیٰ بھائی بھی چلے گئے اور آپ بھی، گھر تو ویران ہو گیا ہے۔" اس نے ابھی "رشتے" کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"چلو اچھا ہوا، جاب تو بتا رہا تھا اچھی ہے۔ تم بھی۔" باہر ہونے والے شور میں اس کی بات آدھی ہی رہ گئی تھی۔

"ان کی ہمت کیسے ہوئی اسے ہاتھ لگانے کی۔" ابا کی اتنی اونچی آواز اور پھپھو کا رونا' وہ دونوں تقریباً بھاگتی ہوئی باہر نکلی تھیں۔ برآمدے میں پڑی چارپائی پر فرحان نیل و نیل 'سوجی آنکھ اور ٹوٹے دانت کے ساتھ پڑا کراہ رہا تھا۔

"ولید بتا رہا تھا کہ بٹ اور اس کے لڑکوں نے مارا ہے' آخر بات کیا ہوئی' کچھ بتاؤ گے بھی۔"

نظام اس کے پاس سے اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ پھپھو اس کی حالت دیکھ کر بھک بھک کر رو رہی تھیں۔ پہلی بار اس مردمار عورت کو روتا دیکھنا آسان نہ تھا۔ ان سے نگاہیں ہٹا کر اس نے فرحان کو دیکھا جو کسی سے نظر نہیں ملا رہا تھا۔ ہونٹ آپس میں ایسے پیوست تھے جیسے کبھی کھلیں گے نہیں۔ سکینہ نے بھی سارا تماشا کمرے کے دروازے میں کھڑے ہو کر سنا اور دیکھا تھا اور پھر سر جھٹکتے اندر چلی گئی تھیں۔

"ہوا کیا ہے؟" ایک معمہ تھا جو رات سونے تک سب کے ذہنوں کو الجھائے ہوئے تھا۔ ڈاکٹر سے مرہم پٹی کے بعد پھپھو اس کی تیمارداری میں مشغول تھیں۔ عجیب سناٹا روح تک کو چیر رہا تھا۔ نہ ریحام نے کوئی قصہ سنایا تھا' نہ ہی اس نے کوئی ذکر کیا تھا۔ معمہ اگلے دن ہونے والی بیٹھک میں کھلا تھا اور فرحان کی خاموشی کا مطلب بھی سمجھ میں آگیا تھا۔ جب انسان خود چور ہو تو دوسروں سے نظریں ملانا اور سوالوں کے جواب دینا اسی طرح مشکل ہو جایا کرتا ہے۔

دو گلیاں چھوڑ کر رہنے والی صبا "حسن بٹ" کی اکلوتی بیٹی اور چار بھائیوں کی اکلوتی بہن' جس کی نظر بازی سے محلے کے سب ہی لڑکے واقف تھے' مگر پھنسنے صرف فرحان جیسے ہی تھے۔ صبا کے گھر کے ساتھ زیر تعمیر گھر میں کسی لڑکے سے باتیں کرتے دیکھ کر فرحان

بھی ان کے پیچھے چلا گیا تھا اور صبا نے جلدی سے گھر جا کر اس پر الزام دھر دیا تھا کہ فرحان نے اسے چھیڑا ہے۔ صبا کے باپ' بھائیوں نے اس کی یہ حالت بنائی تھی۔ نظام دین پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا تھا۔ جیسے کسی

نے بھرے مجمعے میں [illegible] انہیں جوتا مار دیا ہو۔ محلے میں معزز خاندان اور اس کے سپوت کے یہ کرتوت۔ آن کی آن میں ان کی ساری ہوا نکل گئی تھی۔

ان کے پاس کہنے کے [illegible] کچھ تھا' نہ فرحان کے پاس' اس کی طرف [illegible] کی جاتی تو کس منہ سے۔۔۔ عاشق نامراد [illegible] مانگی اور ان کی [illegible] میں نہ جانے کی قسم [illegible] گیا تھا' اگر لڑکی اس [illegible] الزام لگا دیا [illegible] اس کا عاشق تھا اور دو [illegible] کر پایا تھا۔

"میں تو صرف اسے [illegible] دیکھتا تھا' مگر یہ۔۔۔ اس نے تو محلے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے۔" نظام دین کا بس نہ چلتا تھا کہ دو طمانچے اس کے منہ پر کس کے ماریں۔ اگر ان کا اپنا بیٹا ہوتا تو وہ اسے قتل کر دیتے۔" اس وقت ان کی سوچیں انتہائی شدت لیے ہوئے تھیں۔

"جلد سے جلد اس کے لیے کوئی رشتہ دیکھو اور یہ اب یہاں نہیں رہے گا' میرے ساتھ حویلی جائے گا یہ۔۔۔" فیصلہ سنا کے وہ کمرے میں بند ہو گئے تھے۔ بے حیائی اور بے غیرتی سے انہیں نفرت تھی اور وہ اسی بے حیائی کے جھنڈے گاڑ کے آیا تھا۔

"نہ جانے ابا کو پہلے یہ خیال کیوں نہیں آیا۔ شادی کروائیں اس کی اور وہیں رکھیں انہیں۔" ریحام نے کاپی پر لکیریں کھینچتی الحان کو دیکھ کر اظہار خیال کیا۔

"اتنی عمر ہو گئی' پہلے سوچ لیتے تو یہ تو نہ ہوتا' وہ تو شکر کہ صہیب ٹھہرے نہیں' ورنہ کیا عزت رہ جاتی میری ان کے سامنے۔۔۔" اسے اپنی فکر لاحق ہو گئی تھی۔

"دیکھ نظام! میرا دوپٹا تیرے پیروں میں پڑا ہے۔

میرے ایک بیٹے کو تو تو نے بچا لیا۔ دوسرے کی بھی زندگی بخش دے۔" صفیہ دوپٹا اتارے نظام کے قدموں میں بیٹھی تھیں۔

...یوں مجھے گناہ گار کرتی ہیں۔" ابا نے جلدی ...پان کے سر پر پھیلا دیا۔

"...کیا بتاؤں نظام کہ شہزاد نے کل خودکشی کی کوشش کی ہے۔" چاندی جھلکاتے سر پر دوپٹا ...ڈھے، سر جھکائے کھڑی صفیہ صرف سوچ ہی سکی تھیں۔

کتنے دن بیت گئے تھے بہت سوچنے پر بھی وہ انہیں کوئی جواب نہ دے پائے تھے۔ شہزاد پڑھائی میں اچھا تھا۔ انگلینڈ جا رہا تھا، مگر۔۔۔ دونوں گھروں کی آپس کی چپقلش انہیں فیصلہ نہ کرنے دیتی۔ ایک طرف بیٹی تھی اس کی ماں تھی اور دوسری طرف بہن اور اس کی اولاد۔۔۔

"کیا کروں۔" ان کی سوچیں جیسے ٹھہری گئی تھیں۔ سوچنا چاہتے، سوچ نہ پاتے۔ عجیب کشمکش تھی۔ بہن کو روتے دیکھ کر جیسے انہوں نے اچانک فیصلہ کیا تھا۔

"بلاؤ ارم اور زبیر کو مجھے منظور ہے۔" ابا کا فیصلہ اسے سُن کر گیا تھا۔ کیا ابا ہمیشہ سے ایسے ہی تھے، بغیر سوچے سمجھے فیصلہ کرنے والے۔ اسے پہلی بار نظام دین سے شکایت ہوئی تھی۔

"کسی سے پوچھنا بھی گوارہ نہیں کیا۔ آپی کی بار موسیٰ بھائی اور اب۔۔۔"

"اتنا بڑا فیصلہ اور وہ بھی مجھ سے بات کیے بغیر میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" سب سے پہلے میدان میں اترنے والی سکینہ تھیں۔ اپنی افسردگی میں وہ اس ہنگامے کو فراموش کر بیٹھی تھی جو امی برپا کرنے والی تھیں۔

"ایک بیٹی کی شادی تم نے اپنی مرضی سے کی ہے۔ اب جہاں میرا دل چاہے گا وہاں میں اس کی کروں گا۔"

"تمہاری اور موسیٰ کی مرضی سے ہوئی ہے اور یہاں تو مجھ سے پوچھا تک نہیں کسی نے۔"

"موسیٰ راضی ہے، اس سے بات کی ہے میں نے۔"

"اور الحان۔۔۔" امی جلد بازی میں ہی اس کا نام لے گئی تھیں۔

"وہ بھی میری ہی بات کرے گی۔" انہیں جیسے خود پر سو فیصد یقین تھا۔ سکینہ نے الحان کا ہاتھ پکڑ کر اسے نظام دین کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا۔

"بتاؤ الحان تم راضی نہیں ہو۔"

سکینہ نے ساری زندگی نظام کے ہر فیصلے کی مخالفت لی تھی، اب بیٹی کے لیے لڑتے انہوں نے سوچا نہیں تھا کہ اسے بھی تنقید برائے تنقید ہی سمجھا جائے گا۔ اس نے ابا کی طرف دیکھا پھر سکینہ کی طرف اور سر جھکا دیا۔

"جو ابا کی مرضی" دل کے چیخنے پر اس نے کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ ابا تو اس کے آئیڈیل تھے نا اس سے انکار کیسے ہوتا۔ طنزیہ گفتگو کرتا، چڑ کے لگاتا، گرسنہ نگاہوں سے دیکھتا شخص اگر ابا کو اس کے لیے پسند تھا تو۔۔۔ وہ ابا کو کیسے شرمندہ کر سکتی تھی۔

"دفعان ہو جاؤ یہاں سے، مرو جہاں مرضی جا کر، مجھے تمہاری فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔" اسے ہاتھوں سے دھکا دے کر پیچھے کرتے وہ تن فن کرتی اندر چلی گئی تھیں اور شہزاد کے انگلینڈ جانے سے ایک ہفتہ پہلے اس کا نکاح اس سے ہو گیا تھا۔

"زبیر بھائی اور ارم باجی کا آنا تقریباً" موقوف ہو چکا تھا۔ نہ جانے وہ بعد میں اس سے کیا سلوک کرنے والے تھے۔ جب اس سے اتنی ہی نفرت تھی تو۔۔۔"

سوچ سوچ کر اسے اختلاج ہونے لگتا۔

"جب ماں، باپ کو منا کر تمہارے گھر رشتہ کر لیا تو تمہارا ہی ساتھ دے گا نا۔" سدرہ اس کی سب سے بہترین دوست شکر کہ اب بھی اس کے ساتھ تھی۔ سموسے کا کونا دانتوں سے کترتے اسے اس کی پریشانی کا ذرہ برابر احساس نہیں تھا۔

"ویسے حیرت کی بات ہے، لڑ لڑا کر نکاح کر لیا، مگر ابھی تک تم سے بات تک نہیں کی۔ ویسے جا کب رہا ہے۔" اب وہ سموسے کو چٹنی میں ڈبو ڈبو کر کھا رہی

تھی۔

"شاید ایک دو دن میں..." گھاس توڑ توڑ کر پھینکتے اسے جواب دیتے نہ جانے وہ کہاں کھوئی ہوئی تھی۔

"خواہ مخواہ پریشان ہونے کے بجائے اس بے چارے کے بارے میں کبھی سوچ بھی لیا کرو۔ اب تو رشتہ بھی ایسا ہے تم دونوں کا۔" معنی خیز انداز میں کہتے اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"کیا کروں، کوئی خوش کن تصور اس کی یاد سے وابستہ نہیں ہے۔ اس کے حوالے سے سوچتے ہوئے اس کی طنزیہ گفتگو، کاٹ دار باتیں، لڑائیاں، ارم، زبیر بھائی کی تنقیدی نگاہیں یاد آجاتی ہیں اور میں کچھ بھی اور سوچنے سے معذور ہو جاتی ہوں۔" اس نے سر پکڑ لیا، جیسے اپنی سوچوں سے ہی پریشان ہو۔

"آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائے گا سب، ابھی بات نئی نئی ہے نا اس لیے۔ تھوڑے دن گزرنے دو، خود ہی اس کے فراق میں آہیں بھرو گی۔ رشتہ ہی ایسا ہے۔ محبت خود بہ خود ہو جاتی ہے۔ ویسے بھی سچا شخص ہے۔ فلرٹ تو نہیں نا۔ نکاح کر کے جا رہا ہے آخر۔"

اس کی باتوں پر اس نے سر ہلا دیا تھا۔ نہ جانے کچھ صحیح ہوتا تھا یا نہیں۔

* * *

"اب تمہاری تنہائیوں میں آنے کے لیے کسی سے پوچھنا نہیں پڑے گا۔" دروازے میں اسے کھڑا دیکھ کر کچھ ثانیے وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی۔

"راستہ بھٹک گیا..." (اس کی آنکھیں نہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں) گھبرا کر راستہ چھوڑتے وہ عجیب کشمکش میں تھی۔ پھپھو، ابا اور امی اسی سے ملنے گئے تھے۔ رات اس کی فلائٹ تھی۔ (امی نہ... نہ... کرتے آخر ابا کی منت سماجت پر موم ہوتے ان کے ساتھ چلی گئی تھیں۔)

"کاش امی گھر پر ہی رہتیں۔" رشتہ بدلنے سے احساسات تو نہیں بدلے تھے، مگر زبان کی تیزی ضرور کند ہو گئی تھی۔ وہ اسے دروازے سے ہی رخصت کر دینا چاہتی تھی، مگر نہیں کر سکی تھی۔

"آج رات جا رہا ہوں۔ جی بھر کے تمہیں دیکھنا، چھونا اور باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس کی بات نے اس کی آدھی جان نکال دی تھی۔

"بہتر ہوتا آپ سب کی موجودگی میں آتے۔ اب دیکھ لیا، باتیں بھی کر لیں، پلیز اب جائیں۔"

"تم اکڑتی کس بات پہ ہو اتنا۔" اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ اسے گھور رہا تھا۔ وہ بھی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ عجیب وحشت تھی اس کی آنکھوں میں۔

"کسی بات پہ نہیں۔ ویسے آپ چائے موسیٰ بھائی کے ساتھ لیں گے یا... ابھی میں ان ہی کے لیے چائے بنانے جا رہی تھی۔" اس کے بڑھتے قدموں کو روکنے کے لیے اس سے اچھا بہانہ نہیں تھا اس کے پاس۔

"موسیٰ گھر پر ہیں۔" اسے اچنبھا ہوا تھا۔

"ہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے ہیں۔ شاور لے رہے تھے، اب تو نکل آئے ہوں گے۔" پورے یقین کے ساتھ کہتے اس نے قدم موسیٰ بھائی کے کمرے کی جانب بڑھا دیے۔

"میں چلتا ہوں، اللہ حافظ... گھر پر سب میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔" اس کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازہ جلدی سے بند کر لیا تھا۔ دل ابھی تک کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ اس کے جھوٹ پر اس نے یقین کر لیا تھا۔ یقیناً اس کی نیت میں فتور تھا۔ ورنہ اتنی تیزی سے کبھی نہ جاتا۔

وہ واقعی عجیب تھی۔ وہ اس سے ملنے آیا تھا۔ اس کا محرم تھا۔ مگر نہ اسے دیکھ کر کوئی احساس جاگا تھا، نہ دل دھڑکا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ اپنی بے حسی کو سوچتی رہی تھی۔

کالج کی روٹین میں ہلچل ایک بار پھر شہزاد کے پھینکے پتھر سے ہوئی تھی۔ نہ جانے اس نے ابا سے کیا کہا تھا کہ وہ رخصتی کے لیے بھی تیار ہو گئے تھے۔

"سب کچھ میرے ساتھ ہی کیوں۔" (کبھی کبھار اسے شک ہوتا ابا کا دماغ لاحول ولا) کہتے ویزا لگوانے

کے لیے اس نے موسیٰ بھائی کے ساتھ اسلام آباد جانے کی تیاری شروع کردی تھی۔

☼ ☼ ☼

"جہاز میں تکنیکی خرابی کے باعث اسے واپس موڑا جارہا ہے۔" پندرہ منٹ کے بعد کیے جانے والے اعلان نے سب مسافروں کو خوف زدہ کردیا تھا۔ اونچی آواز' پریشان کن سوچیں' وہ جیسے باقی سب چیزیں بھول گئی تھی۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہوجائے گا۔" ہیڈ فون اتار کر اس نے ساتھ بیٹھی مسلسل ہاتھ کھولتی بند کرتی لڑکی کو دیکھ کر کہا تھا۔ مسافروں کو خاموش رہنے اور بیلٹ باندھنے کی تلقین باربار کی جارہی تھی۔ پھر پندرہ منٹ کے بجائے آدھے گھنٹے کی مسلسل پرواز کے باوجود بھی جہاز کے پہیے رن وے کو نہیں چھوپائے تھے۔

"شاید دھند کے باعث راستہ نہیں مل رہا۔" اس نے جیسے خودکلامی کی تھی۔

جہاز ڈگمگایا تھا' سب اونچی آواز میں کلمے کا ورد کرنے لگے۔ نہ جانے وہ خود کیا کررہی تھی۔ خوف نے اسے خود سے اور اردگرد سے بے گانہ کردیا تھا۔ پھر ایک زوردار دھماکے نے اس کے ہوش وحواس چھین لیے تھے۔ چیخوں' کراہوں کی آواز کے ساتھ سب نظروں سے اوجھل ہوچکا تھا۔ بند آنکھوں کو کھولتے اس نے اردگرد دیکھنے کی کوشش کی مگر آنکھوں کو کھولنے کے لیے اسے بہت کوشش کرنی پڑی تھی۔ اٹھنے کی کوشش ایک دم بے کار گئی تھی اور وہ پھر سے نیچے گرگئی تھی۔ سر میں ہونے والے دھماکے اسے کچھ سوچنے نہیں دے رہے تھے۔

"ہیلپ می..." دور سے آتی آواز نے اسے حسیات کو مجتمع کرنے میں مدد دی تھی۔ یقیناً" وہ زندہ تھی۔ ہوش وحواس کی بے داری کے ساتھ جیسے ذہن میں فلم سی چل رہی تھی۔

"آہ..." ایک تیز کراہ بے اختیار منہ سے نکلی۔

"پلیز' ہیلپ می۔" نہ جانے کون مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ اونچے اونچے درخت اور اندھیرا' ٹانگوں نے خوف کے مارے جسم کا بوجھ سہارنے سے انکار کردیا تھا۔ مگر اسے کھڑا ہونا تھا۔ اس کی ٹانگ زخمی تھی۔ خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے آواز کی جانب چلنا شروع کردیا۔ کچھ دور جہاز کے ایک جلتے ٹکڑے کے نیچے دبا شخص جلتے ہوئے چلا رہا تھا۔

"کوئی ہے؟" اس کی اپنی آواز سناٹے میں دور تک سنائی دی تھی۔ نہ جانے وہ کہاں تھے۔ کیا وقت تھا۔ اس نے سر تھام لیا۔ اسے تھوڑی دور چھوڑتے اس نے اردگرد جہاز کے ملبے کو ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر اسے کچھ بھی نظر نہ آسکا تھا۔

"اٹھو... اٹھو..." اس شخص کے منہ پر ہلکے تھپڑ لگاتے اس نے اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی۔

"پلیز اٹھ جاؤ۔" اب وہ رودینے کو تھی۔ ایک بار پھر کچھ دور جانے کا فیصلہ کرکے وہ اٹھی اور چلنے لگی مگر کچھ دور چلنے کے بعد ہی اسے چکر آنے لگے۔ وہ ایک بار پھر سے بے ہوش ہوچکی تھی۔ بے ہوشی کا دورانیہ نہ جانے طویل تھا یا نظام دین' موسیٰ بھائی کو دیکھ کر اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں۔ خوف ناک حادثے کی تفصیلات جاننے کے لیے ٹی وی چینلز بے قرار تھے۔

"نہ جانے وہ شخص زندہ بچا تھا یا نہیں۔" تکیے پر سر رکھتے اس نے سوچا تھا۔ آنے والے دنوں میں اس زندہ بچ جانے والے شخص کی بدولت اس کی زندگی نئی مشکلات سے دوچار ہونے والی تھی مگر وہ اس بات سے بے خبر انٹرویو دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

پی سی کی پارکنگ میں سدرہ کو اتارتے' اس نے سدرہ کو جس ہستی کی طرف جاتے دیکھا تھا' اسے دیکھ کر وہ دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کرنا بھول گیا تھا۔

"ڈاکٹر مزین یہاں سیمی نار میں..." گاڑی پارک کرکے لاک کرتے جیسے بے اختیار وہ ان کی جانب بڑھا

تھا۔

"ہاں۔۔۔ مزین۔۔۔ یہ میرے کزن ہیں حیدر اور حیدر! یہ میری بہت اچھی دوست الحان مزین ہے۔ ہم دونوں کا طالب علمی کا زمانہ ساتھ ہی گزرا ہے۔ یہاں سیمی نار اٹینڈ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔ فون پر تو خیر بات ہوتی رہتی ہے۔ مگر۔۔۔" سدرہ کا زیادہ بولنا جہاں گاڑی میں اسے بے زار کررہا تھا۔ اب اچانک بھلا لگنے لگا تھا۔ وہ بول رہی تھی اور اس کے بارے میں بول رہی تھی۔

"کیسی ہیں آپ ڈاکٹر مزین۔"

"جی ٹھیک۔" اس کے مسکراتے لبوں اور پُرشوق نظروں کو نظر انداز کرتے اس نے اندر کی جانب قدم بڑھادیے۔

"کیا میں بھی سیمی نار اٹینڈ کرسکتا ہوں۔" ان کے ساتھ ساتھ چلتے اس نے سدرہ سے پوچھا تھا۔ سدرہ نے صرف سرہلادیا تھا۔

"ویسے سیمی نار ہے کس موضوع پر؟" اسے جیسے ہر چیز سے اچانک دلچسپی ہوگئی تھی۔ سدرہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کینسر۔" اسے مختصر جواب دے کر سدرہ اس کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوگئی۔ گرے اور بلیک کلر کے امبرائیڈڈ سوٹ میں کسی بھی قسم کے ــــ میک اپ سے مبرا اس کا چہرہ مقناطیسی کشش لیے ہوئے تھا۔ وہ اپنا دھیان ادھر ادھر لگانے کی کوشش کرتا اور نگاہیں گھوم پھر کر اس کے چہرے کا طواف کرنے لگتیں۔

"لگتا ہے سیمی نار میرے لیے ہی منعقد کیا گیا ہے۔" خود سے کہتے اس نے کرسی پر پہلو بدلا۔ وہ دونوں اردگرد سے بے نیاز نہ جانے کن باتوں میں مصروف تھیں۔ سدرہ کے ساتھ سرگوشیوں میں باتیں کرتے وہ اسے مکمل نظر انداز کیے ہوئے تھی۔ پھر نہ جانے کب سیمی نار ختم ہوا اور وہ طلسم سے آزاد ہوا تھا۔

"ویسے کم ظرف اور کمینے لوگوں کی کمینگی کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔" حیدر کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے وہ کتنی دیر اس پیاری لڑکی کو اس کی گاڑی تک جاتا دیکھتی رہی تھی۔

"کیا ہوا سدرہ آپا' کس نے کی کمینگی۔" اس کی بات نہ سمجھتے ہوئے اس نے اس سے استفسار کیا' وہ ابھی تک کھوئی ہوئی تھی۔

"مزین کے سسرالیوں کی بات کررہی تھی۔ ایسے کم ظرف لوگ تھے کہ ابھی تک یقین نہیں آتا۔ لڑکے نے ماں' باپ کو زبردستی اس رشتے کے لیے راضی کیا۔ خود باہر چلا گیا اور کچھ ہی عرصے بعد رخصتی پر زور دینے لگا۔ مزین جب ویزہ وغیرہ لینے اسلام آباد گئی تو طیارے کا حادثہ ہوگیا۔ صرف ایک لڑکا اور مزین ہی پورے طیارے میں بچے تھے۔ رات امدادی ٹیمیں ان کو ڈھونڈ نہ سکیں۔ اگلے دن دونوں زندہ مل گئے۔ لڑکا کافی زخمی تھا۔ مزین کو بھی چوٹیں آئی تھیں۔"

اسے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ جو سوال پوچھنے کے لیے وہ بے قرار تھا اور سو طرح کی تمہیدیں سوچ چکا تھا۔ اس کا جواب اسے بغیر سوال کیے ہی معلوم ہوگیا تھا۔

"پھر؟" اس کا اشتیاق دیدنی تھا۔

"پھر کیا' وہ رشتے کے لیے تو پہلے ہی راضی نہ تھے۔ نہ جانے بیٹے کو کیا کہا' کیا نہ کہا۔ نکاح ختم کردیا۔ طلاق بھیج دی۔ الزام لگا کر کہ اس لڑکے کے ساتھ مزین کا کوئی تعلق تھا۔" وہ خاموش ہوگئی تھی اس کا دماغ سائیں سائیں کررہا تھا۔

"اور آپ جانتی ہیں کہ دوسرا بچنے والا لڑکا کون تھا۔ وہ میں تھا۔" سدرہ حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پورے جہاز میں بچنے والے صرف یہی دونوں اور پوری رات انہیں کوئی بھی تلاش نہ کرسکا۔" ٹانگ پہ ٹانگ رکھے زبیر بھائی اس کی خیریت دریافت کرنے

آئے تھے اور اسے چکر آ رہے تھے۔ بہت سے دن اسپتال میں گزر گئے تھے۔ صہیب بھائی نے خود اس کا خیال رکھا تھا۔ گھر آکے بھی اس کی حالت دگرگوں تھی کبھی رونے لگتی تو کبھی چپ ہو کے بیٹھ جاتی۔

"تو اکیلی لڑکی ذات کو آپ نے بھیجا کیوں اتنی دور اور اگر کوئی اور ساتھ نہیں جا سکتا تھا تو مجھے بتا دیتے۔"

"ہاں آپ تو جیسے سپرمین تھے نا جہاز کو ہاتھوں پر روک ہی لیتے۔" ان کی شخصیوں پر ریحام تپ ہی تو گئی تھی۔ الحان آج کل بہت رقیق القلب ہو رہی تھی۔ اس لیے وہ مزید ایک دو دن ادھر ہی تھی۔

"اکیلی کہاں تھی موسیٰ ویک اینڈ پہ آیا تھا تو ساتھ ہی لے کر گیا تھا۔ ہاں آتے وقت اکیلی تھی موسیٰ میٹنگ کی بدولت وہیں رک گیا تھا۔" نظام دین تفصیل سے بتاتے اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئے۔

وہ سن سی اسی زاویے سے بیٹھی رہی تھی۔

"پاسپورٹ آئی ڈی ویزا سب تو جل گیا اب دوبارہ اپلائی کرنا پڑے گا۔" بیٹی کے ساتھ ہونے والے حادثے نے انہیں بھی ادھ موا کر دیا تھا۔ وہ موت کے منہ سے ہو کر آئی تھی وہ شکر ادا کرتے نہ تھکتے۔ کتنی پیاری تھی انہیں اپنی یہ بیٹی کبھی کھل کے اظہار ہی نہ کر سکے تھے۔

"ویسے وہ لڑکا تھا کون... دوسرا بچنے والا۔" ارم کی بات پر اس نے خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔ نہ جانے اس کا دماغ کہاں تھا۔

"مسافر ہی تھا کوئی نہ جانے کون تھا؟" اس کے سوال کا تیکھا پن نظام اور باقی افراد نے بھی محسوس کیا تھا۔ جواب بھی ان ہی کی طرف سے آیا تھا۔

"شہزاد کا فون نہیں آیا یا اسے خبر نہیں ہوئی اس حادثے کی۔" ابھی کچھ دن پہلے تک تو شہزاد روز فون کر کرکے ان کا دماغ کھا گیا تھا۔ رخصتی کے لیے دباؤ کبھی خود فون کرتا کبھی اس کے گھر والے اور اب جبکہ ویزا لگ چکا تھا اور اس حادثے کی تفصیلات سے بھی آگاہ ہو گیا تھا جسے کئی دن گزر چکے تھے مگر اس کا ایک فون تک نہیں آیا تھا۔

"ہاں آیا تھا فون کہہ رہا تھا اب پاسپورٹ ویزے کی ضرورت نہیں ہے رہنے دیں۔"

"اچھا کیا واپس آرہا ہے۔" نظام دین کے سر سے جیسے بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔ بیٹی کو اتنی دور بھیجتے وہ کتنے خدشات کا شکار رہے تھے۔

"نہیں واپس نہیں آرہا بس ابھی رخصتی نہیں چاہتا۔"

نظام دین حیرت سے گنگ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔ کچھ دن پہلے تک وہ الحان کو وہاں بلانے کے لیے پاگل ہو رہا تھا اور اب... صفیہ خاموش تماشائی کی طرح سب سن اور دیکھ رہی تھیں مگر ابھی تک ایک لفظ ان کے منہ سے نہیں نکل سکا تھا۔ کچھ دن بعد شہزاد کی کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"تو یہ وجہ تھی تمہارا میرے ساتھ سیدھے منہ بات نہ کرنے کی۔" وہ ریسیور پکڑے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی نہ جانے وہ کیا کہہ رہا تھا۔

"جب تمہارا پہلے ہی اس کے ساتھ چکر چل رہا تھا تو مجھ سے نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ گنگ کھڑی تھی۔ نہ جانے وہ کس کی بات کر رہا تھا۔

"اس کے ساتھ وقت گزارتے تمہیں ذرا بھی شرم نہ آئی۔ اسلام آباد جانے کے بہانے اسی کے ساتھ سیر سپاٹے کا پروگرام تھا نا۔" اسے نہ جانے کیا کیا بتایا گیا تھا۔

"شہزاد..." اس کے لبوں سے نکلنے والا واحد لفظ جسے اس نے نفرت سے اس کے منہ پر مارا تھا۔

"مت نام لو میرا پہلے مجھے لگتا تھا کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں مگر وہ صرف وقتی پسندیدگی تھی یا پھر تمہیں اور تمہارے گریز کو توڑنے کا حربہ جو بھی سمجھ لو یہاں آکر لگا وہ بھی جلد بازی تھی۔ تمہاری مہربانی کہ جلدی پتا چل گیا۔ تم اپنے فیصلوں میں آج سے آزاد ہو۔" اپنی باتیں کہہ کر اس نے فون رکھ دیا تھا اور وہ شہزاد کا نام لیتے نیچے بیٹھتی چلی گئی تھی۔ کچھ دن کے بعد ہی اسے طلاق کے کاغذات موصول ہو گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اسپتال سے آف تھا۔ بہت سا وقت اس نے یوں ہی بے کار بیٹھے بیٹھے گزار دیا تھا۔ برآمدے میں پڑی کرسی پر جھولتے اس نے اس بڑے سے صحن میں دبے پاؤں اترتی دھوپ کو دیکھا۔

"ایک ایسی لڑکی جو ساری رات.... ایک غیر آدمی کے ساتھ رہی ہو۔" جھولتے جھولتے کرسی رکی۔ اس نے تنفر سے سر جھٹک دیا۔

"ہاں ایک ایسے زخمی کے ساتھ جو اٹھنے کے قابل تک نہیں تھا۔"

کئی بار اس کا دل چاہتا کاش شہزاد اس کے سامنے آجائے اور وہ اسے اتنے جوتے مارے' اتنے جوتے مارے کہ اس کے ہاتھ تھک جائیں۔ اس کے ماں باپ راضی نہیں تھے' تو ان کو مجبور کر کے نکاح ہی کیوں کیا اور پھر ان کے مجبور کرنے پر طلاق بھی دے دی۔ کیسا شخص تھا۔ موم کی ناک جیسا۔

اس حادثے نے جہاں اسے بہت مضبوط بنا دیا تھا وہیں تلخیاں اس کے دل و دماغ میں رچ بس گئی تھیں۔ نظام دین اور سکینہ کے درمیان ہونے والی لڑائیوں میں وہ ایک خاموش تماشائی کا کردار ادا کرتی۔ جیسے اس کے متعلق بات نہ ہو رہی ہو' کسی اور کے متعلق بات کی جا رہی ہو۔ نظام دین پہلے چپ رہا کرتے تھے۔ اس حادثے کے بعد وہ بھی بولنے لگے تھے۔ ایک دوسرے کی کمزوریاں' کوتاہیاں اور غلطیاں گنوا گنوا کر انہوں نے گھر کو جہنم بنا دیا تھا اور اب تو بولنا اور لڑنا بھی موقوف ہو چکا تھا۔ ایک گہری خاموشی تھی' جو ہر چیز پر حاوی ہو چکی تھی۔

موسیٰ بھائی اپنی کولیگ سے شادی کر چکے تھے اور خوش تھے۔ کچھ دنوں کے لیے مہمانوں کی طرح آتے اور سیر سپاٹے کرنے کے بعد چلے جاتے۔ صفیہ پھپھو' فرحان بھائی کے ساتھ جا کر رہنے لگی تھیں۔ نہ جانے ان کو منہ چھپانے کے لیے جگہ چاہیے تھی یا اب ان کا یہاں گزارہ ممکن نہیں رہا تھا۔ نظام دین نے زمینیں بیچ کر ان کا حصہ ادا کر کے ان سے اپنا ہر تعلق توڑ لیا تھا بلکہ شاید انہوں نے تعلق توڑ لیا تھا۔ زبیر اور ارم عرصہ ہوا قصہ پارینہ بن چکے تھے۔

یہاں نظام دین اور سکینہ تھے جو خاموشی سے چلتے پھرتے یا پھر وہ جو اپنے خول میں بند ہو چکی تھی۔ سکینہ اب میکے نہ جاتی' لڑائی بھی نہ ہوتی' اب جب ان کی اولاد کو ان کی ضرورت نہیں رہی تھی تو وہ.... ریحام اپیا شارجہ جا چکی تھیں۔ صہیب بھائی کے ساتھ' وہاں صہیب بھائی کو جاب مل گئی تھی۔ وہ کتنی اکیلی تھی' سب کے ہوتے ہوئے بھی۔ نظام دین اسے شادی کے لیے کہتے اور وہ خاموش رہتی اور اب وہ شخص.... اس کی اذیت کو دوچند کرنے آگیا تھا۔ اس نے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا۔ یقیناً "اب اسے اپنے کردار پر کوئی پتھر نہیں کھانا تھا۔ کرسی ہل رہی تھی اور وہ اٹھ کر اندر جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کوئی ایسی بات پر یقین کیسے کر سکتا تھا جس کا کوئی سر پیر ہی نہ ہو مگر ان کو روک بھی کون سکتا تھا' سب کچھ کہنے سے۔ وہ تو پہلے ہی تیار نہ تھے' بغیر کسی وجہ کے بھی انکار کر سکتے تھے۔ مگر اس کے لیے انہوں نے جو وجہ چنی' اس سے الحان کی شخصیت ریزہ ریزہ ہو گئی۔" سدرہ بولتے بولتے چپ ہو گئی۔ اداسی اور گھمبیرتا کا ایک شدید تاثر اس کے چہرے پر ٹھہر گیا تھا۔

"پلیز آپ اس سے بات کریں میری خاطر۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے سدرہ سے التجا کی تھی۔

"وہ کبھی نہیں مانے گی' کبھی نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

"ٹھیک ہے' میں خود بات کروں گا۔" ارادہ کر کے جیسے وہ پرسکون ہو گیا تھا۔ سدرہ نے اس کے تیقن کو بڑی دلچسپی سے دیکھا۔

"میرے ڈیڈ نے مجھے دو مہینے کا الٹی میٹم دیا ہے۔ اگر آپ نے ہاں نہیں کی تو نہ جانے میرا کیا بننے والا ہے۔" شاپنگ سینٹر میں پھرتے اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ کوئی ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اسے سدرہ کے

بچوں کے لیے کھلونے لینے تھے اور کچھ چیزیں رہمام کے بچوں کے لیے۔ بہت سے دن ٹالتے رہنے کے بعد آخر اس کو آنا ہی پڑا تھا۔

"آپ میرا پیچھا کیوں کر رہے ہیں۔" اکتائے ہوئے لہجے میں اسے دیکھ کر کہا گیا تھا۔ آف وائٹ شرٹ اور ڈریس پینٹ میں اس کی تیاری دیکھ کر اس نے منہ پھیر لیا۔

"میں اور آپ کا پیچھا!!" اس نے ادا سے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے تو خود کچھ شاپنگ کرنی تھی۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کچھ دنوں میں کوئی شادی وادی کا پروگرام بن جائے۔" اس کی لایعنی گفتگو اسے ایک دم ہی بہت سال پیچھے لے گئی تھی۔ ایسے ہی بلا سوچے سمجھے بولنے کا قائل تھا وہ۔ اس کے پرپوزل کے متعلق سدرہ نے اس سے بات کی تھی اور اس نے اس کی پوری بات سننے سے بھی انکار کر دیا تھا۔

"ہاں اس کے ساتھ شادی تاکہ لوگوں کو یقین آجائے کہ ان چھچھورے لوگوں کی باتیں ٹھیک تھیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا سدرہ۔"

"ان کی باتوں پر پہلے کب کسی نے یقین کیا تھا۔ ویسے بھی تم بچی ہو، تمہیں دوسروں کی باتوں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔" سدرہ قائل کر رہی تھی، مگر اس کی "نا" "ہاں" میں نہیں بدل سکی تھی اور اب وہ خود آگیا تھا۔

"آپ کو اعتراض کس بات پر ہے۔" وہ ڈھیٹ شخص ابھی تک اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"آپ پر..." ٹھہر کر اسے دیکھتے اس نے کہا تھا۔ چلتے چلتے رک کر وہ اس کی جانب دیکھنے لگا۔ چہرہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

"میرا بھانجا چار سال کا ہو گیا ہے۔" اس نے جیسے بڑی اہم اطلاع بہم پہنچائی تھی۔

"اچھا..." طنزیہ انداز میں کہتے اس نے شانے اچکا دیے۔

"وہی جو ہماری پہلی ملاقات پر پیدا ہوا تھا۔ ماموں بے چارہ، دوسری دنیا کی سیر کرتے کرتے واپس آگیا۔ اتنے سال ایسے ہی گزار دیے۔ اگر پہلے مل جاتیں۔" وہ آپ سے تم تک کا سفر کتنی آسانی سے طے کر گیا تھا۔

"تو کیا کرتے آپ؟" نہ جانے وہ کس موڈ میں تھی، ہمیشہ اس وقت کا تذکرہ عجیب کر دیا کرتا تھا اسے، مگر آج وہ اس سے بے اختیاری میں ہی وہ سوال پوچھ بیٹھی تھی جو اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا، اس نے منہ بند کر لیا جیسے کبھی نہ بولنے کا تہیہ کر لیا ہو، مگر وہ تو اس کا سوال سن کر باغ و بہار ہو گیا تھا۔ آنکھیں چمکنے لگیں تھیں۔

"تو یہ کرتا کہ بہت سارے لوگوں کو لے کر آتا اور آپ کو اپنے ساتھ لے جاتا، میرے بھانجے جتنے نہ سہی اس سے ایک دو سال چھوٹے۔" وہ بلا سوچے سمجھے بولنے کا عادی تھا۔ یہ تو وہ جان گئی تھی، مگر افسوس اسے اپنے سوال پر ہوا تھا، جس سے اسے پھیلنے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ تیز تیز چلنے لگی۔

"تقدیر پر یقین کیوں نہیں کر لیتیں آپ۔" وہ ڈھیٹ اس کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

"ہم دونوں ملنے کے لیے ہی بنے ہیں۔" اس کی سنجیدہ آواز اس کے پیچھے سے ابھری تھی۔ وہ اسی طرح رخ موڑے کھلونوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"کیا آپ ایک بار پھر ویسا ہی فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، جیسا آپ نے پہلے کیا تھا۔" وہ نظام دین کے سامنے کھڑی ان سے گزرے سالوں کا حساب مانگ رہی تھی۔

"میں ایسا کوئی فیصلہ نہ پہلے کرنا چاہتا تھا نہ ہی اب..." وہ بولتے بولتے خاموش ہو گئے۔ دوسروں کے لیے جیتے جیتے وہ خود کو بھول گئے تھے اور پھر بھی مجرم وہی تھے۔ ہاں غلطی شاید ان ہی کی تھی۔ رشتوں کو اصلی اور صحیح مقام نہ دینے کے قصوروار تو تھے نا وہ، بیوی کو کبھی صحیح غلط کی تمیز کرا سکے نہ بہن کو کچھ کہہ سکے، یہاں تک کہ اولاد کے دوست بھی نہ بن پائے۔ سب

ہی تو ان سے متنفر تھے۔ خاموشی سے کھڑے وہ کچھ بھی کہنے کے قابل کہاں رہے تھے۔ ان کی بیٹی ان کے سامنے کھڑی تھی۔

"کیا تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔"

ان کے اس جملے نے اسے جیسے زمین پر پٹخ دیا تھا۔ اس کا باپ جو اس کا آئیڈیل تھا' اس کے سامنے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"شاید کرنا بھی نہیں چاہیے۔ ساری زندگی جو مرد رشتوں میں توازن قائم نہ کر سکا' جو اولاد کو اولاد ہونے کی خوشی نہ دے سکا' اسے معاف کرنا بھی نہیں چاہیے۔" ایک طرف کھڑے نہ جانے وہ کس چیز کو گھور رہے تھے۔

"مگر دیکھو میں بالکل تہی داماں ہوں' خالی ہاتھ۔ نہ اولاد کی گزشتہ شرارت کا کوئی خوش کن لمحہ ساتھ ہے نہ بیوی سے محبت و وارفتگی کی کوئی یاد اور نہ ہی بہن' بھائیوں کا کوئی مان تمہارے سامنے کھڑا ہوں' جو سزا دینا چاہو دے لو' ساری عمر خود کو مضبوط بناتے بناتے تھک گیا ہوں۔ بہن کی بیوگی' عزت و عصمت کی قدر کرتے کرتے بیوی کے جذبات بھول گیا۔ اگر پہلے ہی بہن کو الگ گھر۔۔۔ تو شاید ایسا نہ ہوتا' دوسرے لوگوں کو اہمیت دیتے دیتے اپنی اولاد کو بھول بیٹھا' ایک مرد کو اتنا کمزور کبھی نہیں ہونا چاہیے۔ میری غلطی نہ جانے کہاں سے شروع ہوتی ہے۔ بیوی اور بہن کی لڑائی پر چپ سادھ لینے سے۔۔۔" وہ تھوڑی دیر کو رکے' وہ چپ چاپ انہیں سن رہی تھی' دل خون کے آنسو رو رہا تھا' وہ سنا رہے تھے اور وہ روتے روتے سن رہی تھی۔ دیوار کا سہارا لینے کو ہاتھ بڑھاتے وہ تھوڑا سا لڑکھڑائی تھی۔

"یا دوسروں کو اپنے گھر کے ہر معاملے میں دخل اندازی کرنے دینا اور دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لینے سے' یا پھر اپنی اولاد کے ہر معاملے سے بے خبر رہنے سے' جانے کہاں سے شروع کروں۔" کنپٹی سے ہوتے سفید بال' سفید شلوار قمیص میں اس کے سامنے کھڑا شخص جو اس کا باپ تھا' رو رہا تھا' عجیب انداز تھا جو اس نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔

"تم سمجھتی ہو کہ تم پر الزام لگانے والوں پر کسی نے یقین کیا ہو گا؟ نہ اس وقت کسی کو یقین تھا اور نہ اب' ہاں تم اس جہنم میں ضرور جلتی رہی ہو' ہم میں کب اتنا حوصلہ تھا کہ تمہیں تمہارے صحیح ہونے کا ہی یقین دلا دیتے' لیکن ابھی بھی دیر کب ہوئی ہے۔ صفیہ بھی تو اسی لیے چلی گئی کیونکہ وہ کسی سے نظر ملانے کے قابل ہی نہیں رہی تھی۔ داماد اور بیٹی کے کیے پر شرمندگی اس کا مقدر ٹھہری۔۔۔ تم نے اپنی الگ دنیا بسا لی' پڑھائی کو اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ الگ تھلگ ہو گئیں اور ہم۔۔۔" اس نے کب انہیں اتنا بولتے سنا تھا۔ وہ ان کی طرف دیکھتی رہی۔ ہاں دکھ صرف اس کا ہی نہیں تھا۔ اسے تو آج معلوم ہوا تھا ہر ایک کا اپنا اپنا دکھ ہوتا ہے' جس میں ہر کوئی مختلف طریقے سے جل رہا ہوتا ہے۔ جل تو وہ بھی رہے تھے اس کے ساتھ ساتھ یا اس سے بھی بہت پہلے۔

"اگر میرے بس میں ہوتا تو تمہیں کبھی خود سے الگ نہ کرتا' مگر ایک بار پہلے ایسا کر کے دیکھ لیا' پچھتاوے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آیا۔ صفیہ کی شادی ہو جاتی تو حالات مختلف ہوتے۔ حیدر اچھا لڑکا ہے۔ سدرہ کا رشتہ دار بھی ہے۔ تم اپنے گھر چلی جاؤ گی تو میری اذیت بھی کم ہو جائے گی۔" وہ تھک کر پاس پڑی کرسی پر ڈھے گئے۔

"اگر تمہارا دھیان لوگوں کی باتوں کی طرف جاتا ہے تو ان کو دماغ سے نکال دو۔ صرف اس بات پر یقین رکھو کہ تم صحیح ہو اور تمہارے قریبی لوگ تمہیں صحیح سمجھتے ہیں۔"

"کتنی دیر کر دی ابا۔ آپ نے مجھے یہ بتانے میں کہ آپ مجھے صحیح سمجھتے ہیں۔" ایک اذیت ناک سوچ اس کے اندر سرسرائی تھی۔

"حیدر ہی ایسا شخص ہے جو تمہاری سچائی پر تم سے بھی زیادہ یقین رکھتا ہے۔ بغیر کچھ پوچھے تمہاری گواہی دینے کے لیے تیار' وہ خود تمہارے لیے ایک سچ ہے۔"

اب وہ ان کے پاس زمین پر بیٹھ رہی تھی۔

"دوسرے بدگمان ہو سکتے ہیں' مگر وہ نہیں۔"

انہیں اپنی بہن اور اس کی اولاد کی بدگمانی یاد آئی تھی۔

"میرے لیے ماموں جی نے کیا کیا؟ ساری عمران کے ٹکڑوں پہ پلتے رہے اور بیاہ دیا ایک گھڑی ساز سے اپنی بیٹی کے لیے ڈاکٹر ڈھونڈ لیا۔" ارم کی باتیں انہوں نے بغیر کسی کوشش کے اچانک سنی تھیں۔ دکھ کا جھٹکا کتنی دیر ان کو جھنجھوڑتا رہا تھا۔ ارم کی شادی زبیر سے کرنے میں سراسر صفیہ کی ہٹ دھرمی کا ہاتھ تھا۔ اسے جلد از جلد ارم کو رخصت کرنا تھا اور زبیر ہی سب سے بہتر لگا تھا۔

"اور اب....

میری اپنی اولاد مجھ سے نفرت کرتی رہی۔ ریحام کا مجھ سے نہ بولنا' موسیٰ کا اتنا سنجیدہ انداز اور پھر تمہارے نکاح کا فیصلہ جو سراسر دوسروں کی خوشی کے لیے تھا اور میری اولاد کی خوشی' کیوں بھول گیا میں سب۔" انہوں نے سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ ان کے لہجے میں گھلا تاسف اور اس کی گمبھیرتا اس نے بڑی شدت سے محسوس کی تھی۔

"دوسروں کو اپنے گھر میں "پردھان" (اہم) بنانے کی بجائے مجھے اپنی اولاد کو فوقیت دینی چاہیے تھی۔" سرگوشی کے انداز میں کہتے ان کا سر جھکا ہوا تھا۔ اتنے قریب ہونے پر وہ ان کی سرگوشی سن پائی تھی۔

"ابا...." اس کے لب ہلے اور ایک بار پھر ایک دوسرے سے پیوست ہو گئے۔ خود اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہنے جا رہی ہے۔ جالی کے دروازے کے پیچھے کھڑے سکینہ کی ٹانگیں جیسے یک دم بے جان ہوئی تھیں' وہ ان ہی قدموں پر نیچے بیٹھتی چلی گئیں۔

آج شاید یوم حساب تھا' سب کو اپنی غلطیاں' اپنی کوتاہیاں یاد آ رہی تھیں۔ ہاں انہوں نے بھی ساری زندگی اپنی مرضی کی تھی' ہمیشہ خود کو اہمیت دی تھی۔ بھاگ بھاگ کر بھائیوں کے گھر جاتی رہی تھیں اور نتیجے میں کیا سننے کو ملا تھا۔

"امی! پھپھو اپنے گھر سکون سے کیوں نہیں بیٹھتیں۔ ساری زندگی ہماری لڑائیاں ہی ختم نہیں ہوئیں' ان ہی کی بدولت' پھپھا بھی اچھے ہیں۔ ابھی تک منا کر لے جاتے ہیں۔ اگر پھپھا کی جگہ ہمارے ابو ہوتے اور پھپھو کی جگہ آپ تو ساری زندگی میکے بیٹھی رہتیں آپ۔" یہ ان کی بھتیجی تھی' ان ہی سب کو اپنی اولاد سے بڑھ کر چاہا تھا انہوں نے....

"چپ کرو.... اگر تمہاری پھپھو نے سن لیا تو ایک نیا فساد کھڑا ہو جائے گا یہاں۔" ساری زندگی اسے ہیچ کہنے والی بھابھی کے گھر میں اسی کی بدولت فساد کھڑا ہوتا تھا۔ بڑی خاموشی سے اپنا سامان سمیٹتے اس بار انہوں نے نظام دین کے آنے کا انتظار نہیں کیا تھا۔ ان کا سکون تو اسی گھر سے وابستہ تھا جو ان کا اپنا تھا' وہ کہاں سکون تلاش کرتی رہی تھیں۔

الحان نے ابا کے گھٹنوں پر رکھے ہاتھوں پر سر رکھ دیا۔ نظام دین کا جھریوں بھرا نحیف ہاتھ لرزتا ہوا اس کے سر پر آن کر ٹک گیا تھا۔

"ریحام اور صہیب نے بھی ایک رشتہ دیا ہے تمہارے لیے' تم سوچ لو اچھی طرح...." فیصلے کا اختیار اسے دے کر وہ پرسکون ہو گئے تھے۔ اندر کھڑی سکینہ کے سر سے جیسے بہت بڑا بوجھ سرک گیا تھا۔ شادی کے نام سے متنفر ان کی بیٹی خاموش بیٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے ابا' پھر آپ ریحام آپی والے لوگوں کو ہاں کر دیں۔" فیصلہ تو وہ پہلے ہی کر چکی تھی۔ نظام دین اور سکینہ نے اپنی اپنی جگہ اس کی بات سنی تھی۔

"علی کی دو بہنیں ہیں۔" ابا نے اس کے کہنے پر ریحام آپی اور صہیب بھائی کے بتائے رشتے کو ہاں کر دی تھی۔ موسیٰ بھائی' ریحام آپی' ان کے بچے' اس کے بھانجے' بھتیجے گھر میں خوب رونق تھی۔ وہ اس کے بارے میں کچھ اور بھی بتا رہی تھی' مگر اس کی نگاہیں تو جوق در جوق اکٹھے ہوتے بادلوں پر تھیں' کتنے دنوں بعد ایسی ہوا چلی تھی۔ بادلوں کے ٹکڑے کبھی گھرے سرمئی ہو کر اکٹھے ہو جاتے اور کبھی ایک دوسرے سے دور بھاگنے لگتے۔

"اس کے بہنوئی کا ہی ہاسپٹل ہے جہاں صہیب جاب کرتے ہیں۔" ریحام اسے بتاتے بتاتے اس کی لاتعلقی پر تپ گئی۔

"کیسی لڑکی ہو' اپنے ہونے والے دولہے کے بارے میں تجسس ہے نہ سسرال کے بارے۔" اسے ہاتھ پر بارش کی بوندیں جمع کرتے دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی تھی۔

"آپ نے دیکھ لیا' آپ کو پتا ہے' مجھے معلوم کر کے کیا کرنا ہے۔" اس پر کئی دنوں سے بے حسی طاری تھی۔ فیصلہ تو کر لیا تھا مگر دل پہ چھائی اداسی کو وہ کوئی نام ہی نہ دے پاتی۔ کبھی کبھار زیادہ بولنے والا وجیہہ شخص اس کی سوچوں میں چلا آتا' جس کے تصور کو سختی سے جھٹکتے وہ اپنے کاموں میں مشغول ہو جاتی' اب بھی اس نے اس کے خیال کو جھٹک کر خود کو مجتمع کیا تھا۔ ان ہی بے حسی کے دنوں میں جب وہ اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی کوشش میں مشغول تھی' اسے علی کے نام کی انگوٹھی پہنا کر ایک مہینے بعد کی تاریخ رکھ دی گئی تھی۔ اسپتال میں پھرتے کبھی یوں ہی وہم سا ہوتا شاید وہ کوئی بے تکی بات شروع کر کے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے گا' وہ چونک کر ادھر ادھر دیکھتی' مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوتا' سر جھٹک کر پھر سے چلنے لگتی' نہ جانے وہ کہاں کھو گیا تھا یا اس نے اسے کھو دیا تھا۔

پستئی رنگ کے پنک چوڑی پٹی والے عروسی لباس میں علی کے نام کی حنا اپنے ہاتھوں پر سجائے' رخصتی سے تھوڑی دیر پہلے اسے اچانک پتا چلا تھا کہ علی کا پورا نام حیدر علی نوید تھا۔

"ابا! آپ نے مجھے جان بوجھ کر لاعلم رکھا۔" اس کی شکایتی نظریں ابا کے مسکراتے چہرے پر جمی تھیں۔

"ابا نے نہیں تمہاری بے وقوفی نے لاعلم رکھا تمہیں' کتنی بار تمہارے سامنے ذکر کیا حیدر' حیدر کہہ کر بتانے کی کوشش کی پر تم تو نہ جانے کن خیالوں میں کھوئی تھیں اور ویسے بھی تم نے کہا تھا نا کہ ریحام والے رشتے کو ہاں کرنی ہے تو ہی تو ہے۔" ریحام اسے بتا رہی تھی۔ موسیٰ بھائی بھی مسکرا رہے تھے۔

"دیکھو اب کوئی بے وقوفی نہ کرنا' اس سے لڑنے نہ بیٹھ جانا۔" ریحام اس سے سرگوشی کر رہی تھی۔

"ویسے تم ہو بہت بے وقوف۔" موسیٰ نے اس کے سر پر چپت مارتے کہا تھا۔

"یہ ریحام اور میں تھے۔ ورنہ... تمہیں پچھتانے کا موقع بھی نہ ملتا۔" اسے اس کی گاڑی میں بٹھاتے سب کی دعائیں اس کے ساتھ تھیں۔ وہ تو بس ابھی تک حیرت ہی سے باہر نہ نکل سکی تھی۔

"کیا بہت اچھا لگ رہا ہوں۔" ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے حیدر علی نے اسے اپنی جانب دیکھتے پا کر پوچھا تھا۔ وہ ابا' موسیٰ بھائی اور ریحام آپی کا ڈراما سمجھنے سے قاصر رہی تھی۔ ان جیسے خشک لوگوں سے بھلا اسے اس طرح کی توقع کہاں تھی۔ وہ ان سے لڑنا چاہتی تھی مگر لڑ بھی نہیں سکی تھی۔

"میرے حسن کے آگے زبان گنگ ہو گئی۔ بتایا تھا میرے دوستوں نے مجھے حسن یوسف۔" اس کے دیکھتے رہنے پر اس نے کچھ اس ادا سے خود کو آئینہ میں دیکھنے کے بعد کہا تھا کہ وہ بے ساختہ مسکرانے لگی تھی۔

"لوگ دلہنوں کی تعریف کرتے ہیں اور وہ خود اپنی تعریف کر رہا تھا۔" آف وائٹ شیروانی میں وہ واقعی وجیہہ لگ رہا تھا۔ اس دم ساری تلخیاں نہ جانے کہاں جا سوئی تھیں۔ یاد تھا تو صرف اتنا کہ اس کے ساتھ بیٹھا شخص دلوں میں گھر کرنا جانتا تھا۔

"ایک تو تمہیں چھپ چھپ کے دیکھنا بھی بڑی مصیبت تھی۔ دو تین بار تو خود کو بڑی مشکل سے روکا اور ریحام آپا سے ڈراپ سین کا پوچھتا' وہ تمہاری بے وقوفی کا بتا کر پھر سے انڈر گراؤنڈ کر دیتیں' شادی سے پہلے والے رومانس کا بیڑہ غرق کر دیا۔" وہ کف افسوس مل رہا تھا۔ اس کی باتوں پر وہ کھل کے ہنس رہی تھی۔ اس نے گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

"پہلی بار ہنستے دیکھا ہے نا' اسی لیے یقین نہیں آ رہا۔" اس کی گمبھیر آواز پر پہلی بار اس نے نگاہیں جھکائی تھیں۔ اس شگفتہ مزاج شخص کی سنگت اس کے لیے مسکراہٹوں کا پیغام لائی تھی' اب اسے مسکراتے ہی رہنا تھا۔

☆

ایک رات کا ساون

حنا یاسمین

"وہ گرے بالوں والے ہیں۔ صبح کی سفیدی جیسا ان کا رنگ ہے۔ اور بلیک فریم کے جب گلاسز لگاتے ہیں تو اس عمر میں بھی اتنے ڈیشنگ نظر آتے ہیں۔ ان کی ڈریسنگ کمال کی ہے اور بولتے ہیں تو پھول جھڑتے ہیں۔ سفید چمکتے دانت اور جگمگاتی آنکھیں۔۔۔ ذہانت کی عکاسی کرتی ہیں۔ ہارورڈ یونیورسٹی کے پڑھے ہوئے ہیں اور عاجزی و انکساری اتنی کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ جواب نہیں۔ دل کرتا ہے اس بندے کے لفظ ماپتے رہیں اور روٹین دیکھ کر ویسی ہی روٹین اپنا لیں۔"

"بس بس۔۔۔ وہ رئیلی تمہارے سر ہی ہیں یا کوئی اور مسئلہ ہے۔" مریم کو اتنی زبردست تعریف اس کے منہ سے سن کر۔۔۔ تھوڑی گڑبڑ لگی تو پوچھ ہی بیٹھی۔

"دور فٹے منہ۔۔۔ "وہ میرے باپ کی جگہ ہیں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے۔ بہن کہ لعنت بھیجنا سخت گناہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تعریف تم نے ایسے کی ہے جیسے پتا نہیں وہ کچھ اور ہی ہوں۔" اریج کو جو سمجھ میں آیا۔ مریم کے منہ پر ہی کہہ دیا۔

سچی بات تو یہ تھی کہ پوری این ای ڈی یونیورسٹی میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ جب سے سر عاکف اعوان نے اپنے بیٹے کا رشتہ مریم کے والدین سے مانگا تھا۔ مریم ان کی اسٹوڈنٹ تھی ۔۔شکل صورت میں بھی من موہنی سی ۔۔ اوپر سے سیرت بھی کمال کی تھی۔ کلاس میں ہر کام میں پیش پیش اور جب سے سر کے ذہین و فطین بیٹے کے ساتھ شادی طے ہوئی تھی تب سے تو مریم اپنی خوش قسمتی پر بے حد نازاں تھی۔

باقی سب کو تو سر عاکف کی پرسنالٹی کا اندازہ تھا مگر اریج چونکہ اس ڈپارٹمنٹ میں نئی آئی تھی۔ اسی لیے سر عاکف کے چھٹیوں پر ہونے کی وجہ سے ان کی شخصیت سے ناواقف تھی۔ پھر دوستی بھی مریم سے ہو گئی۔ سو دن رات سر عاکف کی تعریف سن رہی تھی۔

"یہ سارا دن ان کی تعریف کرتے نہ تھکے گی۔ ویسے وہ ہیں بھی ایسے۔۔۔ اور یہ بھی واقعی خوش قسمت ہے۔" سارا نے پاس سے گزرتے ہوئے اس کی بے زار شکل دیکھ کر تبصرہ کیا۔

اور جب پیر کی صبح وہ صبح کی سفیدی والے، سرمئی بالوں والے، خوب صورت گلاسز والے قد کاٹھ میں اونچے لمبے۔ بہترین ڈریسنگ والے آدمی کو گیٹ سے اندر آتا دیکھا تو وہیں رک گئی۔ مریم نے ان کے حلیے کو اتنی دفعہ دہرایا تھا کہ وہ فوراً" پہچان گئی کہ یہی سر عاکف ہیں ۔۔ مریم کے متوقع سسر۔۔۔ اور سچ میں وہ قابل تعریف تھے۔ ان کی کلاس لے کر موتی کی طرح لفظوں کو پرونے والی عادت نے اس کے دل میں ان کی عزت کو مزید بڑھایا۔ وہ بھی ان ہی لڑکیوں میں شامل ہو گئی، جو کسی حد تک سر عاکف کی بہو بننے پر اس سے رشک اور حسد کی ملی جلی کیفیت سے گزر رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اریج کی دوستی مریم سے گہری ہوگئی۔ سرما کے شروع میں ہی اس کی شادی کے دن رکھ لیے گئے۔ اور جب کاسنی پھول ابھی پوری طرح نہیں کھلے تھے اور پتے اپنی عمر پوری کر کے زمین بوس ہو رہے تھے تو اسی ٹھنڈی میٹھی رُت میں وہ لائٹ پیچ پنک کنٹراسٹ کی میکسی میں طلحہ عاکف کی منکوحہ بن گئی۔

اپنی شادی پر وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ ہر آنکھ میں ستائش تھی۔

اریج نے تمام فنکشنز میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

"اپنے سسر کی پسند میں ڈھل جانا' یہ رشتہ انہوں نے طے کیا تھا۔" اریج نے اس کے کان کے پاس سرگوشی کی اور اس نے نخوت سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ کملی نہیں تھی۔

طلحہ کے بڑے بھائی کینیڈا میں تھے اور اس سے چھوٹے عابس کی منگنی ہو چکی تھی۔ وہ لڑکی ان کی خالہ زاد تھی۔ ماریہ بظاہر معصوم سی تھی۔ اکثر گھر والے اس کی تعریف کرتے۔ خاص طور پر سر عاکف......

"ماریہ بیٹی بہت ذہین ہے۔ ہو سکتا ہے، وہ ہائر اسٹڈی کے لیے لندن جائے۔"

کبھی کہتے...."ماریہ کے ہاتھ کا میٹھا بہت لاجواب ہے۔"

وہ بھی انکل انکل کرتی آتی اور کبھی انکل کے لیے ٹافی...کبھی پرفیوم، کبھی پاستا کبھی شیر خرما کبھی کیا کبھی کیا لاتی۔

مریم نے بھی سرتوڑ کوشش کی اپنے باوقار اور پر رعب سسر کو متاثر کرنے کی کیوں کہ سارے گھر کرتا دھرتا تو وہی تھے۔

مگر ماریہ 'ماریہ تھی۔ اب تو اکثر طلحہ بھی ماریہ کی تعریف کرتے نہ تھکتا۔ وہ بے سبب اداس رہنے لگی۔ پھولوں کی باڑ سے نجانے کیسے پھولوں کا رس چوری کرلیا گیا۔ مریم کے لیے جگہ بنانا مشکل ہوگئی

"جیت ہمیشہ اچھی سوچ کی ہوتی ہے۔ یہ کوئی اداس ہونے والی بات ہے۔" مما اسے سمجھاتیں۔

"تم بھی طلحہ اور سسر کی پسند کے مطابق انہیں گفٹس وغیرہ دے، دیا کرو۔" اریج مشورہ دیتی۔

"میں بہت زیادہ گفٹس افورڈ نہیں کر سکتی۔" وہ روہانسی ہوئی۔ مریم کے والدین رزق حلال کمانے والے سفید پوش لوگ تھے۔ وہ کہاں سے اتنا کچھ لاتی۔

"یار! تھوڑا بہت تو کر سکتی ہو۔" اریج اسے مایوسی سے نکالتی۔

"ان کا تھوڑا بہت بھی بہت اسٹینڈرائز ہے۔" وہ مزید دکھی ہوتی۔

"تو پھر دفع کرو۔ اللہ پر چھوڑو' بہت زیادہ اچھا بن کے کیا کروگی تم۔ اچھا بننا ہے تو اللہ کے لیے بنو۔" اریج نے خلوص دل سے اسے سمجھایا۔ مریم کے دل کی اداسی تھوڑی کم ہوئی۔ وقت کے پر نہیں ہوتے پر وہ اُڑتا ہے اور جلدی گزر جاتا ہے۔

کچھ سالوں میں ماریہ بھی ان کے گھر آگئی۔ مریم نے دیکھا اب ہر کام ماریہ کی مرضی سے ہوتا۔ وہ جتنا شادی سے پہلے اس گھر پر تسلط رکھتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ اب رہنے لگا۔

"انکل! یہ ڈش ٹرائی کرتے ہیں۔ انکل یہ بناتے ہیں۔"

بھابھی! آپ پیچھے ہٹیں آج میں انکل کے لیے فلاں ڈش بناؤں گی۔

آج میں عابس کے لیے میٹھے میں فلاں چیز تیار کروں گی۔"

وہ بے بس سی ہو جاتی۔ اس کی اپنی پسند و ناپسند تو نجانے کہاں کھو گئی۔ مصلحت کے تحت خاموشی اختیار کیے رکھتی۔ وہ گھر میں کسی بھی قسم کی کوئی بھی بدمزگی نہیں چاہتی تھی۔

"واہ ماریہ بیٹیا! تمہارے ہاتھوں کے کھانے کا جواب نہیں۔" انکل تعریف کرتے۔ اس کی ساس خاموش طبع خاتون تھیں' ایسی چالاکیوں کو ہرگز نہ جانتیں پھر ماریہ نے یہاں تک بس نہ کی تھی۔

گھر کے پردوں سے لے کر آرائش و زیبائش کی ہر

چیز اپنی مرضی کے مطابق کرنی شروع کر دی۔ پورے گھر میں ماریہ کے مشورے کے بغیر کچھ نہ ہوتا۔ حتیٰ کے اس دن مریم کے ابو گھر آئے "اس سے ملنے۔ انکل ان کے سامنے بھی۔۔۔

ماریہ ماریہ کرتے رہے۔ ماریہ کی امی نے آکر بیٹی کو غیر ملکی ڈیکوریشن پیسز اور پردے گفٹ کیے۔ ماریہ نے بطور خاص وہ انکل آنٹی کے کمرے میں لگوائے اور اپنے کمرے میں۔۔۔

ساس کو بھی اب بہو پر انکل کی طرح پیار آنے لگا۔ فلاں بیکری کا بیبیز ماریہ کو پسند تھا۔ انکل اس کے لیے لے آتے۔ ساتھ مریم کے لیے بھی آجاتا۔ کبھی ماریہ کے لیے رس ملائی آتی، کبھی کیا۔

طلحہ تو بزنس میں مصروف تھا کہ اسے پتا ہی نہ تھا کہ مریم کو کیا پسند ہے اور کیا نہیں۔ مریم دن بدن خاموش ہوتی چلی گئی۔ اس کا وجود پس پردہ جاتا رہا۔

"بس تمہیں عقل نہیں ہے۔ تھوڑی شارپ بنو اریج اس سے کہتی۔ وہ چپ ہی رہتی۔ اس سے چالاک نہیں بنا جاتا تھا۔ اس کے چپ رہنے پر اب گھر میں بھی سب اسے کم ہی مخاطب کرتے۔

وہ کیا کرتی اس مقابلے بازی میں۔۔۔ ایسے ہی ماری جارہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں آج صبح سے ماریہ کی سالگرہ کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ مریم کچن میں خانساماں کے ساتھ کھپ رہی تھی۔

ماریہ کی سالگرہ کا اہتمام انکل کروا رہے تھے۔ ماریہ کی ساری فیملی مدعو تھی۔ ماریہ کی بہن اور بہنوئی کا گھر قریب تھا۔ وہ لوگ بھی آرہے تھے۔ ماریہ کچن میں آکر مسکرا کر پوچھتی بھابی چکن کیوبز بنا لیے۔ بھابھی یہ کر لیا اور فرائی کرنے کا کام اور چمچہ ہلانے کا کام وہ خود کر جاتی۔ نظر میں نہ آنے والے سارے کام مریم کرتی رہی۔ طلحہ شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ اسے دلچسپی بھی نہیں تھی ایسی محفلوں سے۔۔۔ شام سات بجے

سب لوگوں کو آنا تھا۔ ماریہ نے کچھ یونیورسٹی فیلوز کو بھی بلا رکھا تھا۔

انکل کو مختلف قسم کے جوسز بہت پسند تھے۔ پائن ایپل جوس کا پوچھنے وہ ماریہ کے کمرے میں جا رہی تھی۔ جہاں وہ اپنی دوستوں کے ساتھ گپ شپ کر رہی تھی۔ انکل کو شاید ماریہ سے کوئی کام تھا۔ وہ بھی کاریڈور سے نکل کے سیدھا ماریہ کے کمرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ماریہ باتیں کر رہی تھی۔ اونچی اونچی آوازیں باہر تک آرہی تھیں۔

"یار! یہ لوگ پیسے کے لالچی ہیں۔ نوٹ دکھاتے جاؤ ان کی توجہ خریدتے جاؤ۔ مما پاپا اتنا نہ کرتے تو انکل آنٹی نے مجھے کہاں گھاس ڈالنی تھی؟ مریم کی خوب صورتی دیکھ کر میں بہت پریشان ہوئی تھی۔ میں نے یہ پہلے سے ہی پلان کر رکھا تھا کہ مجھے ان کی نظروں میں اچھا بننے کے لیے اُن کی توجہ کو ایکسپلائیٹ کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہوگا۔ اور آج میں کامیاب بھی ہوں۔ ماشاء اللہ سے میری بات کبھی رد نہیں ہوتی اور مریم تو بے چاری سی مخلوق بن کر گھر میں رہتی ہے۔ اس کی آواز تک نہیں نکلتی۔" وہ کھلکھلاتے ہوئے اپنی فرینڈز کو بتا رہی تھی۔

مریم نے بوکھلا کر انکل کو دیکھا۔ ان کی آنکھوں میں کیا کچھ نہ تھا۔ رشتوں کا مان ٹوٹنے کی کرچیاں۔ لفظوں کی بے رحمی سے لہولہو ہوتی آنکھیں۔ وہ خاموشی سے واپس ہولیے ادھر مریم کو کوئی خوشی نہ ہوئی تھی۔ اسے ماریہ کے بے رحم الفاظ بے حد برے لگے۔ ہر چیز ریپیٹ (دہرائی) نہیں ہوتی۔ اور ضروری نہیں ہر دفعہ انسان دوسروں کو اتنی ہی عزت دے۔ بعض دفعہ اپنے ہی ادا کیے لفظوں کا تاوان ساری عمر بھرنا پڑ جاتا ہے۔

مریم کو کچھ بھی کہنا اور کرنا نہ پڑا۔ آنے والے وقت نے بہت سے لوگوں کی جگہ متعین کر دی تھی۔

ضرورت سے زیادہ چڑھنے والے رنگ۔۔۔ لیپا پوتی چاپلوسی ان سب کا ایک وقت ہوتا ہے اور ان کی عمریں بہت محدود ہوتی ہیں۔ دیرپا رہنے والی چیز انسان کا خلوص اچھی نیت اور اللہ پر توکل ہے۔

☆

عبیرہ ایک کم رو لڑکی ہے۔ جس کی ماں مرچکی ہے۔ اس کا باپ سلطان اور سوتیلی ماں فارہ۔
دونوں بے حد حسین ہیں، جس کی وجہ سے وہ احساس کم تری کا شکار ہے۔ فارہ بظاہر بہت اچھی ہے، لیکن اس نے اپنے رویے سے عبیرہ کی شخصیت کو کچل دیا ہے۔
سلطان پر پندرہ کروڑ غبن کا جھوٹا الزام لگ جاتا ہے۔ وہ نوکری چھوڑ کر کینیڈا جانے کا ارادہ کرتے ہیں۔
عبیرہ کی دوست رکزی اس کی ہمدرد ہے۔ ایک روز عبیرہ اور رکزی کی باتیں نبیل، جو عبیرہ کا کزن ہے، سن لیتا ہے۔ نبیل اس کو احساس کمتری سے نکالنا چاہتا ہے۔
چوہدری راحت اکبر نے اپنی بیوہ بھابھی پروین اور بھتیجے حذیفہ کو اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے۔ جہاں ان کی حیثیت ملازمین سے بدتر ہے۔ راحت اکبر کی بیٹی نیلم ایک بگڑے مزاج کی خود سر لڑکی ہے۔ جسے اس کی ماں چاندنی بیگم کی شہ حاصل ہے۔
نیلم کا دوست ٹیپو ایک روز اس سے خفیہ طور پر ملنے آتا ہے۔ لیکن حذیفہ اسے دیکھ لیتا ہے۔
حذیفہ کی بات پر یقین کرنے کے بجائے نیلم اور اس کی ماں اسے ہی موردِ الزام ٹھہراتی ہیں۔ چوہدری راحت، حذیفہ سے خطرہ محسوس کرتے ہیں، کیونکہ اس کے باپ کی جائیداد پر انہوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔
زویا و تارا اپنے آفس کولیگ ہینڈسم کو پسند کرتی ہے۔ مگر ہینڈسم راہ و رسم کے علاوہ اس کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

نبیل' عبیر کو کتابیں اور ایڈمیشن فارم دینے آتا ہے۔ فارہ دیکھ لیتی ہے اور بات کو غلط رنگ دے کر عبیر کو اس کے والد کی نظروں سے گرا دیتی ہے۔ عبیر اپنی صفائی دینا چاہتی ہے مگر سلطان اس کی بات نہیں سنتے۔ عبیر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ نبیل امتحانات سے فارغ ہو کر اپنے گھر چلا جاتا ہے۔ عبیر اسے فون کرتی ہے کہ اس سے شادی کر لے یا سلطان کو آکر سچ بتا دے کہ ان کے درمیان کوئی تعلق نہیں مگر نبیل دونوں کاموں سے انکار کر دیتا ہے اور نہایت رکھائی سے پیش آتا ہے۔

رکزی اور نبیل کی حوصلہ افزائی سے عبیر کی سوچ تک تو بدل گئی ہے مگر ابھی اس میں حوصلہ پیدا نہیں ہوا۔ وہ اپنے والدین اور اپنے مسئلے کا حل اپنی شادی میں تلاش کرتی ہے مگر ہر بار رشتے کے لیے آنے والے اسے ٹھکرا کر چلے جاتے ہیں۔

راحت اکبر کے الیکشن جیتنے کی خوشی میں جشن ہوتا ہے جس میں نیلم کے والدین اس کی منگنی آصف سے جو اس کا خالہ زاد اور انتہائی امیر ہے' کر دیتے ہیں۔ نیلم حواس باختہ ہو کر ٹیپو کو بتاتی ہے۔ ٹیپو اسے ایک منصوبہ سمجھاتا ہے۔ نیلم اپنی چاچی اور حذیفہ سے انتہائی خوش اخلاقی سے پیش آتی ہے۔ نیلم کی طبیعت کی خرابی سے چاندنی بیگم کو تشویش ہوتی ہے تو نیلم انہیں ٹیپو کے بارے میں بتاتی ہے تو چاندنی بیگم اسے ڈانٹ دیتی ہیں وہ ہر صورت اس کی شادی آصف سے ہی کریں گی۔

حذیفہ' راحت اکبر سے اپنے حصے کا مطالبہ کرتا ہے اور باتوں باتوں میں انہیں جتا دیتا ہے کہ وہ جائیداد کا اصل وارث ہے اور باپ کے قاتل کو جان گیا ہے۔ راحت اکبر اور حذیفہ کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہو گیا ہے۔

حذیفہ راحت اکبر کی چال بازیوں اور باپ کے قتل کا پتا چلا لیتا ہے اور اپنے حصے کی جائیداد لینے کا عزم کرتا ہے۔ چاندنی بیگم' نیلم کو فون پر باتیں کرتے سنتی ہیں تو اس کے گناہ کے بارے میں جان جاتی ہیں۔ نیلم اس گناہ کا الزام حذیفہ پر لگا دیتی ہے۔

راحت اکبر اپنے تمام خاندان والوں کے سامنے نیلم اور حذیفہ کے نکاح کا اعلان کرتے ہیں۔ مگر پروین بیگم نکاح سے ایک روز پہلے حذیفہ کو گھر سے جانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اسی رات نیلم بھی گھر سے بھاگنے کی تیاری کرتی ہے' مگر ٹیپو اسے لینے نہیں آتا۔

فارہ' عبیر کا رشتہ محلے کے ایک نکمے اور اوباش شخص یاسر سے طے کر دیتی ہے۔ یاسر ان کے گھر آتا ہے تو فارہ کے حسن سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ فارہ اس سے بے حد اپنائیت سے ملتی ہے۔ یاسر بڑی عمر کا گھاگ آدمی ہے۔ اسے عبیر بالکل پسند نہیں آتی۔

پانچویں اور آخری قسط

"کہاں ہے تمہارا بیٹا۔ کہاں چھپایا ہے تم نے اسے......؟" راحت اکبر کی چنگھاڑ نے پورے گھر کے درودیوار کو لرزا کے رکھ دیا تھا پروین بیگم سر جھکائے ان کے سامنے کھڑی تھیں۔

"میں کچھ نہیں جانتی میں نے اسے بس کل دوپہر کو دیکھا تھا۔" انہوں نے صاف جھوٹ بولا تھا۔

"جھوٹ بولتی ہو تم! تمہارا بیٹا مجھے اس طرح سے ذلیل نہیں کر سکتا' پہلے اس نے میری عزت سے کھلواڑ کیا اور اب مجھے ذلیل ہونے کو یہاں اکیلا چھوڑ گیا ہے۔" راحت اکبر غصے سے بھرے ہوئے تھے۔

"میرا بیٹا ایسا نہیں کر سکتا' اتنا میں یقین سے کہہ سکتی ہوں۔" پروین بیگم کے لہجے کی استقامت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"بیٹی تو میری بھی ایسا نہیں کر سکتی۔ سمجھیں تم۔

تمہارے مردود بیٹے نے ہی اس معصوم کو ورغلایا تھا۔" چاندنی بیگم تلملائی تھیں لیکن راحت اکبر نے انہیں ہاتھ اٹھا کے خاموش ہونے کو کہا تھا۔

"اور وہ بہک گئی۔" پروین بیگم نے چاندنی بیگم کو دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز سے کہا۔ تو وہ پہلو بدل کے رہ گئیں۔

"دیکھو' میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ نکاح کی دعوت سب کو دی جا چکی ہے۔ ابھی کچھ ہی دیر میں سارے خاندان والے آنے والے ہیں' تم ابھی اپنے بیٹے کو فون کرکے اسے بلاؤ۔ میری عزت اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔" راحت اکبر نے اچانک ہی پروین بیگم کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

پروین بیگم نے نفرت کی ایک نظر ان پہ ڈالی۔ انہیں یاد آیا کہ جب وہ لاہور میں تھیں تو راحت اکبر اپنے بھائی کو منانے کے لیے یونہی سر نیہوڑائے بیٹھے تھے۔ وہ ذوالفقار اکبر کے چھوٹے بھائی تھے جو گاؤں میں ان کی زمینوں کا حساب کتاب رکھا کرتے تھے۔ ذوالفقار اکبر کی زمینوں کی سالانہ آمدنی کم از کم دو کروڑ سے زیادہ تھی لیکن راحت اکبر اپنے بھائی کو کم پیسہ بھیجا کرتے تھے۔ جب ذوالفقار اکبر کو یہ بات پتا چلی تو ان کا راحت اکبر سے بہت جھگڑا ہو گیا تھا۔ اسی لیے وہ ان سے بہت ناراض تھے۔ ساری زمینوں کا حساب بھی انہوں نے آن واحد میں ان سے لے لیا تھا' جب انہیں یہ پتا چلا تھا کہ ٹھیکہ زیادہ ہے' لیکن راحت انہیں کم پیسے بھیج رہے ہیں اور خود ان ہی پیسوں سے انہوں نے پہلی بار کونسلر کا الیکشن لڑا تھا' لیکن اس واقعے کے بعد جب وہ راحت اکبر کی دعوت پہ گاؤں آئے تو زندہ واپس نہیں جا سکے اور انہوں نے وکیل کو کہہ کے تیار کیے گئے کاغذات پہ ان کے ہاتھوں کے انگوٹھے بھی لگوا لیے تھے۔

ذوالفقار اکبر اپنے چھوٹے بھائی سے بہت محبت اور اعتبار کرتے تھے اس کی اس حرکت سے ان کے اعتماد کو بری طرح سے ٹھیس پہنچی تھی۔ وہ بالکل ٹوٹ سے گئے تھے' لیکن راحت اکبر ان کی جائیداد کے ایسے وارث بنے جیسے وہ بخوشی اپنی جائیداد ان کے نام کر کے گئے ہوں اور زمانے بھر میں اپنی دھاک بھی بٹھا دی کہ بھابھی اور بھتیجے کی کفالت کا ذمہ بھی اٹھا لیا ہے حالانکہ اگر وہ قناعت و شکر کرتے تو ان کی اپنی جائیداد بھی کم نہیں تھی لیکن بس انہیں اور... اور... کی حرص ہی کسی پل چین نہ لینے دیتی تھی۔

"یہ ہاتھ تو تم نے اپنے بڑے بھائی کے سامنے بھی جوڑے تھے نا؟" پروین بیگم نے اچانک ہی وحشیانہ انداز میں کہا تھا۔ وہ ایک دم ہی جیسے کہیں بہت پیچھے پہنچ گئی تھیں۔

"اس رات جب بارش برس رہی تھی۔" راحت اکبر اس بات پہ چونکے۔

"تم نے انہیں دعوت میں بلا کے زیادہ شراب پلا دی تھی نا' اسی لیے وہ گاڑی پہ اپنا کنٹرول نہیں رکھ پائے تھے۔ کچھ یاد ہے راحت اکبر! کیسے ان کے ہاتھوں کے انگوٹھے لگوائے تھے تم نے۔" پروین بیگم ان کی جانب دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں سبارش ان کے اندر ہونے لگی تھی۔ طوفان ان کے لہجے سے پھوٹ رہا تھا۔ جس میں راحت اکبر گھر گئے تھے۔ راحت اکبر نے جھکا ہوا سر اٹھایا۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا' تمہارا شوہر ہی شرابی اور نشئی تھا۔" راحت اکبر چلائے تھے۔

"میرا شوہر تمہارا بھی تو کچھ لگتا ہے نا۔ کیا دولت کی ہوس نے رشتے بھی بھلا دیے؟" بارش کی یورش تھی۔

"دیکھو' میں تمہاری بوٹی بوٹی کر کے چیل کوؤں کو کھلا دوں گا۔ اپنے بیٹے کو واپس بلاؤ۔ وہ جہاں بھی ہے... نکاح آج ہی ہوگا ورنہ... وہ ایسا نہیں کر سکتا میرے ساتھ۔ میں نے اس پہ بہت احسان کیے ہیں وہ... وہ مجھے اس طرح سے رسوا نہیں کر سکتا۔"

راحت اکبر نے انہیں دھمکایا تھا۔ ان پہ عجیب پاگل پن سوار تھا اور چاندنی بیگم تو بس مرے مرے

انداز میں صوفے پہ بیٹھی تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کیا جائے۔ ساری غلطی ان ہی کی تھی۔ اگر وہ اس وقت عقل سے کام لیتیں تو یہ سارا کھڑاگ ہی نہ پھیلتا۔ وہ راحت اکبر کے علم میں لائے بغیر ہی فساد کی جڑ ختم کر سکتی تھیں اور پھر آصف سے اس کی شادی کروی جاتی۔ حذیفہ سے راحت اکبر خود ہی نمٹ لیتے، لیکن حذیفہ سے نکاح کرنے کا مشورہ دینے والی بھی وہی تھیں۔ راحت اکبر اب پاگل ہورہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔

"میرے جتنے بھی ٹکڑے کرنے ہیں۔ شوق سے کردو... لیکن کوئی فائدہ نہیں۔ میرا بیٹا اب کبھی واپس نہیں آئے گا۔ میں جانتی ہوں اسے۔" پروین بیگم کے لہجے میں اتنا ہی سکون تھا۔

"اس لیے تمہیں سہارا دیا تھا کیا؟ اپنے تو اپنوں کی مدد کرتے ہیں۔ تم بھی ہمارے حال پہ رحم کرو۔ پچھلی ساری باتیں بھول کے ہمیں اس مشکل سے نجات دلاؤ۔" چاندنی بیگم نے آنکھوں میں آنسو بھر کے پروین کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

دونوں میاں، بیوی اس عورت کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے، جو اس گھر میں ایک ملازم سے زیادہ کی اہمیت نہیں رکھتی تھی لیکن وقت کی ہیر پھیر ہی تھی کہ آج اس گھر کے فرعون ان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ اپنے کمرے کے دروازے کی جھری سے یہ سب نیلم نے کس قدر تکلیف سے دیکھا تھا۔

"سہارا دیا ہے تو ہم نے بھی ہمیشہ آپ کے ساتھ اچھا ہی کیا ہے۔ میرا بیٹا بے قصور ہے، اس کا نیلم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ میرے بیٹے کو ڈھونڈنے کے بجائے اس لڑکے کو بلا کے اپنی بیٹی کا نکاح پڑھائیں، جس نے یہ سارا کچھ کیا ہے۔" یہ کہہ کے پروین بیگم اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ شریفاں نے بے ساختہ الٹے ہاتھ کی تالی بجائی۔ آج تو پروین بیگم کا ہر انداز ہی جدا تھا۔

نیلم کی ٹانگوں سے جان نکل گئی تھی۔ اس نے بے ساختہ دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا تھا کہ کل وہ جذبات میں آکے گھر سے نہیں بھاگی تھی۔ ورنہ اس وقت تو اس کے والدین شرمندگی کے مارے مر ہی جاتے لیکن نیلم یہ بھول گئی تھی کہ زندہ وہ اس وقت بھی نہیں تھے۔ نیلم نے اپنی بے وقوفی کے ہاتھوں انہیں جیتے جی مار ڈالا تھا۔

"یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے، ٹھیک کہتے ہیں سیانے... عورت سے مشورہ نہیں لینا چاہیے۔ تمہاری بات مان کے میں تماشا بن گیا ہوں۔ اب بتاؤ میں کروں... کہاں سے ڈھونڈ کر لاؤں اسے... وقت پہلے ہی کم رہ گیا ہے۔" راحت اکبر اب چاندنی بیگم پہ دھاڑ رہے تھے۔

"مجھ پہ غصہ کرنے کے بجائے سوچیں کہ اب کرنا کیا ہے؟"

"کیا کروں اب... میرا دماغ پھٹا جارہا ہے۔ تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں۔" وہ سر پکڑے بیٹھے ہوئے تھے۔

"میں نزہت باجی کو فون کرتی ہوں کہ آصف کے ساتھ آکے نکاح پڑھالیں۔ آپ کی طبیعت کا بہانا کروں گی۔" چاندنی بیگم نے اٹھتے ہوئے بے ربط سے انداز میں کہا۔ تو راحت اکبر چیخ اٹھے۔

"بہانا نہیں، سچ بولو، ان سے کہہ دو کہ میں مر رہا ہوں۔ میرے منہ پہ زمانے بھر کی گندگی مل جاچکی ہے اور ایسا میرے اپنے ہی خون نے کیا ہے۔"

نیلم کا سر اس بات پہ بے ساختہ جھکا، اگر وہ جھوٹ نہ بولتی تو ایسا نہ ہوتا۔ وہ تو رات کو ایک اور غلطی کرنے جارہی تھی، لیکن شکر ہے کہ اس نے نہیں کی۔ جانے سے پہلے حذیفہ اس کے پاس آیا تھا۔ اس نے آخری بار اسے سچ بولنے کو کہا تھا، اس نے اسے دھمکایا نہیں تھا۔ نیلم کی اب سمجھ میں آرہا تھا کہ اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ اس نے نیلم سے کہا تھا کہ اگر اس نے سچ نہ بولا تو نتائج کی ذمہ دار وہ خود ہوگی اور نتائج کیسے

سنگین ہوں گے۔ اس کا ابھی اسے اندازہ نہیں ہے۔
"محبت کرنے والے یوں رسوائی نہیں دیا کرتے۔
وہ عزتوں کے محافظ ہوا کرتے ہیں۔"
یہ کہہ کے وہ چلا گیا تھا۔ نیلم کو اگر ذرا سا بھی شک ہوتا کہ وہ گھر چھوڑ کے جا رہا ہے تو وہ اسی وقت سچ اگل دیتی لیکن حذیفہ کے جانے کے بعد نہ جانے کیوں مگر اس نے ٹیپو کو آنے سے منع کر دیا تھا۔ اسے احساس ہو رہا تھا۔ جیسے اب اس نے گھر سے قدم نکالا تو بہت غلط کر دے گی۔
چاندنی بیگم نے اپنی بہن کو فون کر کے جلدی آنے کو کہا تھا۔ ساتھ میں آصف کو لانے کے لیے بھی لیکن وہ یہ بھول گئی تھیں کہ کل سارے خاندان کو بلا کے جو کچھ پنچایت میں طے ہوا ہے' اس کی خبر نزہت یا ان کی سسرال بھی پہنچ سکتی ہے۔ نزہت تو سنتے ہی بپھر گئی تھیں۔ وہ تو پہلے ہی بھری بیٹھی تھیں۔ انہوں نے تو جواباً" انہیں ایسی سنائی تھیں کہ چاندنی بیگم کو دن میں تارے نظر آگئے تھے۔ چاندنی بیگم طیش کے عالم میں جا کے نیلم پہ برس پڑی تھیں۔ انہوں نے نیلم کو بے حد مارا تھا۔ اتنا کہ نیلم مرنے والی ہو گئی تھی۔ گھر بھر کے ملازمین نے چاندنی بیگم کا وحشیانہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ ان کا جو اپنی بیٹی کی بے جا حمایت کرتی تھیں۔ اسے ڈانٹتی تک نہیں تھیں۔
"بیٹیاں والدین کی لاج رکھیں تو ہی وہ دنیا میں سرخرو ہو کے جیتے ہیں' لیکن اگر بیٹیاں تیرے جیسی ہوں تو انہیں پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑ دینا چاہیے۔" وہ اسے پیٹتے ہوئے ہذیانی انداز میں کہہ رہی تھیں۔
"تو نے ہمیں جیتے جی مار دیا نیلی۔۔۔ جیتے جی مار دیا تو نے۔۔۔ کاش تو پیدا نہ ہوتی' کاش کے میں مر جاتی۔۔۔"
وہ اسے مارے جا رہی تھیں۔ ایک دو بار ملازمین نے چھڑوانے کی کوشش کی تو چاندنی بیگم انہیں بھی مارنے لگی تھیں۔ ان پہ تو خون سوار ہو چکا تھا۔ نیلم مار کھا کھا کے ادھ موئی ہو گئی تھی۔ وہ زمین پہ گری سسکتی ہوئی محبت کی قیمت ادا کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

میری التجا سنو نا بابا
مجھے دیکھو میں تمہارے ہی وجود کا حصہ ہوں
میں نے تمہاری انگلی پکڑ کے چلنا سیکھا
مجھ سے وہ ہاتھ چھڑاؤ نہ بابا

عبیر نے اپنے باپ کی بے رخی کو دیکھا تھا۔ وہ کمرے کی کھڑکی میں کھڑی تھی۔ جانے کتنی ہی راتیں بیت گئی تھیں یہاں ایسے ہی جاگ کے گزارتے ہوئے۔ سلطان احمد نے اس سے بات چیت ابھی تک بند کر رکھی تھی۔ وہ کوشش بھی کرتی تو فارہ اسے ان کے پاس جانے نہیں دیتی۔ رکزی اس سے کہتی تھی کہ وہ خود جا کے اپنے بابا سے بات کرے لیکن وہ کیسے جاتی سلطان احمد تو اس کی جانب دیکھتے بھی نہیں تھے۔ ابھی شام ہی کی تو بات تھی جب وہ آفس سے واپس آئے تھے۔ فارہ اس وقت نہا رہی تھی۔ سلطان احمد کو پیاس لگ رہی تھی۔ عبیر اپنے بابا کے لیے پانی لے کے گئی تھی۔ انہوں نے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔ لیکن بولے تھے نہ ہی اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لیا تھا۔
عبیر آنسو پیتی کتنی ہی دیر کھڑی رہی' پھر وہ پانی کا گلاس سلطان احمد کے پاس رکھ کے واپس مڑ گئی تھی لیکن اسے دکھ ہوا تھا۔ اس بات کو اتنے دن گزر گئے تھے۔ لیکن اس کے بابا نے ابھی تک اس کے معافی مانگنے کے باوجود بھی معاف نہیں کیا تھا۔ حالانکہ اس نے بغیر چوں چرا کیے اب تو یاسر سے بھی منگنی کر لی تھی۔ اب تو فارہ اور سلطان کی زندگی سے وہ بہت جلد نکلنے والی تھی۔ سلطان احمد نے اسے جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ ورنہ جان جاتے کہ وہ کس قدر شکستہ دل ہے اور ان کی بے رخی اسے کتنی تکلیف دے رہی تھی۔
اگلے چند دن یوں ہی گزر گئے تھے۔ یاسر کا اس گھر میں آنا جانا بہت بڑھ گیا تھا۔ وہ تقریباً" روز ہی فارہ کے لیے کچھ نہ کچھ لے آتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی منگیتر عبیر کے بجائے فارہ ہے۔ عبیر نے اب فارہ

کے لیے گجرے بنانا بند کر دیے تھے کیونکہ وہ یاسر کے لائے ہوئے گجرے پہنا کرتی تھی۔ یاسر اس کے لیے کھانے پینے کی چیزوں کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ لایا کرتا تھا۔ ایک دو بار تو وہ اسے اپنے ساتھ شاپنگ بھی کروانے لے کے گیا تھا اور فارہ بیگم ہونے والے داماد سے یہ سب جیسے کوئی حق سمجھ کے وصول کرتی تھیں۔

"قسم اللہ پاک کی.... آپ کتنی حسین ہیں فارہ جی!" یاسر اپنے پان والے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے انہیں وارفتگی سے دیکھتا۔

"جانتی ہوں میں.... میرا سلطان بھی تو کسی سے کم نہیں ہے۔" فارہ کی گردن راج ہنس کی طرح تن جاتی۔

"کتنے خوش نصیب ہیں سلطان انکل۔ کیسا ہیرا نصیب میں لکھا تھا ان کے۔" یاسر حسرت زدہ لہجے میں کہتا تو کچن میں کھڑی عبیر جل کے رہ جاتی۔

"میں بھی تو خوش نصیب ہوں نا کہ مجھے سلطان کی محبت ملی۔ ان کا ساتھ ملا' اب دیکھو نا' وہ اکیلے کینیڈا جانا ہی نہیں چاہتے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب تک میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ وہ نہیں جائیں گے۔ اسی لیے تو ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تم دونوں کی شادی کے بعد ہم دونوں کینیڈا شفٹ ہو جائیں گے۔" فارہ نے مسکرا کے بتایا تو یاسر کا منہ بن گیا تھا۔

"آپ کے بغیر ہم یہاں کیا کریں گے فارہ جی۔" یاسر نے حسرت زدہ لہجے میں کہہ کے منہ لٹکایا۔

"کیا مطلب؟" فارہ حیران ہوئی۔

"میرا مطلب ہے کہ میں اور عبیر تو بہت اداس ہو جائیں گے۔" یاسر نے فوراً" ہی بات بنائی۔ فارہ اس بار کھل کے مسکرائی تھی۔ وہ اسے یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ عبیر انہیں یاد کرنے کی جرات کرنے کی بھی پوزیشن میں نہیں ہے۔

"میرے ساتھ پارک تک چلیں گی فارہ جی؟" یاسر کی اگلی فرمائش آئی۔

"ابھی جی نہیں چاہ رہا میرا...." فارہ نے پہلی بار یاسر کو منع کیا۔

"کیا ہوا؟ کیا سر میں درد ہے۔ میں دبا دوں؟" وہ آگے بڑھا تو فارہ دو قدم پیچھے ہٹی۔ اسے پہلی بار یاسر کا انداز برا لگا تھا۔

"بالکل بھی نہیں.... تم کیوں دباؤ گے میرا سر.... ہٹو پیچھے۔"

"کیوں ہمیں کیوں نہیں دبا سکتا۔ آخر دوست ہوں آپ کا اور اس گھر کا ہونے والا داماد بھی۔" یاسر نے جیسے اسے یاد دلایا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے' لیکن مجھے یہ بے تکلفی پسند نہیں ہے۔" فارہ گڑبڑا کے بولی۔

"اچھا.... لیکن کب سے....؟ ابھی کل ہی تو میرے کندھے پہ آپ ہاتھ رکھ کے بائیک کے پیچھے بیٹھی تھیں۔" یاسر نے معصومیت سے کہہ کے فارہ کو لاجواب کیا تھا۔ اسے پہلی دفعہ احساس ہوا تھا کہ اس نے یاسر کو لفٹ کرا کے بہت غلط کیا تھا۔

"اوہو.... بھئی تم کن باتوں میں پڑ گئے' میرے سر میں درد نہیں ہو رہا۔ میں تو ویسے ہی کہہ رہی تھی کہ باہر جانے کا موڈ نہیں ہے۔ تم بیٹھو' میں عبیر کو بلا کے لاتی ہوں۔ کتنے دن ہو گئے تم دونوں کو آپس میں بات کیے۔" فارہ نے اپنی جان چھڑانے کے لیے کہا تھا۔ لیکن یاسر کے جواب نے انہیں ساکت کر دیا تھا۔

"میں یہاں اس کے لیے نہیں' آپ کے لیے آتا ہوں۔ وہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔" فارہ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ یوں اس کے منہ پہ ہی یہ سب کہہ دے گا۔ لیکن فارہ نہیں جانتی تھی کہ مرد اظہار میں کتنا بے باک ہوتا ہے۔

فارہ کتنے ہی لمحے بول نہیں سکی

"کیسی باتیں کر رہے ہو یاسر۔ ابھی تمہاری زیادہ بات نہیں ہوئی نا عبیر سے' اس لیے تم اسے سمجھ نہیں سکے لیکن اگر تم اس سے بات...." لیکن یاسر نے فارہ کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کاٹ دی۔

"مجھے اس کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے فارہ جی! مجھے بس آپ اچھی لگتی ہیں اور میں بس آپ سے

ہی دوستی رکھنا چاہتا ہوں۔ آپ کہیں گی تو میں اس سے شادی بھی کرلوں گا۔ لیکن ایک شرط پر۔۔۔ آپ مجھ سے دوستی کرلیں۔"

اور اس سے فارہ کا جی چاہا کہ کھڑے کھڑے اس بدصورت و بدسیرت شخص کو اپنے گھر سے نکال دے۔ وہ بھلا کیوں کرتی اس سے دوستی؟ اس کے سلطان میں کوئی کمی تھی۔ نہ ہی اس کے جیسا کوئی اس زمانے میں اسے نظر آتا تھا، لیکن اس سب میں فارہ ایک بات بھول گئی تھی کہ مرد کی فطرت میں بڑی کمینگی ہوتی ہے۔ وہ رشتوں کی پہچان بڑی جلدی بھولتا ہے اور پھر یاسر جیسے لفنگے کو تو کوئی بھی عورت لفٹ نہیں کرواتی تھی، لیکن جب فارہ جیسی عورت اسے غیر معمولی اہمیت دے گی، چاہے اس کے پیچھے کوئی بھی وجہ ہو تو اس کا دماغ تو ساتویں آسمان تک پہنچے گا ہی نا۔ وہ اپنی اوقات بھی بھولے گا اور آئندہ رکھنا بھی۔

عبیر نے ان ساری باتوں کو بے توجہی سے سنا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ بے وقوف نہیں تھی۔ اسے اندازہ تھا کہ جلد یا بدیر یہ سب ہونے والا ہے۔ اس دن بہت مشکل سے فارہ نے یاسر کو واپس گھر بھیجا تھا۔

☼ ☼ ☼

فارہ نے اگلے ہی دن سکینہ بوا کو بلا بھیجا۔ وہ جلد از جلد اب عبیر کی شادی کردینا چاہتی تھی لیکن سکینہ بوا کچھ تذبذب کا شکار تھیں۔ فارہ کو اور بھی تپ چڑھی۔

"میں ابھی شادی کیسے کرسکتی ہوں فارہ بیٹا! ابھی تو یاسر کوئی ڈھنگ کی نوکری بھی نہیں کرتا۔ اور پھر خالی ہاتھ تھوڑی نہ اٹھ کے آجاؤں گی۔ آخر کپڑا لتا لیتا ہے، ساتھ ہی زیور کے نام پہ بھی کچھ نہ کچھ تو اپنی بہو کو دوں گی۔" سکینہ بوا پرانی خاتون تھیں۔ زمانے کے طور طریقوں سے واقف۔۔۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں۔ لیکن فارہ کو جیسے ان ساری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ بس اب ان سے جلد سے جلد شادی پر اصرار کررہی تھی۔ اب صاف صاف یہ بھی نہیں کہہ سکتی تھی کہ اپنے بیٹے کو ہمارے گھر آنے سے منع کردو کیونکہ اسے اپنے گھر آنے کے لیے بار بار کہتی بھی وہ خود ہی تھی۔

"اس سب کی کیا ضرورت ہے بوا۔۔۔ بس دو جوڑے لے آؤ اور سادگی سے نکاح کرکے لے جاؤ۔ ہمارا پاسپورٹ تیار ہے۔ ویزے لگ چکے ہیں۔ اب بس ہمیں عبیر کی رخصتی کرکے ٹکٹ لینا ہے لیکن اب تم بھی ہمارے ساتھ ایسے کروگی تو ہمارا تو لاکھوں کا نقصان ہوجائے گا نا۔" دن رات کینیڈا کے خواب دیکھ دیکھ کے اب فارہ کے دل و دماغ پہ کینیڈا ہی سوار ہوگیا تھا۔ اسے اس کے علاوہ کوئی بات سوجھتی ہی نہیں تھی۔

"اللہ نہ کرے کیوں ہوگا نقصان۔۔۔ میں جلدی شادی کرلوں گی۔ بس تھوڑا ہاتھ کھلا ہوجائے تو۔۔۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنے یاسر کا ولیمہ بڑا شاندار سا کروں۔" سکینہ بوا نے مزید کہا۔

فارہ اس بار خاموش ہوگئی تھی۔ کیونکہ زیور کپڑا تو وہ منع کرسکتی تھی، لیکن ولیمہ کا خرچا نہیں دے سکتی تھی۔ ویسے بھی اسے کیا ضرورت تھی کہ وہ عبیر کی ہونے والی سسرال پہ اتنا خرچ کرتی۔

"بھئی۔ اب یہ سب کرنا تو تمہارا کام ہے بوا! لیکن میں چاہتی ہوں کہ تم شادی کرلو اب۔۔۔" فارہ نے ہاتھ جھاڑے تو سکینہ بوا بھی مطلب کی بات پہ فوراً ہی آگئیں، انہیں بھی دال آسان طریقے سے گلتی نظر نہیں آرہی تھی۔

"تو پھر یاسر کو سلامی میں کیا دے رہے ہو تم لوگ۔۔۔ خیر سے اکلوتا داماد ہے تم لوگوں کا۔" سکینہ بوا نے منہ میں سارے جہان کی شیرینی بھرتے ہوئے کہا تھا۔ فارہ کے سر پہ لگی تو تلووں پہ جاکے بجھی۔ وہ عبیر جیسی لڑکی یاسر جیسے نکمے کو دے رہے تھے یہ ہی کیا کم تھا کہ اور کچھ بھی دیا جاتا۔

"اپنی اتنی قیمتی بیٹی دے رہے ہیں۔ کیا کم ہے بوا۔" فارہ نے اپنے اندر برپا طوفان کو اندر ہی دباتے ہوئے بظاہر خوش دلی اور محبت سے کہا تھا۔

"قیمتی۔۔۔" سکینہ بوا ہنسیں۔ "ارے بیٹا! یہ باتیں تم کسی اور سے کرنا۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بچی کتنی قیمتی رہی ہے تمہارے لیے۔ سر سے بوجھ کی طرح سے تو اسے اتارنے کے درپے ہو تم۔۔۔ کیا میں نہیں جانتی۔" سکینہ بوا اتنی صاف گو اور منہ پھٹ بھی ہوسکتی ہیں اس کا اندازا فارہ کو اس سے ہوا۔

"ایسی بات ہوتی تو میں آپ سے اس طرح بات نہ کررہی ہوتی نہ ہی مجھے اس کی شادی کی اتنی فکر ہوتی۔" فارہ نے یہ کہتے ہوئے خود بھی محسوس کیا کہ اس کا لہجہ کھوکھلا ہے۔

"اگر ایسا ہے تو پھر بیٹی کی سسرال میں اہمیت وقدر بنانے سے بھی واقف ہی ہوگی تم۔" سکینہ بوا معنی خیز انداز میں ہنستے ہوئے بولی تھیں۔

"کیا چاہتی ہیں آپ؟" فارہ جلدی ہی اس کھیل سے اکتا گئی۔ اسی لیے مطلب کی بات پہ آئی۔

"میں چاہتی ہوں کہ یاسر کو کم از کم ایک بائیک، ایک اچھا موبائل اور پچاس ہزار سلامی میں تم لوگ ضرور دو۔ ساتھ ہی اپنے جانے کے ایک سال کے اندر اندر یاسر کو بھی کینیڈا بلانا ہوگا۔" سکینہ بوا کی اس بات پہ فارہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"یہ کیا بات کررہی ہیں بوا! آپ جانتی ہیں کہ ہم یہ گھر بیچ کے بہ مشکل تمام ہی عبیر کی شادی اور اپنے جانے کا بندوبست کرسکیں گے۔ اتنا کچھ کرنا ممکن نہیں ہے ہمارے لیے۔"

فارہ سن کے سچ مچ ہی پریشان ہوگئی تھی۔ اس نے محلے کے سب سے کم تر لڑکے کے ساتھ عبیر کا رشتہ طے کیا تھا۔ جس کی محلے میں شہرت اچھی تھی نہ ہی اسے کوئی رشتہ دیتا تھا۔ لیکن ان کے بھی اتنے نخرے تھے کہ فارہ غش کھا جانے کو تھی۔ اسے عبیر پہ بری طرح سے غصہ آیا تھا۔ یہ لڑکی تو واقعی میں اس کے گلے میں ہڈی بن کے پھنس چکی تھی۔

"بھئی حالات تو سب ہی کے ایک جیسے ہی ہیں۔ میرا یاسر اپنے دوستوں کو کیا منہ دکھائے گا کہ اس سسرال سے ایک اسکوٹر (تک) نہیں مل سکا سلامی میں۔۔۔ اور پھر وہ تو راضی ہی اسی لیے ہوا تھا کہ چلو تم لوگ اسے کینیڈا بلالوگے۔ ورنہ عبیر ایسی تو نہیں کہ اسے کوئی پسند کرے اور بھلا میرے یاسر اور اس کا کیا جوڑ۔"

سکینہ بوا کے لہجے میں اپنے بیٹے کے لیے محسوس کیا جانے والا افتخر تھا۔ فارہ کی سٹی گم ہوگئی تھی۔ وہ اگر سکینہ بوا اور یاسر کو آسان ہدف سمجھ رہی تھی تو یہ اس کی بہت بڑی بھول تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں سلطان سے بات کروں گی۔" فارہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تھا۔ فی الفور اسے کوئی جواب نہیں سوجھا تھا۔ اسے اس مسئلے سے نمٹنے کے لیے کچھ وقت درکار تھا۔

"میں پھر کل آؤں گی، تم سلطان سے بات کرکے مجھے بتا دینا اور ہاں اسکوٹر یاسر اپنی پسند سے جاکے خریدے گا۔ اسے بہت شوق ہے کہ شوروم سے جاکے نئی اسکوٹر خریدے اور اپنی تصویر بھی کھنچوائے۔" انوکھی فرمائش کرنے کے بعد وہ وہاں زیادہ دیر ٹھہری نہیں تھیں۔ بہت دن کے بعد عبیر کی شامت آئی تھی۔ فارہ تن فن کرتی اس کے سر پہ پہنچی۔

"کتنی منحوس ہو تم۔ میری زندگی کا سارا سکون غارت کرکے بھی تمہیں خوشی نہیں ہوئی کہ تم اب جاتے جاتے بھی میرے راستے کی رکاوٹ بن رہی ہو؟"

"میں نے کیا کیا ہے فارہ باجی!" عبیر نے خالی خالی نگاہوں سے فارہ کو دیکھا۔ فارہ نے اس کے چہرے سے بے ساختہ نظریں چرائی تھیں۔ اسے جانے کیوں عبیر کی آنکھوں سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔

"سنا نہیں، تمہاری ساس کیا کہہ کے گئی ہے۔ اب تمہارا باپ کہاں سے ان کی فرمائشیں پوری کرے۔ اس میں تو اتنا دم نہیں۔ وہ تو بس جہیز کے نام پہ بھی تمہیں بہ مشکل چند ضرورت کی ہی چیزیں دے سکے گا۔" عبیر نے فارہ کی اس بات پہ اسے ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ مجھے بتائیں اس سب میں میرا کیا قصور ہے۔

"کیوں آئی ہو تم اس دنیا میں عبیر۔۔۔ ایک ڈھنگ

کا کام تو تم کر نہیں سکیں' یاسر کو تمہیں اپنی مٹھی میں کرنے کو کہا تھا لیکن تم سے تو یہ بھی نہیں ہوا کہ اسے اپنے جال میں پھانس سکتیں۔" فارہ بکتی جھکتی واپس مڑ گئی۔

اس نے عبیر کے چہرے پہ بکھرتا درد محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ فارہ کو جتا نہیں سکی کہ یاسر کی اس سے کبھی بات ہی کب ہوئی تھی کہ وہ ایسا کوئی کام کر پاتی۔ وہ تو تمہاری زلف کا اسیر ہوا تھا۔ ایسے کاموں میں تو تم ماہر ہو۔ وہ یہ سب کیوں نہیں کر سکی اور عبیر جانتی تھی کہ وہ یہ سب کہنے کی جرات نہیں رکھتی' لیکن اسے حیرت ہوئی تھی۔ فارہ نے تو ابھی چند دن پہلے ہی اس پہ جو الزام لگایا تھا۔ ابھی اس کا دیا جانے والا بیان فارہ کی پہلے [illegible] کہی بات کی نفی کر رہا تھا۔ عبیر سر جھٹک کے رہ [illegible] اس کے اندر تو اب جینے کی ساری خواہشیں [illegible] کی تھیں۔
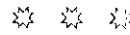
☆ ☆ ☆

"[illegible] اس دنیا کے سب سے برے انسان ہو [illegible] بے حد معصوم لڑکی کو رلاتے ہو اور اسے پھر چپ [illegible] نہیں کرواتے۔"

وہ اپنے کام میں بری طرح سے منہمک [illegible] وقت اس کے نمبر پہ زویا کا یہ میسج آیا تھا' اس [illegible] چہرے پہ بے ساختہ مسکراہٹ ابھری۔ زویا اکثر ہی اسے ایسے جذباتی میسج کرتی رہتی تھی' جن دنوں وہ بہت مصروف ہوتا یا اپنی ذات میں گم ہو جاتا۔ پھر وہ یونہی لاتعلق اور اجنبی بن جایا کرتا تھا۔ ایک پتھر جیسا سخت بے جان۔ یوں جیسے اس کا کسی سے کوئی واسطہ ناتا ہی نہیں اور نہ ہی وہ کسی کو جانتا ہے۔

"بابا کی لاڈلی کیسی ہے؟" اس نے اس کے میسج کو نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اداس ہے۔" اداس میسج کے ساتھ ہی اداس فیس اسکرین پہ ابھرا تھا۔ بے ساختہ مسکرایا اور پھر [illegible] میسج نے اس کے مسکراتے لبوں کو ایک دم ہی [illegible] پہ مجبور کر دیا تھا۔ کیا وہ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر سکے گا؟ وہ سیل فون ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔ کتنی ہی دیر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اب کیا کرے۔ وہ کیسے اسے ساری صورت حال بتائے گا اور اگر جو اس نے اس سے فیصلہ بدلنے کی درخواست یا فرمائش کر دی تو کیا وہ اس پوزیشن میں ہے کہ اس کا مان رکھ سکے۔

یک لخت اس کے اندر سناٹے گونجنے لگے۔ جواب بڑا ہی عجیب اور پریشان کن ملا تھا۔ اس نے ایک بار پھر سیل فون کی اسکرین کی جانب دیکھا۔ بابا کی لاڈلی کے کئی ایک میسج آ چکے تھے۔

"فری ہو کے آ جاؤ۔ کہیں باہر چلتے ہیں۔" اس نے بالآخر کچھ سوچ کے اسے میسج کر دیا۔ اگلے آدھے گھنٹے میں وہ زویا کی گاڑی میں جا رہے تھے۔ راستے بھر اس نے وہ تمام الفاظ سوچے جو اس نے ترتیب دیے تھے۔

[illegible] کی طرح زویا [illegible]

[illegible] حیران لیا۔

[illegible] آنکھوں سے دیکھ کے جملہ ادھورا چھوڑا' جسے اس نے فوراً" ہی پکڑ کے مکمل کر دیا تھا۔

"مشرق سے ہی نکلا ہے' ہواؤں نے بھی اپنا رخ نہیں بدلا۔ سب ٹھیک ہے' بس میرا دانہ پانی اس شہر سے اٹھ گیا ہے۔" زویا نے الجھتے ہوئے اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔

"میں سمجھی نہیں علی!" زویا نے اس کی جانب دیکھ کے کہا۔ اس کی آنکھوں میں واضح خوف تھا' وہ مسکرا دیا۔

"تمہارے منہ سے اپنا نام سن کے مجھے ہمیشہ ہی جانے کیوں' مگر بہت اجنبیت سے محسوس ہوتی ہے؟" یہ سچ تھا کہ زویا نے کبھی اس کے اصلی نام سے نہیں

پکارا تھا۔ وہ اسے ہینڈسم کہتی تھی تو وہ بھی اسے بابا کی لاڈلی یا بے چاری کہتا تھا۔ یہ دونوں کے لاڈ کے نام تھے جو دونوں ہی ایک دوسرے پہ بغیر حق جتائے ایک دوسرے کو کہنے لگے تھے۔

"کہاں جارہے ہو اب تم؟" زویا نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ وہ سوال کیا جہاں وہ اٹک چکی تھی۔

"میں..." ہینڈسم نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "میری پوسٹنگ لاہور ہوگئی ہے۔" اس نے اچانک ہی جیسے یہ کہتے ہوئے پل صراط پار کیا تھا۔

"اوکے... کب جانا ہے؟" زویا نے خلاف توقع اس بات کو بہت آرام سے سنا۔ اس بار حیران ہونے کی باری ہینڈسم کی تھی۔

"اگلے ہفتے..." اس نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے کہا تھا۔ اسی دوران کھانا آگیا تو زویا کھانا شروع کرتے ہوئے بولی۔

"اوکے، کھانا کھاؤ، اگر پیکنگ میں میری مدد کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ میں کروادوں گی۔" اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ کے نیپکن اپنی گود میں پھیلایا۔ وہ کتنی ہی دیر سنجیدگی سے اسے دیکھے گیا۔

"تمہیں برا نہیں لگا؟"

"نہیں۔" زویا کھانے میں مگن رہی، جیسے اس سے اہم کوئی کام ہو ہی نہیں سکتا۔

"مجھے مس بھی نہیں کروگی؟" اس بار زویا فوراً جواب نہیں دے سکی۔

"بتاؤ نا۔" وہ اسے بولنے پہ اکسا رہا تھا اور زویا اس وقت بس خاموش رہنا چاہتی تھی۔

"شاید نہیں... کیونکہ میں ہمیشہ ہی اس بات کے لیے ذہنی طور پر تیار رہی ہوں کہ ایک دن تم واپس لوٹ جاؤ گے۔" زویا نے اپنے لہجے کو حتی الامکان مضبوط رکھا۔

"میں ہمیشہ کے لیے تو نہیں جارہا۔" ہینڈسم نے وضاحت کی۔

"جدائی وقتی ہو یا ابدی، اس کی تکلیف ایک سی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ کہنا فضول ہے کہ تم لوٹ آؤ گے۔ اینی ہاؤ، مجھے آفس پہنچنا ہے۔ ایک میٹنگ ہے، میں لیٹ ہو رہی ہوں۔"

وہ یہ کہتے ہوئے اچانک ہی کھڑی ہوگئی۔ ہینڈسم جانتا تھا کہ اسے برا لگا ہے، اور شاید وہ اپنے یک طرفہ جذبات عیاں کرتے کرتے اب تھک چکی ہے۔ اسی لیے اب اسے اپنے جذبوں کی رسوائی گوارا نہیں۔ اسی لیے وہ خود کو لاپروا ظاہر کررہی ہے، لیکن اچھا دوست تو وہ ہوتا ہے نا جو اپنے دوست کے دل کی بات بن کہے جان لے اور وہ زویا کا اچھا دوست تھا۔

☆ ☆ ☆

شام ہوگئی، راحت اکبر اور ان کے بندے حذیفہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کے پاگل ہوگئے لیکن اس کا سراغ کہیں بھی نہیں ملا۔ خاندان والے بلاوے کے مطابق آچکے تھے۔ راحت اکبر نے موجودہ صورت حال کو ان سے چھپانے کی کافی کوشش بھی کی لیکن بے سود۔ بالآخر خاندان کے دادا جی کے علم میں بات آہی گئی۔ راحت اکبر کی رسوائی و جگ ہنسائی کا وقت آن پہنچا تھا اور وہ جی بھر کے ذلیل و رسوا ہوئے بھی تھے۔

نیلم نے ٹیپو کو فون کیا تھا۔ اس سے اچھا موقع دوبارہ ان کی زندگی میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ حذیفہ گھر چھوڑ کے چلا گیا تھا اور اس کے باپ کی عزت کا سوال تھا۔ وہ اپنی ناک بچانے کے لیے کسی کے ساتھ بھی نیلم کا نکاح کرنے کو تیار تھے کیونکہ وہ خاندان کا دباؤ بہرحال برداشت نہیں کرسکتے تھے اور پھر ایم این اے ہونے کے ناتے ان کے حریف بھی کم نہیں تھے۔ وہ اپنے مخالفین کو کچھ کہنے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے۔

اسی لیے نیلم جانتی تھی کہ اگر اس وقت ٹیپو اپنے والدین کو لے آئے گا تو وہ انکار نہیں کریں گے اور وہ دونوں ہمیشہ کے لیے ایک ہوجائیں گے۔ جیسے کہ ٹیپو اس نے کہا بھی تھا۔

"بابا بہت پریشان ہیں ٹیپو! خاندان والے جمع ہیں۔ سب ہی حذیفہ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔" وہ اسے فون پہ ساری صورت حال بتا رہی تھی۔

"تمہارے بابا نے حذیفہ کو ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی؟؟"

"کوئی ایک کوشش... لیکن نہ جانے وہ کس بل میں جاکے چھپ گیا ہے' خیر ہمارے حق میں تو اچھا ہی ہوا ہے اس کا چھپنا۔ تم ایسا کرو کہ اپنے گھر والوں کو ابھی لے آؤ۔ مجھے یقین ہے بابا' اس وقت اتنے پریشان ہیں کہ ہماری شادی کے لیے راضی ہو جائیں گے اور پھر ان کی عزت بھی رہ جائے گی کہ بھتیجا رسوا کر کے گیا۔ لیکن....."

اچانک ٹیپو نے نیلم کی بات اس کے منہ سے اچک لی۔ "اور بیٹی کے بارے عزت رکھ لی... ہے نا...." ٹیپو نے قہقہہ لگایا تو نیلم کو برا لگا تھا۔

"یار کیوں... تم محبوب ہو میرے...." نیلی کو ہمیشہ ہی یار کہنا برا لگتا تھا۔

"لیکن یارانہ بھی تو محبوب کے ساتھ ہی لگایا جاتا ہے۔" ٹیپو ابھی بھی غیر سنجیدہ تھا۔ نیلم کو اس کا مذاق برا لگا۔ وہ اتنے نازک حالات میں بھی اس طرح کی باتیں کیسے کر رہا تھا۔

"میری جان پہ بنی ہوئی ہے اور تم ایسی باتیں کیے جا رہے ہو ٹیپو!" نیلم نے اپنی ناگواری کا اظہار اگلے ہی لمحے کر دیا تھا۔

"میں نے گھر میں بات کی تھی نیلی... اور ایک دفعہ نہیں کئی بار لیکن وہ لوگ نہیں مان رہے۔" ٹیپو نے ایک دم ہی کہنا شروع کیا تھا۔

"میری ہر تدبیر الٹی ہو گئی ہے' بابا نے مجھے گھر سے نکل جانے کو کہا جس وقت انہیں تمہارے بارے میں پتا چلا۔" ٹیپو نے توقف کیا۔ نیلم اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکی۔ اسے ٹیپو سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

"تم بہت بدنام ہو چکی ہو نیلی۔" ٹیپو مزید کہہ رہا تھا۔ نیلم کو اپنے وجود پہ برچھیاں چلتی محسوس ہوئیں۔ کوئی آری سے اس کے دل کو چیر رہا تھا۔

"بابا نے میری ہی ضد پہ اپنے کسی دوست سے کہہ کے انکوائری کروائی تھی۔ اگر مجھے پتا ہوتا تو میں کبھی بھی انہیں یہ سب نہیں کرنے دیتا لیکن جو بھی ہوا میری لاعلمی میں ہوا۔ یہاں گاؤں بھر میں تم بہت بدنام ہو چکی ہو۔ تمہارے بابا چونکہ سیاست میں ہیں' اس لیے ان کے مخالفین ان کی کمزوریوں کو بہت زیادہ اچھالتے ہیں۔ مجھے نہیں پتا تھا کہ یہ بات اس طرح سے پھیل جائے گی' میں تو تمہارا اعتبار کرتا ہوں نیلی! لیکن میں باقی سب کو کیسے یقین دلاؤں گا کہ تم بے قصور ہو اور باکردار بھی..." ٹیپو نے ایک بار پھر توقف کیا۔

"لیکن میں نے یہ سب تمہارے کہنے پہ کیا ٹیپو.... تم نے ہی کہا تھا کہ اگر میں حذیفہ پہ یہ الزام لگاؤں گی تو میری منگنی آصف سے ٹوٹ جائے گی اور تب تک تم اپنے گھر والوں کو منالو گے۔"

وہ خاموش ہوا تو نیلم بے تابی سے بولی تھی۔ اس کی حالت ایسے مسافر کی سی تھی جس کے ہاتھ سے وقت کسی ریت کی طرح سے پھسل جائے اور وہ کسی اپنے مرے ہوئے کا منہ بھی نہ دیکھ سکے۔

"میں نے کب کہا کہ میں نے نہیں کہا' لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ تمہارے بابا اسی کے ساتھ تمہارا نکاح پڑھانے کا فیصلہ کر دیں گے اور پھر حذیفہ جس طرح سے گھر چھوڑ کے گیا ہے۔ تم پہ بدکرداری کا الزام لگ چکا ہے۔ کبھی باہر نکل کے لوگوں کی باتیں سن کے دیکھو نیلی... لوگ یہی کہہ رہے ہیں کہ حذیفہ تمہیں خراب کر کے بھاگ گیا اور راحت اکبر اب کوئی نیا شکار پھانسیں گے تاکہ بیٹی کے کالے کرتوت چھپا سکیں۔"

ٹیپو نے اس قدر روانی سے یہ ساری باتیں کہی تھیں جیسے وہ اپنی محبت اپنی جان کے بارے میں نہیں کسی اور کے بارے میں ایسی بات کہہ رہا ہو۔ نیلی نے کرب سے آنکھیں موندیں' کس قدر اذیت ناک ہوتا ہے' اسی شخص کے منہ سے اپنی برائی سننا جسے آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے ہوں اور جس کے لیے آپ گناہ' ثواب... اچھے' برے کا فرق مٹادیں۔ وہ بھی اس وقت اسی کیفیت سے گزر رہی تھی۔

"لیکن میں بے قصور ہوں ٹیپو! تم جانتے ہو میں

صرف تم سے پیار کرتی ہوں۔ میں نے تم سے بھی ہمیشہ ایک فاصلہ رکھا ہے۔ حذیفہ نے تو کبھی نظر اٹھا کے بھی مجھ سے بات نہیں کی تھی۔ میں نے تو صرف تمہیں حاصل کرنے کے لیے یہ ڈراما رچایا تھا اور اب تم ہی مجھے.... "اس سے آگے نیلم سے بولا نہ گیا۔

"مجھے معاف کرنا نیلی.... میں بہت مجبور ہوں۔"

ٹیپو کی مجبوریوں کی پٹاری اب کھلنے کو تھی۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کرسکتے ٹیپو! تمہیں مجھ سے شادی کرنی ہی ہوگی۔" نیلم ایک دم ہی ہذیانی ہوئی۔

وہ اتنی آسانی سے ہار نہیں مان سکتی تھی۔ جس محبت کے لیے اس نے اپنی عزت، اپنے باپ کا وقار داؤ پہ لگا دیا تھا، وہ اس محبت سے اتنی آسانی سے دست بردار نہیں ہوسکتی تھی۔ یہ اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔

"میں تو تم سے شادی کرلوں گا لیکن میرے والدین ایک بدکردار لڑکی کو اپنی بہو کے طور پہ کبھی تسلیم نہیں کریں گے۔" ٹیپو کی یہ بات نیلم کو کسی چابک کی طرح سے لگی تھی۔

"میں بدکردار نہیں ہوں.... سنا تم نے.... نہیں ہوں میں بدکردار۔ مجھے بدکردار تم نے بنایا۔" وہ چیخی۔

"ہاں تو تم تو جیسے دودھ پیتی بچی تھیں نا.... جسے میں نے ورغلایا اور کیوں نہیں ہو تم بدکردار۔ کیا تم مجھ سے گھر والوں سے چھپ چھپ کے نہیں ملتی رہیں۔ کیا تم مجھے اپنے کمرے میں نہیں بلاتی رہیں۔ بولو کیا ایک شریف لڑکی کسی کو اپنے کمرے میں یوں بلاتی ہے.... بولو...."

ٹیپو بھی لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ گیا تھا۔ نیلم نے یہ ساری باتیں سن کے ضبط سے آنکھیں موندی تھیں۔ کم از کم وہ ٹیپو سے ان باتوں کی توقع نہیں کررہی تھی۔

"میں نے وہ سب تمہاری محبت میں کیا تھا ٹیپو...." نیلم رو دی۔ ہاں اس کا رونا بین کرنا بنتا تھا۔

"محبت میں بھی لڑکیاں اپنی عزت نفس کا سودا نہیں کیا کرتیں نیلی.... میں نے اگر تمہیں وہ سب کہا بھی تھا تو تم منع کرسکتی تھیں۔ لیکن مجھے تو خود ہی شک ہے کہ تم خود بھی حذیفہ کے ساتھ انوالوڈ تھیں۔" اس کے ہاتھ میں اب تازیانہ تھا، جو وہ اس کے وجود پر برسانے لگا تھا۔ نیلم کے اردگرد اندھیرا اور دھواں بھرنے لگا۔

"خدا کے لیے مجھے اتنا ذلیل مت کرو ٹیپو.... مجھ سے شادی کرلو۔ جو بھی ہوا میں اس کی معافی مانگ لوں گی۔ میں ہمیشہ تمہاری وفادار بن کے رہوں گی۔ پلیز ٹیپو.... میرا باپ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہا۔"

اچانک ہی وہ دھاڑیں مار مار کے روتے ہوئے اس کی منت کرنے لگی، محبت ریت کے ذروں کی طرح بہت تیزی سے اس کے دامن سے پھسل رہی تھی۔ نیلم تہی داماں ہورہی تھی۔

"نہیں نیلم.... میرے والدین اب نہیں مانیں گے اور میں اپنے والدین کے خلاف جاکے کوئی کام نہیں کرسکتا۔" ٹیپو نے قطعیت سے کہہ کے نیلم کو جیتے جی مار دیا۔

"لیکن ٹیپو تم تو مجھ سے پیار کرتے ہو۔" اس نے جلدی سے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"میں ہمیشہ تم سے پیار کرتا رہوں گا کیونکہ میری محبت میں کوئی کھوٹ نہیں تھا۔ لیکن نیلم میں اچھی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ میں تمہارے ساتھ چلتے ہوئے لوگوں کے طنز و تحقیر بھرے جملے نہیں سننا چاہتا۔ اپنا خیال رکھنا اور کوشش کرو کہ حذیفہ لوٹ آئے۔ وہ اچھا لڑکا ہے 'یقیناً' تمہیں معاف کرکے تم سے شادی کرلے گا، لیکن میرا یا میرے گھر والوں کا اتنا ظرف نہیں ہے۔"

یہ کہہ کے اس نے فون بند کردیا تھا لیکن نیلم کو احساس نہیں ہوا۔ نیلم خالی الذہنی کی کیفیت میں اپنا سیل ہاتھ میں لیے بیٹھی تھی۔ اس کے منہ پہ طمانچہ پڑا تھا۔ سب کچھ روز محشر کی طرح اس پر عیاں ہوچکا تھا۔ اس نے یہ کیسے سوچ لیا تھا کہ وہ ببول بو کے گلاب پالے گی۔

وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ٹیپو اس کے ساتھ ایسا کرے گا۔ وہ ٹیپو جو اس سے ایک دن بات نہ ہونے پہ مرنے لگتا تھا' وہ ٹیپو جسے اس کا کسی کے ساتھ بات کرنا برا لگتا تھا اور وہ ٹیپو جو اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اتنی ٹھنڈ میں بھی بائیک پہ لاہور سے اس کے گاؤں آجایا کرتا تھا' وہ ٹیپو اب اسے کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ اس ٹیپو نے یہ کیسے گوارا کرلیا تھا۔ وہ جو یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا نام بھی کسی مرد کے منہ پہ آئے۔

نیلم کا ذہن ماؤف ہوچکا تھا۔ اس کی سوچیں سلب ہوگئی تھیں۔ اس کی قسمت اس سے روٹھ گئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھوں سے خود کو تباہ کرچکی تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ خود کو بدنامی کے کس کنویں میں گراچکی ہے جو اسے ڈبونے کے ساتھ ساتھ اس کے والدین کو بھی ڈبو دے گا اور ان کے خاندان کی کتنی ہی لڑکیوں کو... وہ محبت میں اتنی اندھی کیوں ہوگئی تھی کہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ جن سے محبت کی جاتی ہے ان کی عزتوں کو پامال نہیں کیا جاتا۔

ٹیپو تو ایک بار بھی اپنے والدین کو لے کے اس کے گھر نہیں آیا۔ اگر اسے اپنی کم مائیگی اتنی کھلتی تھی کہ وہ راحت اکبر کے ہاتھوں انکار کی ذلت سہنا نہیں چاہتا تھا' تو اس نے یہ کیسے سوچ لیا کہ وہ اپنی محبت کو رسوا کرکے۔ زمانے کی نظر میں گرا کے اپنے قابل بنالے گا۔ کیا اس کا لیول بس یہی تھا؟

سوالات نے اژدھوں کا روپ دھار لیا تھا اور نیلم کے چاروں سمت گھیرا تنگ کیے جارہے تھے۔ ذلت' دکھ' شرمندگی' دھوکا' کس چیز کا احساس تھا جو اسے اس وقت سب سے زیادہ ہورہا تھا۔ نیلم کے اندر اٹھتی ہوئی تکلیف اتنی شدید تھی کہ وہ اس کا اندازہ نہیں کرپارہی تھی۔

وہ اپنے والدین کی اکلوتی و لاڈلی بیٹی تھی۔ جو اس کے منہ سے نکلتا تھا اسے فوری پورا کردیا جاتا تھا۔ وہ راحت اکبر کی آنکھوں کا تارا تھی۔ وہ چاندنی بیگم کی آنکھوں اور دل کا نور تھی لیکن اس نے اتنی ڈھیروں محبتوں کے جواب میں اپنے والدین کو کیا دیا تھا۔

"بدنامی' ذلت' رسوائی' دھوکا' ہی گیا ایک بیٹی' جان سے زیادہ عزیز رکھنے والے والدین کو بدلے میں یہ سب دینے میں حق بجانب ہے؟"

اس نے ایک دم ہی اپنا آپ بے جان ہوتا محسوس کیا اس کے جینے کا کوئی مقصد باقی نہیں رہ گیا تھا۔ وہ سراپا بدنامی بن چکی تھی۔ وہ سر سے پیر تک کالک میں لتھڑی جاچکی تھی۔ وہ زندہ رہتی تو اپنی نہ ختم ہونے والی کالک سے اپنے اردگرد سب کچھ کالا اور گندا دیتی۔

اسے یک دم ہی خود سے بے تحاشا گھن آنے لگی تھی۔ بے حد بدبو۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ نیلم نے اپنے بے جان خالی ہاتھوں کو دیکھا اور پھر آئینے میں نظر آتے اپنے عکس کو۔ اس کے چہرے پہ بے تحاشا کیچڑ تھی' جن پہ بدبودار کیڑے رینگ رہے تھے۔ پھر وہی کالک اسے اپنے جسم پہ لگی ہوئی محسوس ہوئی۔

نیلم بے ساختہ خود کو نوچنے لگی' اسے ان کیڑوں کے کاٹنے کی تکلیف پورے جسم میں محسوس ہونے لگی۔ اس کا جی چاہا وہ کسی تیز دھار آلے سے اپنے جسم کے ان حصوں کو کاٹ دے جہاں وہ کیڑے رینگ رہے ہیں۔

ڈیرے میں اب شام کے بجائے رات کے سائے گہرے ہوچکے تھے۔ سب خاندان والے اب واپس جاچکے تھے لیکن راحت اکبر تاحال سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے۔

یہی حال چاندنی بیگم کا بھی تھا۔ وہ ساری زندگی زبان کی بہت تلخ ہونے کے ساتھ بہت مغرور رہی تھیں۔ خود سے کم تر لوگوں سے کبھی بات بھی نہیں کرتی تھیں۔ اپنے ہی ہم پلہ لوگوں کو بھی ایسے دیکھتیں جیسے ان سے کتنے کم تر ہوں۔ احساس برتری کا احساس ان کے ایک ایک انگ سے نمایاں ہوتا تھا۔ وہ ایک راج دھانی کی مالکن تھیں۔ ان کا شوہر ایم این اے تھا۔ دولت کی ریل پیل تھی۔ انہیں کسی کی کیوں فکر ہوتی۔ سارا دن نوکروں اور پروین بیگم کا جینا حرام کیے رکھنے میں سے وہ اتنا سا وقت نکال لیتیں کہ جوان بیٹی کی ذمہ

داری کو بھی سمجھتیں، جس احساس برتری سے وہ واقف تھیں کاش وہ اپنی بیٹی کو بھی سمجھا دیتیں کہ اس کا باپ کتنا بڑا آدمی ہے اور ان کے خاندان کا شملہ کتنا اونچا ہے۔ نیلم کو اگر اس بات کا احساس ہوتا تو وہ کبھی بھی یہ سب نہیں کرتی۔

ان کے اردگرد ڈھیر سارے کاش اکٹھے ہو گئے تھے۔ جس میں وہ خود کو ڈوبتا ابھرتا دیکھ رہی تھیں۔

رات قطرہ قطرہ کسی موم کی طرح سے پگھل رہی تھی۔

☆ ☆

"اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟"

زویا اس کے کمرے سے نکلی تو وہ لاؤنج میں ہی موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کے حیران ہوئی لیکن پوچھا نہیں کہ وہ ابھی تک گیا کیوں نہیں۔ اسے یاد آ گیا تھا کہ جب ایک چھوٹا سا بچہ سڑک پار کرتے ہوئے گاڑی کے نیچے آیا تھا تو یہ تب تک اسپتال جاتا رہا تھا جب تک وہ بچہ ڈسچارج ہو کے وہاں سے اپنے گھر چلا نہیں گیا۔ وہ اتنا ہی نرم خو اور خیال رکھنے والا تھا۔ وہ جانتی تھی اور اس کی اسی خوبی کی وجہ سے اس کی محبت میں گرفتار ہوئی تھی۔

"ٹھیک ہے لیکن بہت رو رہی ہے۔" زویا نے اس کی پریشانی دیکھتے ہوئے بتایا تھا وہ اس کے لیے ایسے پریشان ہو رہا تھا جیسے اسے برسوں سے جانتا ہو۔

"چائے پیو گے؟"

زویا جانتی تھی وہ اس کے ساتھ رات بھر کا جاگا ہوا ہے۔ جو لڑکی ان کی گاڑی سے ٹکرا کے بے ہوش ہوئی تھی۔ وہ اسے اسپتال لے جانے کے بعد زویا کے اپارٹمنٹ میں لے آیا تھا۔ ظاہر ہے لڑکی زخمی اور بے ہوش تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا تھا اور زویا بھی اس معاملے میں اسی کی طرح فراخدل ثابت ہوئی تھی۔ اس نے خود ہی اس لڑکی کو اپنے ساتھ اپنے گھر رکھنے آمادگی ظاہر کی تھی جس پہ ہینڈسم اس کا کافی ممنون بھی تھا۔

"نہیں ہو سکے تو ناشتہ کروا دو... بلکہ ایسا کرتے ہیں... مل کے بناتے ہیں۔ عبیر کو بھی کروا دیں گے۔" وہ اگلے ہی لمحے کہتے ہوئے اس کے ساتھ کچن میں کھڑا تھا۔ زویا نے اسے مسکرا کے دیکھا۔ وہ اس کے ساتھ کچن میں کھڑا کتنا خوب صورت لگ رہا تھا۔

"تم بیٹھو وہاں جا کر میں بنا لیتی ہوں۔" زویا نے چند لمحے بعد اسے دیکھ کے کہا تو اس نے جواباً حیرت سے دیکھا تھا۔

"کیوں بھئی... میں ہیلپ کروا دیتا ہوں ناں۔" زویا نے مسکراہٹ دبائی۔ اب وہ اسے یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ وہ اسے اپنے سامنے بیٹھا دیکھنا چاہتی ہے۔ وہ اس سے اس تصور میں کھونا چاہتی ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے اور وہ اس کے لیے ناشتہ تیار کر رہی ہے جبکہ اسے آفس کے لیے نکلنا ہے۔

"کیا ہوا ہے ہنس کیوں رہی ہو تم؟" وہ شاکی انداز میں اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ زویا نے اسی طرح مسکراتے ہوئے سر کو نفی میں جنبش دی۔

"کچھ نہیں اور وہاں چل کے بیٹھو... مجھے اپنے کچن میں کسی اور کی مداخلت پسند نہیں ہے۔" زویا نے اس بار تحکم سے کہا تو ہینڈسم بغیر کچھ کہے لاؤنج میں سامنے والے صوفے پہ جا کے بیٹھ گیا تھا جہاں سے وہ زویا کو بہ آسانی دکھائی دے رہا تھا۔ اس دن زویا نے اپنے تخیل کو مضبوطی سے تھام کے ناشتہ تیار کیا۔ بس فرق اتنا تھا کہ اسے آفس جانا تھا لیکن وہ تیار نہیں تھا اور زویا اس کی منگیتر تھی بیوی نہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہ منظر اتنا بھرپور اور خواب آگیں تھا کہ زویا نے خود پہ رشک کرتے ہوئے خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کیا۔

ناشتہ بنا کے اس نے پہلے اس کے سامنے رکھا اور اس کے بعد وہ عبیر کے کمرے میں آئی جو جب سے ہوش میں آئی تھی بس روئے چلی جا رہی تھی۔

"تم ابھی تک رو رہی ہو؟" زویا نے اسے حیرت اور کچھ افسوس سے دیکھا۔ عبیر یہ سن کے بھی روتی

رہی۔

"کب تک روؤ گی اس طرح۔۔۔ آخر تم بتاتی کیوں نہیں ہو کہ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ دیکھو میرا یقین کرو۔ میں یقین کروں گی تمہارا۔" زویا نے اس کے گھٹنے پہ ہاتھ رکھا۔ عبیر کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو جھلملائے۔

"میرا یقین میرے بابا نے بھی نہیں کیا۔ میں تو ان کی بیٹی ہوں ناں پھر آپ تو مجھے جانتی بھی نہیں۔" عبیر نے روتے ہوئے زویا کو دیکھا۔ رات کے آخری پہر وہ لڑکی اس کے لیے ایک فرشتے سے کم نہیں تھی۔ اس نے اسے سہارا دیا تھا۔ وہ اسے اگر وہ سب بتا دیتی اور اگر وہ اس کا یقین نہ کرتی تو وہ پھر وہ کہاں جاتی۔

"کیا ہوا ہے ایسا جو تم اتنی بے یقین ہو رہی ہو؟"

زویا نے اس کے ہاتھ پر اپنا سپید ہاتھ رکھتے دبایا۔ وہ ایک عام سی شکل صورت کی سانولی سی لڑکی تھی جس کی آنکھیں بہت چمکدار اور روشن تھیں لیکن وہ اس کے سانولے چہرے پہ کوئی خاص تاثر قائم کرنے میں ناکام تھیں۔

"میں اگر سب بتا دوں تو آپ میرا یقین کریں گی۔" عبیر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے آس سے پوچھا۔ زویا نے اثبات میں سر ہلایا۔ وہ بے تحاشا رو رہی تھی۔ وہ عبیر کو روتے ہوئے دیکھ کر اپنی جگہ اسی دروازے کے پاس ساکت ہو گیا تھا۔ وہ اپنے قدم آگے نہیں بڑھا پایا تھا۔

"معصوم سے چہرے پہ روئی روئی متورم آنکھیں یہ آنکھیں اس نے بار بار دیکھی تھیں۔ نجانے کتنی ہی بار خواب میں۔۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ جاتا کہ یہ آنکھیں آخر اسے خواب میں اتنا تنگ کیوں کرتی ہیں۔ اس کا ان آنکھوں کے ساتھ ایسا کیا تعلق ہے۔۔۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے جیسے اس تعلق کو سمجھنے کی کوشش کی۔

"تو کیا اس کا رب اس سے کوئی خاص کام لینا چاہتا ہے۔"

ساری کہانی سنانے کے بعد عبیر نے زویا کو دیکھا اور رو دی۔

"بابا نے مجھے گھر سے نکال دیا۔ انہوں نے میری بات کا یقین نہیں کیا۔ فارہ کا کیا، میرا کوئی یقین نہیں کرے گا اب۔" عبیر روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے نزدیک آیا تھا۔ اس نے عبیر کو دیکھا تھا۔

"عبیر! مجھے سب سچ سچ بتا دو لیکن اس سے پہلے تم اس بات کا یقین کر لو کہ اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ تمہارا یقین کوئی نہیں کرے گا تو میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں کہ میں تمہارا یقین کروں گا۔" زویا نے اس لمحے چونک کے اسے دیکھا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں۔ خدا کی قسم میں سچ کہہ رہی ہوں۔" وہ روتے روتے ایک بار پھر وہ سارا واقعہ دہرا گئی تھی۔۔۔ جب وہ خاموش ہوئی تو کتنی ہی دیر سے خاموش بیٹھے ہینڈسم نے اس کے سر پہ دوپٹہ اوڑھایا اور اسے تسلی دیتے ہوئے وہ چند الفاظ کہے جنہیں سن کے زویا جی جان سے لرز گئی تھی۔

"میں حذیفہ علی ولد ذوالفقار علی بقائمی ہوش و حواس اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ تمہارے ان آنسوؤں کی لاج رکھتے ہوئے میں ہمیشہ تمہارا یقین کروں گا اور تمہیں انصاف دلاؤں گا۔" یہ سن کر عبیر تو عبیر، زویا بھی چونک گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ مجھے یقین ہے کہ تم صرف اپنے باپ کی لاج اور عزت کے خیال سے خاموش تھیں۔ ورنہ تمہارا خون کھولتا تھا۔ میں جانتا ہوں۔ میں سب جانتا ہوں۔" حذیفہ علی کے لہجے میں کرب گھلنے لگا۔ اس کے ماضی کا عفریت اس کی ذات کو جکڑنے لگا۔۔۔ اور بہت کچھ پوری جزئیات کے ساتھ اس کی آنکھوں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا تھا۔ اس کا رواں رواں درد کی پکار بن گیا۔

وہ اپنا درد چھپانے باہر آیا۔ زویا بھی اسی کے قدموں پہ قدم رکھتی باہر اس کی جانب لپکی۔ اس نے جو روپ اس کا آج دیکھا تھا اس حذیفہ سے تو وہ ناواقف تھی

اور آخر ایسا بھی کیا ہوا تھا اس کی زندگی میں کہ اس نے زویا کو آج تک وہ راز نہیں بتایا تھا لیکن اس انجان لڑکی پہ لمحے بھر میں آشکار کر دیا تھا۔

"تم نے اس لڑکی کا یقین کیسے کر لیا ہینڈسم.... یہ بھی ہو تو سکتا ہے کہ وہ جھوٹ کہہ رہی ہو؟ وہ حیران تھی اور کم عقل بھی۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ سچ کہہ رہی ہے...." حذیفہ بولا تو لہجہ ٹوٹا بکھرا ہوا سا تھا۔

"تم اتنا یقین کیسے کر سکتے ہو کسی غیر پہ۔" زویا کی آواز بلند ہوئی۔

"اس لیے کیونکہ میرا یقین بھی کسی نے نہیں کیا تھا میں چچا جان سے کہتا رہا تھا کہ میں غاصب نہیں ہوں۔ میں نے گھر میں نقب نہیں لگائی لیکن میرا یقین کسی نے نہیں کیا.... میں اس لڑکی کا کیا.... میں ہر لڑکی اور لڑکے کا یقین کروں گا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بے یقینی کا دکھ کیا ہوتا ہے۔ اپنوں سے دوری کیا ہوتی ہے۔ چھ سال سے میں نے اپنی ماں کو نہیں دیکھا زویا....! میں نہیں جانتا وہ زندہ بھی ہیں کہ نہیں۔ میں صرف ان کی قسم اور حکم سے مجبور ہو کے یہاں تنہائی کی زندگی جی رہا ہوں۔ تم نہیں سمجھو گی زدیا.... تم نہیں سمجھو گی۔" وہ رو دیا تو زویا بھی رو دی۔

"اس رات میں بابا کے دوست کے گھر پہ گیا لیکن مجھے پتا چلا کہ ان کی تو ڈیتھ ہو چکی ہے اور ان کے بیٹے سب بیچ باچ کے باہر جا چکے ہیں۔ رات کے آخری پہر میں اسلام آباد کی ٹھنڈ میں سڑک پہ بے آسرا کھڑا تھا۔ میری جیب میں پیسے تھے لیکن کسی اپنے کی محبت کا ساتھ نہیں تھا۔ میں بھری دنیا میں اکیلا ہو گیا تھا۔ میری ماں نہیں چاہتی تھی کہ میری جان جائے۔ اسی لیے اس کے مجبور کرنے پہ میں گھر سے بھاگا تھا ورنہ میں اتنا کمزور اور کم ہمت نہیں تھا کہ اپنے حق اور سچائی کے لیے آواز بلند نہ کر سکتا.... اس ایک رات کی تنہائی اور خوف نے مجھے وہ سب اسباق پڑھائے جو میں شاید اس حویلی میں رہتا تو کبھی نہ سیکھ پاتا۔ میں جذباتی تھا۔ جو بھی منہ میں آتا تھا بول جایا کرتا تھا لیکن میں نے طے کیا کہ اگر مجھے زندگی میں کامیاب ہونا ہے تو پھر مجھے اس جذباتیت کو چھوڑنا ہو گا۔

اس رات اسلام آباد سے کراچی والی بس میں میں بلا سوچے سمجھے بیٹھا تھا۔ میں نے اپنا محاسبہ کرتے ہوئے قسمت کو اپنے پڑاؤ کا تعین کرنے دیا تھا۔ میں نے اس سارے راستے اپنے اندر سے پہلے والے جذباتی کم عقل حذیفہ کی ایک ایک بری عادت کو نوچ کے باہر نکالا تھا اور ہر ایک بات پہ خود سے عہد لیا تھا کہ ماضی کی کوئی غلطی نہیں دہراؤں گا۔

چھ سال کے بعد میں نے لاہور آفس کے لیے اپلائی اس لیے کیا کیونکہ اب میں بھی بھاگتے بھاگتے تھک چکا ہوں۔ میں اب سکون کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا ہوں.... میں اپنی ماں سے ملنا چاہتا ہوں۔ میں واپس اپنے گاؤں جانا چاہتا ہوں میں اپنے اوپر لگے اس لیبل کو مٹانا چاہتا ہوں۔ جو اس رات میرے گھر چھوڑنے پہ مجھ پہ لگایا جا چکا ہو گا۔

میں نیلم کو معاف کر دینا چاہتا ہوں لیکن اس سے بھی پہلے میں اپنا گھر بسانا چاہتا ہوں تاکہ میں جب یہاں واپس اپنی ماں کے ساتھ آؤں تو وہ مجھے ویسا ہی کامیاب اور خوش دیکھیں جس کے لیے انہوں نے اتنی صعوبتیں جھیلی ہیں۔"

"تم اتنے درد پالے ہوئے تھے اپنے اندر...." زویا اس کی کہانی سننے کے بعد اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"آئی ایم پراؤڈ آف یو حذیفہ!" اس نے روتے ہوئے اسے دیکھ کر کہا تھا جو خود بھی رو رہا تھا۔ ماضی کا درد ایک بار پھر اس کے لہجے سے ہوتا ہوا اس کے پورے وجود کو توڑ پھوڑ گیا تھا۔ اس کے چہرے کی کرچیاں ٹکڑوں میں بٹ چکی تھیں اور زویا جانتی تھی کہ اس چہرے پہ اتنی خراشیں شروع سے تھیں۔ بس حذیفہ انہیں چھپائے اس لیے رکھتا ہے کیونکہ وہ اپنا بھرم گنوانا نہیں چاہتا۔

☆ ☆ ☆

وہ پوری رات اور پورا دن یاسر نے اپنے گھر میں

ٹھولتے ہوئے گزارا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ فارہ اس کے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل بھی کھیل سکتی ہے... یہ سچ تھا کہ وہ اس کے سحر میں گرفتار ہوا تھا۔ یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ اسے اس سحر میں گرفتار کرنے والی فارہ ہی تھی لیکن عبیر اس سارے معاملے میں بے قصور بھی تھی اور انجان بھی۔

اس نے پہلے ہی دن سے عبیر کے لیے فارہ کے لہجے میں نظر آنے والی حقارت محسوس کرلی تھی۔ بعد ازاں وہ اس نفرت سے بھی واقف ہوگیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ فارہ عبیر کو سخت ناپسند کرتی ہے اور وہ جلد از جلد اسے اپنے گھر سے نکالنا چاہتی ہے۔ اسے حیرت کا جھٹکا لگا تھا جب اس نے فارہ سے کہا تھا کہ وہ شادی کے بعد عبیر کے ساتھ روز شام کو یہاں آیا کرے گا تاکہ پہلے کی طرح یہاں ان سب کے ساتھ وقت گزار سکے تو فارہ نے چونک کے قدرے نفرت سے کہا تھا' شاید وہ اس وقت اپنے لہجے کے کھردرے پن کو چھپانا بھول گئی تھی جب ہی تو اتنی بے دردی سے بولی تھی۔

"ہرگز نہیں... عبیر شادی کے بعد اس گھر میں قدم نہیں رکھے گی... میں پہلے ہی اسے اس گھر سے نکالنے کے درپے ہوں۔ اس لیے تو نہیں کہ شادی کے بعد بھی وہ میرے سر پہ منڈلاتی رہے... دیکھو۔" اس نے جوش جذبات میں اس کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"ایک احسان مجھ پہ کرنا' جب تک ہم کینیڈا نہ چلے جائیں۔ تم عبیر کو یہاں مت لانا۔ ہاں تم خود بے شک روز آیا کرنا' تمہارا اپنا گھر ہے یہ۔" اس نے آخر میں نرمی سے کہا تھا۔ تو کیا وہ گھر عبیر کا نہیں تھا؟

"آپ کو اتنی بری لگتی ہے کیا وہ؟" اس نے جانے کس جذبے کے تحت پوچھ لیا تھا۔ شاید اس ہمدردی کے تحت جو اسے عبیر کی خاموش بے ضرر ذات سے ہوگئی تھی۔

"بری..." فارہ نے حیرت سے دہرایا تھا۔ "میں نفرت کرتی ہوں اس سے... اتنی شدید کہ اگر تمہیں اندازہ ہوجائے تو تم سنتے سنتے بہرے ہوجاؤ اور اگر کبھی میں اس نفرت کا زہر اس زمین پہ انڈیلوں تو زمین کا سینہ شق ہوجائے... آسمان لرز جائے۔

یہ وہ لڑکی ہے جو میری زندگی کھا گئی۔ سلطان احمد کبھی مکمل میرا ہو ہی نہیں سکا صرف اس کی وجہ سے۔ یہ وہ لڑکی ہے جس کی وجہ سے میں ہمیشہ ہی شرمندہ ہوتی رہی ہوں۔

مجھے رونمائی میں سلطان احمد نے اپنی بدصورت بیٹی کا تحفہ دیا جس کے لیے نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے کھانا بنانا پڑتا اور سلطان احمد کو کھانے کے لیے اسے اپنے ہاتھوں سے کھلانا بھی پڑتا۔ سلطان احمد کو میری فکر نہیں تھی اس کی تھی... میں سلطان احمد کی زندگی میں اس لیے تو نہیں آئی تھی کہ مجھے اس بدصورتی کے ساتھ گزارہ کرنا پڑے... میں کبھی سلطان کے ساتھ کہیں باہر نہیں جاسکی کہ اگر گئی تو یہ منحوس ساتھ جائے گی۔ مجھے کبھی بھی اس نے یہ اعزاز کیوں نہیں لینے دیا کہ ہم دونوں دنیا کے خوب صورت ترین کپلز میں سے ایک ہیں؟ یہ ہمیشہ ہمارے درمیان رہی... جب ہم کسی فنکشن میں ساتھ جاتے تو جانتے ہو ابھی ہم ایک دوسرے کی تعریف سے صحیح طرح خوش بھی نہیں ہوتے تھے کہ لوگ عبیر کے متعلق سوال کرنے لگتے... میری خوب صورتی اس کی بدصورتی کے سامنے بے معنی ہوکے رہ جاتی۔ اس وقت مجھے اس سے اتنی نفرت محسوس ہوتی کہ میرا جی چاہتا کہ یا تو میں اس کے وجود کو زندہ جلادوں یا کہیں اسے کاٹ کے دور پھینک آؤں۔ آخر یہ لڑکی میری زندگی سے جاتی کیوں نہیں... پھر مجھے موقع مل گیا۔"

وہ مسکرا کے خاموش ہوئی تو یاسر چونکا۔

"کیسا موقع؟" لیکن وہ اتنی پاگل نہیں تھی کہ سب اگل دیتی۔ فارہ نے مسکرا کے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے تم مل گئے نا۔ میں جانتی ہوں کہ تم عبیر کے ساتھ شادی کرلوگے تو میری زندگی اچھی گزر سکتی ہے۔ میں اپنی باقی کی زندگی سلطان احمد کے ساتھ گزاروں گی جب ہمارے درمیان کوئی نہیں ہوگا۔ عبیر کی نحوست تو بالکل بھی نہیں۔" وہ مسکرا کے یاسر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بتا رہی تھی اور یاسر

اس کی جانب بس دیکھ کے رہ گیا تھا۔

اسے اس وقت فارہ سے ہمدردی سی ہوئی تھی اور عبیر سے کوفت۔ وہ عبیر کی سنگت میں اپنی زندگی کیسے گزارے گا۔ لیکن اب اس پہ سب واضح ہو گیا تھا۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ فارہ اپنی نفرت میں اتنی اندھی ہو چکی ہے کہ وہ عبیر کو اس حد تک پھنسا دے گی اور اندازہ تو اسے بھی نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ ایسا کرے گی اتنا گھناؤنا الزام۔ وہ اپنی ذات میں چاہے جتنا بھی برا سہی لیکن وہ عبیر کو اس طرح سے پھنسا کے خوش نہیں تھا اور شاید فارہ کی خوشی اسی میں تھی کہ عبیر سلطان کی نظروں میں جائے اور فارہ کو جان لینے کے بعد وہ یہ نہیں چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم نے آگے کا کیا سوچا ہے۔" اس روز وہ بہت دنوں کے بعد زویا کے گھر آیا تھا۔ عبیر کے سارے حالات جاننے کے بعد وہ دونوں اسی فیصلے پہ پہنچے تھے کہ عبیر فی الحال زویا کے ساتھ اسی کے اپارٹمنٹ میں رہے گی.... کیونکہ عبیر پہ واپسی کے دروازے بند ہو چکے تھے اور حذیفہ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ عبیر کے گھر والوں کو کچھ وقت دیا جائے تاکہ انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو جائے۔

عبیر نے آتے ہی سارا گھر سنبھال لیا تھا۔ وہ زویا کا خیال ایسے ہی رکھنے لگی تھی جیسے کوئی بھی اپنی بڑی بہن کا رکھتا ہو۔ وہ محبتوں کو ترسی ہوئی لڑکی تھی۔ جب یہاں اس نے اپنے ساتھ نرم اور محبت بھرا رویہ دیکھا تو کیسے نہ پگھلتی.... اسے وہ دونوں کسی فرشتے سے کم نہیں لگتے تھے۔ کم از کم یہ دونوں انسان اس کی زندگی میں ایسے تھے جنہوں نے کبھی اس کی کم صورتی کو نشانہ نہیں بنایا تھا۔ جن کے لیے عبیر کی ذات اہم تھی۔ اس کی شکل کی اہمیت نہیں تھی۔

عبیر' زویا کے لیے اس کے بن کہے ناشتہ تیار کر دیتی اور اس کے کپڑے بھی.... زویا اس کی ایک ایک بات پہ ممنون رہتی۔ وہ جب بھی اس کے لیے چائے بنا کے لاتی تو اس کا ایسے شکریہ ادا کرتی جیسے اس نے کوئی بہت بڑا کام کر دیا ہو۔ عبیر شرمندہ ہونے لگتی۔

"آپ نے مجھ پہ اعتبار کر کے جو مجھے پناہ دی ہے' اس کے لیے میں تو شکریہ بھی ڈھنگ سے ادا نہیں کر سکی زویا۔" وہ اس کے پاس وہیں بیٹھ جاتی۔

"تم بہت اچھی ہو عبیر۔" وہ اس کا سانولا سا ہاتھ تھام کے محبت سے کہتی' عبیر پھر رونے لگتی۔

"آپ دونوں بہت اچھے ہیں۔ اللہ آپ دونوں کو بہت خوش رکھے۔" عبیر اگلے ہی لمحے ان دونوں کو دائمی ساتھ کی دعائیں دینے لگتی۔

اس دن بہت دنوں کے بعد حذیفہ گھر آیا تھا لیکن زویا گھر پہ نہیں تھی' صرف عبیر تھی۔ پہلے اس نے واپس جانے کا سوچا لیکن اسی وقت اس نے زویا کو کال کی۔ وہ ساتھ والی آنٹی کے ساتھ مارکیٹ گئی تھی۔ ان آنٹی کو اپنی بیٹی کی سالگرہ کے لیے کیک لینا تھا اور زویا اپنی عادت کی وجہ سے سب کی ہی پسندیدہ بن چکی تھی۔ ساتھ والی آنٹی کو کبھی کوئی کام ہوتا تو وہ اس سے کہہ دیا کرتیں.... اس وقت بھی وہ اپنے گھر کے سودا سلف کے لیے جا رہی تھی کہ ساتھ والی آنٹی کو بھی لے گئی۔ وہ بس راستے میں تھی اسی لیے حذیفہ وہیں پہ ٹک گیا تھا۔

عبیر کو اندازہ تھا کہ وہ سیدھا آفس سے واپس آ رہا ہے۔ اسی لیے وہ جلدی سے اس کے لیے چائے بنا لائی تھی۔ حذیفہ جو صوفے پہ آنکھیں موندے نیم دراز تھا۔ آہٹ پہ چونکا اور سیدھا ہو بیٹھا۔

"چائے!" عبیر نے ساسر میں سجا کپ اس کے سامنے کیا۔ اس نے کچھ حیران ہوتے شکریہ کے ساتھ کپ تھام لیا۔

"بہت شکریہ' بہت دل چاہ رہا تھا اچھی چائے پینے کو۔" اس نے برسبیل تذکرہ چائے پیتے بات چیت کا آغاز کیا۔ عبیر پھیکے سے انداز میں مسکرا دی۔

"بابا کو بھی آفس سے آتے ہی چائے چاہیے ہوتی تھی۔" عبیر نے قدرے اداس ہوتے ہوئے کہا۔

"ضرور ہوتی ہو گی۔ تم چائے بناتی بھی تو بہت اچھی ہو۔" وہ مسکرایا لیکن عبیر مسکرا نہیں سکی۔

"بابا کے لیے چائے فارہ باجی بنایا کرتی تھیں میں

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

[illegible] حذیفہ کو دکھ ہوا۔ اس نے خوامخواہ ہی اسے اداس کر دیا تھا۔

"تم نے آگے کا کیا سوچا ہے... میرا مطلب ہے کہ اچھی خاصی پڑھی لکھی ہو۔ کہیں جاب کر لو۔" حذیفہ نے عبیر کے دل کی بات کر دی تھی۔ وہ تو خود ان لوگوں پہ بوجھ نہیں بننا چاہتی تھی۔

"میں جاب کیسے کر سکتی ہوں۔ میرے سارے ڈاکومنٹس تو بابا کے گھر پر ہیں۔"

"دیکھو' یہ مت سمجھنا کہ تم ہم پہ بوجھ ہو۔ میں صرف یہ سب تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ تم ساری زندگی ایسے ہی تو نہیں گزار سکتیں اور پھر جو الزام تم پہ لگا ہے کیا تم نہیں چاہتیں کہ تم سچائی سب کے سامنے لے کے آؤ۔"

"میں خود بھی یہی چاہتی ہوں لیکن شاید میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہ ہو۔" عبیر کے لہجے کی مایوسی نے حذیفہ کو حیران کیا تھا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگتا ہے عبیر؟" اس نے پوچھ لیا۔

"فارہ باجی اتنی چالاک ہیں کہ وہ کبھی بابا کو سچ تک پہنچنے ہی نہیں دیں گی۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہے اگر تم ایسے ہمت ہار جاؤ گی تو... دیکھو عبیر! ایک بات یاد رکھنا سچائی کبھی چھپتی ہے نہ ہی اسے کبھی کوئی چھپا سکا ہے اور تم ہمت ہار دو گی تو پھر۔" اس نے توقف کرتے ہی اگلی بات کہنے کے لیے خود کو تیار کیا۔

"تو پھر آپ ہی بتائیں کہ میں کیا کروں؟"

"تمہیں واپس اپنے بابا کے گھر جانا چاہیے۔ انہیں جا کے سچ بتانا چاہیے۔ تمہیں فارہ کی اصلیت اپنے بابا کے سامنے لانا چاہیے۔"

"بابا کبھی میرا یقین نہیں کریں گے اور اب اتنے دن تک گھر سے باہر رہنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔" وہ مایوس تھی اور کچھ غلط بھی نہیں تھی۔

"تم اپنی مرضی سے نہیں گئی تھیں۔ تمہیں انہوں نے خود نکالا تھا۔" حذیفہ جذباتی ہوا جو وہ اکثر ہی ہو جاتا تھا۔

[illegible] لیکن وہ واقعہ اتنا معمولی نہیں کہ میں اس طرح سے واپس چلی جاؤں... میں نہیں کر پاؤں گی یہ سب۔" وہ کہتے کہتے رو دی۔ حذیفہ نے اس کی آنکھوں کو بے بسی سے دیکھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" حذیفہ نے بلا سوچے سمجھے اچانک ہی کہا۔ عبیر نے بے ساختہ چونک کے اسے دیکھا۔

کچھ دیر بعد زویا آئی تو اس کے ہاتھوں میں ڈھیر سارا سامان تھا' ساتھ ہی کھانا بھی۔

"میں جانتی تھی کہ تم آئے ہوئے ہو۔ اس لیے میں نے تمہاری پسند کا کھانا بھی لے لیا۔ اس لیے اب تم کھانا کھائے بغیر کہیں نہیں جا سکتے۔" زویا اس کے سامنے آ کے بیٹھی اور محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھ کے بولی۔

"تم آج کل میرا کچھ زیادہ خیال نہیں رکھنے لگ گئیں؟" اس نے تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ زویا مزے سے ہنسی۔

"مجھے خود بھی محسوس ہو رہا تھا جیسے میں کچھ "ماں جی منیجمنٹ"... سنتے ہو جی" جیسی ہو رہی ہوں' شاید میں ابھی سے تمہیں اپنے شوہر کے روپ میں دیکھ رہی ہوں اور خود مکمل بیوی بن چکی ہوں۔" زویا نے اس کی بات کی تردید نہیں کی تھی بلکہ اعتراف کیا تھا۔ حذیفہ کو اس کی یہی بات تو اچھی لگتی تھی۔ اس کے دل میں جو بھی ہوتا تھا وہ کھل کے اظہار کیا کرتی تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ شادی کے بعد میرا اللہ ہی حافظ ہے۔" حذیفہ نے اس کی جانب مسکرا کے بظاہر بے چارگی سے کہا۔

"سوچ لو... میں تو ایسی ہی ہوں۔" زویا نے گردن اکڑا کے قدرے تفاخر سے کہا۔

"کھانا لگ گیا ہے۔ آپ لوگ آ جائیں پلیز۔" کچھ دیر بعد عبیر نے آ کے بتایا۔

"ارے' تم پھر سے کام کرنے لگیں۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ جا کے اپنے کمرے میں آرام کرو۔ میں کھانا لگا لوں گی۔" زویا اگلے ہی لمحے عبیر کے سر پہ کھڑی تھی۔

"دیکھ رہے ہو حذیفہ! عبیر بہت تنگ کرنے لگی ہے۔ اس کے سر میں درد تھا۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ یہ کسی کام کو ہاتھ نہیں لگائے گی لیکن پھر بھی۔ یہ میری ایک نہیں سنتی۔"

زویا نے حذیفہ کی جانب دیکھ کے کہا تو عبیر شرمندہ ہوگئی۔ بھلا اس نے کیا کیا تھا۔ صرف کھانا گرم کرکے میز ہی تو سجائی تھی اور وہ ایسی پیارے دل کی لڑکی اتنی سی بات پہ بھی ناراض ہو رہی تھی۔

"ہاں' عبیر نے تو مجھے چائے بھی بنا کے پلائی ہے۔ اگر مجھے پتا ہوتا کہ اس کے سر میں درد ہے تو میں کبھی نہیں کہتا۔" حذیفہ نے زویا کی بات کے جواب میں کہا تو زویا نے عبیر کو سرزنش کرتی نگاہوں سے دیکھا۔

"کتنی غلط بات ہے عبیر... تم اپنا بالکل بھی خیال نہیں رکھتیں... چلو آؤ۔ پہلے کھانا کھالو۔ اس کے بعد میں تمہیں چائے بنا کے دوں گی۔ وہ پیتے ہی سو جانا۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کے ڈائننگ روم کی جانب جاتے ہوئے بولی۔

"میں ٹھیک ہوں زویا... آپ تو ایسے۔ کہہ رہی ہیں جیسے میں بہت بیمار ہوں۔" عبیر کی اتنی فکر پہلی بار ہو رہی تھی اس لیے اسے اچھا بھی لگتا تھا لیکن حیرت بھی ہوا کرتی تھی۔ تینوں نے ساتھ مل کے کھانا کھایا کھانے کے بعد زویا نے زبردستی عبیر کو سونے کے لیے بھیج دیا تھا اور خود حذیفہ کے لیے کافی بنا کے لائی۔ وہ اس روز کافی دیر تک اس کے ساتھ رہا تھا۔ انہوں نے عبیر کے حوالے سے کافی کچھ منصوبے بنائے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ چھت پہ نگاہ جمائے نجانے کس سوچ میں گم تھے۔ فارہ کو اب بلاوجہ ہی غصہ آنے لگتا تھا یا تو سلطان سارا دن گھر سے باہر گزارتے یا پھر گھر لوٹتے تو اپنے کمرے میں خاموش پڑے رہتے... عبیر کے جانے کے بعد وہ دن رات پچھتاوے کی آگ میں جھلس کے گزار رہے تھے... جو بھی تھا' وہ اس طرح سے اپنی بیٹی کو گھر سے نہیں نکالنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تو عبیر کو کچھ کہنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا اور فارہ کا رویہ بھی اب ان کی سمجھ سے باہر تھا۔

"ہم کب جائیں گے کینیڈا؟" فارہ اچانک ہی تیکھے تیوروں کے ساتھ ان کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی اس کا لہجہ پہلے سے کافی کھردرا ہو گیا تھا اور بے زار بھی۔ سلطان نے اسے افسوس سے دیکھا۔ وہ اتنے پریشان تھے اور اسے باہر جانے کی سوجھ رہی تھی۔

"میں کہیں نہیں جا رہا۔"

"کیوں... کیوں نہیں جا رہے۔ جو اتنا پیسہ لگایا ہے وہ... اور گھر بھی آپ بیچ چکے ہیں۔ جلد ہی یہ گھر بھی خالی کرنا ہوگا۔ آخر کب تک سوگ میں ڈوبے رہیں گے۔" فارہ نے آج ان سے بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسی لیے دوٹوک انداز اپنائے ان کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔ عبیر کو گئے ایک ماہ سے زائد ہو گیا تھا۔

"تم دیکھ نہیں رہیں۔ میری بیٹی نہیں مل رہی۔"

"تو وہ کیوں ملنے لگی اب... آپ نے خود نکالا تھا اسے... چلی گئی ہوگی اپنے کسی ہوتے سوتے کے ساتھ۔ جس نے باپ کی عزت کی لاج نہیں رکھی۔ وہ بھلا کیوں واپس آنے لگی۔ اور ویسے بھی بجائے اس منحوس کے جانے کا شکر ادا کرنے کے آپ الٹا بستر سے جا لگے ہیں' حد ہے۔"

سلطان کم گو تو پہلے ہی تھے لیکن اب تو بالکل خاموش رہنے لگے تھے' اس لیے فارہ کو بے حد غصہ آنے لگا تھا۔ یہ کوئی نئی باتیں نہیں تھی۔ معمول کے مطابق روز کی جانے والی بات تھی۔ سلطان احمد اس کی باتوں کا کبھی جواب دیتے بھی نہیں... لیکن فارہ مطلوبہ نتائج نہ ملنے کی وجہ سے اور بھی چڑچڑی ہو گئی تھی۔

"تمہاری ان ہی باتوں کی وجہ سے وہ گھر چھوڑ گئی۔ تم نے نکالا ہے اسے۔" سلطان احمد گرجے۔

"اوہ ہیلو... میں نے نہیں' آپ نے اسے گھر سے نکالا ہے۔ اس کے عاشق کو کمرے سے نکلتا دیکھ کے...

مجھے نکالنا ہوتا تو کب کا نکال چکی ہوتی بلکہ دن رات اس کے لاڈ اٹھا کے اسے اتنا سر پہ نہ چڑھاتی۔۔۔ ہونہہ سارے الزام اب مجھ پہ لگا کے خود بری الذمہ ہونا چاہتے ہیں۔"

وہ فارہ سلطان تھی جو کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی اور ویسے بھی عبیر کو گھر سے نکال کے اس کے مسئلوں میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ اسے خود پہ بھی تاؤ آنے لگتا۔ کاش وہ عبیر کو گھر سے نہ جانے دیتی۔ رات کی سیاہی میں بات ختم ہو جاتی۔ دوسرے دن وہ یاسر کے ساتھ چپکے سے اس کا نکاح پڑھا کے رخصت کر کے آسانی سے سلطان کو کینیڈا لے جا سکتی تھی۔ بس جانے اس وقت اسے عقل کیوں نہیں آئی۔ اپنی جیت کا نشہ۔ اتنا سر چڑھ کے بول رہا تھا کہ اسے کچھ بجھائی ہی نہیں دیا تھا۔

"مکان کب تک خالی کرنا ہو گا؟"

فارہ اب کی بار قدرے دھیمے لہجے میں بولی تھی۔ سلطان احمد سر تھامے بیٹھے تھے۔ پورے محلے میں اب یہ بات پھیل چکی تھی کہ سلطان احمد کی بیٹی گھر چھوڑ کے چلی گئی ہے۔ کوئی کہتا کہ سوتیلی ماں کے ظلم کی وجہ سے گئی۔ کوئی کہتا کہ معشوق کے ساتھ۔۔۔ طرح طرح کی باتیں تھیں جو سلطان احمد کو دن رات پچھتاوے میں جھونک رہی تھیں۔۔۔ ان کا دل یہ ماننے سے انکاری تھا کہ عبیر ایسا کوئی قدم اٹھا سکتی ہے لیکن جو کچھ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ وہ اسے بھی جھٹلا نہیں پا رہے تھے۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے آپ سے۔۔۔ کب جانا ہے یہاں سے ہمیں؟" فارہ نے بات کا انداز بدل کے وہی سوال دوبارہ پوچھا۔

"میں نے ابھی کچھ نہیں سوچا۔" فارہ یہ جواب سن کے ان کے پاس آ بیٹھی۔

"سلطان۔۔۔ دیکھو میری بات پہ غصہ مت کرو۔ تم دیکھ تو رہے ہو عبیر نے جو حرکت کی اس کے بعد اب ہم اس محلے میں کسی کو منہ دکھانے لائق نہیں رہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ تمہارے دوست کے پاس چلتے ہیں۔

شاید جو کالک ہمارے منہ پہ ہماری بیٹی مل چکی ہے۔ اسی طرح اتاری جا سکے۔" سلطان احمد نے سر اٹھا کے فارہ کی جانب رخ کیا۔ اس کی بات میں وزن تھا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو لیکن میرا دل نہیں مانتا کہ عبیر ایسا کر سکتی ہے۔ کاش میں اس وقت غصے میں نہ آتا۔ میں نے تو اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا۔"

سلطان احمد کی اس بات پہ فارہ نے پہلو بدلا۔

"لیکن جو کچھ سکینہ بوا کہتی پھر رہی ہیں وہ۔۔۔ کیا وہ سب بھی غلط ہے اور میں تو اسی لیے رو کتی رہ گئی آپ کو۔ لیکن آپ بھی تو میری بات کم ہی سنتے ہیں غصے میں۔" فارہ نے منہ بنا کے جتلایا لیکن سلطان متوجہ نہیں تھے۔ برا وقت گزر گیا تھا اب وہ اس کی کسی ادا کو غور سے نہیں دیکھا کرتے تھے۔ نثار ہونا تو دور کی بات۔

"میں کچھ دیر کے لیے گھر سے باہر جا رہا ہوں۔ شام تک واپس آجاؤں گا۔" سلطان احمد فوراً" ہی کہتے ہوئے اٹھے۔۔۔ ان کے انداز میں عجیب وحشت اور تیزی سی تھی۔ فارہ نے چاہا کہ وہ انہیں روک لے لیکن پھر کچھ سوچ کے خاموش ہو گئی۔ یہ تو سلطان احمد کا عبیر کے جانے کے بعد سے معمول بن گیا تھا۔۔۔ وہ بیٹھے بیٹھے کھو جاتے یا یوں ہی اٹھ کے گھر سے باہر نکل جاتے۔

فارہ نے گہری سانس بھری اور ان کے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب انہیں روکنا یا کچھ سمجھانا محال تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا سوچ رہی ہو؟ زوبیا نے عبیر کو کھوئے کھوئے دیکھا تو اس کے پاس آ بیٹھی۔

"میری ایک ہمسائی لڑکی دوست ہے۔۔۔ میں اسے کال کر لوں؟" عبیر نے جھجکتے ہوئے کہا تو زوبیا ہنسی۔

"ارے اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔ تم بات کرو۔ میں تب تک جا کے تھوڑا سا کام کر لوں۔" یہ کہہ کے وہ اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ عبیر چند لمحے

سوچتی رہی کہ وہ رکزی سے کیا بات کرے یا اگر اس نے بھی اس سے بات نہ کی تو پھر۔

بہت دیر بعد اس نے خود کو اسے کال کرنے کے لیے تیار کیا۔ نمبر انجان ہونے کے باوجود بھی رکزی نے اس کی کال ریسیو کرلی تھی۔

"رکزی۔۔۔ میں عبیر بات کررہی ہوں۔" دوسری جانب رکزی اس کی آواز سن کے ہی اچھل پڑی تھی۔

"کہاں ہو تم عبیر۔۔۔ تم نے تو مجھے پریشان کرکے رکھ دیا ہے۔ کہاں چلی گئی ہو تم؟" رکزی نے اسے کسی بھی بات کوئی الزام دیا تھا نہ ہی اسے برا بھلا کہا تھا۔ اس کے لہجے میں اس کے لیے ویسی ہی محبت تھی جیسے پہلے ہوا کرتی تھی۔ عبیر کی آنکھیں چھلکیں۔

"گھر سے نکالی ہوئی لڑکی کیسی ہوسکتی ہے۔ جانتی ہو رکزی! بابا نے مجھے خود گھر سے نکالا۔ انہوں نے میری ایک بھی بات نہیں سنی۔" عبیر ٹوٹے بکھرے لہجے میں بولی تو رکزی نے افسوس سے آنکھیں بند کیں۔ وہ اسی وقت سے تو ڈرتی تھی۔

"میں جانتی ہوں' یہ سب فارہ کا کیا دھرا ہے۔ میں اسی لیے تمہیں خبردار کیا کرتی تھی۔ اب خود دیکھو' کس حال کو پہنچ گئی ہو۔" رکزی کے لہجے میں ہمیشہ کی طرح فکر مندی تھی۔ عبیر روتے ہوئے اسے ساری بات بتاگئی تھی۔ جو کچھ اس دن ہوا اور کس طرح وہ گھر سے نکالی گئی۔ کیسے وہ حذیفہ کی گاڑی کے سامنے آئی اور کس طرح سے زوبیا اور حذیفہ نے اسے اپنے گھر میں رکھا۔ کیسے پناہ دی۔

"دنیا میں اچھے لوگوں کی کمی نہیں ہے۔ شکر ہے کہ تم محفوظ لوگوں میں ہو ورنہ شاید میں خود کو کبھی معاف نہ کرپاتی۔ مجھے اتنی شرمندگی ہوتی تھی یہ سوچ کے کہ جب تمہیں میری ضرورت پڑی اس وقت میں گھر پہ نہیں تھی۔" رکزی نے کہا تو عبیر کو وہ وقت یاد آیا جب وہ اس رات اس کے گھر پہ تالا لگا دیکھ کے مایوسی کا شکار ہوئی تھی۔

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ ابھی کہاں ہو۔۔۔ میں تم سے ابھی ملنے کے لیے آرہی ہوں۔۔۔" رکزی نے اگلے ہی لمحے کہا تھا۔ وہ اب مزید دیر نہیں کرسکتی تھی۔ عبیر۔۔۔ اسے ایڈریس بتانے لگی۔

☼ ☼ ☼

"دیکھ۔۔۔ پھر سوچ لے تو بدلے کی آگ میں اندھا ہو رہا ہے۔" تابش نے یاسر کو دیکھ کے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کے کیا ہے۔۔۔ یہ حسن والے سمجھتے کیا ہیں کہ ہم جیسے لوگوں کو جیسے جی چاہے گا روند دیں گے۔۔۔" یاسر بولا تو اس کے لہجے میں آگ کی لپٹیں تھیں۔۔۔ اپنے ہاتھ میں تھامی وہ شیشے کی بوتل میں ڈالا محلول ہلا رہا تھا۔

"تجھے جیل ہوسکتی ہے۔ تجھے کیا لگتا ہے' سلطان احمد تجھے چھوڑ دے گا؟" تابش نے ڈرانا چاہا لیکن یاسر سوچنے سمجھنے کی ہر حد پار کرچکا تھا۔ وہ بدلے کی آگ میں جھلس رہا تھا۔ وہاں عقل و دانائی کی کوئی بات بھی اثر نہیں کرنے والی تھی۔

"مجھے اب اپنی کوئی فکر نہیں ہے۔ میرے ساتھ جو بھی ہو لیکن ایک بار میں اپنی بے عزتی کا بدلہ ضرور لوں گا۔" اور تابش جانتا تھا جو ایک بار وہ ٹھان لیتا اسے پورا کرکے ہی رہتا ہے اسے سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"تو ساتھ چل رہا ہے یا نہیں۔؟" یاسر نے اسے سوچوں میں گم بیٹھے دیکھا تو پوچھا۔ اگلے ہی لمحے وہ دونوں بائیک پہ بیٹھے سلطان احمد کے گھر کی جانب جا رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

"انکل! کہیں جارہے ہیں کیا؟" سلطان احمد جو اپنی سوچوں میں گم صم گلی میں سر جھکائے چل رہے تھے۔ رکزی کے بھاگ کے سامنے آنے پہ ایک دم چونکے۔ انہیں۔۔۔ اپنی آنکھیں یکلخت ہی سلگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

"ہاں۔۔۔ تمہیں کوئی کام تھا؟" جب سے عبیر گئی

تھی یوں سارے محلے نے ان سے طرح طرح کے سوالات کیے تھے لیکن اگر نہیں کیے تھے تو ان ماں بیٹی نے ان سے کوئی بات کی تھی نہ ہی کوئی طنز۔

"جی..... مجھے بہت سی باتیں کرنا ہیں آپ سے....." رکزی نے ایک دم ہی مضبوط لہجے میں کہا۔

"اگر تم عبیرہ کے حوالے سے کوئی بات کرنا چاہتی ہو تو....." لیکن رکزی نے ان کی بات فوراً" کاٹ دی تھی۔

"مجھے آپ کے ساتھ کہیں جانا ہے اور ابھی جانا ہے۔ پلیز انکل! انکار مت کریں مجھے کوئی چھوڑنے والا نہیں۔ پلیز۔" رکزی نے کچھ ایسی لجاجت سے کہا کہ وہ انکار نہیں کرسکے۔

"میں بائیک لے آؤں ذرا۔" یہ کہہ کے وہ اندر گھر کی جانب بڑھ گئے۔ فارہ نے انہیں واپس آتے دیکھا تھا لیکن پوچھا کچھ نہیں تھا۔ سلطان جن قدموں پہ آئے تھے ان ہی پہ بائیک نکال کے چلے گئے تھے۔ گھر کا دروازہ ویسے ہی کھلا رہ گیا تھا۔ فارہ اپنے کمرے میں چائے کا کپ بنا کے لے گئی تھی۔ اس نے بھی دھیان نہیں دیا کہ گھر کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس کا پسندیدہ ڈرامہ آنے والا تھا۔ وہ ٹی وی دیکھنے میں مگن تھی۔

"انکل!" رکزی نے انہیں آتے دیکھا تو مسکرائی۔ سلطان احمد نے بھی اسے مسکرا کے دیکھا۔ نجانے آج انہیں عبیرہ کی اتنی یاد کیوں آرہی تھی۔

"انکل! آپ جانتے ہیں ہم کہاں جارہے ہیں؟" رکزی نے بائیک پہ بیٹھتے ہی ان سے سوال کیا۔ پھر خود ہی بولی۔

"میں اپنی ایک دوست کے گھر جارہی ہوں..... وہ میری بہت ہی پیاری دوست ہے۔ اتنی کہ آپ کو اگر اندازہ ہوتا تو آپ حیران رہ جائیں۔" رکزی نے بچکانہ انداز میں بتانا شروع کیا۔ سلطان احمد خاموشی سے بائیک چلاتے رہے۔ بھلا انہیں رکزی کی کسی دوست میں کیا دلچسپی ہوسکتی تھی۔

"آپ بھی میرے ساتھ اندر چلیں انکل..... میری سہیلی سے تو مل لیں..... آپ کو اچھا لگے گا....." وہاں پہنچنے پہ رکزی نے بائیک رکتے ہی کہا تھا۔

"لیکن بیٹا! میں کیا کروں گا ان سے مل کر..... میں چلتا ہوں..... مجھے دیر ہورہی ہے۔" یہ کہہ کے وہ جانے لگے لیکن رکزی بضد ہوگئی۔

"نہیں پلیز..... ایک بار مل تو لیں۔ اب وہ لوگ کیا سوچیں گے..... پلیز سلطان انکل! ایسے اچھا تو نہیں لگے گا ناں۔ بس پانچ منٹ سلام کر کے واپس چلے جائیے گا....." رکزی ان کا بازو زبردستی تھامے اطلاعی گھنٹی بجا چکی تھی۔ سلطان احمد اپنے ہوش و حواس میں ہوتے تو انہیں اندازہ ہوتا کہ رکزی آج ان کے ساتھ اچھی خاصی بے تکلفی کا مظاہرہ کررہی ہے۔ دروازہ زویا نے کھولا تھا۔ سلطان احمد نے رکزی سے بے ساختہ اپنا بازو چھڑایا جبکہ رکزی مزے سے اس کے ساتھ مصافحہ میں مگن تھی۔

زویا انہیں اندر لے گئی۔

سلطان احمد جانے کے لیے پر تولنے لگے تھے۔ انہوں نے رکزی سے جانے کو کہا بھی لیکن وہ دو منٹ کا کہہ کے جلدی سے سامنے والے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"بہت سے حقائق سے پردہ اٹھنے کا وقت آگیا ہے۔ سلطان انکل! بہتر ہے کہ ابھی جلدی مت کریں۔" یہ کہہ کے وہ انہیں الجھا کے اندر بڑھ گئی تھی۔ سلطان احمد اس کی باتوں پہ غور کرتے رہ گئے تھے۔

"بابا!" کچھ ہی دیر گزری تھی کہ ان کی سماعتوں سے عبیرہ کی آواز ٹکرائی تھی وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

"عبیرہ.....!" وہ بے ساختہ آگے بڑھنے لگے تھے کہ انہیں عبیرہ کی حرکت یاد آئی اور ان کے قدم بے ساختہ اپنی جگہ پہ جمے۔

"اپنی بے قصور بیٹی سے مل لیں سلطان انکل..... کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ایک بار پھر زیادتی کرجائیں۔" رکزی نے سلطان احمد کی جانب دیکھ کے کہا۔

"اس نے مجھے کہیں منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا۔" سلطان احمد کی آواز میں کرب تھا۔

"آپ کو فارہ نے منہ دکھانے لائق نہیں چھوڑا۔۔۔ یہ بے چاری تو آپ کے سکون اور خوشی کے لیے ہمیشہ سب برداشت کرتی رہی۔۔۔ اور آپ نے بھی ہمیشہ فارہ کی نظر سے دیکھا' کبھی نہیں سوچا کہ ہیشہ عبیر غلط کیسے ہو سکتی ہے۔ آپ نے اسے اکیلا کر دیا۔ آپ کو تو کبھی احساس ہی نہیں ہو سکا کہ فارہ' عبیر سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ اسے اپنے گھر سے نکالنے کے درپے رہتی ہے۔ آنکھیں کھولیں سلطان انکل۔۔۔ اس رات یاسر' عبیر سے ملنے نہیں بلکہ فارہ سے ملنے آیا تھا۔۔۔ اور یہ بات میں خود ثابت کر سکتی ہوں۔"

رکزی نے جو کہنا شروع کیا تو سب بتاتی چلی گئی۔ جیسے جیسے ساری حقیقت سلطان احمد پہ کھلنے لگی۔ ان کی حالت غیر ہوتی چلی گئی۔

"بابا۔۔۔" رکزی کے کہنے پہ عبیر نے ایک بار پھر اپنے بابا کی طرف قدم بڑھائے۔ سلطان احمد نے اس بار اسے گلے لگا کے جو رونا شروع کیا تو نجانے کتنی ہی دیر روتے رہے۔

"مجھے معاف کر دو عبیر۔۔۔ اپنے بابا کو معاف کر دو میں جانتا ہوں' یہ سب میری غفلت کی وجہ سے ہوا اور میرا یقین کرو' میرا دل کبھی اس بات کا یقین نہیں کر سکا کہ تم ایسا کر سکتی ہو۔" سلطان احمد روتے ہوئے عبیر کو چوم رہے تھے۔ زویا اور رکزی نے باپ بیٹی کے ملن کو ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا تھا۔

"تمہارا بہت شکریہ بیٹی! کہ تم نے میری بیٹی کا اتنا خیال رکھا۔" کچھ دیر سنبھلنے کے بعد سلطان احمد زویا سے بولے۔

"شکریہ میرا نہیں حذیفہ کا ادا کریں کیونکہ میں نے اسی سے لوگوں کی خاطر جینا سیکھا ہے۔" زویا بولی تو اس کا لہجہ نم تھا۔

"میرے ساتھ چلو عبیر۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں' اپنی بیٹی کو اب کبھی کسی دکھ کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔" سلطان احمد نے عبیر کا ہاتھ چومتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"نہیں بابا۔۔۔ میں یہاں بہت خوش ہوں۔۔۔ زویا جی اور حذیفہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔ میں اب وہ گھر چھوڑ آئی ہوں۔۔۔ میں نے ہمیشہ کباب میں ہڈی کی طرح اپنے وجود سے آپ کی زندگی میں دراڑ ڈالے رکھی۔" عبیر کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ روئے جا رہی تھی۔

"کیسی باتیں کرتی ہو۔۔۔ تم بیٹی ہو میری' وہ تمہارا گھر ہے اور تمہیں لگتا ہے کہ اب فارہ کا میرے دل میں وہ مقام باقی رہ گیا ہے جو پہلے تھا۔ جو سب اس نے میرے ساتھ کیا' تمہیں کیا لگتا ہے؟ کیا میں اسے معاف کر دوں گا؟"

سلطان احمد نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ کاش کہ وہ اپنی آنکھیں ہمیشہ کھلی رکھتے۔

"آپ انہیں معاف کر دیں بابا۔۔۔ میں واقعی میں یہاں بہت خوش ہوں۔" عبیر کا لہجہ بے لچک تھا۔

"فارہ باجی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں بابا۔۔۔ وہ آپ کے اور اپنے درمیان کسی تیسرے فرد کا وجود بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ میں اتنی اعلا ظرف نہیں ہوں بابا کہ اب فارہ باجی کو معاف کر کے ان کے ساتھ اسی گھر میں رہوں اور پھر جو کچھ میرے آنے کے بعد وہاں ہو چکا ہو گا۔ میں سہ نہیں پاؤں گی۔ پلیز بابا! آپ واپس چلے جائیں پلیز۔" عبیر نے روتے ہوئے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تو کیا کرو گی یہاں۔۔۔ کب تک ان لوگوں پہ بوجھ بنی رہو گی؟" سلطان احمد نے تڑپ کے کہا' کیسا مقام بے بسی تھا۔ کہ ان کی بیٹی اب اپنے ہی گھر جانے سے انکاری تھی' صرف ان کے سکون اور خوشیوں کے لیے۔۔۔ وہ کتنی اچھی بیٹی تھی اور وہ کتنے برے باپ تھے جو فارہ کی آنکھوں سے ہی دیکھتے رہے۔ جو اس نے بتایا انہوں نے اسی پہ یقین کیا۔ جو اس نے دکھانا چاہا بس وہی دیکھا۔ اپنی سمجھ بوجھ' اپنی عقل' اپنی بصارت کا کبھی استعمال ہی نہیں کیا۔

"یہ لوگ میرے اپنے ہیں بابا۔۔۔ ان لوگوں نے مجھے اس وقت سہارا دیا جس وقت آپ نے مجھے گھر

سے نکالا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے محبت دی۔ بہت عزت بھی دی۔۔۔ میں اب یہاں سے جانا نہیں چاہتی۔ آپ مجھ سے ملنے آتے رہیے گا۔"

یہ کہہ کے وہ اٹھ گئی سلطان احمد نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے مضبوط انداز میں قدم اٹھا کے جاتے دیکھا۔ ان کی بیٹی کتنی سمجھ دار تھی۔ انہیں کبھی اندازہ ہی نہیں ہوا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں انکل۔ عبیرہ کو وہ سب بھولنے میں کچھ وقت تو لگے گا ہی۔" زویا نے عبیرہ کے جانے کے بعد سلطان احمد سے کہا۔

"اسے واقعی میں یقین نہیں کرنا چاہیے اب میرا۔ میں نے اسے دیا ہی کیا ہے۔۔۔ میں تو فارہ کو اپنے گھر لا کے اس کے وجود سے بالکل ہی غافل ہو گیا۔"

سلطان احمد کی آنکھوں کے سامنے اپنی تمام کوتاہیاں تھیں۔۔۔ وہ تو خود کھڑے قد سے گرے تھے۔ جان سے عزیز بیوی پہ اندھا اعتبار کرنے کا انہیں یہ صلہ ملا تھا کہ وہ اب اپنی اولاد سے ہی شرمندہ ہو رہے تھے۔ انہیں اب احساس ہو رہا تھا کہ وہ بلا سوچے سمجھے صرف فارہ کے کہنے میں آ کر عبیرہ کے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کرنے جا رہے تھے۔ بھلا یاسر ان کی بیٹی کے لائق تھا؟

"میں واقعی میں اس قابل ہوں کہ مجھے معاف نہ کیا جائے۔" سلطان احمد یہ کہہ کے وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ رکزی بھی ان ہی کے ساتھ اٹھی تھی۔ زویا انہیں دروازے تک چھوڑنے کے لیے آئی۔

"سلطان انکل۔۔۔!" وہ زویا کے پکارنے پہ مڑے۔

"عبیرہ اچھی لڑکی ہے' دل کی بہت صاف ہے۔ اس سے بدگمان ہو کے مت جائیں۔۔۔ میں خود اسے آپ کے پاس چھوڑنے کے لیے آؤں گی۔" سلطان احمد تو اس بات پہ مسکرا بھی نہیں سکے۔ واپسی کا راستہ انہوں نے جیسے تیسے طے کیا۔ ان کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں۔

"تمہارا بہت شکریہ رکزی۔۔۔ تم نے آج میری آنکھیں کھول دیں ورنہ تو نجانے میں کب تک اندھا ہی رہتا۔ اپنے گھر کے دروازے پہ انہوں نے اسے دیکھ کے کہا تھا جو مسکرا رہی تھی۔ کم از کم آج وہ اپنی دوستی میں سرخرو ہوئی تھی۔

"میں یہ سب آپ کو بہت پہلے بتا دینا چاہتی تھی لیکن مجھے عبیرہ منع کر دیتی تھی۔ وہ آپ کو پریشان جو نہیں کرنا چاہتی تھی۔" رکزی نے یہ کہہ کے اپنے قدم اپنے گھر کی جانب بڑھا دیے تھے۔ وہ اب کچھ وقت سلطان احمد کو اپنے احتساب کے لیے بھی دینا چاہتی تھی۔

سلطان احمد نے ایک نفرت بھری نگاہ خود پہ اور پھر اپنے گھر پہ ڈالی تھی۔ اسی وقت ــــــ ان کے گھر سے دو لڑکے جنہوں نے منہ لپیٹا ہوا تھا بھاگ کے نکلے تھے۔ سلطان احمد نے انہیں حیرت سے اپنے گھر سے نکلتے اور پھر بائیک پہ بیٹھ کے بھاگتے دیکھا تھا۔ اگلے ہی لمحے وہ اپنے گھر کی جانب قدم قدم بڑھا رہے تھے۔ فارہ کی دلدوز چیخوں کی وجہ سے پورا محلہ اکٹھا ہو گیا تھا۔

یاسر نے دن دیہاڑے گھر کے اندر گھس کے پہلے فارہ کی عزت کو تار تار کیا اور اس کے بعد وہ اس کے چہرے پہ تیزاب ڈال کے بھاگ گیا تھا۔ فارہ کا تڑپ تڑپ کے برا حال ہو رہا تھا اور بیچ صحن میں سلطان احمد بے حسی سے کھڑے اس کی چیخوں کو سنتے ہوئے اسے نفرت سے دیکھ رہے تھے۔

اس عورت کو انہوں نے زندگی میں کس چیز کی کمی رہنے دی تھی جو اس نے ان کے ساتھ اتنا گھناؤنا کھیل کھیلا تھا۔

انہوں نے کب اپنی محبت اور توجہ میں کمی کی تھی جو اس کی عبیرہ سے پرخاش کی وجہ بنی تھی۔

وہ نفرت اور غصے اور قدرے بے حسی سے اس کے چہرے کو جلتا اور اس میں خون نکلتا دیکھ رہے تھے۔ فارہ کا وہ حسن جل رہا تھا جس پہ اسے بہت ناز تھا۔

"دعا کرو کہ کوئی عقل کا اندھا ٹکرا جائے تمہاری بیٹی سے۔۔۔ ورنہ مجھے تو ایسی کوئی امید نہیں۔۔۔ یہ ساری زندگی یونہی مونگ دلے گی ہمارے سینوں پہ۔" ان کے کانوں میں فارہ کی آواز گونجی۔

''اب تمہاری بیٹی کو یاسر جیسا ہی ملنا تھا ناں۔ کوئی شہزادہ گلفام تو اترنے سے رہا۔ کبھی غور سے اپنے بیٹی کو دیکھا بھی ہے سلطان احمد۔'' ہاں'' کاش کہ وہ تھوڑا [illegible] کر لیتے ورنہ آج اتنی تباہی تو نہ مچتی....

''سلطان! [illegible] بچالو سلطان!'' فارہ تڑپ تڑپ [illegible] کے [illegible] ''یاسر نے مجھ پہ تیزاب [illegible] اس نے [illegible] اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔'' وہ روتے [illegible] کراتے ہوئے سلطان کے قدموں پہ آن جھکی سلطان احمد نے نفرت سے دو قدم پیچھے ہٹائے.... محلے کے کتنی ہی لوگ سلطان احمد سے بولے۔

''اسے اسپتال لے چلیں سلطان بھائی!''

''تھانے میں رپورٹ درج کروائیں۔'' لیکن سلطان احمد کسی کی کوئی بات نہیں سن رہے تھے' سمجھنا تو دور وہ بس فارہ کا جلتا ادھڑتا ہوا حسن دیکھ رہے تھے۔

''سلطان.... میں مر رہی ہوں۔'' فارہ کو حیرت ہو رہی تھی۔ اس پہ جان دینے والا شوہر اس کی تکلیف پہ تڑپ کیوں نہیں رہا۔ وہ تو اس کی ذرا سی تکلیف پہ اس کے سرہانے بیٹھ جایا کرتا تھا۔

''تو مر جاؤ.... یہ تمہارے اپنے گناہوں کی سزا ہے جو تمہیں مل رہی ہے۔'' لیکن فارہ اپنی تکلیف میں اتنا تڑپ رہی تھی کہ سلطان کی کسی بات پہ توجہ نہیں دے سکی۔ پھر جانے محلے میں سے کس نے ایمبولینس کو کال کر دی تھی.... رکزی نے آگے بڑھ کے فارہ کو گاڑی میں ڈالنے کے لیے اٹھانا چاہا۔ وہی رکزی جس کو فارہ جانے کیا کیا باتیں بنایا کرتی تھی.... رکزی نے سلطان کو بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ پورا محلہ حیران تھا کہ اپنی بیوی پہ جان دینے والا سلطان آج اپنی بیوی سے اتنا کھنچا کھنچا کیوں ہے اور لوگوں کو تو ایسے موقعوں پہ سن گن لینے کی عادت ہوا ہی کرتی ہے۔

''رک جاؤ تم سب....'' جس وقت سب فارہ کو اسٹریچر پہ ڈال کے باہر کھڑی ایمبولینس کی جانب لے جانے لگے تو سلطان احمد نے ایک دم ہی انہیں روکتے ہوئے کہا تھا۔

''میں سلطان احمد بقائمی ہوش و حواس آپ سب محلے والوں کے سامنے اپنی بیوی فارہ کو طلاق دیتا ہوں۔ میرا اس عورت سے آج کے بعد کوئی تعلق نہیں.... یہ عورت مجھ پر حرام ہو چکی ہے۔''

[illegible] نکل گیا تھا۔ سارا [illegible] رکزی نے کسی قدر افسوس [illegible] جو بھی ہوا بہت غلط ہوا تھا۔ سلطان احمد [illegible] ان کی لاعلمی کی بہت بڑی سزا مل چکی تھی۔

فارہ کا سلطان احمد کے گھر سے جنازہ نہیں اٹھا تھا۔ کاش یاسر اسے جان سے مار جاتا۔ اس کا اپنی نظروں میں نہ سہی لیکن دنیا والوں کی نظروں میں ہی کچھ بھرم رہ جاتا۔ ساری زندگی سلطان احمد کی زندگی اور گھر میں راج کرنے والی فارہ سلطان احمد اب ہسپتال میں بہتر علاج معالجہ نہ ملنے کی وجہ سے دن رات تڑپ رہی تھی۔ زخم مندمل ہو جانے کے بعد وہ کہاں گئی تھی' پتا نہیں چل سکا تھا۔

سلطان احمد کا خیال رکزی اور اس کی والدہ رکھ رہی تھیں۔ سلطان احمد نے عبیر کو یہ بات بتانے سے منع کر دیا تھا۔ اسی لیے عبیر بے خبر تھی.... یاسر نے خود پولیس اسٹیشن میں جا کے اپنا آپ پیش کرتے ہوئے بیان دیا تھا اور اس نے اس میں وہ تمام شہادتیں نوٹ کروائی تھیں جس سے سلطان احمد کو کسی بھی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہا تھا۔ ہاں ایک دن جب عبیر گھر پہ نہیں تھی تو سلطان احمد زوبیا سے ملنے گئے تھے۔ وہ ساری عمر اپنی بیٹی کو کچھ نہیں دے سکے تھے لیکن اب اپنی بیٹی کی خوشیوں کے لیے ایک آخری کوشش کر لینا چاہتے تھے۔ اور انہیں خوشی تھی کہ زوبیا نے انہیں مایوس نہیں کیا تھا۔ وہ واقعی میں بڑے ظرف والے لوگ تھے۔

☆ ☆ ☆

اس واقعے کے بعد چھ ماہ کی بات ہے جب وہ تینوں ایک روز چھٹی کے دن پارک میں گئے تھے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' زوبیا کافی کا مگ اٹھا کے اس کے

پاس ہی آ بیٹھی تھی۔ حذیفہ دور بھاگتی ہوئی عبیر کو دیکھ رہا تھا اور وہ اسے دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اسے زویا کو آنے کی خبر ہی نہیں ہو سکی تھی۔

"تم عبیر کو دیکھ رہے ہو ناں؟" زویا نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ حذیفہ نے مسکرا کے اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہیں اچھی لگتی ہے کیا؟" زویا نے اگلا سوال بالکل عام سے انداز میں کیا۔

"ہاں... وہ زندگی کی جانب لوٹ رہی ہے۔ اس نے اپنی زندگی کو برباد نہیں ہونے دیا۔ اس نے اپنے ساتھ ہوئے ظلم کو خود پہ طاری کر کے لوگوں سے ہمدردی نہیں سمیٹی بلکہ زندگی جینا سیکھی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ میں گرویدہ ہو چکا ہوں اس کا۔"

حذیفہ نے بھی کنجوسی سے کام نہ لیتے ہوئے اس سے کہا تھا اور زویا جانتی تھی کہ وہ کچھ غلط نہیں کہہ رہا۔ عبیر نے خود کو بہت جلدی سنبھال لیا تھا۔ حذیفہ نے اس کے لیے جاب کا بندوبست کر دیا تھا۔ وہ خود جا کے سلطان احمد سے ملنے کے بعد اس کے ڈاکومنٹس لے کے آیا تھا۔ اس نے اپنے کسی جاننے والے دوست کے آفس میں نہ صرف اسے جاب دلوائی تھی بلکہ ایوننگ کلاسز میں ایم بی اے کرنے کے لیے ایڈمیشن بھی دلا دیا تھا۔ عبیر میں اب بہت حد تک اعتماد آ چکا تھا۔

زویا اور حذیفہ نے اسے بلاشبہ بہت عزت اور اعتماد بخشا تھا۔

"میں بہت دنوں سے تم سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔" زویا نے اپنی انگلیاں موڑنا شروع کیں۔

"ہاں بولو..." وہ ابھی بھی عبیر کی جانب ہی دیکھ رہا تھا۔ جن آنکھوں میں وہ ہمیشہ آنسو دیکھا کرتا تھا ان میں اب ستارے جگمگانے لگے تھے۔

"تم نے عبیر کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

"مجھے کیا سوچنا ہے' وہ خود اپنے فیصلے کر سکتی ہے۔" حذیفہ نے سرسری سے لہجے میں واپس آتی عبیر کو دیکھا جو انہیں دیکھ کے دور سے ہاتھ ہلا رہی تھی۔

حذیفہ اور زویا نے جواباً" ہاتھ ہلایا تھا۔

"ہاں۔ لیکن میں سوچ رہی تھی کہ اب اسے واپس گھر چلے جانا چاہیے۔ اس کے بابا اب اکیلے ہیں..."

زویا نے کہا تو حذیفہ نے اسے چونک کے دیکھا۔

"تم نے عبیر کو سب بتا دیا کیا؟" اس نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"نہیں... اسے وہ سب رکزی بتا چکی... کے بابا بھی بہت بار اسے لینے آ چکے ہیں۔ میں چاہ رہی تھی کہ اب عبیر واپس گھر چلی جائے۔" زویا نے تمہید باندھی۔

"زویا! تم کیوں چاہتی ہو کہ وہ یہاں سے جائے؟" حذیفہ نے ایک دم ہی زویا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا تھا۔

"اس لیے کہ تم اس کے لیے فکر مند رہتے ہو۔ میں تمہیں پریشان نہیں دیکھ سکتی۔"

"تم پاگل ہو۔ اگر میں اس کے لیے فکر مند ہوں تو کیا اس کے جانے کے بعد نہیں ہوا کروں گا۔ میں نے اس کی ذمہ داری لی ہے تو اس لیے نہیں کہ جب وہ گھر چلی جائے تو بس بات ختم... میں ہمیشہ اس کی کیئر کروں گا کیونکہ میں جان چکا ہوں کہ میرا رب مجھ سے یہ سب چاہتا ہے۔" حذیفہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"تو پھر تم اس سے شادی کر لو... اسے بھی تمہاری ضرورت ہے۔" زویا نے خود پہ ضبط کرتے ہوئے پل صراط پار کیا۔

"ہرگز نہیں... تم نے یہ بات سوچی بھی کیسے زویا؟ کیا تم مجھے اتنا گرا ہوا سمجھتی ہو کہ میں..." شدت افسوس نے حذیفہ کو بات بھی مکمل نہیں کرنے دی تھی۔

"میں تمہیں ایسا نہیں سمجھتی لیکن عبیر کا اگر کوئی خیال رکھ سکتا ہے تو وہ تم ہو... میں اتنی اعلا ظرف نہیں ہوں حذیفہ کہ اپنی محبت کو اتنی آسانی سے کسی اور کو سونپ دوں نہ ہی عبیر ایسی لڑکی ہے جس سے میں کبھی ان سیکیوریٹی فیل کروں۔" زویا نے توقف کیا تو وہ بولا۔

"تو پھر تمہیں کیا پریشانی ہے... کیوں ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کر رہی ہو؟" وہ اچھا خاصا بگڑا ہوا تھا۔

"کیونکہ مجھے یہ لگتا ہے کہ تم عبیر کے ساتھ خوش رہ سکتے ہو۔ تمہیں عبیر کا ساتھ وہ سب دے سکتا ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے اور تم بھی عبیر کو ایک مکمل شخصیت بنا سکتے ہو۔"

"تو یہ کام تو میں اور تم مل کے بھی کر سکتے ہیں زوئی! کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ کیوں ایسی باتیں کر کے مجھے پریشان کر رہی ہو۔" حذیفہ نے بے ساختہ اس کا ہاتھ تھاما۔ زویا نے ... بے ساختہ چھڑا لیا۔ وہ اپنے کسی وعدے میں کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔

"نہیں میں نہیں کر پاؤں گی۔ میں نے ہمیشہ تم سے دوسروں کے لیے جینا سیکھا ہے۔ اسی لیے میں اب تمہیں عبیر کو سونپنا چاہتی ہوں کیونکہ مجھے یقین ہے کہ مجھ سے زیادہ عبیر کو تمہاری ضرورت ہے۔ تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے حذیفہ۔ تم میرے لیے کبھی اتنا فکر مند بھی نہیں ہوئے جتنا تم عبیر کے لیے ہوتے ہو... عبیر کو ایسے ہی کسی ساتھ کی ضرورت ہے۔"

"میں کوئی کھلونا نہیں ہوں زوئی... کہ جس کسی کا بھی جی چاہے گا مجھے کسی کو بھی تھما دے گا۔" یہ کہہ کے وہ وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ زویا نے بے ساختہ اپنے حلق میں جمع ہوتے نمکین پانی کو اندر اتارا۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ ایسا تو وہ خود بھی نہیں چاہتی۔ وہ تو بس سلطان احمد کی آہ و زاری کے سامنے مجبور ہو گئی تھی۔ جنہوں نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کے اسے عبیر کا ہمیشہ خیال رکھنے کا وعدہ لیتے خود حذیفہ اور اس کی شادی کی بات کی تھی۔

وہ ابھی کچھ روز پہلے ہی تو عبیر سے ملنے کے لیے آئے تھے۔ لیکن وہ گھر پہ نہیں تھی اکیڈمی میں تھی۔ وہ ایوننگ کلاسز سے اپنی اسٹڈیز دوبارہ شروع کر چکی تھی تو انہوں نے خود زویا سے عبیر کی شادی کی بات کی تھی۔

"حذیفہ علی اچھا لڑکا ہے۔ جس طرح سے اس نے میری بیٹی کا خیال رکھا اس کے لیے میں جتنا بھی ممنون ہوں کم ہے۔ اب میرے پہ ایک احسان کر دیں آپ لوگ..." انہوں نے بے ساختہ زویا کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"کیا کر رہے ہیں انکل..." زویا فوراً" ہی ان کے بندھے ہاتھ چھڑائے تھے۔

"جو کچھ ہماری زندگیوں میں ہو چکا ہے میں کہیں منہ دکھانے لائق نہیں رہا۔ نہ ہی اب عبیر کی شادی کسی ایسے گھر میں ہو سکتی ہے جہاں اسے کھلے دل سے قبول کیا جا سکے اور نہ ہی ایسی باتیں کبھی چھپی رہ سکتی ہیں۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ حذیفہ' عبیر سے شادی کر لے... اور کسی میں اتنا ظرف نہیں ہو گا کہ وہ میری بیٹی کو اپنا نام دے سکے' میں نے اپنی بیٹی کو زندگی میں کچھ نہیں دیا لیکن اب مرنے سے پہلے یہ ایک خوشی دینا چاہتا ہوں۔ ایک باپ کی التجا سمجھ کے... میری بیٹی کی خوشیوں کی خیرات میری جھولی میں ڈال دیں۔"

سلطان احمد ہاتھ جوڑے اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ کاش کہ وہ زویا سے وہ اس کی جان مانگ لیتے وہ انہیں دے دیتی... لیکن حذیفہ کو دینے کا حوصلہ وہ خود میں نہیں پاتی تھی۔

"اٹھیں انکل... اپنی جگہ پہ واپس بیٹھیں... عبیر میری چھوٹی بہن ہے۔ آپ کو اس کی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں وعدہ کرتی ہوں آپ سے کہ ہمیشہ اس کا خیال بڑی بہنوں کی طرح سے رکھوں گی اسے کبھی اکیلا نہیں ہونے دوں گی۔" زویا نہیں جانتی اس نے اپنے منہ سے یہ الفاظ کیسے ادا کیے تھے۔ ہاں اس کے بعد یہ ضرور ہوا تھا کہ زویا نے حذیفہ کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اتار کے رکھ دی تھی۔

"زویا جی... آپ نے یہ رنگ کیوں اتار کے رکھ دی ہے۔ اتنی پیاری لگتی تھی وہ آپ کے ہاتھوں میں۔" عبیر نے فوراً" ہی نوٹ کرتے اس سے پوچھا تھا۔

"بس ویسے ہی جی بھر گیا تھا۔" زویا نے آہستہ

سے کہا تھا۔

"ارے اتنی خوب صورت رنگ سے کیسے جی بھر سکتا ہے۔ مجھے تو آپ کی انگلی اتنی اچھی لگتی تھی۔"

عبیر نے اتنی ہی نرمی و محبت سے کہا تھا۔ زویا نے اس کے بے ریا سادہ چہرے کو دیکھا۔ اور رنگ اٹھا کے اس کے ہاتھ میں تھما دی۔ وہ حذیفہ کا اتنے برسوں کے تعلق میں دیا جانے والا پہلا تحفہ تھا لیکن زویا کو پہننا نصیب نہیں ہوا تھا شاید حذیفہ اس کے لیے بنا ہی نہیں تھا اسی لیے تو اپنانے سے پہلے ہی کسی اور کے لیے مانگ لیا گیا تھا۔

"آج سے یہ رنگ تم پہن لو۔" عبیر نے اس انگوٹھی کو حیرت سے دیکھا پھر خوش ہوتے ہوئے فوراً" ہی اپنے سانولے ہاتھوں میں پہن لیا۔ زویا پہلے بھی اسے کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی۔ اسے لگا اب بھی ویسے ہی دے رہی ہے۔ عبیر نہیں جانتی تھی کہ یہ اس کی منگنی کی انگوٹھی ہے۔

"تھینک یو زویا جی! لیکن یہ رنگ آپ کے گورے ہاتھوں میں ہی اچھی لگتی ہے... میرے ہاتھ پہ تو یہ سج ہی نہیں رہی..." وہ وائٹ گولڈ میں ہیرا جڑی انگوٹھی تھی۔ زویا نے دیکھا اس کے ہاتھوں میں وہ اتنی بری بھی نہیں لگ رہی تھی۔

"بہت اچھی لگ رہی ہے اور ایسی باتیں نہ کیا کرو۔ تم بہت پیاری لڑکی ہو' سمجھیں۔" زویا نے اگلے ہی لمحے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ اسے خود ترسی کا شکار ہوتا نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ آج کے بعد نہیں کہوں گی۔"

عبیر نے سادگی سے کہا لیکن اسی شام حذیفہ نے عبیر کے ہاتھوں میں وہ انگوٹھی دیکھ کے ہنگامہ کر دیا۔ وہ جانتا تھا زویا نے وہ انگوٹھی خود اتار کے عبیر کو کیوں پہنا دی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے زویا! تم نے سوچا بھی کیسے کہ میں تم سے یوں دست بردار ہو سکتا ہوں۔" حذیفہ نے اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"میں انکل سے... وعدہ کر چکی ہوں حذیفہ... پلیز مجھے میرے وعدے کی پاس داری کرنے دو۔ پلیز۔" زویا نے اسے دیکھ کے کرب سے کہا تھا۔

"میں عبیر کو وہ مقام کبھی نہیں دے پاؤں گا زویا۔ نہ ہی عبیر ایسا چاہے گی کیونکہ وہ جانتی ہے یہ سب ایک ہمدردی کے سوا کچھ نہیں ہے۔" حذیفہ نے ٹھیک ہی کہا تھا لیکن زویا کچھ سمجھنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"وہ بہت اچھی لڑکی ہے میں مناؤں گی تو مان جائے گی... زویا نے فوراً" ہی کہا تھا۔

"تو تم اچھا ہونے کا ثبوت کیوں نہیں دیتیں... تم مجھ سے شادی کر لو۔ عبیر کی شادی میں خود اپنے ہاتھوں سے کروں گا۔ آئی پرامس۔ تمہیں سلطان انکل کو بتانا چاہیے تھا کہ ہم دونوں کا کیا رشتہ ہے۔ تم نے یہ بے وقوفی کیوں کی آخر؟" حذیفہ آج اس کی کلاس لینے کے موڈ میں تھا اور غلط بھی نہیں تھا۔

"تم جانتی ہو' میں اتنا اچھا نہیں کہ تمہارے علاوہ کوئی بھی لڑکی مجھ سے شادی کے لیے ہاں بول دے۔" زویا نے تڑپ کر سر اٹھایا تھا۔

"تم بہت اچھے ہو... تم نہیں جانتے۔" اس نے اگلے ہی لمحے حذیفہ کی کہی ہوئی بات کی پرزور انداز میں تردید کی۔

"چلو عبیر سے پوچھتے ہیں... عبیر! یہاں آؤ جلدی سے۔" حذیفہ نے جلدی سے عبیر کو آواز دے دی تھی۔

"جی... آپ نے بلایا۔" عبیر جب کمرے میں آئی تو کمرہ... رم جھم کا منظر پیش کر رہا تھا۔

"دیکھو عبیر... تم جانتی ہو کہ میں اور زویا آپس میں انگیجڈ ہیں اور جلدی ہی شادی کرنے والے ہیں لیکن یہ اب مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" عبیر جو ساری بات سن کے خوش ہو رہی تھی' آخری جملے پہ چونک گئی۔

"کیوں زویا جی... یہ زیادتی کیوں بھلا...؟"

"میں نے تمہیں یہاں اسی لیے تو بلوایا ہے تاکہ تم اسے سمجھاؤ... یہ خدا ترسی میں مجھے کسی اور کو سونپنا

چاہتی ہے۔ جسے میرے ساتھ کی کوئی ضرورت ہے نہ ہی چاہ۔" زویا اسے روکنا چاہتی تھی لیکن وہ بولنے پہ آتا تو بولے چلا جاتا تھا۔

"بڑی بات ہے زویا جی۔۔۔ اب حذیفہ جیسے اچھے انسان آپ کو روز روز تھوڑی نہ ملیں گے۔" عبیر نے بھی شرم دلائی تھی۔

زویا زیادہ دیر وہاں بیٹھ نہیں سکی۔ اور اٹھ آئی۔ اب وہ اسے کیا بتاتی کہ وہ بھی جانتی ہے کہ حذیفہ جیسے لوگ روز روز نہیں ملا کرتے لیکن وہ کیا کرتی' سلطان احمد سے وعدہ جو کر چکی تھی۔

✡ ✡ ✡

"اتنا کچھ ہو گیا اور تم مجھے اب بتا رہی ہو رکزی۔۔۔؟" نبیل نے جیسے ہی ساری بات سنی تو افسوس سے کہے بنا رہ نہیں پایا۔

"تو کیسے بتاتی۔۔۔ آپ نے جاتے وقت جو اس کے ساتھ کیا تھا' اس کے بعد کسر رہ گئی تھی کہ میں عبیر کے متعلق آپ کو کچھ بتاتی۔" رکزی نے منہ پھلا کے جواب دیا تھا۔

"تم جانتی ہو کہ اس کے بعد میں اپنی اس غلطی پہ کس قدر پشیمان ہوا تھا۔" نبیل کا سر جھک گیا۔ یہ سچ تھا کہ اس نے اگر اس وقت آنے سے انکار کیا تھا تو بعد میں وہ کتنا پچھتایا بھی تو تھا۔۔۔

"لیکن آپ کے نہ آنے کی وجہ سے جتنا وہ پریشان ہوئی' جتنے اس نے دکھ جھیلے اس کا کوئی مداوا نہیں ہے آپ کے پاس نبیل بھائی۔۔۔ آپ کو صرف اپنا کیریئر عزیز تھا۔ آپ نے بھی اس بے چاری کے ساتھ وہی کیا جو باقی سب نے کیا۔" رکزی جذباتی ہوئی۔

"میں اپنی ہر غلطی کا مداوا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تم مجھے ایک بار عبیر کے سامنے لے چلو۔" نبیل نے اچانک ہی کہا۔ یہ سچ تھا کہ وہ جب سے یہاں سے گیا تھا ایک رات بھی سکون سے سو نہیں سکا تھا۔ اسے عبیر کا شکوہ بھرا لہجہ ہمیشہ یاد آیا کرتا تھا۔ وہ سوتے میں جاگ اٹھتا اور ہڑبڑا کے عبیر کو پکارنے لگتا اور پھر وہ اس وقت کا انتظار کرنے لگا کہ جب وہ کسی مقام پہ پہنچے گا تو کچھ بن کے لوٹے گا اور اپنے کیے کی تلافی کرے گا۔

"تو کیا آپ شادی کریں گے اس سے؟" رکزی نے اگلے ہی لمحے کھنکتے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا۔

"پتا نہیں وہ مجھے قبول کرے گی یا نہیں۔۔۔ لیکن یہ سچ ہے کہ میں واپس اسی کے لیے آیا ہوں۔" نبیل نے سر جھکا کے اعتراف کیا تھا۔ وہ اعتراف جو اسے بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا۔

"ٹھیک ہے' کل میرے ساتھ چلیے گا۔ میں آپ کی اس سے زیادہ کوئی مدد نہیں کر سکتی کہ سلطان بھائی کے سامنے لے جا کے کھڑا کر دوں۔" رکزی نے بغیر لگی لپٹی رکھے کہا اور نبیل سوچ رہا تھا کہ کاش کہ وہ اس وقت اتنی ہمت کر لیتا۔۔۔ سچ تو یہ تھا کہ رکزی کے گھر رہتے ہوئے وہ عبیر ـــــ کا عادی ہو چکا تھا لیکن فیصل آباد واپس جانے پہ اس نے جو حالات اپنے گھر والوں کے دیکھے تھے ایسے میں تو اسے اپنا مستقبل داؤ پہ لگا محسوس ہو رہا تھا۔ اس کے ابا جان کا آپریشن پھر چھوٹے بھائی کا ایکسیڈنٹ اور اس کی ٹریٹمنٹ۔۔۔ وہ گھن چکر بن گیا تھا۔ ایسے میں رشتے نبھاتے وہ اپنے دل کی خوشی اور سکون سب بھول گیا تھا۔

اسے عبیر یاد تھی لیکن وہ اس سے کسی بھی قسم کی کوئی ہمدردی نہیں جتا سکتا تھا اسی لیے اس نے اس وقت رکزی کو ڈانٹ دیا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کے بعد ہمیشہ ہی خود سے شرمندہ رہا تھا۔ دوسرے ہی دن رکزی اسے سلطان بھائی کے گھر لے گئی تھی۔۔۔ رکزی نے اس گھر میں پھیلے اجاڑ پن کو دیکھا اور سوچا۔

"عبیر کو اب واپس آ جانا چاہیے۔" گھر کے اندر قدم رکھتے ہی اس نے دل گرفتی سے لان کی جانب دیکھا۔ فارہ گھر کے اس حصے کو ہمہ وقت پھولوں سے سجائے رکھتی تھی۔ عبیر نے اس چھوٹے سے لان میں ڈھیر سارے موتیے کے پودے لگا رکھے تھے اور ہر روز شام کو وہ انہی میں سے موتیے کے پھول چن کے فارہ کے لیے گجرے بنایا کرتی تھی۔

رکزی نے گہری سانس بھری اور آگے بڑھ آئی نبیل بھائی اب سلطان انکل سے مل چکے تھے اور وہیں برآمدے میں بیٹھے تھے۔

پورا گھر جھاڑ جھنکاڑ کا منظر پیش کر رہا تھا۔ ہر وقت جوان اور صحت مند نظر آنے والے سلطان احمد بھی اب بہت بوڑھے لگنے لگے تھے۔ انہیں ہفتوں گزر جاتے۔۔۔ وہ کبھی شیو بناتے کبھی نہیں۔۔۔ کھانا بھی رکزی زبردستی دو ٹائم بھجواتی تھی جبکہ وہ اس پہ بھی انہیں منع کر دیا کرتے تھے۔

"میں نے رکزی سے سنا تھا آپ کی بیٹی عبیر کے متعلق۔" نبیل بھائی نے بولنا شروع کیا۔ سلطان احمد نے آزردگی سے آنسو اپنے اندر اتارے۔۔۔ فارہ اور عبیر کی کہانی تو زبان زد عام ہو چکی تھی۔

"جو بھی ہوا مجھے اس سب پہ افسوس ہے۔۔۔ کہیں نہ کہیں اس سب میں میں بھی قصور وار ہوں۔۔۔ اور اب میں اسی سلسلے میں حاضر ہوا ہوں۔۔۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو میرے بارے میں معلومات کروا سکتے ہیں اور میں اس بات کی گارنٹی دینے کو بھی تیار ہوں کہ میں عبیر کا ہمیشہ خیال رکھوں گا۔" نبیل نے اچانک ہی کہہ کے سلطان احمد کو چونکنے پہ مجبور کیا تھا۔ وہ بے ساختہ حیران ہوئے کہ یہ کون تھا جو عبیر کی خواہش کر رہا تھا۔

"آپ کو شاید یاد نہ ہو' آج سے دو سال پہلے میں یہاں سی ایس ایس کے ایگزامز دینے کے لیے آیا ہوا تھا۔ عبیر کو میں نے کچھ بکس دینی تھیں لیکن آپ کی مسز نے۔۔۔" نبیل نے یہاں آ کے بات کو ادھورا چھوڑ دیا تھا۔ باقی کی بات کرنا اب ضروری نہیں رہی تھی اور سلطان احمد کو ویسے بھی فارہ کی بات تکلیف دیتی تھی۔

"میں اب عبیر کی زندگی کا کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اپنی زندگی کا فیصلہ اب عبیر کے ہاتھ میں ہے۔ جو وہ چاہے گی میرے لیے وہی فیصلہ مقدم ہو گا۔" سلطان احمد نے نبیل کی خواہش کے جواب میں کہا۔

"اس کا مطلب ہے سلطان انکل کہ آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے ناں؟" رکزی نے یکدم ہی پُرجوش ہو کے پوچھا تھا۔

"کیا میں اب کسی اختلاف کا حق رکھتا ہوں۔۔۔ عبیر کو خوش دیکھنا ہی میری سب سے بڑی خواہش ہے۔ وہ اپنے گھر میں خوش رہے گی تو ہی میں سکون سے مر سکوں گا۔"

"اللہ نہ کرے سلطان انکل۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ۔ آپ ابھی بہت سی خوشیاں دیکھیں گے۔" رکزی نے فوراً ہی انہیں تسلی دی۔

"تم بہت اچھی ہو رکزی۔ کاش میں نے کبھی پہلے تم سے کوئی مشورہ لیا ہوتا۔" سلطان بھائی بولے تو ان کے لہجے میں بہت تھکن تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا۔۔۔ میں ابھی بھی آپ کو بہت سے مفید مشورے دے سکتی ہوں۔" رکزی نے اپنا فرضی کالر جھاڑا تو سلطان احمد بے ساختہ ہنسے۔

"تو کل چل رہے ہیں ناں ہمارے ساتھ عبیر کو لینے۔۔۔ بس اب بہت دن رہ لی وہ ہمارے بغیر۔ اب شادی سے پہلے کچھ دن تو وہ ہمارے ساتھ رہے ناں کہ نہیں۔۔۔؟" رکزی نے اپنی بات کے اختتام پہ سلطان احمد کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تو وہ مسکرائے۔

"میں تو خود یہی چاہتا ہوں کہ وہ واپس آ جائے۔ لیکن وہ مانے تب ناں۔" سلطان احمد کا لہجہ افسردہ ہو گیا تھا۔

"اب ہم جا کے لے آئیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" رکزی بولی تو اس کے لہجے میں یقین تھا۔ نبیل بھی اس بار کھل کے مسکرایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا تمہیں یقین ہے رحیم دین کہ وہ حذیفہ ہی تھا؟" راحت اکبر نے بہت آس و امید سے اپنے پرانے ملازم سے تصدیق کی۔

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں مالک۔۔۔ میں نے ایک بار نہیں' دو بار انہیں دیکھا' وہ چھوٹے مالک ہی تھے۔

اس کے بعد میں خود جا کے ان کے آفس میں پتا کر آیا تھا۔ چھوٹے صاحب اب بہت بدل چکے ہیں۔" رحیم دین نے جلدی جلدی جتنا جانتا تھا سب بتا دیا۔ راحت اکبر کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ پچھلے چھ سال سے وہ پچھتاوے کی جس آگ میں جھلس رہے تھے اب اس سے چھٹکارا پانا چاہتے تھے۔ وہ ہر روز نماز میں دعا مانگا کرتے کہ اللہ انہیں اتنی مہلت دے دے کہ وہ حذیفہ کو اس کی جائیداد دینے کے ساتھ اپنے کیے کی معافی مانگ سکیں۔۔۔ اور اب انہیں رحیم دین نے بتایا تھا کہ اس نے حذیفہ کو دیکھا ہے۔ ان پہ شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"تم مجھے کل ہی اس کے پاس لے چلو۔۔۔ میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" راحت اکبر نے اس سے کہا۔

"میں تو لے جاؤں گا مالک! لیکن کیا وہ مل لیں گے آپ سے؟" رحیم دین نے جھجک کے پوچھا۔ جو کچھ ماضی میں ہو چکا تھا اس حوالے سے وہ کوئی خاص پُرامید نہیں تھا۔ وقت نے راحت اکبر کا سارا طنطنہ ختم کر دیا تھا۔ نیلم کی موت نے ان کی کمر ہی نہیں جھکائی تھی بلکہ ان کا سارا طنطنہ، سارا غرور راکھ میں ملا دیا تھا۔

اولاد اگر تفاخر بنتی ہے تو وہی اولاد کبھی کبھار سزا بھی بن جایا کرتی ہے اور مکافات عمل بھی۔۔۔ نیلم اپنے والدین کے لیے مکافات عمل بن کے اس دنیا سے گئی تھی۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں۔۔۔ وہ میرا حذیفہ ہی تھا ناں۔" کچھ دیر بعد جب راحت اکبر، پروین بیگم کے پاس آئے تو وہ عشاء کی نماز ادا کرتے ہوئے اسی کی خیر اور سلامتی کی دعا مانگ رہی تھیں۔ وہ اب دل سے چاہتی تھیں کہ ان کا بیٹا لوٹ آئے۔ چھ سال سے ان کی مامتا تڑپ رہی تھی۔

"ہاں میں کل ہی جا رہا ہوں اسے لانے کے لیے۔ بس بہت رہ لیا وہ ہم سب کے بغیر۔" راحت اکبر خوشی سے رو دیے تھے وہ اب بہت کمزور دل کے ہو گئے تھے بات بے بات رونے لگتے تھے۔

"لیکن وہ یہاں نہیں آئے گا۔۔۔ میں نے تو اسے اپنی قسم دی تھی کہ میرے مرنے پہ بھی یہاں نہ آئے۔" اگلے ہی لمحے یاد آنے پہ وہ اداس ہو گئی تھیں۔

"تو ہم خود چلے جاتے ہیں ناں۔۔۔ تم بھی ساتھ چلو بلکہ ضرور چلو۔ ہو سکتا ہے تم سے ملنے کے بعد وہ مجھے بھی معاف کر دے۔" راحت اکبر نے نم لہجے میں اداسی سے کہا تھا۔

"ہاں میں ضرور جاؤں گی۔ اپنے بیٹے سے ملنے کے لیے۔" وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تھیں۔

"میں بھابھی کو سوپ دے آؤں۔" کچھ دیر بعد انہوں نے کہا تھا۔

"میں بھی وہیں آ رہا ہوں۔ یہ خبر چاندنی بیگم کو بھی تو سنانی چاہیے۔ وہ بھی بہت خوش ہوں گی۔" وہ اگلے ہی لمحے پُرجوش ہوئے۔ چاندنی بیگم اپنے کمرے میں بے حس و حرکت لیٹی ہوئی تھیں۔ وہ پچھلے تین سال سے بستر پہ تھیں۔

"آپ کو پتا ہے 'حذیفہ کا پتا چل گیا ہے۔ اب ہم کل اسے لینے جا رہے ہیں۔" پروین بیگم نے چاندنی بیگم کے سامنے کھانا رکھتے ہوئے کہا تھا۔

چاندنی بیگم نے مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا تھا اور پروین بیگم کے ہاتھ چومے تھے۔ پروین بیگم نے انہیں سوپ پلانے کے بعد جا کے شکرانے کے دو نوافل ادا کیے تھے۔ بالآخر وہ دن آن پہنچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مگر مجھے حذیفہ سے شادی نہیں کرنی۔۔۔ وہ میرے محسن ہیں، مجھے دوست اور گائیڈ ہیں، اس کے علاوہ کچھ نہیں اور آپ کو کیا لگتا ہے زویا جی! کہ ہمدردی میں وہ مجھ سے شادی بھی کر لیں گے؟" عبیر نے جیسے ہی سنا کہ زویا کیا سوچے ہوئے ہے' وہ بھڑک اٹھی۔۔۔ یہ پہلی بار تھا کہ عبیر غصے سے بولی تھی۔

"تمہیں اس کے ساتھ کی ضرورت ہے عبیر۔۔۔ تم سمجھ کیوں نہیں رہیں۔" زویا نے اپنی بات اسے ایک بار پھر سمجھانے کی کوشش کی۔

"آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں زویا جی۔۔۔ کہ آپ

حذیفہ کے بغیر نہ جی سکتی ہیں نہ مر سکتی ہیں۔" عبیر دوبدو بولی تھی۔ ان دونوں کی تکرار کے درمیان بیٹھا حذیفہ خاموشی سے سن رہا تھا۔

"ہمدردی میں ساتھ دیا جا سکتا ہے لیکن ہمدردی میں شادی نہیں ہوتی زویا جی! اور آپ ایسا کیوں چاہتی ہیں کہ میں کبھی بھی اپنی نگاہوں میں سرخرو نہ ہو سکوں۔ میں کبھی اپنے قدموں پہ کھڑی ہو کے زمانے کی آنکھ میں آنکھ نہ ڈال سکوں۔" وہ سراپا سوال ہوئی۔

"اسی لیے تو چاہتی ہوں کہ حذیفہ سے شادی کرنے پہ تمہیں یہ سب مل جائے گا۔" زویا نے جملہ مکمل کیا۔

"حذیفہ سے شادی میرے احساس کمتری کو بڑھائے گی زویا جی.... میں بھی اپنی زندگی ان کے ساتھ ویسے جی ہی نہیں سکوں گی جیسے کسی ایسے انجان شخص کے ساتھ گزار سکوں گی جو میرے ماضی سے تو واقف ہو گا لیکن میری خامیوں سے نہیں.... جو میرے احساس کمتری کو نہیں جانتا ہو گا۔ جس کے سامنے میں سر اٹھا کے اپنی پہچان ایک دبو.... بدصورت لڑکی کے طور پہ نہیں بلکہ ایک بااعتماد لڑکی کے طور پہ کرواؤں گی۔ جو ایک کامیاب لڑکی ہو گی۔ جس کے بہت اچھے آپ اور حذیفہ جیسے دوست ہیں۔" عبیر بولنے پہ آئی تو اچھا خاصا بول گئی.... زویا اس بار لاجواب ہو گئی تھی۔

"آپ کو نظر کیوں نہیں آتا؟ حذیفہ آپ سے محبت کرتے ہیں۔ دیکھیں ناں جس دن سے آپ نے وہ رنگ اتار کے رکھی تھی اور مجھے پہنائی تھی۔ وہ اس دن سے مجھ سے بھی بات نہیں کر رہے اور ہمیشہ مجھے اتنا کچھ دینے والے بن کہے میری فرمائشیں پوری کرنے والے نے مجھ سے خود وہ انگوٹھی واپس مانگ لی تھی۔ اب آپ خود سوچیں، جو بندہ میرے ہاتھ میں آپ کی اتاری رنگ نہیں برداشت کر سکتا۔ وہ مجھے کیسے برداشت کرے گا؟ وہ بھی پوری زندگی کے لیے؟" آخری بات عبیر نے کچھ ایسی بے چارگی سے کی کہ بہت دیر سے ضبط کرتے حذیفہ کی ہنسی ایک قہقہے کی صورت پھوٹی۔ اس کے بعد عبیر ہنسی اور آخر میں زویا بھی ہنس دی تھی۔ اس سے زیادہ لیکچر وہ بھی نہیں سن سکتی تھی۔

"تو میں ہاں سمجھوں آپ کی جانب سے؟" عبیر نے کچھ دیر بعد پوچھا۔ جب ہی اطلاعی گھنٹی بجی۔ زویا جواب نہیں دے سکی۔

"رکیں، میں دیکھتی ہوں کہ دروازے پہ کون ہے۔" یہ کہہ کے عبیر اگلے ہی لمحے دروازے کی جانب بڑھ گئی تھی۔

"تم مجھے کتنا غیر اہم سمجھتی ہو ناں۔" حذیفہ نے زویا کی جانب دیکھ کے شکوہ کیا۔ زویا کا سر جھک گیا۔ وہ اسے کیا کہتی کہ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی۔

"تم سے کوئی بھی مجھے مانگ لے گا تو تم مجھے اس کی جھولی میں ڈالنے کو تیار ہو جاؤ گی؟" وہ اب سوال کر رہا تھا۔

"کیا میرا وجود اتنا ارزاں ہے یا یک طرفہ محبت نے تمہیں اتنا تھکا دیا ہے کہ تم مجھ سے اب کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتیں؟" زویا نے اس الزام پہ تڑپ کے سر اٹھایا تھا۔ وہ کتنا بدگمان ہو رہا تھا اس سے۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں ایسا سوچ بھی سکتی ہوں؟" زویا نے ڈبڈبائی نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہارا عمل تو یہی ظاہر کر رہا ہے۔" حذیفہ اسی سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میں ایسا کبھی نہ کہتی اگر سلطان انکل مجھ سے تمہاری اور عبیر کی شادی کی بات نہ کرتے۔" زویا نے ایک دم ہی کہہ دیا۔ حذیفہ حیران ہوا تھا اور اندر واپس آتی عبیر بھی.... اور اس کے ساتھ مہمان بھی۔

"حذیفہ.... آپ سے کوئی ملنے کے لیے آیا ہے۔" عبیر نے ایک دم ہی پُرجوش آواز میں کہا تھا۔ حذیفہ نے جیسے ہی پیچھے مڑ کے دیکھا، اسے لگا جیسے وہ پتھر کا ہو گیا ہے۔ اسے لگا زمین نے اس کے پاؤں جکڑ لیے ہیں۔

"حذیفہ! میرے لال۔" پروین بیگم آگے بڑھ کے بے ساختہ اس کے گلے لگ کے رونے لگیں پورے چھ سال بعد وہ اپنے بیٹے کو چھو رہی تھیں اسے پیار کر

رہی تھیں۔۔۔۔

"میرے بچے" وہ اس کے ہاتھ چوم رہی تھیں حذیفہ کی آنکھیں برسنے کو تیار تھیں لیکن وہ ضبط کیے کھڑا تھا۔ اس کے سامنے راحت اکبر کھڑے تھے۔

"امی جان۔۔۔ کیسی ہیں آپ۔" حذیفہ نے ماں کو دیکھا جو پہلے سے زیادہ بوڑھی ہو گئی تھیں لیکن اپنے بیٹے سے ملنے کے بعد ان کے چہرے کی چمک دیدنی تھی۔

"تمہارے بغیر میں کیسی ہو سکتی ہوں بھلا۔۔۔ میں تمہارے بغیر خوش نہیں تھی حذیفہ۔۔۔ میں بالکل بھی خوش نہیں تھی۔" وہ ایک بار پھر اسے اپنے سینے سے لگائے اپنی ممتا کو سیراب کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"میں بھی آپ کے بغیر خوش نہیں تھا۔ میں نے بھی آپ کو بہت یاد کیا۔" حذیفہ نے روتے ہوئے اپنی ماں کے ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت کسی ایسے معصوم بچے کی طرح سے لگ رہا تھا جس کا ہاتھ میلے میں اپنی ماں سے چھوٹ گیا ہو اور اس کی ماں بڑی مشکل سے اسے ملی ہو۔

"حذیفہ! اپنے چچا جان سے ملو۔" پروین بیگم نے اسے خود سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا تھا۔ حذیفہ نے ان سے الگ ہو کر راحت اکبر سے ہاتھ ملایا۔

"حذیفہ! میں تمہیں لینے کے لیے آیا ہوں۔ اپنے گھر چلو۔ جو ہوا سب بھول کے۔۔۔ میں نے جتنی بھی زیادتیاں کی ہیں میں ان سب کی تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ لیکن گھر چلو بیٹا۔" راحت اکبر نے اس کے سامنے باقاعدہ ہاتھ جوڑ دیے تھے۔ وقت نے ان کے سارے کس بل نکال دیے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہیں چچا جان۔۔۔ کیوں شرمندہ کر رہے ہیں مجھے۔" حذیفہ نے اگلے ہی لمحے ان کے بڑھے ہاتھ تھام کے انہیں گلے سے لگا لیا تھا۔ زویا اور عبیر نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھا تھا۔ بالآخر حذیفہ کو اپنا خاندان مل ہی گیا تھا۔

✲ ✲ ✲

زویا اور حذیفہ کی شادی کے بعد سلطان احمد اپنی بیٹی کو واپس گھر لے آئے تھے۔

بہت عرصے کے بعد سلطان احمد کا گھر، گھر لگنے لگا تھا۔ باپ بیٹی مل کے بہت روئے تھے۔ سلطان احمد بار بار اپنی بیٹی سے معافی مانگتے تھے۔ ساری غلط فہمیاں دور ہو گئی تھیں۔

فارہ سلطان احمد جو اس گھر کی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔ اب دارالامان میں تھی اور لوگوں کے لیے عبرت کا نمونہ بن چکی تھی۔

اس نے سلطان احمد سے محبت کی تھی لیکن اپنی محبت کا ظرف وسیع نہیں کر سکی کہ ایک عبیر کو ہی برداشت کر لیتی۔ اس نے اپنی نفرت کے عوض سلطان احمد کے گھرانے کے ساتھ ساتھ اپنی دنیا اور آخرت بھی تباہ کر لی تھی۔

عبیر اتنی آزمائشیں اٹھا لینے کے بعد اب سرخرو ہو چکی تھی۔ وقت نے اس پہ خوشیوں کی بارش کر دی تھی۔

گھر واپس آنے کے بعد نبیل اپنے گھر والوں کے ساتھ پوری عزت و احترام کے ساتھ اس کا رشتہ مانگنے کے لیے آیا تھا۔

حذیفہ اور زویا کی شادی بڑی دھوم دھام سے گاؤں والے گھر میں ہی ہوئی تھی۔ حذیفہ جب چاندنی بیگم سے ملنے کے لیے گیا تو اپنے آنسوؤں پہ قابو نہیں رکھ پایا۔ اس نے ہمیشہ اپنی چچی جان کو تحکم بھرے انداز میں گرجتے برستے دیکھا تھا لیکن اب انہیں بے بسی کی حالت میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔۔۔ ساتھ ہی نیلم کی موت کا سن کے بھی وہ ششدر رہ گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد یہاں کیا کیا تبدیلیاں ہو چکی تھیں۔

انسان اپنے زعم میں یہ سمجھ ہی نہیں پاتا کہ جو کچھ وہ بو رہا ہے اس کا نتیجہ کتنا بھیانک بھی ہو سکتا ہے۔ وقت نے کبھی بھی برے اعمال والوں کا ساتھ نہیں دیا۔

عبیر خوش تھی کہ اسے اس کی پہچان مل چکی تھی۔ نبیل نے اسے محبت عزت اور اپنے ساتھ کا اعتماد بخشا تھا۔ وہ کم صورت سہی لیکن بدبخت نہیں تھی۔ اس بات کا یقین اس نے نبیل کا ساتھ ملتے ہی کر

لیا تھا۔

"جانتی ہو عبیر۔۔۔ جب میں ٹریننگ پہ تھا تو اکثر راتوں کو سوتے سے جاگ جایا کرتا تھا۔" وہ دلہن بنی عبیر کی چوڑیوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"کیوں" عبیر نے اپنی بڑی بڑی سوالیہ آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔

"میں جانتا تھا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ تمہاری آنکھیں مجھے سونے نہیں دیتی تھیں۔۔۔ میں ڈر جاتا تھا کیونکہ مجھے لگتا تھا کہ تم مجھے بد دعا دو گی۔ پھر میں خواب دیکھنے لگتا تھا۔ تمہارے اور اپنے ساتھ کے خواب۔۔۔ میں سوچا کرتا تھا کہ جب میں کسی مقام پہ پہنچ جاؤں گا تو سب سے پہلے تم سے معافی مانگ کے تمہارا ساتھ مانگوں گا۔۔۔ اور جانتی ہو عبیر۔۔۔" اس نے توقف کیا۔

"اس کے بعد میں پُرسکون ہو جایا کرتا تھا۔ میں سکون میں آجاتا تھا۔ تم نے مجھے معاف تو کر دیا ہے ناں عبیر۔" اس کی شاید تسلی نہیں ہو رہی تھی اس لیے پوچھ رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کبھی کوئی گلہ نہیں رہا نبیل۔ آپ تو میرے محسن ہیں۔ آپ ہی نے تو مجھے یہ سوچ دی تھی کہ میرا وجود ارزاں نہیں ہے۔ میں بھی ایک جیتا جاگتا وجود رکھتی ہوں۔ ہاں مجھے دکھ ہوا تھا جب آپ میرے بلانے پہ بھی بابا سے ملنے نہیں آئے لیکن میرے دل میں کوئی گلہ نہیں رہا اب۔۔۔ میں اب بہت خوش ہوں۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔ اس پہ بہت روپ آیا تھا۔

"تم بہت اچھی ہو عبیر۔۔۔ بہت اچھی۔" نبیل نے محبت سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں بھینچتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی بہت اچھے ہیں۔ اسی لیے تو آپ کو میرے ساتھ کی گئی زیادتی کا احساس تھا ورنہ مجھے یقین تھا کہ آپ شادی کسی خوب صورت لڑکی سے ہی کریں گے۔" عبیر نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے اسے گزشتہ بات کا حوالہ دیا تو وہ ہنس دیا تھا۔

"نہیں۔ میں نے کہا تھا ناں کہ میں حسن کی بجائے ذہانت اور اس کی معاملہ فہمی کو اہمیت دوں گا۔۔۔ اور دیکھو میں نے کس چیز کو اہمیت دی؟" نبیل اس کی شرارت جان کے مسکرایا تھا۔

"حسین تو فارہ باجی بھی بہت تھیں نبیل۔۔۔ کاش وہ اپنے ساتھ اتنا ظلم نہ کرتیں۔" عبیر افسردہ ہوئی تھی۔ "تم انہیں معاف کر دو عبیر! ہو سکتا ہے کہ اس طرح ان کی سزا میں بھی کمی آجائے۔" نبیل نے اسے سمجھایا۔

"میں انہیں معاف کر چکی ہوں نبیل۔ جس دن بابا کو میری سچائی کا علم ہوا تھا۔ میں نے اسی دن انہیں معاف کر دیا تھا کیونکہ میں بس یہی چاہتی تھی کہ بابا مجھے غلط نہ سمجھیں۔۔۔ اور میں نے رکزی سے بھی کہا تھا کہ اگر وہ کبھی ان سے ملنے جائے تو میرا پیغام دے دے۔۔۔ میں ان سے ناراض نہیں ہوں۔ اللہ نے مجھے آپ کی صورت میرے دکھوں کا انعام دے دیا ہے۔" عبیر نے آہستہ آواز میں شرماتے ہوئے کہا۔

"خوش نصیب تو میں ہوں جسے تم جیسی لڑکی ملی اور ہاں رکزی کا شکریہ بھی بنتا ہے جس نے مجھے بروقت اطلاع دی۔ ورنہ تو اس کے طعنے میرا جی جلائے رکھتے تھے۔" نبیل نے اسے ساری بتائی کہ کس طرح رکزی اسے ہر موقع پر فون کر کے باتیں سنایا کرتی تھی۔

اور عبیر جانتی تھی کہ نبیل سچ کہہ رہے ہیں۔ رکزی اس کی واقعی میں اتنی اچھی دوست تھی کہ اس کے لیے کسی سے بھی لڑنے کو تیار ہو جاتی تھی۔

رات گئے جب نبیل سو گیا تو عبیر نے اپنے حنا لگے ہاتھوں میں چھپی اپنی لکیروں کو غور سے دیکھا۔ اس کی قسمت سیاہ نہیں تھی۔ وہ کھڑکی میں آکھڑی ہوئی۔ اس کی سمجھ میں اب آیا تھا کہ اس کا اس دنیا میں آنے کا کیا مقصد تھا۔

وہ محکوم بنا کے نہیں بھیجی گئی تھی۔ وہ نبیل کے دل پہ راج کرنے کے لیے پیدا کی گئی تھی۔ وہ محبتیں سمیٹنے کے لیے پیدا کی گئی تھی۔

عبیر نے آسمان پہ سجی کہکشاؤں کی سرگوشی سنی اور مسکرا دی۔ اب اس کی زندگی میں کوئی سیاہ رات نہیں آنے والی تھی۔

قانتہ رابعہ

پے در پے کئی صدموں کو جھیلنے کے بعد مسلم ماموں اور اقصیٰ مامی پاکستان آرہے تھے۔ پورے گیارہ سال کے بعد.... آخری دفعہ جب وہ جرمنی گئے تھے تو فواد بھائی میٹرک میں تھے اور اب خیر سے ایک کامیاب ڈاکٹر کہلاتے تھے۔ میمونہ نے ایف اے کا آخری پیپر دیا تھا۔ اب اس کا بچہ ارتضیٰ بھی چھٹی کلاس میں تھا۔ نانی اماں کو ان کی روانگی کے وقت ایک سو دو بخار تھا جو ٹائیفائڈ بن کر ملک الموت کا قاصد بن کر جان لے کے ہی ٹلا۔ جس گھر میں اقصیٰ مامی بیس سال قبل دلہن بن کر داخل ہوئی تھیں اب وہاں بہترین مارکیٹ بن گئی تھی۔ دودھ پینے والے بچے تعلیمی مراحل کے اختتام پر تھے' نانا ابو آخری آرام گاہ میں جا سوئے.... ان کی وفات پر ماموں مسلم آئے تھے اقصیٰ مامی کے کاغذات کا مسئلہ تھا۔ ایک مرتبہ وہ جنت پاؤں کے نیچے لانے کی تیاریوں میں تھیں۔ یہ ساری کتھا سنانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان گیارہ سالوں میں پلوں کے نیچے سے کافی پانی بہہ چکا تھا۔

امی کے دو ہی بھائی تھے مسلم اور منعم۔۔۔ دونوں دانے پانی کے چکروں میں دو تین ممالک میں تجربوں کے بعد جرمنی میں مستقل رہائش پذیر تھے۔ منعم ماموں نے جرمنی سے شریک زندگی کے انتخاب کی بجائے اپنی ددھیالی کزن سے شادی کو پسند کیا جبکہ مسلم ماموں نے وہیں ایک مسلمان خاندان سے رشتہ داری جوڑلی۔ شادی کے آٹھ نو سالوں میں اقصیٰ مامی چار پانچ مرتبہ پاکستان آچکی تھیں۔ سادہ سا مزاج، کم گو اور حقیقت پسند خاتون تھیں۔ پھر اس کے بعد گیارہ سال کا لمبا وقفہ آگیا۔۔۔ اگر اقصیٰ مامی فون اور اسکائپ کے ذریعہ مستقل رابطہ نہ رکھتیں تو شاید ہم سب ان کی شکل اور آواز دونوں بھول چکے ہوتے مگر ان کی بہت سی اچھی عادتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ وقتاً ”فوقتاً“ رابطے میں رہتی تھیں۔ بالخصوص خاندان کی غمی اور خوشی میں فون پر اس طرح سے گفتگو کرتیں کہ سننے والے کو یہی محسوس ہوتا کہ وہ یہیں آس پاس موجود ہیں۔ پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد جرمنی سے کسی نہ کسی طرح تحفے تحائف بھی بھجوادیتیں۔۔۔ اور یہ تحفے بالعموم ہینڈ بیگ، پرفیومز پر مشتمل ہوتے۔۔۔ ساتھ میں دعائیہ کلمات پر مشتمل سادہ سا کارڈ۔ ان کا اس طرح سے یاد رکھنا ہمیشہ بہت اچھا لگا اور دل میں قدر و منزلت بڑھتی ہی رہی لیکن پچھلے دو ڈھائی سالوں میں جب پاکستان میں نانا ابو کا انتقال ہوا تو مسلم ماموں جرمنی سے بہت پریشان کن خبریں لائے۔ ان کے اسٹور پر آتش زدگی سے بہت بھاری مالی نقصان ہوا، اقصیٰ مامی کے بھائی کی ایکسیڈنٹ میں موت ہوگئی، مامی کے پیٹ میں درد ہوا۔۔۔ ہسپتال پہنچنے تک کے عرصہ میں ان کا اپنڈکس پھٹ چکا تھا۔ کئی دن زندگی موت کی کشمکش میں رہنے کے بعد وہ صحت یاب ہوئیں اور بھی چھوٹے بڑے درجنوں مسائل تھے جو مسلم ماموں بتا رہے تھے اور میں یہی سوچے جا رہی تھی کہ کیا دکھ تکلیفیں، واقعی اچھے لوگوں پر آتی ہیں؟

خیر اب جب دونوں بچوں کے ساتھ ماموں مامی پاکستان آرہے تھے تو سننے میں یہی آیا تھا کہ وہ مستقل پاکستان میں قیام کے خیال سے ہی آرہے ہیں۔ باقی معلومات سے میں اپنی اور چھوٹے بچوں کی مصروفیات کی وجہ سے لاعلم تھی لیکن ان کی آمد سے قبل بڑی بے تابی سے ایک ایک دن گن رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

موسم بھی خوشگوار تھا۔۔۔ باہر سے آنے والوں کے لیے ہر طرح سے پرفیکٹ۔۔۔ گرمی شروع نہیں ہوئی تھی اور سردی کے اثرات صبح شام دونوں اوقات میں اپنا رنگ دکھاتے۔۔۔ گو سردی کی باقیات، یعنی ڈرائی فروٹ، جرسیاں، سویٹر اپنے اپنے ٹھکانوں پر منتقل ہو چکے تھے۔

بارے خدا خدا کرکے اپریل کا پہلا ہفتہ شروع ہوا جس کے تیسرے دن انہیں پاکستان پہنچنا تھا۔

نانا ابو کے آبائی گھر میں خوب صفائیاں ستھرائیاں ہو چکی تھیں۔ امی نے ایک ایک کونے کھدرے میں جھانک جھانک کر جھاڑ پونچھ کروائی تھی۔ تمام چادریں تو لیے قسم کی پرانی چیزوں کو تہ لگا کے رکھ دیا گیا تھا اور لش لش کرتے پردوں سے لے کر ہر چیز نئی خریدی گئی تھی۔ ماموں مامی کی پسند کے تمام پکوان بھی بنوا لیے گئے تھے جب ابو اور دونوں بھائیوں کے جلو میں ان کا مختصر سا قافلہ گھر میں داخل ہوا۔ نانی اماں کی وفات کے بعد اس گھر سے جو وحشت ٹپکتی تھی، ایکدم ہی ختم ہو گئی۔ خاندان کے تمام رشتہ دار ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔

”نانی اماں ہوتیں تو کتنا خوش ہوتیں آپ سے مل کے۔“ میں نے گلے ملتے ہوئے کہا۔

”وہ اپنے ابدی گھر میں ان شاء اللہ ہم سے بھی زیادہ خوش ہوں گی۔“ مسکراتے ہوئے انہوں نے جواب دیا۔

ان کی دونوں بیٹیاں ہاجرہ اور مریم بالکل ان کا پرتو تھیں، لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ایک اجنبی ملک اور

اجنبی لوگوں کے درمیان ہیں۔ ہر ایک سے ہاتھ ملا کے "السلام علیکم ورحمتہ اللہ" کہتی ہنستی کھیلتی گڑیا۔۔۔ جبکہ میرے دونوں انعم اور مرشد میری ٹانگوں سے چپکے ہوئے تھے۔ اقصیٰ مامی نے آگے بڑھ کے انہیں گود میں لینا چاہا تو مرشد نے گھبرا کے رونا شروع کر دیا۔

"ارے۔۔۔ کیا السلام علیکم کے جواب میں رویا کرتے ہیں آپ لوگ؟" مامی ہنسیں اور بیگ سے چاکلیٹ نکال کر انہیں دیں۔ میرے بچے تو ویسے ہی دیوانے ہیں میٹھے کے' چاکلیٹ دیکھ کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور دوستی کا آغاز ہوا۔

یہ منظر دیکھ کے سب ہی ہنس پڑے۔ منیب میرے بچوں کے ابا تو بہت ہی خوش ہوئے۔ وہ پہلی دفعہ اقصیٰ مامی سے مل رہے تھے۔ ان کے ذہن میں بیک وقت مختلف خیالات تھے۔ ایسی ہی ہوں گی جیسے غیر ملکی ہوتے ہیں۔ ہو کیئر' ریزرو اور لیے دیے رہنے والی۔۔۔ لیکن جب بھی ہمارے آنگن میں بفضل خدا خوشیوں نے ڈیرے ڈالے' ہماری شادی پر میرے اور منیب کے الگ الگ تحائف' دعائیہ کارڈز' بچوں کی پیدائش پر بے پناہ خوشی کے اظہار کے ساتھ دونوں کے لیے تحائف "اللہ نے ہمیں ایک حادثے میں موت کے کنارے سے کھینچ کے دوبارہ زندگی کے رتیلے میدان میں لا کھڑا کیا تو فون پر دل جوئی کا ایسا دل نشین انداز کہ منیب انہیں ولی قرار دے بیٹھے تھے۔ بار بار حیرت کے سمندر میں ڈبکی لگا کے پوچھتے "کیا کوئی ایسے بھی سمجھاتا ہے؟ بالخصوص جب اپنے سگے بہن بھائیوں کے پاس بھی افسوس کے رسمی ایک دو کلمات کے علاوہ وقت ہوتا ہے نہ جذبات۔۔۔ اتنی دور پردیس میں بیٹھی ایک خاتون جن کا مجھ سے خون کا ایک نقطے برابر بھی رشتہ نہیں ہے ایسے اپنائیت کا اظہار کر سکتی ہیں؟" اس حادثے میں منیب کی نئی گاڑی جس برے طریقے سے تباہ ہوئی تھی کوئی دیکھ کے سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس میں بیٹھنے والے زندہ بچے ہوں گے۔ منیب کی ٹانگ کا فریکچر ہوا تھا ان ہی دنوں ان کی کاروباری مصروفیات عروج پر تھیں۔ اس حادثے نے انہیں "تقدیر اور قدرت" دونوں سے شاکی کر دیا تھا۔ ایسے میں اقصیٰ مامی کی گفتگو ان کے زخموں پر مرہم بنتی گئی۔ ان کا ذہن یکسو ہوتا گیا۔

"جو کام روز ازل سے تقدیر میں لکھا جا چکا ہے اس کو تو کوئی چیز ٹال نہیں سکتی۔ شکرانہ بنتا ہے منیب بیٹے! یہ وقت جو کاتب تقدیر نے تمہاری قسمت میں لکھا تھا آیا اور ٹل گیا۔ پھر یہ کہ اس سے بھی بڑی آزمائش آ سکتی تھی۔ کیا تم نے حادثوں میں خاندان کے خاندان تباہ ہوتے نہیں دیکھے۔ اس پر بھی شکرانہ بنتا ہے کہ اللہ نے ذہن تو سلامت رکھا۔ تیسرا یہ کہ بندہ کس قابل ہے۔ یہ سوچنے کا موقع نفس دیتا ہے نہ حالات ایسے حادثات انسان کو اپنی اوقات بہت اچھی طرح یاد دلاتے ہیں اور بالفرض ان حادثات کے بعد بھی انسان توبہ تائب نہ ہو تو پھر وہ خدا کا نہیں بلکہ نفس کا بندہ ہے۔ یہ حادثہ نہیں رب کی طرف سے عذاب بن جاتا ہے' کیا تم رب کے عذاب کو برداشت کر سکتے ہو؟" اقصیٰ مامی کی آواز میں نمک گھل گیا تھا۔ ان کی آواز میں گھلے آنسو منیب اور مجھے' دونوں کو رلا رہے تھے۔۔۔

"اور آخری شکر اس بات کا۔" انہوں نے آواز کی لرزش پر قابو پاتے ہوئے کہا "آخری شکرانہ اس بات کا کہ یہ حادثہ جسم کے نقصان پر ٹل گیا' تمہارے ایمان پر کوئی آنچ نہیں آئی۔"

فون بند ہونے کے بعد میں نے منیب کو جائے نماز پر سر رکھے بلک بلک کر روتے دیکھا۔ مرد کو میں نے کسی روپ میں کبھی بھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا مگر منیب رو رہے تھے اور میں اندر تک کانپ گئی تھی کہ یہ آنسو اگر رب کی بارگاہ میں قیمت لگوا بیٹھے تو منیب کا اس وقت کیا مقام ہو گا۔ میرے روئیں روئیں میں منیب سے زیادہ اقصیٰ مامی کے لیے رشک تھا جو تین چار سال کی عمر میں جرمنی گئی تھیں لیکن وہاں کی آب و ہوا میں بھی دین پر کاربند تھیں۔ اب وہی اقصیٰ مامی پاکستان آئی تھیں۔ چند ہی لمحوں میں منیب کے چہرے

پر میں نے پسندیدگی کے تاثرات دیکھ لیے تھے۔ وہ منیب جو شادی کے پانچ چھ سالوں میں سسرال سے، بہت لیے دیے رہتے تھے۔ ہر کسی سے نپی تلی بات کرنا۔۔۔ اتنی کم گفتگو کرنا کہ بقول شخصے بلبل کو بھی بل کہتے تھے۔ وہی منیب تھے کہ دھیمی سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی۔ انہیں خوش دیکھ کے میرے دل سے ایک ہی دعا نکلی۔ اے پاک پروردگار! اقصیٰ مامی بھی ہیں تو انسان، خوبیوں خامیوں کا مجموعہ اللہ ان کی خامیوں پر پردہ ہی ڈالے رکھنا۔"

☼ ☼ ☼

اقصیٰ مامی اور مسلم ماموں کو پاکستان آئے تیسرا ہفتہ تھا۔ چونکہ ہمارے اور نانا ابو کی آبائی حویلی میں اک چھوٹی سی دیوار کا ہی پردہ تھا اور اس پردے میں بھی جگہ جگہ سوراخ یعنی کھڑکیاں اور دروازے تھے لہٰذا تمام تکلفات کو ایک طرف رکھ کے صبح سے شام تک ان کی صحبت میسر رہتی۔۔۔ گو وہ فطرتاً" بہت چست یا چالاک نہیں تھیں اس لیے بالعموم میں انہیں کسی نہ کسی کام میں ہی مصروف دیکھتی تھی۔ دوسری نمایاں صفت ان کا منظم ہونا تھا۔۔۔ ان کی پاکستان آمد کے تیسرے دن ہی جب انہوں نے مہمان تو تین دن رہتا ہے۔ اب مہمانوں والے سارے پروٹوکول اور تکلفات ختم کرو۔ کہہ کر گھر کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔۔۔ چست نہ ہونے کے باوجود میں ابھی جس کام کا سوچ ہی رہی ہوتی تھی کہ ان سے پوچھتی تو وہ اپنا کام مکمل کر چکی ہوتی تھیں۔

میں نے اور اقصیٰ مامی نے مل کے یہ طے کیا تھا کہ ہم سودا سلف اکٹھے ہی منگوالیا کریں گے۔۔۔ منیب جو پھل سبزی گوشت ہمارے لیے لاتے اس سے زیادہ اقصیٰ مامی منگواتیں۔۔۔

میں نے پوچھا بھی کہ ہمارے ہاں تو ملازمہ بھی کل وقتی ہے، منیب کی امی بھی دن میں ہمارے ہاں ہی ہوتی ہیں۔۔۔ افراد تو ہمارے ہاں زائد ہیں اور پھل سبزی آپ کی طرف زیادہ آتی ہے۔"

سن کر بس مسکرا کے چپ ہو گئیں۔ میں کپڑوں کی دھلائی کا سوچ رہی ہوتی تو ان کے کپڑے دھل چکے ہوتے تھے۔ مجھے ان تین ہفتوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ بااصول اور وقت کی پابند ہیں، لیکن میں پھر دل ہی دل میں دعا گو ہوئی "اے اللہ! جرمنی میں وقت کا پابند ہونا کوئی مشکل بات نہیں، یہاں اپنے پاکستان میں وہ ایسی وقت کی پابندی کر کے دکھائیں تو مانوں۔۔۔!

☼ ☼ ☼

میں بریانی کو دم لگانے میں مصروف تھی جب کچن والی کھڑکی کھلی اور اقصیٰ مامی کی کھنکتی آواز سنائی دی۔

"طاہرہ السلام علیکم۔۔۔ کیسی ہو؟" میں اپنے خیالوں میں گم تھی۔ ہڑبڑا کر خیالات کی دنیا سے باہر آئی۔

"وعلیکم السلام" آپ کیسی ہیں اقصیٰ مامی!"

"الحمد للہ بالکل ٹھیک، تم شام میں ذرا فارغ ہو گی۔" مامی نے سلاد کی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

"ہاں تقریباً" فارغ ہی ہوں۔ خیریت تو ہے۔" میں نے سلاد والی پلیٹ خالی کر کے بریانی اس میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"خیریت ہے ایک خوشخبری ہے۔۔۔" اقصیٰ مامی کے چہرے پر خوشیوں کے ساتوں رنگ دھنک کی طرح نظر آرہے تھے۔ "محمد بھائی کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی ہے۔۔۔ سیالکوٹ میں ماموں نواز کی بیٹی سے۔"

"اچھا!!" خوشی کی لہر اب یقیناً" میرے چہرے پر تھی۔ ان کا چھوٹا بھائی غیر شادی شدہ تھا۔ ظاہر ہے اسی کی بات ہو رہی تھی۔

"کب ہے شادی؟" میں نے کچن سے باہر آتے ہوئے پوچھا۔

"جون کے تیسرے دن۔۔۔ یعنی تین جون کی رات کو۔" انہوں نے کہا۔

"جون۔۔۔ اف اتنی گرمی میں۔۔۔ اور۔۔۔ اور اوئے

ماں جان! جون میں تو روزے ہوں گے۔" میں نے پریشانی سے کہا۔

"تو؟" ماں نے حیرانی سے بھنویں اچکاتے ہوئے مجھ سے سوال کیا۔

"روزوں میں شادی؟" میری ہنسی چھوٹ گئی۔

"کیوں بھئی' روزوں میں شادی نہیں ہو سکتی کیا؟" وہ پریشانی سے بولیں۔

"آپ کو نہیں پتا' روزوں میں شادی نہیں کرتے؟" میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح انہیں قائل کروں۔

"کیوں' رمضان میں شادی منع ہے یا حرام ہے؟" وہ مجھ سے زیادہ پریشان تھیں۔

"نہیں... منع تو نہیں مگر روزوں میں تو صرف عبادت کرتے ہیں۔" میں نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔

"اچھا..." وہ بے ساختہ کھلکھلا کے ہنسیں... "کیا شادی عبادت نہیں ہے؟ شادی کارڈز پر آپ لوگ حدیث نہیں لکھواتے ہو' النکاح من سنتی" وہ کیا ہے؟"

"ہاں... مگر روزوں میں تو تراویح پڑھتے ہیں۔ قرآن پڑھتے ہیں۔ نیکیوں کا مہینہ ہے ناں یہ۔" عجیب سی کشمکش والی حالت تھی۔

"افوہ۔ اگر تم عبادت 'تلاوت قرآن اور نماز کو کہتی ہو تو زکواۃ کیا ہے؟ پیسہ مستحق کو دینا... وہ مالی عبادت ہوئی۔ روزہ بدنی عبادت ہے اصل میں' میں جہاں تک سمجھ پائی ہوں آپ لوگ کچھ دینی اصطلاحات کے مخصوص اور محدود معنی ہی سامنے رکھتے ہیں۔ اگر تمہیں دو منٹ کی فرصت ہے تو میں وضاحت کر دیتی ہوں ورنہ فرصت ملنے پر۔" انہوں نے میری طرف دیکھا۔

میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی پندرہ بیس منٹ باقی تھے منیب کے آنے میں' میں نے صوفے کی پشت سے سر ٹکایا۔ گویا میں تیار ہوں۔

"عبادت عبد سے نکلا ہے جو انسان کا مقصد تخلیق ہے۔ عبد کا مطلب ہے بندہ... بندہ انسان کو نہیں کہتے' بندہ غلام کو کہتے ہیں یعنی ایسا نوکر جو چوبیس گھنٹے آن ڈیوٹی رہتا ہو۔

یہ دائرہ بڑھتا ہے تو بندہ سمجھ جاتا ہے کہ خالق کی مخلوق کے کام آنا بھی عبادت ہے کیا تم نے پیارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نہیں پڑھی "الخلق عیال اللہ... ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے..." سارا قرآن اسی خدمت خلق کا درس دیتا ہے۔ افسوس" اقصیٰ ماں نے ٹھنڈی سانس لی... ہم نے عبادت محض نماز روزے کو قرار دے کے اسے جائے نماز اور مساجد تک محدود کر دیا۔

میری منی! انہوں نے پیار سے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔ "جن کاموں کو ہم بھول جاتے ہیں کہ یہ خدا کو راضی کر سکتے ہیں۔ کسی بوڑھے ضعیف لاچار کے کام آنا' کسی بیوہ کا بل جمع کروانا' اس کے گھر میں راشن ڈلوانا' کسی یتیم کی پڑھائی کے اخراجات اپنے ذمہ لینا... یہ سب سارا سال بھولنے کی وجہ سے مہربان رب رمضان ہر سال لے کے آتا ہے... رمضان "روٹین سیٹ" کرنے کا مہینہ ہے۔ سارا سال کھانے پینے میں مگن رہ کے ہم خدا کی مخلوق تک پہنچ نہیں پاتے۔ زندگی کا مقصد بس یہی رہ جاتا ہے۔

خدا اسی کھانے کو جو گیارہ ماہ حلال اور جائز تھا 'روزے کی حالت میں ناجائز کیوں کر دیتا ہے؟ کبھی سوچا؟ اس لیے کہ انسان پیٹ پوجا کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ اور ہم اتنے نفس کے بندے بن جاتے ہیں کہ اپنے فرائض کی غفلتوں کو دور کرنے کے بجائے اسے پکوڑوں سموسوں کا مہینہ بنا لیتے ہیں... اور ظلم یہ کرتے ہیں کہ روز نئی ورائٹی ہو... چکن پکوڑے' بینگن' آلو' پالک کے پکوڑے... رمضان کا مفہوم محلے میں پکوڑوں سموسوں کی افطاری بانٹنے کو قرار دینے لگتے ہیں... کیا ایسا نہیں ہے؟ پورے سال کی غفلتوں' کی کوتاہیوں کا جائزہ لینے اور دور کرنے کے

بجائے چٹ پٹے 'خستہ سوندھی خوشبو والے پکوڑوں کے تلنے کو ضروری قرار دینے لگ جاتے ہیں۔۔۔!"

اقصیٰ مامی ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ میری سمجھ میں آ گیا تھا۔ ان کا ضرورت سے زائد راشن کہاں جاتا ہوگا۔ ذہن میں جھماکا سا ہوا' ان کے گھر کے عقب میں ایک غریب 'نادار خاندان آباد تھا۔ جن کی چھوٹی بیٹی اکثر اقصیٰ مامی کے ہاں موجود ہوتی تھی۔۔۔ اور پچھلے تین دن سے مسلسل وہ جو چادر لے کے "میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں گھر کا خیال رکھنا" کا کہہ کر جاتی تھیں تو کہاں جاتی ہوں گی۔۔۔ میری آنکھوں میں نمکین پانی جھلمل جھلمل کرتے ستاروں میں بدل گیا۔

"مامی! آپ بہت عظیم ہیں۔" میں نے ان کے ہاتھ کی پشت پر بوسہ دیا۔

"کوئی عظیم نہیں میں اقصیٰ ہوں۔ بس خدا کی بندی اور تمہیں یہ کہنے آئی تھی کہ شام میں میرے ساتھ بازار چلنا' شادی کے لیے بچوں کے کپڑے جوتے خریدنا ہیں۔۔۔ گرمیوں کے موسم کے کپڑے تو لینا پڑیں گے۔۔۔ چلو گی ناں میرے ساتھ۔" صوفے سے اٹھتے ہوئے ان کی نظریں کلاک پر تھیں۔ دس پندرہ کے بجائے بیس منٹ گزر گئے تھے' پتا ہی نہیں چلا۔۔۔

"ضرور چلوں گی۔۔۔ آپ جہاں لے جائیں گی' جب لے جائیں گی میں دل و جان سے تیار ہوں۔۔۔" میں نے جواب دیا۔

"جزاک اللہ۔" وہ گلے مل کے اپنے رہائشی حصہ کی طرف گئیں تو دروازے کی اوٹ سے منیب ایک دم پیچھے ہوئے۔

"آپ کب آئے؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"پچھلے بیس منٹ سے یہیں کھڑا ہوں اور میں یہی دعا کرتا رہا کہ اے اللہ میرے یہ بیس منٹ میری گزشتہ زندگی کی تلافی اور آنے والی زندگی کے لیے سنگ میل بن جائیں اے کاش۔۔۔ اے کاش۔۔۔!"

منیب کے چہرے پر حسرت ہی حسرت تھی اور میرے دل میں عزم ہی عزم کہ زندگی کے معمولات کو اب رب کے دیے ہوئے احکام کے مطابق ہی ڈھالنا تھا۔ ☆

قلعہ فلک بوس کا آسیب آیوشمتی... ایک بھٹکتی روح جس کے اسرار سے کوئی واقف نہیں ہے۔

معاویہ فلک بوس آتا ہے تو اسے وسامہ کی ڈائری ملتی ہے۔

فلک بوس میں وسامہ اپنی بیوی آئے کت کے ساتھ رہتا ہے۔ وسامہ بہت اچھا اور ذہین مصنف ہے۔ وہ باوقار اور وجیہہ شخصیت کا مالک ہے لیکن ایک ٹانگ سے معذور ہے۔ وہ غیر معمولی حساس ہے۔ اسے قلعہ فلک بوس میں کوئی روح محسوس ہوتی ہے۔ آوازیں سنائی دیتی ہیں لیکن کوئی نظر نہیں آتا۔ معاویہ 'وسامہ کا پھوپھی زاد بھائی ہے' آئے کت اور وسامہ 'معاویہ کو یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ قلعہ فلک میں آیوشمتی کی روح ہے لیکن معاویہ مضبوط اعصاب کا مالک ہے' اسے اس بات پر یقین نہیں آتا۔

کہانی کا دوسرا رخ ایک جہاں بھائی جوائنٹ فیملی سسٹم کے تحت رہتے ہیں۔

صابر احمد سب سے بڑے بھائی ہیں۔ صابر احمد کی بیوی صباحت تائی جان ہیں اور تین بچے' رامین' کیف اور فہمینہ ہیں۔ رامین کی شادی ہو چکی ہے۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ملائیشیا میں ہے۔

شفیق احمد کی بیوی فضیلہ چچی ہیں۔ مالی لحاظ سے وہ سب سے مستحکم ہیں۔ شفیق احمد نے ان سے پسند کی شادی کی تھی۔ دو بیٹیاں صیام اور منہا ہیں اور دو بیٹے شاہ جہاں اور شاہ میر ہیں۔ بڑے بیٹے شاہ جہاں مٹھو بھائی کا دماغ چھوٹا رہ گیا ہے۔

آمنہ ریاض

دشتِ جنوں

بابا احمد تیسرے بھائی کا انتقال ہو چکا ہے۔ ان کی بیوی روشن امی اور دو بیٹیاں خوش نصیب اور ماہ نور ہیں۔ خوش نصیب کو سب منحوس سمجھتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ تنگ مزاج ہو گئی ہے۔ خوش نصیب کی نانی بھی ان کے ساتھ رہتی ہیں۔ خوش نصیب کو دونوں چچاؤں سے شکایت ہے کہ انہوں نے ان کا حق نہیں دیا ہے۔ گھر کا سب سے خراب حصہ ان کے پاس ہے۔ صباحت تائی جان اور روشن امی خالہ زاد بہنیں ہیں۔ صباحت تائی جان کے چھوٹے بھائی عرفات ماموں جو بہت نرم گفتار اور دل موہ لینے والی شخصیت کے مالک ہیں۔ انہوں نے شادی نہیں کی۔ وہ کیف کے ماموں ہونے کے ساتھ ساتھ اس کا آئیڈیل بھی ہیں۔

کہانی کا تیسرا ٹریک منفرا اور ٹیمی ہیں۔ منفرا امریکہ میں پڑھنے آئی ہے۔ ہاسٹل میں رہتی ہے۔ زیر زمین ٹرین میں ان کی ملاقات معاویہ سے ہوتی ہے۔ منفرا کی نظریں معاویہ سے ملتی ہیں تو اسے وہ بہت عجیب سا لگتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی سفاکی اور بے حسی ہے۔ منفرا چونک سی جاتی ہے۔

ایک حادثے میں آئے کت اپنے بچے سے محروم ہو جاتی ہے اور اس کا ذمہ دار معاویہ کو سمجھتی ہے۔ معاویہ اس سے شادی کا فیصلہ کرتا ہے، مگر وہ انکار کرکے اپنے وطن لوٹ جاتی ہے۔ معاویہ اپنے گھر آجاتا ہے۔ کچھ سالوں بعد صاعقہ ممانی کے بھتیجے کی شادی میں دونوں کی ملاقات ہوتی ہے۔ جہاں معاویہ آئے کت سے اپنی شادی کا اعلان کرتا ہے۔ صاعقہ ممانی، ماموں، معاویہ کے والد سب اس رشتے سے ناخوش ہیں، مگر معاویہ اپنے دلائل سے انہیں قائل کر لیتا ہے۔ کچھ ردوکد کے بعد آئے کت بھی راضی ہو جاتی ہے۔

شاہ میر کچھ شعبدے دکھا کر پورے گھر کو متاثر کرتا ہے، مگر خوش نصیب اس کی باتوں میں نہیں آتی البتہ اس کے دل و دماغ پر ضرور ان باتوں کا اثر ہوتا ہے۔

منفرا کے والد مسٹر جمال پاکستان جانے کے لیے بضد ہیں، مگر ان کا بیٹا آدم تیار نہیں۔

معاویہ کی آئے کت سے شادی کو دادی کے تمام لوگ نیکی سمجھ کر سراہتے ہیں۔ اردشیر ازی ناراضی بھول کر اپنی دوسری بیوی اور تینوں بچوں سمیت فلک بوس پہنچ جاتے ہیں اور شادی کے انتظامات انتہائی اعلا پیمانے پر کرواتے ہیں۔ مہندی کی رات آئے کت کو فلک بوس کی عمارت پر ایک ہیولہ نظر آتا ہے۔

مٹھو بھائی خوش نصیب کو خودکشی کرتا دیکھ کر بچا لیتے ہیں۔ پورے خاندان میں اس بات کا بتنگڑ بن جاتا ہے۔ خوش نصیب اپنے اس فعل سے خود بھی حیران ہوتی ہے، اسے خود نہیں معلوم کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ صباحت بیگم کو فضیلہ چچی کی اس معاملے میں نکتہ چینی بری لگتی ہے۔ وہ فہمیدہ کو روشن امی کی بھری جوانی میں بیوگی اور مشکلات کا بتاتی ہیں جنہوں نے روشن امی کے شوخ مزاج کو بدل کے رکھ دیا تھا۔

آدم کا خیال ہے کہ اس کے والد منفرا کی شادی اس کے بچپن کے دوست شامیر سے کریں گے۔ مگر وہ اس خیال کو رد کردیتی ہے۔ وہ اسے صرف دوست سمجھتی ہے۔

خوش نصیب کی خودکشی کی خبر کیف کو بھی مل جاتی ہے۔ وہ اسے فون پر تنگ کرتا ہے تو وہ غصے میں شامیر کے جبران سے ملنے کی ضد کرتی ہے اور اگلے روز شامیر ایک زیر تعمیر بنگلے پر اس کی ملاقات جبران سے کراتا ہے۔ جبران روایتی جن نہیں بلکہ غیر معمولی حسن کا حامل پراسرار سا شخص ہے۔ شامیر خوش نصیب کو کمرے میں بند کرکے چلا جاتا ہے۔

آئے کت کسی بھی آسیب کو ماننے سے انکار کردیتی ہے اس کے خیال میں کوئی انہیں ڈرا رہا ہے۔ مگر معاویہ اسے آسیب ہی سمجھتا ہے۔ کسی بھی ناخوشگوار واقعے سے بچنے کے لیے وہ نکاح کا انتظام کرتا ہے۔ مگر عین نکاح کے وقت آئے کت پراسرار انداز میں غائب ہو جاتی ہے۔

خوش نصیب تھوڑی کوشش کرکے باہر آجاتی ہے۔ ایک دوسرے کمرے میں اسے شامیر پیری والے ملنگ بابا کے ساتھ شیطانی عملیات میں مصروف نظر آتا ہے، وہیں جبران ہوتا ہے جو اسے دیکھ لیتا ہے۔ جبران، خوش نصیب کو وہاں سے نکال دیتا ہے اور فراڈیے شامیر کی اصلیت سے آگاہ کرتا ہے۔ جبران درحقیقت معاویہ ہے جو کسی روح کی تلاش میں شامیر سے ٹکرایا ہے۔

شامیر کے دھمکانے پر خوش نصیب گھر میں کسی کو بھی اس کی اصلیت سے آگاہ نہیں کرتی' فضیلہ چچی صیام کا رشتہ شامیر اور کیف کے لیے منہا کا عندیہ دیتی ہیں۔ کیف گھر آتا ہے۔ جہاں خوش نصیب اسے شامیر کے بارے میں بتانا چاہتی ہے مگر صباحت تائی کے آنے سے بات ادھوری رہ جاتی ہے۔

سولہویں قسط

گو کہ یہ گرمیوں کے دن تھے' لیکن اس روز حبس بھری دوپہر کا زور کہیں شام سے ذرا پہلے ٹوٹ گیا۔ آسمان پر پھیلی مٹی ہوا کے دو تین جھونکوں سے رفع ہوگئی' لیکن جاتے جاتے کچے صحن میں اپنے نقش چھوڑ گئی۔ ماہ نور نے پانی کا پائپ نلکے کے منہ سے لگایا اور تنکوں کی جھاڑو اٹھا کر چھپا چھپ صحن کی سرخ اینٹوں پر پھیلی مٹی سمیٹتی چلی گئی۔ فہمینہ نے کنالیاں صاف کر کے باجرے اور پانی سے بھر کر منڈیروں پر رکھ دیں۔ یہاں تک کہ شام کے پرندے اونچی اڑانوں سے تھک کر نیچی پروازیں بھرتے فضل منزل کے صحن میں اپنے پر پھڑپھڑانے لگے۔

صیام کو سیلفیاں لینے کے لیے بڑا مناسب موقع مل گیا۔ جلدی سے اس نے اپنا نیا نکور زرد رنگ کا جوڑا نکال کر پہنا۔ جس کے گلے اور آستینوں پر سندھی کڑھائی سے نفیس پھول کاڑھے گئے تھے اور جس کی خوش رنگی صیام کے چہرے کی رنگت سے میل کھاتی تھی۔ بالوں کو اس نے پراندے میں قید کیا اور پیروں میں باریک اسٹریپ والی نازک سی چپل پہن کر ساری کدورت بھلائے ان سب کے ساتھ آکر گھل مل گئی۔

منہا کو جانے کیا سوجھی۔ کہیں سے ایک مضبوط رسی ڈھونڈ کر لائی اور ہار سنگھار کی اونچی اور موٹی شاخ سے جھولا ڈال کر اونچا اونچا جھولنے لگی۔ اوپر سے اپنی بے سُری آواز میں برسات کے ایسے ایسے گیت گائے کہ ان سب کے قہقہے تھمتے نہ تھے۔

صحن میں اینٹوں پر پانی بہائے جانے کی سوندھی سی خوشبو بکھری تھی۔ یہاں سے وہاں تک پانی ہی پانی اور جا بجا ان چاروں کے بے فکرے قہقہے تھے۔ برآمدے کی سیڑھیوں کے ستون سے ٹیک لگا کر بیٹھی خوش نصیب نے انہیں دیکھا۔ ہولے سے مسکرائی اور اپنے جلتے ہوئے پیر سرخ اینٹوں پر بہتے پانی میں رکھ دیے۔ آہ... جلتے ہوئے تلووں کو سکون سا آگیا۔

پتا نہیں کیوں' لیکن اسے اپنا آپ ایک ان دیکھی آگ میں جلتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا۔ ہر وقت حلق سوکھتا رہتا۔ وہ گلاس بھر بھر کر پانی پیتی' لیکن پیاس تھی کہ بجھنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ ذہن پر ہر وقت عجیب سی غنودگی چھائی رہتی تھی' لیکن رات کو سونے کے لیے آنکھیں بند کرتی تو عجیب عجیب سی شکلیں دکھائی دینے لگتیں۔ وہ ڈر کر آنکھیں کھول دیتی اور اس کے بعد ساری رات یوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی۔

گندمی رنگت دن بدن سنولا رہی تھی۔ بھوک جیسے بالکل ختم ہو چکی تھی اور جسم ہر گزرتے دن کے ساتھ سوکھتا جا رہا تھا۔ پتا نہیں کسی اور نے اس کے اندر آنے والی ان تبدیلیوں کو نوٹ کیا تھا یا نہیں' لیکن خوش نصیب جانتی تھی۔ کچھ غلط تھا' اس کے ساتھ ضرور کچھ غلط ہو رہا تھا' لیکن اس سارے چکر سے کیسے نکلنا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی کیونکہ اس سوال پر آکر اس کا دماغ کام کرنا بالکل بند کر دیتا تھا۔

منہا نے اسے الگ تھلگ بیٹھے دیکھا تو وہیں سے آواز لگائی۔ "خوش نصیب! وہاں اکیلی بیٹھی کیا کر رہی ہو... یہاں آؤ ناں... تم تو سب سے اونچا جھولا جھلاتی ہو۔" اس کی آواز میں جوش تھا۔

خوش نصیب نے مسکرا کر وہیں سے انکار میں ہاتھ ہلا دیا۔ وہ سب اپنی شرارتوں میں اور ایک دوسرے پر پانی

اچھالنے میں اتنی مگن تھیں کہ کسی نے بھی اس کی پژمردگی پر دھیان نہ دیا۔ خوش نصیب نے مسکراتے ہوئے یوں ہی گردن موڑی تو گیسٹ روم کے دروازے پر اسے شامیر کھڑا دکھائی دیا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ سے کندھا ٹکائے ٹانگوں کو قینچی کے اسٹائل میں موڑے ہاتھ میں کولڈ ڈرنک کاٹن پکڑے کھڑا تھا اور گہری نظروں سے خوش نصیب کو دیکھ رہا تھا۔ جوں ہی دونوں کی نظریں ملیں وہ خیر سگالی انداز میں مسکرایا۔

وہی انگلش فلموں کے ہیرو جیسی چمکتی دمکتی قیمتی مسکراہٹ۔

خوش نصیب کے دل میں ہراس ایسے پھیلا جیسے مکڑی کے جالے نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ بظاہر نازک، لیکن اتنا مضبوط کہ ہراس کی اس باریک تہہ سے آگے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سمٹ گئی اور دل دہشت زدہ ہو کر دھڑکنے لگا۔ اس نے گردن موڑلی اور ایسے ظاہر کرنے کی کوشش کرنے لگی جیسے اسے دیکھا ہی نہ ہو۔

شامیر سمجھ گیا اس کی مسکراہٹ میں کمینگی نے پھیل کر وہی کام کیا جو پانی سے لبالب بھری ہوئی بالٹی میں نیل کے چند قطرے کرتے ہیں۔ وہ چوکھٹ سے ہٹ گیا اور خوش نصیب اپنے خشک ہوتے حلق اور دہشت زدہ ہو کر دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ جب ناکام ہوئی تو وہاں سے ہٹ گئی۔

جب وہ تیزی سے اٹھ کر، لیکن جھکے سر اور تھکے ہوئے قدموں کے ساتھ وہاں سے جا رہی تھی تو اسی وقت سامنے سے کیف آ رہا تھا۔ اس نے خوش نصیب کو دیکھ کر بات کرنے کی غرض سے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ ہوا کی سی تیزی سے اس کے قریب سے گزرتی چلی گئی۔ کیف کا بات کرنے کے لیے کھلا ہوا منہ شرمندہ ہو کر بند ہو گیا اور آنکھوں میں حیرانی اور ناسمجھی سی سمٹ آئی۔

وہ خوش نصیب نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا یہ کوئی اور تھی۔ بدلی بدلی سی۔

جو پیاری تھی تو گردن اور اکڑا کر رکھتی تھی جیسے دنیا فتح کرنے جا رہی ہو اور دنیا والے اس کے جوتے کی نوک پر۔ بعد میں چلتی ..... کر اس کے چلنے سے پیڑ پودے دیواریں بھی ہلنے لگی تھیں، لیکن یہ..... یہ تو کوئی اور ہی تھی۔ عجیب سی بجھی بجھی سی..... مایوس اور دل گرفتہ۔

وہ اپنے تئیں کھوج لگا کر تھک گیا تو فہمینہ کو جالیا۔ "سنو..... گھر میں کوئی بات ہوئی ہے کیا؟"

"بات.....؟ کیسی بات.....؟" وہ ناسمجھی سے پوچھنے لگی۔

"مطلب خوش نصیب کو کسی نے کچھ کہا ہے کیا.....؟"

"خوش نصیب کو تو سب ہی کچھ نہ کچھ کہتے رہتے ہیں۔ اس میں کون سی نئی بات ہے۔ اور ویسے بھی وہ کسی کی سنتی ہی کب ہے؟" اس نے لاپروائی سے کہا تھا۔

"نہیں..... تم سمجھ نہیں رہیں۔" وہ ذرا الجھے ہوئے انداز میں بولا تھا۔

"اس بار کچھ الگ بات ہوئی ہے۔ ہاں میں جانتا ہوں۔ یہ میری غلط فہمی نہیں ہو سکتی۔"

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟" وہ بھی الجھ کر بولی تھی۔

"مجھے دس دن ہو چکے ہیں یہاں آئے ہوئے۔ دس دن میں پچاس بار اسے جلی کٹی سنا چکا ہوں..... پچاس ہی بار اسے بھڑکانے کی کوشش کی ہے کہ وہ مجھ سے جھگڑا کرے، لیکن وہ تو بولتی ہی نہیں ہے، نہ آگے سے کوئی الٹا جواب دیتی ہے، جھگڑا کیا خاک کرے گی۔"

فہمینہ کو اس کی بات سن کر ہنسی آ گئی۔ "کیا محبت ہے بھئی..... کچھ زیادہ ہی فکر نہیں رہنے لگی خوش نصیب کی۔"

"پتا نہیں محبت ہے یا کچھ اور... لیکن مجھے واقعی اس کی فکر ہو رہی ہے۔"

"تو جا کر اس سے پوچھ لو نا۔"

"کوشش کی تھی... لیکن وہ کچھ بولتی ہی نہیں ہے۔"

"ویسے ایک بات بتاؤں؟ خوش نصیب کافی دن سے ایسے ہی ری ایکٹ کر رہی ہے۔ نہ کسی سے بات کرتی ہے۔ ایسے ہی گم صم سی بیٹھی رہتی ہے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ تب سے ہو رہا ہے جس روز سے وہ بیمار ہوئی ہے۔"

کیف کی پیشانی پر فکرمندی سے بل پڑ گئے۔ "تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟"

"تم خود ہی یہاں آ گئے تھے۔ مجھے لگا تمہاری اس بارے میں بات ہو گئی ہو گی۔"

"نہیں... میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ مجھے تو اپنی ڈاکومنٹری کے سلسلے میں یونی ورسٹیز کی لائبریریز اور اسائلمز کے چکر لگانے سے فرصت ملے تو کسی سے کوئی بات کروں۔" وہ اکتا کر بولا۔ "قسم سے... میرے کسی پروجیکٹ نے مجھے اتنا نہیں تھکایا جتنا اس فائنل پروجیکٹ کے سلسلے میں تھک گیا ہوں میں۔"

"تم تو ہمیشہ اپنے کام کو انجوائے کرتے ہو۔ اس بار کیسے تھک گئے؟"

"اس بار ٹاپک ہی ایسا سلیکٹ کیا ہے کہ کام کر کر کے نانی اماں مرحوم یاد آ گئی ہیں۔ سوچا تھا فائنل پروجیکٹ ہے ایک دھواں دھار قسم کی ڈاکومنٹری بناؤں گا تو پریکٹیکل فیلڈ میں بھی کافی مدد مل جائے گی لیکن مدد ملنا تو دور کی بات ہے ابھی اپنی ضرورت کی عمارتیں ڈھونڈنے میں ہی مجھے اور میرے گروپ ممبرز کو دن میں تارے نظر آنا شروع ہو گئے ہیں۔"

"ایسا کیا خطرناک ٹاپک چن لیا ہے بھئی؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"چھوڑو تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔" وہ ناک سے مکھی اڑا کر بولا۔

"ایک ذہین و فطین ڈاکٹر سے کہہ رہے ہو کہ اس کی سمجھ میں کوئی چیز نہیں آئے گی۔" **فہمینہ** نے ناک چڑھا کر پوچھا تو وہ ہنس دیا۔

"ہمارے ایجوکیشنل سسٹم کی زبوں حالی کی اس سے بڑھ کر اعلامثال اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم جیسی لڑکی کا نام بھی میرٹ لسٹ پر آ گیا تھا۔" وہ چڑا کر بولا تو فہمینہ چڑ کر بولی۔

"ٹاپک بتاؤ... باتیں نہ بناؤ۔"

"یار..." اس نے ایک منٹ کے لیے سوچا، پھر جیسے ہار مانتے ہوئے اسے اپنے پروجیکٹ اور فائنل پروف ڈاکومنٹری کے بارے میں بتانے لگا۔

"ہمیں ایک سو ایک پیشنٹس کو تلاش کرنا ہے جنہوں نے ایکسٹریم لیول کے سائیکولوجیکل ڈس آرڈرز (شدید نوعیت کے نفسیاتی امراض) سے سروائیو کیا ہوا اور اس کے بعد کار آمد ممبرز کے طور پر سوسائٹی کو سرو کر رہے ہوں۔"

"تو اس میں کیا مشکل بات ہے، کسی بھی عام پاگل خانے یا نفسیاتی امراض کے اسپتال میں چلے جاؤ۔ تمہیں ایک سو تو کیا ایک ہزار مریضوں کے کھاتے بڑے آرام سے مل جائیں گے۔" اس لیے یہ معمولی بات تھی۔

کیف اس کی کم عقلی پر ہنس دیا۔ "دیکھا... میں نے کہا تھا نا تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ او میری کم عقل بہن! مریضوں کے پتے نکلوانا اہم چیز نہیں ہے۔ اہم چیز ان مریضوں سے سچ اگلوانا ہے۔ انہیں یہ بتانے کے لیے

قائل کرنا ہے کہ کیسے اپنے ذہنی امراض سے نپٹ کر اس پوزیشن تک پہنچے ہیں۔ لوگ دراصل بیماری کا مقابلہ کرلیتے ہیں، لیکن دنیا کی زبانوں سے ڈر جاتے ہیں' اس بات سے خوف زدہ ہوجاتے ہیں کہ ٹھیک ہونے کے باوجود انہیں نفسیاتی مریض کہہ کر پکارا جائے گا اور ان کے صحیح عمل کو بھی غلط تناظر میں دیکھا جائے گا۔"

"مجھے کم عقل کہنے کے بجائے مجھے تھوڑا وقت دو۔ مجھے لگتا ہے میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔"

وہ پرسوچ انداز میں بولی تھی۔

"سونہ سہی' لیکن دس ایسے مریضوں کی فہرست تو میں تمہیں نکلوا ہی دوں گی جو اپنے خیالات شیئر کرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔"

"میں کافی محنت کرچکا ہوں۔ لیکن اب تم پر بھی بھروسا کرکے دیکھ لیتے ہیں۔" وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

مونٹوک کے ساحل پر ایک خوب صورت شام سجی تھی۔ مسٹر جمال اور مسز جمال کے بچوں نے ان کی شادی کی سالگرہ منانے کے لیے لانگ آئس لینڈ کے کنارے ایک بہترین گیٹ ٹوگیدر کا انتظام کیا تھا۔ گول دائرے میں سفید اور ہرے رنگوں سے سجی کرسیاں رکھی تھیں۔ جن پر تمام قریبی احباب سفید لباس میں ملبوس بیٹھے تھے اور ایک ایک کرکے شادی کے پچیس سال کامیابی سے اور محبت سے بسر کرنے والے جوڑے سے وابستہ نیک تمناؤں کا اظہار کررہے تھے۔ خوش گوار یادوں کو دہرا رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہر کچھ دیر بعد سب کے قہقہے گونجنے لگتے تھے۔

کچھ فاصلے پر ایک میز پر تحائف اور سفید پھولوں کے گلدستے رکھے تھے۔ اس سے کچھ دور الاؤ روشن کرنے اور باربی کیو کا انتظام کیا گیا تھا۔ سورج ڈوب رہا تھا اور ٹھنڈی ہوا ان سب کے مزاج کو مزید خوش گوار بنارہی تھی۔ کچھ دیر تک اسی طرح باتیں چلتی رہیں۔ پھر کیک کاٹا گیا اور اس کے بعد سب نے ہم آواز ہوکر خوشی کے گیت گائے۔ پھر سب چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر باتیں کرنے لگے۔ آدم اپنے دوستوں کو لے کر اس طرف چلا گیا اور وہ سب ریت پر بیٹھ گئے۔ آدم اپنے گٹار پر انہیں ایک خوب صورت دھن اور محبت کا دل فریب گیت سنانے لگا۔

منفرا کیلی ریت پر چہل قدمی کرتی اس کا گیت غور سے سننے لگی۔

"اے محبوب! تم مجھ سے دور ہو اور میں تمہارے ہجر کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتا ہوں۔"

وہ رک کر بغور اس کا گیت سننے لگی۔ پتا نہیں آدم نے اتنا اچھا گٹار بجانا کہاں سے سیکھ لیا تھا' لیکن جو بھی تھا وہ بڑی خوب صورت اور دل فریب دھن بجا رہا تھا۔ منفرا نے اس روز سفید رنگ کا گھٹنوں سے ذرا نیچے بغیر آستینوں کا فراک پہنا تھا جس کے کندھے پر سفید ہی پھول ٹنگا تھا۔ اس کے سنہری بال کھلے تھے اور ان پر پھولوں سے سجا گول نازک سا تاج نما بینڈ لگا ہوا تھا۔ ساحل کی ہوا اس کے بالوں کو اڑا رہی تھی۔ وہ اتنی نازک اور دلکش لگ رہی تھی کہ کوئی بھی پتھر دل بھی اس کی محبت میں مبتلا ہوسکتا تھا' لیکن وہ پتھر دل کہاں تھا جس کا انتظار منفرا کو تھا؟ وہ ایک جسے دیکھ کر دل دھڑکنا بھول جائے۔ جسے دیکھ کر دماغ اور کسی کے خیال میں مبتلا ہونے کا ہی نہ سوچ سکے۔

یہ سوچتی وہ دوبارہ چہل قدمی کرنے لگی' معاً اسے دور سے کوئی آتا ہوا دکھائی دیا۔ منفرا کی طرح وہ بھی ریت پر چہل قدمی کرتا ہوا اسی طرف آرہا تھا۔ منفرا نے دیکھا اور ٹھٹک سی گئی۔ سورج اب مکمل طور پر ڈوب چکا تھا۔ روشنی نامکمل سی رہ گئی تھی ایسی۔ دور الاؤ روشن ہوچکا تھا اور الاؤ کی نارنجی سے آگ کا عکس چہار سو پھیلا تھا۔ تو اس نامکمل روشنی میں منفرا کو وہ ہیولہ سا دکھائی دیا جو جانا پہچانا بھی لگتا تھا اور اجنبی بھی۔ لیکن نہ جانے کیا کشش تھی جانے انجانے وہ اسے دیکھتی چلی گئی۔ نہ صرف یہ بلکہ آنکھیں سکوڑ کر اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگی۔

یہاں تک کہ وہ بالکل اس کے قریب پہنچ گیا اور منفرا اسے اپنے سامنے پاکر حیران رہ گئی۔ اس وقت وہ اور زیادہ حیران رہ گئی جب اس نے اسے اس کے اصل نام سے پکار کر مخاطب کیا۔

"ہیلو مس منفرا! آپ کیسی ہیں؟"

اس کی آواز منفرا کو حیرانی اور بے یقینی کے اس بھنور سے کھینچ لائی' جس میں وہ ڈوبتی چلی جارہی تھی۔ "مم۔ میں ٹھیک ہوں۔ آپ کی دی ہوئی میڈیسن سے کافی افاقہ ہوا ہے۔ اب تو مجھے نیند بھی اچھی آتی ہے۔"

"گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔۔"

اب وہ خاموش ہوکر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑنے لگی' سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا بات کرے۔

"یہاں آتے ہوئے مجھے امید نہیں تھی کہ آپ سے ملاقات ہوجائے گی۔" اس نے بات چھیڑی۔

"مجھے بھی امید نہیں تھی۔ ویسے آج میرے پیرنٹس کی ویڈنگ اینورسری ہے۔ ہم سب اسی سلسلے میں یہاں اکٹھے ہوئے ہیں۔"

وہ جھجکا' پھر بولا۔ "اوہ کونگریچولیشنز۔"

"کین یو پلیز جوائن اَز؟" وہ جھجکا اور پھر اس نے کہا۔

"شیور۔۔۔"

"میں آپ کو اپنے سب دوستوں سے ملواتی ہوں۔"

وہ معاویہ شیرازی کو لے کر اس طرف چل پڑی جس طرف سب ہی دوست احباب موجود تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

☆ ☆ ☆

اگلی صبح دس بجے کے قریب خوش نصیب کچن میں آکر اپنے لیے چائے بنانے لگی۔ کچن غیر معمولی طور پر خالی پڑا تھا۔ فضل منزل میں اتنی عوام بستی تھی کہ دن کے اوقات میں یوں کچن کا خالی مل جانا بھی ایک حیرانی کی بات معلوم ہوتی تھی۔ خیر وہ چائے رکھ کر جوش آنے کا انتظار کرنے لگی' لیکن وہیں کھڑے کھڑے جیسے کسی ٹرانس میں چلی گئی۔ ایسا لگا جیسے اس کے اردگرد موجود ہر چیز ایک گہری دھند میں چھپ گئی ہو۔ کان سماعت سے عاری ہوگئے۔ یہاں تک کہ اسے اپنا آپ خلا میں تیرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ معاً اس کے نتھنوں سے جلنے کی تیز بو ٹکرائی' اسے فوری طور پر یاد آیا کہ یہ بدبو کہاں سے آسکتی ہے۔ اس نے چولہا بند کرنے کے لیے ہاتھ بڑھانا چاہا' لیکن ہاتھ لوہے کے وزنی شکنجے کی طرح محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے دائیں کلائی پکڑ کر ہاتھ چولہے تک لے جانا چاہا' لیکن بے سود۔ یہاں تک اس نے جسم کی پوری طاقت لگا کر ہاتھ اٹھانے کی کوشش کی تو اسی وقت اس کا ٹرانس ٹوٹ گیا اور وہ باؤنس ہوتی گیند کی طرح پیچھے کی طرف لڑکھڑا گئی۔

اگر پیچھے سے کسی نے اس کے کندھوں کو پکڑ کر سہارا نہ دیا ہوتا تو وہ ضرور بری طرح پچھلے شیلف سے ٹکراتی۔ اس کے حواس قابو آنے میں کچھ وقت لگا اور قدرے ہوش میں آتے ہوئے جب اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو شاکڈ رہ گئی۔ پیچھے شامیر کھڑا تھا اور خوب صورتی سے مسکرا رہا تھا۔ خوش نصیب کے اعصاب تن گئے۔ اس نے ایک جھٹکے سے خود کو چھڑایا اور جاکر جلدی سے چولہا بند کردیا۔ ساس پین میں چائے جل کر پیندے سے جا لگی تھی اور کنارے بری طرح جل چکے تھے۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ میں کچھ مدد۔۔۔۔" وہ نرم لہجے میں کہتا آگے بڑھا۔

"مجھے کسی کی مدد لینے کا کوئی شوق نہیں ہے۔" وہ تُرخ کر بولی۔ "تم تشریف لے جاؤ یہاں سے۔"

بنا شامیر کی طرف دیکھے سختی سے دانت بھینچے وہ ڈسٹر اٹھا کر چولہے پر سوکھ کر جلی ہوئی۔ چائے صاف کرنے لگی۔

شامیر نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔ اطمینان سے پانی کا گلاس بھرا اور گھونٹ گھونٹ پانی پیتا اس سے چند قدم دور جا کر کھڑا ہو گیا اور دوستانہ انداز میں بولا۔

"ایک بات ابھی تک سمجھ میں نہیں آئی۔ تم کوئی حور پری ہو' نہ کوئی ذہانت میں جھنڈے گاڑ رکھے ہیں' نہ ہی کوئی خاص مال و دولت ہے تمہارے پاس.... غرور کس بات کا ہے تمہیں۔" اس کا انداز اتنا استہزائیہ تھا کہ خوش نصیب کو آگ ہی لگ گئی۔

"ہاں ہے مجھے غرور... اور کس بات کا ہے' یہ میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔

شامیر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔ سنا ہے ایک سانپ ہے جو اپنے شکار کو سالم نگل جاتا ہے اور نگلنے سے پہلے اپنی آنکھوں سے اسم پھونک دیتا ہے کہ شکار بے بس ہو کر رہ جاتا' لیکن اپنے دفاع میں کچھ نہیں کر پاتا۔ وہ سانپ کیا شامیر سے بھی زیادہ خطرناک ہو گا؟ جس کی آنکھیں سامنے کھڑے اپنے شکار کو سالم نگلنے سے پہلے اس پر اسم پڑھ کر پھونک رہی تھیں اور شکار ان آنکھوں کے جادو کے آگے کمزور پڑنے لگا تھا۔ معاً" خوش نصیب کا ہاتھ گرم برنر سے ٹکرا گیا اور اس نے چونک کر نظریں موڑ لیں۔ اس کا دل بے ہنگم ہو کر دھڑک رہا تھا۔

"مجھ سے دوستی کر لو۔ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"اور تم یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ کیونکہ اس میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے میں اتنی آسانی سے تمہیں چھوڑ دوں گا؟ یہ جو تمہارے ماتھے پر تل ہے نا۔ یہ شیطان کے سائے کی علامت ہے اور شیطان جنہیں اپنے سائے میں رکھتا ہے' انہیں اتنی آسانی سے چھوڑتا نہیں ہے۔ میں پھر ایک بار کہہ رہا ہوں' مجھ سے دوستی کر لو.... ہم اپنے دوستوں کا نقصان ہونے نہیں دیتے۔"

خوش نصیب کا ہاتھ بے ساختہ اپنے ماتھے تک چلا گیا۔ اس نے تو کبھی اپنے چہرے کے نقوش پر بھی اتنا غور نہیں کیا تھا' کجا کہ کسی تل کا پتا لگاتا۔

"کسی غلط کام سے ملا ہوا فائدہ نہیں چاہیے مجھے.... خدارا میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے.... مجھے اپنے آقا کو خوش کرنا ہے۔ اور وہ میں کر لوں گا۔ تم نہیں تو کوئی اور سہی۔" اس نے عام انداز میں کہا اور کچن سے باہر نکل گیا۔

خوش نصیب کا دل و دماغ عجب اضطراب نے جکڑ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

معاویہ ان سب کے ساتھ ایسے گھل مل گیا تھا جیسے ان سب کو پہلے سے جانتا ہو۔ لیکن اس میں زیادہ کمال ان ہی سب کا تھا۔ وہ سب کے سب اتنے زندہ دل اور اتنے خوش مزاج تھے کہ کسی کو بھی زیادہ دیر تک الگ تھلگ ہو کر رہنے کا موقع مل ہی نہیں سکتا تھا۔ جب کھانا شروع ہوا تو آدم کو اس کے ساتھ کچھ دیر اکیلے بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ وہ سب اپنی اپنی پلیٹیں پکڑے معاویہ کا انٹرویو لینے لگے تھے۔

"تو معاویہ! تم کرتے کیا ہو؟"

"چھوٹا موٹا بزنس ہے ہمارا۔" اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اور وہ چھوٹا موٹا بزنس کیا ہے۔ کیا تم یہ بتانا پسند نہیں کرو گے۔" آدم کی دوست فینی نے پوچھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ہنسا۔

"انڈسٹریل مشینری بنانے کے کارخانے ہیں ہمارے۔" اس نے اتنے عام لہجے میں کہا تھا' جیسے یہ بڑی ہی کوئی معمولی بات ہو' لیکن ان سب کے منہ کھلے کے کھلے ہی رہ گئے تھے۔

"انڈسٹریل مشینری۔۔۔" فہمی نے ایک بار دہراتے ہوئے یقین کرنا چاہا' آیا کہ وہ یہی کہہ رہا ہے یا اسے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"ہاں انڈسٹریل مشینری۔۔۔ ساتھ میں ہم نمک کا کاروبار بھی شروع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اسی سلسلے میں' میں مونٹوک آیا ہوں۔"

"کول۔" آدم نے متاثر کن انداز میں کہا تھا۔

"اس کا مطلب تم کافی رچ پرسن ہو۔"

"نہیں' میں نہیں ہوں۔ ہاں میرے فادر ہیں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا اور سب نے اس کی بات کو مذاق سمجھتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

"لیکن میں ایک بات ضرور کہوں گا۔ امیروں والا ایٹی ٹیوڈ نہیں ہے تمہارے اندر۔" جنسن نے اسے سراہتے ہوئے کہا تو منفرا نے دل میں سوچا۔

"مجھ سے پوچھو۔"

معاویہ نے اس کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا۔ پھر وہ بہت دیر ان سے باتیں کرتا رہا۔ تقریب کے اختتام پر اس نے مسٹر جمال اور مسز جمال کو مبارک باد دی اور ساتھ میں معذرت کی کہ وہ ان کے لیے کوئی تحفہ نہیں لا سکا تھا۔ اس کی معذرت کو کھلے دل سے قبول کیا گیا اور مسز جمال نے اسے دوبارہ گھر آنے کی دعوت دی۔ جسے اس نے قبول کرلیا' لیکن منفرا جانتی تھی وہ پراسرار انسان دوبارہ آنے کی غلطی نہیں کرے گا۔

"کیا ہم کچھ دیر چہل قدمی کرسکتے ہیں؟" جانے سے پہلے وہ منفرا کے پاس آیا اور اس نے بڑی تمیز سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔۔۔ ضرور۔۔۔ مام! میں تھوڑی دیر میں واپس آرہی ہوں۔"

وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ منفرا پہلے ہی ننگے پاؤں تھی' معاویہ نے اپنے شوز اتار کر ہاتھ میں پکڑ لیے۔ چاندنی بڑی خوب صورتی سے لہروں پر جگمگا رہی تھی۔ ہوا میں نمی اور کسی خوب صورت دھن کا ترنم تھا۔ وہ دونوں بڑی دیر تک ساتھ ساتھ' لیکن خاموشی سے چلتے رہے' پھر معاویہ نے کہا۔

"کیا یہاں کا موسم ہمیشہ ایسے ہی خوش گوار رہتا ہے؟"

"ہاں۔۔۔ ایسا ہی خوش گوار رہتا ہے بلکہ نہیں۔ کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہوجاتا ہے۔ مونٹوک دنیا کے نقشے پر جنت ہے۔" اس کے لہجے میں اپنے مونٹوک کے لیے بے حد محبت اور فخر تھا۔

"نہیں۔۔۔ دنیا میں ایک اور بھی جنت ہے۔"

"اچھا۔۔۔ اور وہ کون سی جگہ ہے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"بشام۔۔۔" وہ مسکرایا۔

"بشام۔۔۔" منفرا نے زیرلب دہرایا۔ "یہ کہاں پر ہے؟"

"زمین پر ہی ہے۔" وہ ہونٹوں کے کناروں پر مسکراہٹ سجا کر بولا تو منفرا قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"میں تمہیں مونٹوک دکھاؤں گی۔ تب تمہیں پتا چلے گا' اس جنت کے آگے زمین کی کوئی اور جنت نہیں ٹھہر سکتی۔"

"اگر ایسی بات ہے تو میں تمہیں بشام دکھاؤں گا۔ تم خود اعتراف کرو گی کہ دنیا میں اگر کہیں جنت ہے تو بس وہ

بشام ہی ہے۔"

اب وہ دونوں مسکرا رہے تھے اور آسمان پر چمکتا چاند انہیں آنکھیں پٹپٹا کر دیکھ رہا تھا۔ اف وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے، ہوئے کتنے خوب صورت لگ رہے تھے۔

"بہرحال۔۔۔ اتنی خوب صورت شام میں مجھے شامل کرنے کا شکریہ۔۔۔ میں کبھی نہیں بھولوں گا کہ ایک لڑکی نے مجھے نہ جانتے ہوئے بھی اپنی گیٹ ٹوگیدر میں شریک کیا تھا۔"

"تم میرے لیے اجنبی تو کبھی نہیں تھے۔"

"لیکن ہم دوست بھی تو نہیں ہیں۔" اس نے کہا، مسکرایا اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

چاندنی کے سائے تلے منفرا نے دیکھا' وہ جا رہا تھا اور چلتے چلتے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ یہاں تک ساحل کی ریت پر اس کے قدموں کے نشان باقی رہ گئے۔ جنہیں چند منٹوں میں لہروں نے ایسے مٹا دیا جیسے کبھی یہاں کوئی نشان بنا ہی نہ ہو۔

وہ پراسرار تھا چھلاوا نہیں تھا' اچانک سے آیا اور غائب ہو گیا' لیکن اسے معاویہ کی آمد اچھی لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

کچھ دیر بعد وہ شیشے کے سامنے کھڑی اپنے ماتھے پر موجود اس کالے سیاہ تل کو متحیر ہو کر دیکھ رہی تھی' جس کی موجودگی کا آج تک اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا' بلکہ شاید اس نے خود کو کبھی اتنے غور سے دیکھا ہی نہیں تھا۔ پریشانی کی تیز لہر ایک بار پھر اس کے دل و دماغ میں سر اٹھانے لگی۔ گو کہ وہ تہیہ کر چکی تھی' نہ شامیر کی بات سنے گی' نہ اس پر غور کرنے کی کوشش کرے گی' پھر بھی یہ عجیب و غریب واقعات اسے پریشان کر رہے تھے۔ لیکن اب پانی سر سے بلند ہونے لگا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ اکیلی اس معاملے کو سنبھال نہیں پائے گی۔ اسے کسی کے ساتھ' کسی کے اعتماد کی ضرورت تھی۔ اور ایسا شخص صرف ایک ہو سکتا تھا جو اس پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کرنے کے لیے تیار ہو سکتا تھا اور وہ تھا کیف۔ اس نے فی الفور فیصلہ کیا اور کیف کے پاس پہنچی۔ اس وقت وہ لیپ ٹاپ کھولے اپنے پروجیکٹ سے متعلق کوئی ڈیٹا ڈھونڈ رہا تھا کہ خوش نصیب نے جا کر اسے ایک ایک بات بتا دی جسے سن کر کیف ہکا بکا رہ گیا۔

"تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ شامیر۔۔۔" خوش نصیب کی بتائی ہوئی باتیں اتنی ناقابل یقین تھیں کہ کیف کی زبان لڑکھڑا کر رہ گئی۔

"ہاں میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ شامیر ایک ناقابل بھروسا انسان ہے۔ وہ اللہ کی ناری مخلوق پر قابض ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ کالا جادو کرتا ہے اور ہپناٹائز کر کے لوگوں سے اپنی مرضی کے کام کرواتا رہتا ہے۔ اپنے آقا کو خوش کرنے کے لیے اس نے میری بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی' وہ تو شکر ہے میں کسی طرح بچ کر وہاں سے نکل بھاگی' ورنہ۔۔۔" وہ خوف کے زیر اثر بولی تو بولتی چلی گئی۔

کیف نے سنجیدگی اور خاموشی سے اس کی پوری بات سنی۔ لیکن جوں ہی خوش نصیب خاموش ہوئی۔ وہ اپنی سنجیدگی برقرار نہیں رکھ سکا اور قہقہے اس کے لبوں سے یوں پھوٹے جیسے آتش بازی کے انار سے پھلجھڑیاں چھوٹنا شروع ہو جاتی ہیں۔ خوش نصیب ہکا بکا رہ گئی' پھر اس کی پیشانی پر غصے کے بل پڑ گئے اور آنکھوں میں دنیا جہان کی ناراضی سمٹ آئی۔

"تم۔۔۔ تم میرا اعتبار نہیں کر رہے۔۔۔ تمہیں لگ رہا ہے' میں جھوٹ بول رہی ہوں؟" صدمے، بے یقینی اور ناراضی سے اس نے پوچھا گو کہ یہ پوچھنے والی بات نہ تھی۔

"تم پر بھی اعتبار نہیں کروں گا تو کس پر کروں گا؟ تمہاری ایک ایک ادا پر جان دیتا ہوں.... بچپن سے مرتا ہوں میں تم پہ.... اور یہ جو تمہارے ماتھے کا تل ہے ناں؟.... کیا بتاؤں کتنے سالوں سے اس پر نظر ہے میری۔ اگر شامیر نے کسی شیطان کا ذکر کیا ہے تو یقیناً" وہ شیطان میں ہی ہوں گا۔ اس لیے تمہیں فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیف! تم سمجھ نہیں رہے۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"سمجھ رہا ہوں.... بڑی اچھی طرح سمجھ رہا ہوں.... لیکن.... لیکن کہانی تو کوئی ایسی سناتی جسے دل بھی مانتا.... کون سی الف لیلیٰ اٹھا لائی ہو یار!" وہ ہنس ہنس کر دہرا ہوا جا رہا تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں کیف! خدا کا واسطہ ہے میرا اعتبار کرو۔" وہ رونکھی ہو گئی۔

"اچھا.... اچھا.... میں نے کر لیا اعتبار۔" اس نے ہنس ہنس کر آنکھوں میں جمع ہوا پانی پونچھا۔

"اب بتاؤ کیا کرنا ہے اس شامیر کا؟.... لیکن یار! کوئی ایسا آئیڈیا بتانا کہ وہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے.... کیا پتا غصے میں آکر مجھے جادو کے زور سے گدھا بنا کر ریڑھی میں جوت دے۔"

وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک رہا تھا۔ کیونکہ خوش نصیب کی بات پر اسے رتی بھر بھی اعتبار نہیں آیا تھا۔ خوش نصیب کے جسم کا سارا خون اس کے چہرے پر سمٹ آیا تھا۔

"ریڑھی میں جوتنے کے لیے جادو کرنے کی کیا ضرورت ہے؟...." اس نے غصے سے کہا پیر پٹخا اور وہاں سے دھپ دھپ کرتی ہوئی چلی گئی۔

"ارے سنو تو...." کیف آوازیں ہی دیتا رہ گیا اس کی آواز میں ہنسی کا تاثر تھا جو نہ ہوتا تو شاید وہ رک بھی جاتی۔ کمرے میں آکر خود سے لڑنے لگی۔ کیف سے بھی کیوں ذکر کیا.... ایسے ہی خواہ مخواہ کہہ کر اپنی بات گنوائی۔ اس نے تہیہ کیا اب نہیں بولے گی۔ کوئی اور حل تلاش کرے گی لیکن فضل منزل میں کسی سے مدد نہیں مانگے گی۔ ابھی یہی سوچ رہی تھی کہ منہا دوڑی چلی آئی۔

"تم یہاں گھسی بیٹھی ہو.... باہر نکلو یہاں سے.... نیچے چلو.... ایک خوش خبری ہے۔" وہ اتنی پرجوش تھی کہ ہیڈ لائن سنا کر جلدی سے نیچے بھاگ گئی۔

خوش نصیب بھی تجسس کے مارے اسی وقت نیچے گئی۔ صحن میں پوری فضل منزل کی عوام جمع تھی۔ فضیلہ چچی کے چہرے پر دبا دبا سا جوش تھا اور سب سے حیران کن منظر وہ تھا جو خوش نصیب نے جاتے ہی دیکھا۔ صحن کے بیچ و بیچ دادا ابا کے زمانے کے جھولے پر شامیر اور صیام سب کی موجودگی میں ساتھ ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ صیام سر جھکائے بناوٹی انداز میں زبردستی شرمانے کی کوشش کر رہی تھی اور شامیر نے مسکراتے ہوئے گردن اکڑا رکھی تھی۔ اب کسی بھی وضاحت کی ضرورت تو باقی نہیں بچی تھی لیکن خوش نصیب کو یوں لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو کیونکہ اس کی سیدھی نظر صیام کے ماتھے پر پڑی تھی جہاں شہابی رنگت پر ایک سیاہ تل جگمگا رہا تھا۔ شامیر نے بالکل درست کہا تھا اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے اسے خوش نصیب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کسی اور کے ذریعے بھی اپنے عزائم پورے کر سکتا تھا۔

"ایک منٹ.... یہ.... یہ شادی نہیں ہو سکتی۔"

جس وقت شامیر صیام کا مرمریں ہاتھ پکڑ کر نازک سی انگلی میں انگوٹھی پہنانے لگا۔ خوش نصیب کے لبوں سے الفاظ خود بخود پھسلتے چلے گئے۔ اس کی آواز کیا تھی مانو صور اسرافیل پھونک دیا تھا اس نے۔

سب کی گردنیں اس کی طرف مڑ گئیں۔ حیرانی، بے یقینی اور کیا کچھ تھا سب کی آنکھوں میں۔ کیف نے بے

ساختہ چپکے سے اپنا ماتھا پیٹا۔ اور بات سنبھالنے کے لیے جلدی سے ہنس کر بولا۔
"یہ تو فلمی ڈائیلاگ ہو گیا۔۔۔" اس نے مصنوعی انداز میں ہنس کر کہا تھا بات کو ہلکا پھلکا رنگ دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ جانتا تھا اب سب کا غصہ ناگہانی بن کر خوش نصیب پر گرے گا۔
"یہ فلمی ڈائیلاگ میرے بجائے تمہیں بولنا چاہیے تھا۔۔۔" خوش نصیب نے جلدی سے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے تم کبھی اتنی جرات نہیں کر پاؤ گے کہ اپنی پسندیدگی کا اظہار کرو۔" وہ مسکرا مسکرا کر بول رہی تھی اور سب پر غصہ ہونے کے باوجود منتظر تھے کہ وہ اگلی بات کیا کرتی ہے۔
"چچا جان، فضیلہ چچی! کیف آپ لوگوں کے سامنے کبھی زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرے گا۔۔۔ دراصل یہ صیام کو پسند کرتا ہے۔ اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔۔۔ خدارا! شامیر سے صیام کو منسوب کر کے کیف کے ساتھ زیادتی نہ کریں۔"
باقی سب کے سروں پر تو اس نے انکشاف کا بم پھوڑا سو پھوڑا۔ کیف بیچارہ تو وہیں بھسم ہو گیا تھا۔

"نصیبن! او نصیبن! تیرا بیڑا غرق۔"

☼ ☼ ☼

اگلے روز وہ خوش رنگ پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ ہاتھوں میں لیے مسز جمال کے دروازے پر کھڑا تھا۔ مسز جمال نے دروازہ کھولا اور اسے دیکھ کر خوش دلی سے مسکرائیں تو معاویہ نے پھول انہیں پکڑا دیے۔
"گریس فل لیڈی کے لیے خوب صورت پھولوں کا تحفہ۔"
"تھینک یو سو مچ۔۔۔ لیکن تم نے تکلف کیا۔" خوش دلی سے بولیں۔
"کل خالی ہاتھ آپ کی تقریب میں شامل ہو جانے کی بدتہذیبی کے بعد اتنا تکلف تو مجھ پر واجب تھا۔"
وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیں اور اسے اندر آنے کی دعوت دی لیکن معاویہ نے معذرت کر لی۔
"مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے۔"
"ایک کپ کافی پینے میں کتنا وقت لگ سکتا ہے۔"
"میں ضرور آپ کے ہاتھ کی کافی پیتا مسز جمال! لیکن یقین کیجیے مجھے واقعی ایک ضروری کام سے جانا ہے۔۔۔" اس نے مسکرا کر کہا تھا۔ "لیکن یقین رکھیے میں کسی دن کافی پینے ضرور آؤں گا۔"
"میں انتظار کروں گی۔"
معاویہ چلا گیا تو مسز جمال دروازہ بند کر کے اندر آ گئیں۔ اسی وقت منفرا بھاگم بھاگ سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تھی۔
"میں نے ٹیرس سے دیکھا۔۔۔ معاویہ آیا تھا کیا؟"
"ہاں آیا تھا اور اب چلا بھی گیا۔"
منفرا نا سمجھی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"وہ میرے لیے پھول لایا تھا۔۔۔ وہی دے کر چلا گیا۔" پھولوں کو ڈائننگ ٹیبل پر سیٹ کر کے وہ کچن میں جانے لگیں پھر کچھ خیال آنے پر منفرا سے پوچھا۔
"منفرا!۔۔۔ کیا یہ لڑکا تمہارا بوائے فرینڈ ہے؟" ان کا لہجہ سرسرا نہیں رہا تھا جیسا کہ عموماً ایسے خدشات میں پڑ کر سرسرانے لگتا تھا۔ ان کا لہجہ عام سا تھا۔
"ناٹ ایٹ آل۔" وہ جلدی سے بولی۔ "میں تو اسے ٹھیک سے جانتی بھی نہیں ہوں۔"

"ہوں۔۔۔" مسز جمال نے ایک پُرسوچ ہنکارا بھرا اور کچن میں چلی گئیں۔ منفرا تیزی سے ان کے پیچھے گئی اور انہیں بتانے لگی کہ معاویہ سے اس کی پہلی ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

کیف کا بس نہیں چل رہا تھا۔ خوش نصیب کہیں سے اسے مل جائے اور وہ اس کا گلا دبا کر منٹوں میں قصہ ہی تمام کردے یا فضل منزل کی آخری منزل پر اسے بلا پھسلا کر لے جائے اور وہیں سے رات کے اندھیرے میں نیچے دھکا دے دے۔

لو بتاؤ ذرا۔ پوری دنیا میں محبت کرنے کے لیے اسے یہی منہ پھٹ لڑکی ملی تھی جسے بولنے سے پہلے سوچنے کی عادت ہی نہیں تھی۔ بلکہ سوچنے سمجھنے کا تو لفظ ہی اس کی ڈکشنری سے غائب تھا۔ عجیب بات یہ ہوئی زندگی بھر خوش نصیب کی باتوں کو قابل درخوا اعتنا نہ گردانے والے فضل منزل کے بزرگوں نے نہ صرف اسی وقت اس کی بات کا اعتبار کرلیا تھا بلکہ فی الفور کیف اور صیام کی منگنی بھی کردی تھی۔

صیام کو صدمے سے غش آرہے تھے لیکن فضیلہ چچی نے کان میں سمجھادیا۔ گھاٹے کا سودا یہ بھی نہیں ہے۔ صیام وقتی طور پر چپ ہوگئی لیکن دل سے آسٹریلیا کے سبزہ زار اور کینگرو نکلتے نہ تھے۔ سو وہ ماں کے کہنے پر جلد ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شامیر نے مسکرا کر اور کھلے دل کے ساتھ صیام اور کیف کو مبارک باد دی۔ اور شکر ادا کیا کہ بروقت خوش نصیب نے ان دونوں کا راز فاش کردیا۔ ورنہ وہ بیچارہ محبت کرنے والوں کے درمیان آنے کا قصوروار ٹھہرتا۔

صباحت بیگم کے دل میں رہ رہ کر ہول اٹھ رہے تھے۔ اکلوتی بہو اور وہ بھی صیام جیسی۔ اللہ توبہ۔

وہ مٹھائی کا ٹوکرا جو شامیر اور صیام کی منگنی کی خوشی میں لایا گیا تھا اسی میں سے چن چن کر کیف کا منہ میٹھا کروایا جاتا رہا۔ اور یوں شادی طے پاگئی۔

کیف نے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی خوش نصیب کو جالیا۔ غصے سے اسے کندھے سے کھینچ کر اپنی طرف موڑا اور غضب ناک انداز میں بولا۔ "شکر کرو تم اتنی بڑی ہوچکی ہو۔۔۔ اگر جو چند سال پہلے کی بات ہوتی تو یقین کرو خوش نصیب! میں اب تک تمہارے منہ پر چار تھپڑ مار چکا ہوتا۔"

خوش نصیب شرمندہ سی ہو کر بولی۔ "میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا کیف!۔۔۔ میرا یقین کرو۔ شامیر اچھا انسان نہیں ہے۔"

"ہاں۔۔۔ وہ اچھا انسان نہیں ہے۔۔۔ اچھا انسان تو صرف میں ہوں۔۔۔ کہ کسی کو بھی اٹھ کر مجھ سے منسوب کردیا جائے اور میں اس اچھے پن کا تمغہ اپنے سینے پر لگانے کے لیے چپ رہ جاؤں۔" تڑخ کر بولا۔

"مجھے نہیں پتا میں کیسے بول گئی۔۔۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ شامیر صیام سے شادی کرکے اس کے ساتھ وہی سب کچھ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے جو وہ میرے ساتھ کرنا چاہتا تھا۔۔۔ وہ اس کی قربانی کرتا اور اس کا خون شیطان کو خوش کرنے کے لیے بہاتا رہتا۔"

"ویسے تو ہر وقت صیام کے خون کی پیاسی بنی رہتی ہو۔۔۔ اتنی فکر کب سے ہونے لگی؟" جھلا کر بولا۔

"میری صیام سے دشمنی اپنی جگہ۔۔۔ لیکن میں اسے کسی غلط انسان کے ہتھے چڑھنے نہیں دے سکتی۔" وہ جذباتی ہو کر بولی تھی۔

"تم اسے کسی غلط انسان کے ہتھے چڑھنے نہیں دوگی لیکن تم نے میری زندگی خراب کردی۔ تم جانتی تھیں خوش نصیب میں تم سے محبت کرتا ہوں اور تم نے۔۔۔" دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ وہ جملہ مکمل بھی نہیں

کہہ رہا تھا۔

خوش نصیب کی آنکھوں میں کرب ٹھہر گیا اسے پہلی بار ایسا لگا جیسے کیف سچ کہہ رہا ہو۔

"کسی کی محبت کو اتنا نہیں آزماتے خوش نصیب!... میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا... کبھی نہیں۔" وہ دکھ سے کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

خوش نصیب کا دل دکھ سے بھر گیا۔ ہاں۔ اور پہلی بار اس نے اپنے دل کو کیف کے لیے دھڑکتے محسوس کیا تھا لیکن... وہ ہولے سے پلٹی پھر بدک کر پیچھے ہٹی۔ شامیر اس سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑا اپنی عیار آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

"ویری اسمارٹ... میں بہت متاثر ہوا ہوں۔" وہ تعریفی انداز میں کہہ رہا تھا لیکن انداز میں طنز تھا۔

"میرے راستے سے ہٹو شامیر!" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"راستے میں تو تم آئی ہو میرے... بلکہ کالی بلی کی نحوست کی طرح میرا راستہ کاٹا ہے تم نے... اب تو کھلی جنگ ہوگی۔ نتائج بھگتنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔ دھمکانے والے انداز میں کہا اور چلا گیا۔

خوش نصیب کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

اس شام منفرا اور آدم قریبی مارکیٹ آئے تو انہیں معاویہ دکھائی دیا۔ منفرا اسے مخاطب نہیں کرنا چاہتی تھی، لیکن آدم نے بڑھ کر معاویہ کو مخاطب کر لیا۔ معاویہ خوش دلی سے ملا۔ وہ کچھ محفوظ شدہ کھانے خریدنا چاہ رہا تھا' لیکن دو تین پراڈکٹس میں پھنس کر رہ گیا تھا۔ منفرا نے ایک برانڈ کی طرف اشارہ کرکے اس کی مشکل آسان کر دی۔

"تم جو یہ پریزروڈ کھانے (محفوظ شدہ خوراک) خریدتے پھر رہے ہو تو ہماری طرف ہی کھانا کھالو... میری مام ویسے بھی بہت اچھی کوکنگ کرتی ہیں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا انہیں بہت پسند ہے۔" آدم نے معاویہ سے کہا تھا۔

"اوہ نہیں شکریہ... میں کسی کو بھی اپنی وجہ سے تکلیف نہیں دینا چاہتا۔"

"کم آن... اس میں تکلیف کی کیا بات ہے... مجھے لگتا ہے تم پہلی بار مونٹوک آئے ہو تمہاری خاطر ہمارا فرض بنتا ہے۔"

معاویہ نے اس بات پر مسکرا کر اس کی دعوت قبول کر لی۔

"میرا خیال ہے، تمہیں کل شام کو میرے ساتھ اسکوبا ڈائیونگ کے لیے چلنا چاہیے... تم بہت انجوائے کرو گے۔"

"نہیں شکریہ... مجھے اسکوبا ڈائیونگ کا ایسا کوئی خاص شوق نہیں ہے۔" معاویہ نے کہا۔

"شوق نہیں ہے یا گہرے پانیوں میں جانے سے ڈرتے ہو۔" آدم شرارت سے بولا۔

معاویہ نے قہقہہ لگایا۔ "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تم نے پہلے کبھی یہ ٹرائی کیا ہے؟" منفرا نے پوچھا۔

"نہیں۔"

"پھر مجھے نہیں لگتا کہ تمہیں معاویہ کو اپنے ساتھ لے کر جانا چاہیے یہ خطرناک ہو سکتا ہے... یہ تو ہر ایک کو اپنے شوق کے لیے گہرے پانیوں میں گھسیٹ لیتا ہے۔" منفرا نے دہل کر کہا تھا۔

معاویہ نے آنکھیں سکیڑ کر منفرا کو دیکھا اور زیر لب مسکرا کر بولا۔ "اور مجھے خطرناک کام کرنا پسند ہے۔۔۔ میں کل ضرور آؤں گا آدم!"

معاویہ نے مسکرا کر آدم سے ہاتھ ملایا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا منفرا اس خیال سے ہی کتنا سہم گئی ہے کہ کل معاویہ' آدم کے ساتھ اسکوبا ڈائیونگ کے لیے جانے والا ہے۔

منفرا کا فکر مندی سے برا حال تھا۔ اسے رہ رہ کر آدم پر غصہ آرہا تھا اور صرف آدم پر ہی نہیں اسے معاویہ پر بھی غصہ آرہا تھا جس نے آدم کی اسکوبا ڈائیونگ کی دعوت قبول کرلی تھی۔

"تم سے بڑا چغد میں نے اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا۔۔۔ بولنے سے پہلے اگر تم تھوڑا سوچ سمجھ لیا کرو تو ہم سب کے لیے آسانی ہو جائے گی۔"

"میں نے کیا کیا ہے' جو تم مجھ سے لڑ رہی ہو۔" آدم نے میکرونی کا ایک بڑا نوالہ منہ میں بھرتے ہوئے قدرے ناسمجھی سے پوچھا تھا۔

"ہاں منفرا! آدم نے کیا کیا ہے' جو تم ۔۔۔ اتنا خفا ہو رہی ہو۔" مسز جمال نے بھی حیرانی سے پوچھا تھا۔

"یہ مجھ سے پوچھنے کے بجائے آپ اس گدھے سے پوچھیں کہ اس نے کیا کیا ہے؟" وہ جھنجلا کر بولی تھی۔

"یہ کل معاویہ کو اپنے ساتھ ڈائیونگ کے لیے لے کر جا رہا ہے۔۔۔ پتا نہیں اسے سوئمنگ آتی بھی ہے یا نہیں اور عقل مندوں کا سردار اسے سطح سمندر سے ایک سو فٹ گہرائی میں لے کر جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔" منفرا نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے تھے۔

"اونہہ۔۔۔ غلط۔۔۔ میں معاویہ کو ایک سو بیس فٹ گہرائی میں لے کر جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آدم نے سنجیدگی سے منفرا کے سر پر ایک اور بم پھوڑا تھا۔

"سن رہی ہیں آپ اس کی باتیں۔" اس نے ناراضی سے ماں کو دیکھا تو وہ رسان سے بولیں۔

"یہ غلط بات ہے آدم! اس بے چارے لڑکے کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔" انہوں نے فوراً" سرزنش کی تو آدم جلدی سے بولا۔

"نقصان تو تب پہنچے گا جب میں اس کا ساتھ چھوڑوں گا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا آپ دونوں اتنی کانشس کیوں ہو رہی ہیں۔۔۔ وہ کوئی دودھ پیتا بچہ نہیں ہے کہ میں سمندر کی گہرائی میں لے جا کر اسے کوئی نقصان پہنچا دوں گا۔" وہ چڑ کر بولا تھا۔

"میں کوالیفائیڈ اسکوبا ڈائیونگ انسٹرکٹر ہوں۔۔۔ چار سال سے کوچنگ کر رہا ہوں۔۔۔ آج تک کسی ایک ڈائیور کو بھی نقصان نہیں پہنچا ہے تو اب معاویہ کو کیسے پہنچ سکتا ہے۔" وہ ناراضی سے کہہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اگر ایسی بات ہے تو میں بھی تم لوگوں کے ساتھ جاؤں گی۔" منفرا نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا۔

"تم پاگل ہو؟" وہ جھنجلا کر بولا۔ "تم کیا کرو گی ہمارے ساتھ؟"

"یہ ٹھیک کہہ رہا ہے منفرا! تم لڑکوں کے ساتھ جا کر کیا کرو گی ویسے بھی تمہیں کون سا سوئمنگ آتی ہے۔" مسز جمال نے بھی حیرانی سے کہا تھا۔

"میں سمندر میں جانے کی بات نہیں کر رہی۔۔۔ لیکن میں باہر رہ کر تم لوگوں کا ویٹ تو کر سکتی ہوں۔"

"بہت ہی بے وقوفانہ خیال ہے۔"

"بیوقوفانہ ہے یا جو بھی ہے۔۔۔ لیکن معاویہ میرے ریفرنس سے تم سے ملا ہے۔۔۔ خدا نہ کرے اسے گہرے پانی

میں کوئی نقصان پہنچا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔"
اس نے قطعیت سے کہہ دیا تھا اور بنا آدم کی طرف دیکھے وہاں سے چلی گئی تھی۔ آدم نے بھی بنا دیکھے بھائی والی مخصوص لاپروائی سے ہاتھ لہرا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز مقررہ وقت پر منفرا' آدم اور اس کے دو دوستوں کی ہمراہی میں طے شدہ مقام پر پہنچ گئی۔ اور اسے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ معاویہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ صرف یہی نہیں وہ گہرے سمندر میں تیراکی کے لیے استعمال ہونے والا ساز و سامان بھی ساتھ لایا تھا۔
منفرا کو حیرانی ہوئی کیونکہ معاویہ اس کی توقع سے بڑھ کر پرجوش نظر آرہا تھا۔
آدم نے معاویہ کو ٹریننگ دینا شروع کی تو منفرا بیزاری سے ایک اونچے پتھر پر جا کر بیٹھ گئی۔
"کیا ہوا؟ تم وہاں جا کر کیوں بیٹھ رہی ہو؟ کیا تم دیکھنا نہیں چاہو گی کہ میں معاویہ کو کیسے ٹریننگ دے رہا ہوں۔"
آدم نے اسے چڑانے کے لیے شرارت سے پوچھا تو وہ سر جھٹک کر چلی گئی۔ معاویہ سمیت آدم کے سارے دوست ہنسنے لگے تھے۔
تین گھنٹے کی ٹریننگ کے بعد آدم نے معاویہ کو زبانی سرٹیفکیٹ دے دیا اور ان سب نے پانی کی تہہ میں اترنے کا فیصلہ کیا۔
معاویہ کا چہرہ ان دیکھے مناظر کی دید کے شوق میں دہک رہا تھا۔ اس نے دور سے ہاتھ ہلا کر منفرا سے پوچھا۔
"کیا تم مجھے گڈ لک نہیں کہو گی؟"
منفرا مسکرائی اور اس نے وہیں سے ہاتھ اٹھا کر اسے گڈ لک کہہ دیا۔ وہ سب ایک ایک کر کے پانی میں اترتے

چلے گئے تھے۔ آدم اور جیسن' معاویہ کے دائیں بائیں رہے تاکہ کسی بھی غیر متوقع صورت حال میں اسے بروقت سپورٹ فراہم کی جاسکے۔

ادھر وہ سمندر پانی میں اترے' ادھر منفرا کا دل بیٹھنے لگا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے جتنا ممکن ہو سکتا تھا اللہ سے دعائیں مانگ ڈالیں۔ پھر بھی دل کو سکون نہیں ملا تو فی بی کو کال ملائی۔

"فی بی! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے؟"

"کیا وہ بہت خوف ناک لگ رہا ہے؟"

"نہیں بے وقوف! معاویہ کو پانی میں اترے ڈیڑھ گھنٹہ گزر چکا ہے۔ مجھے فکر ہو رہی ہے۔"

"کیا وہ اکیلا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا ایڈم نے اس کو ٹریننگ نہیں دی؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

"پھر میری سمجھ میں نہیں آرہا تم اس کے لیے اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو؟"

"مجھے خود نہیں پتا' مجھے اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے۔" وہ سادگی اور سچائی سے بولی تھی۔

اس وقت دور پانی کی سطح پر اسے معاویہ اور آدم نمودار ہوتے ہوئے دکھائی دیے۔ ان کے چہرے خوشی اور جوش سے تمتما رہے تھے۔ آدم وہیں اپنے دوستوں کے پاس رک گیا اور معاویہ کچھ فاصلے پر ریت پر گر سا گیا۔

منفرا نے موبائل فون جیب میں رکھا اور بھاگتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ معاویہ دونوں بازو دائیں بائیں پھیلائے آنکھیں بند کیے چت لیٹا تھا اور گہرے گہرے سانس لے رہا تھا۔ منفرا کا دل بیٹھنے لگا۔

"تم ٹھیک ہو معاویہ؟"

معاویہ نے یونہی لیٹے لیٹے اثبات میں سر ہلا دیا لیکن اس کے لب مسکرا رہے تھے۔

"میں اتنا ٹھیک ہوں جتنا آج سے پہلے کبھی نہیں تھا... میں اتنا سکون محسوس کر رہا ہوں... جتنا آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا... میں اپنے سارے دکھ' اپنی ساری پریشانیاں... اپنے سارے خدشات... سمندر کی تہہ میں چھوڑ آیا ہوں منفرا! میں نے زندگی میں پہلی بار صحیح فیصلہ کیا تھا... مجھے بہت پہلے سمندر کی تہہ میں اتر جانا چاہیے تھا۔"

وہ خواب ناک آواز میں بول رہا تھا ایسے جیسے کسی اور ہی جہاں کے سرور میں ہو۔

پھر اس نے آنکھیں کھول کر خود پر جھکے ہوئے آسمان کو دیکھا۔ اس ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کیا جو اسے زندگی کے ہر بوجھ سے آزاد کرتی تھی اور کھل کر مسکرا دیا۔

منفرا جو ذرا سا اس پر جھکی ہوئی اس کے لیے فکر مندی سے زرد پڑ رہی تھی' ایک دم سے سیدھی ہوئی اور کھلکھلا کر بولی۔

"wellcome to montauk" (مون ٹاک میں خوش آمدید)

ساحل پر اترتی شام منفرا کے لہجے کی کھنک سے جھوم اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"فضیلہ چچی کی بات بالکل درست تھی... خوش نصیب کو واقعی کسی ذہنی امراض کے ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔"

کیف صوفے پر آنکھیں بند کرکے لیٹا ہوا تھا۔

سامنے فہمینہ اور صباحت بیگم بیٹھی تھیں اور جانتی تھیں کہ اس کا موڈ بے حد خراب تھا۔ خوش تو وہ بھی نہیں تھیں لیکن چپ رہنا مجبوری تھی کہ گھر کے مردوں نے آپس میں سب کچھ طے کرلیا تھا۔ اب ان کے اعتراضات کسی کام نہ آتے۔

"لیکن اب ان باتوں کا کیا فائدہ ہے۔۔۔ اب تو جو ہونا تھا' وہ ہو چکا۔" صباحت بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ شاکڈ سا ہو کر کہہ رہا تھا۔

"میں بتا رہا ہوں امی! صیام سے شادی میں ہرگز نہیں کروں گا۔" اس نے دوٹوک کہا۔

"اے تو مجھے وہ کہاں پسند ہے۔۔۔ لیکن تمہارے ابو سے کون بات کرے گا۔ وہ تو بہت خوش ہیں کہ سگی بھتیجی بہو بن کر گھر میں آرہی ہے۔"

"ابو سے کہیں اس منگنی کو ختم کریں۔۔۔ ان کی باقی سگی بھتیجیاں بھی تو اسی گھر میں رہتی ہیں۔" چڑ کر بولا تھا۔

"منہا کی بات کررہے ہو؟" وہ چونک کر بولیں۔

"جی نہیں۔۔۔ خوش نصیب کی بات کررہا ہوں۔" اس نے آرام سے بم پھوڑا۔

صباحت بیگم کا تو منہ ہی کھلا کا کھلا رہ گیا۔ "خ' خ۔۔۔ خوش نصیب۔"

"اب پلیز یہ مت کہیئے گا کہ وہ بھی آپ کو پسند نہیں ہے۔"

"کیف! پاگل تو نہیں ہوگیا۔" وہ بے چاری صدمے سے فوت ہونے والی ہو رہی تھیں۔

"اس میں پاگل پن کی کیا بات ہے امی! اچھی لگتی ہے وہ مجھے۔۔۔ بچپن سے چاہتا ہوں میں اسے۔" وہ منہ موڑ کر لیکن جھلاہٹ والے انداز میں ہی بولا تھا۔

"ہائے میں مرگئی۔۔۔" وہ سینے پر ہاتھ مار کر ایک طرف کو ڈھے گئیں۔ فہمینہ نے انہیں سنبھالا۔

"صدمہ شدید ہے لیکن صبر سے کام لیں امی! اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

کیف نے اسے گھور کر دیکھا تو وہ اپنی مسکراہٹ چھپانے کو منہ موڑ گئی۔ ہر دو طرح کی صورت حال میں اسے تو مزہ ہی آرہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا بس۔۔۔ جیسے بھی ممکن ہو اس منگنی کو ختم کروائیں۔۔۔ میں اس سے ہرگز شادی نہیں کرسکتا۔ میری آدھی تنخواہ تو صیام میک اپ خریدنے میں ہی لگا دیا کرے گی۔" اس نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا اور اٹھ کر دھپ دھپ کرتا چلا گیا۔

"اے فہمینہ! یہ کیا کہہ گیا ہے۔" وہ صدمے سے بے حال ہوئی جارہی تھیں۔

"کچھ نہیں کہہ گیا۔۔۔ آپ اٹھیں سونے کی تیاری کریں۔"

"سو تو میں جاؤں گی لیکن اب صیام سے منگنی ختم نہیں ہونے دوں گی۔ خوش نصیب اور میری بہو بنے۔ نہ بھئی نہ ہمیں تو صیام ہی ٹھیک ہے۔" انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر صیام پر ہی شکر کا کلمہ پڑھ لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امۃ العزیز شہزاد

کیوں؟ اگر آنا یہ جھاڑو لگادے گی تو کیا اس کے ڈنڈوں جیسے ہاتھ ٹوٹ کر گر پڑیں گے؟" جس لمحے ریقہ خوش رنگ و خوش ذائقہ پلاؤ بریانی کی سلیقے سے ڈھکی لیکن بھاپ اڑاتی قاب لے کر نیچے والوں کے ورتن میں داخل ہوئی' شہزادی مہر نگار المعروف شہزادی خاصے خطرناک تیوروں سے' اپنے سامنے رنگ اڑے بوسیدہ کشن کور والے سنگل صوفے پر ازحد طمانیت سے براجمان' بے نیازی ظاہر کرنے کے لیے مسلسل دایاں پیر جھلاتی اور یہاں وہاں یوں دیکھتی ہوئی ملکہ زرنگار عرف ملکہ جیسے کہ شہزادی اس وقت' اس سے نہیں بلکہ اس کے عقب میں موجود آف وائٹ پینٹ والی میلی دیوار سے مخاطب ہو کر گھور رہی تھی' جبکہ لمبی تڑنگی مردمار قسم کی تائی شبنم ہمیشہ کی طرح زمانے بھر کے رنگوں سے مزین جارجٹ کا سوٹ زیب تن کیے' سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ ریمبو کی طرح ماتھے پر باندھے' بڑی اکتائی سی بیٹھی اپنی پتریوں کی زبان کے

مکمل ناول

جوہر ملاحظہ فرما رہی تھیں۔

"او' چار دیدوں والی۔" ملکہ تڑپ کر سیدھی ہوئی' "خبردار جو میرے سڈول بازوؤں کو اپنی عینک زدہ گندی نظر لگائی ہو تو' مجھے میرے سرتاج نے منع کیا ہے ایسے ماسیوں والے کام کرنے سے تب میں کیوں کروں یہ کام۔" وہ اتراتے ہوئے اپنے کندھے پر جھولتے اخروٹی رنگ بالوں کو ادائے بے نیازی سے جھٹکتے ہوئے بولی۔

"دیکھ رہی ہو تم اسے امی۔" شہزادی اپنا بھدا پیر پٹخ کر احتجاجا" پوری قوت سے چلائی۔

"تم اس سے پوچھتی کیوں نہیں ہو۔ کیا یہ کہیں سرکاری افسر لگ گئی ہے جو کام نہیں کرے گی۔" اس نے جلبلاتے ہوئے کہا اور لاؤنج کے داخلی دروازے پر نا حال بے بسی سے ایستادہ بریقہ کو دادی بہشتن کے شہزادی کے متعلق اس تجزیے پر کہ وہ شکل سے جس قدر احمق دکھائی دیتی ہے اتنی ہے نہیں' پر صد فیصد یقین آگیا۔ ہوتی تو ملکہ کے بے کار بیٹھنے پر اسے کسی سرکاری افسر سے تشبیہ نہ دیتی خیر......

"ہاں دیکھ رہی ہوں تجھے بھی اور اس لیڈی ڈائن کو بھی۔" ریمبو نی تائی شبنم کو جلال آہی گیا۔ "دن کے ڈیڑھ بج رہے ہیں اور تم نکمیاں یہاں کھڑی صفائیوں پر جھگڑے کر رہی ہو' ابھی آتا ہو گا تمہارا ابا دا محلے کی یاترا کر کے واپس' تب میں کیا اسے اپنا کلیجہ کھلنے کو دوں گی۔"

"امی' تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ابو جلی ہوئی چیزیں نہیں کھاتے۔" یہ شوخ و شنگ آواز؟ ان لوگوں کی دہاڑیں سن کر مجبورا" بیدار ہوئے شاہ رخ کی تھی۔ جس نے کالے سفید چیک دار گھسے ہوئے ٹراؤزر کے اوپر مسلی ہوئی سرمئی (جو یقینا" پہلے سفید رہی ہو گی) ٹی شرٹ "نازیبا" تن کر رکھی تھی.... اور جو ابھی ابھی اپنے کمرے سے برآمد ہوا تھا۔ اور خوش قسمتی سے اس کی نظر دروازے پر بے چارگی سے کھڑی بریقہ پر پڑ چکی تھی....

"اور ویسے بھی یہ بریقہ کھانا لے تو آئی ہے۔" وہ مسلسل جمائیاں لیتے ہوئے اس کے نزدیک پہنچ کر بولا۔ "مزے سے کھائیں گے سب۔"

"ہاں یہ.... امی نے بھجوائی ہے۔" اس نے موقع غنیمت جان کر قاب جلدی سے آگے کی جسے اس نے فورا" سے پیشتر تھام لیا۔ تینوں معزز خواتین نے ذرا چونک کر اسے دیکھا۔

"تم بھی عجیب ہو بریقہ۔" صوفے پر براجمان ملکہ چمک کر بولی۔ "نجانے کب سے یہاں کھڑی ہماری لڑائیاں دیکھ رہی ہو' تمہیں بھی نا بہت مزہ آتا ہے ہمیں لڑتا دیکھ کر۔" اس نے نتھنے پھلا کر کہا اور بریقہ کو اس پر ٹکر مارنے کو بالکل تیار کسی بھینس کا گمان گزرا۔

"نہیں ملکہ باجی' ایسی بات نہیں' میں تو اتنی دیر سے باہر کھڑی صرف یہ سوچ رہی تھی کہ اندر جاؤں یا نہ جاؤں۔"

وہ منمناتی آواز میں بولی۔

"چھوڑو بریقہ اس کی باتیں تم۔" شہزادی جیسے ملکہ پر لعنت بھیجنے والے لہجے میں بولی "تم اندر آؤ۔" اس

اتنا میں شاہ رخ چاول کی ٹرے میز پر رکھ کر اسی میں ہاتھ ڈال کر کھانے کو پر تول ہی رہا تھا کہ شبنم تائی اپنی مخصوص گرجتی آواز میں اس پر برسنے لگیں۔

"او لنگر لوٹنے والے فقیر' دو منٹ صبر کر لے ذرا' اور چل شہزادی' جا کر باورچی خانے سے رکابیاں لے کر آ' اور سب کو حساب سے ڈال کر دے' ایسے تو یہ فقط پوری قاب ڈکار لے گا۔" اس عزت افزائی پر شاہ رخ جو اپنا پنجے نما ہاتھ ڈش میں ڈالنے کو بس تیار ہی تھا' منہ بسور کر پیچھے ہو گیا۔ اس نے یہ منظر دیکھا اور سرعت سے بولی۔

"تم لوگ کھانا کھاؤ ابھی' میں بعد میں آجاؤں گی ویسے بھی امی' پاپا کھانے پر میرا انتظار کر رہے ہیں۔" وہ کہہ کر جلدی سے پلٹ گئی۔

"گھٹی ہے پوری اپنی ماں کی طرح' ساری سن گن لے کر گئی ہے یہاں سے' ارے کام چور' ہڈ حراموں'

تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ یوں گھر کے کام کاج پر لڑنا چھوڑ دو مگر تم لوگ ہو کہ تمہیں اپنی بے چاری ماں کو ذلیل کروا کے بجانے کیا ملتا ہے۔"

کار پارکنگ سے دائیں ہاتھ پر موجود اوپر کے پورشن کو جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھتے ہوئے بریقہ نے تائی شبنم کے اپنی والدہ اور خود اپنے متعلق یہ نادر الفاظ سماعت کیے اور مزید تیزی سے سیڑھیوں کی جانب بڑھتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

سلیم اختر گورنمنٹ کے معمولی سے ملازم تھے۔ ایمان دار تھے اسی لیے پوری زندگی سوائے متوسط علاقے میں اس عام سے چار کمرے والے گھر کے علاوہ اور کچھ نہ بنا سکے۔ ہاں مگر اپنے تینوں بچوں 'ندیم اختر' نعیم اختر اور رومانہ کو میٹرک تک تعلیم ضرور دلوادی تھی۔ اس سے زیادہ کے نہ وہ متحمل ہو سکتے تھے نہ ہی زندگی نے وفا کی۔ وہ تو اچھا ہوا کہ معقول رشتہ میسر آنے پر اپنے ہاتھوں سے رومانہ کو رخصت کر گئے۔۔۔۔

اس عرصے میں لمبے قد اور قدرے فربہ جسامت والا خوش شکل ندیم اپنے ایک دوست کے ساتھ شراکت داری کی بنیاد پر جیولری اور کاسمیٹکس کی دکان بڑے بازار میں جما چکا تھا۔ چھوٹے نعیم کو اس کے والد کی جگہ ملازم رکھ لیا گیا تھا۔

یوں قمر النساء بیوہ تو ہوئیں مگر انہیں زندگی کے گنجلک مسائل کا کوئی خاص سامنا نہ تھا۔ بس اب تو ایک ہی ارمان ان کے ناتواں سینے میں پل رہا تھا کہ وہ جلد از جلد اپنے بڑے بیٹے کے لیے چاند سی بہو تلاش کر کے گھر لے آئیں۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ بیٹے نے انہیں زمین پر چاند تلاش کرنے جیسی فضول اور احمقانہ مشق سے بچا لیا۔ اور خود ہی ایک "آدم زادی" جو نہ صرف بذات خود اس کی مستقل گاہک تھی بلکہ اس کے کاروبار کی دیدہ و "نادیدہ" ترقی میں اس کی پانچ عدد ہمشیر گان بمعہ والدہ کا بھی بڑا ہاتھ تھا (بزعم خود) قمر النساء تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئیں۔ وہ کماتے لڑکے کی ماں تھیں۔ عام حالات میں ان کے ہاں یہی وجہ کافی ہوتی لڑکی اور اس کے گھرانے میں سو سو عیب نکالنے کی مگر یہاں تو واقعی پورے سو نہ سہی ننانوے تو بہر حال موجود تھے۔ شبنم کے گھرانے کے رنگ ڈھنگ وہ پہلی ہی نگاہ میں بھانپ گئی تھیں مگر وہ کیا کہتے ہیں کہ ہوتا تو وہی ہے جو نصیب میں لکھا ہوتا ہے تو بس شبنم ندیم کے نصیب میں تھی' سو گھر آکر رہی۔۔۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ وہ بہو اتنی بری نہیں تھی جتنی کہ بیوی تھی۔ بس یہی دیکھ کر قمر النساء نے چپ سادھ لی اور اگلے محاذ پر روانہ ہوئیں اور اس بار گوہر مقصود انہیں مل ہی گیا تھا اپنے نعیم کے لیے۔

شاہدہ کا تعلق سفید پوش' معقول گھرانے سے تھا۔ بی۔ اے بھی کر رکھا تھا۔ صورت بھی خاصی پیاری تھی۔ پھر بات کرنے کا سلیقہ' رکھ رکھاؤ' مقامی اسکول میں استانی تھی۔ قمر النساء کو اور کیا چاہیے تھا۔ جھٹ پٹ بیاہ لائیں۔۔۔۔ اور اس کے ساتھ ان کی اچھی گزرنے لگی۔

نعیم کی تنخواہ محدود تھی اور مسائل بے شمار' سو نوکری اس نے نہیں چھوڑی۔ قمر النساء نے بھی

خوامخواہ زور نہ ڈالا۔ عقلمند، جہاندیدہ عورت تھیں۔ آگے کے مسائل ابھی سے دکھائی دے رہے تھے۔ گھر کے بڑھتے افراد خانہ کی وجہ سے اوپر پورشن بنوانا ناگزیر ہوچکا تھا۔ جو شاہدہ کی تنخواہ سے ڈالی گئی کمیٹیوں ہی سے بنایا جاسکتا تھا۔ سو پانچ برس لگے۔ مگر وہ پورشن مکمل ہو ہی گیا تھا۔ اور یوں شاہدہ نے اوپر والے پورشن میں اپنے نئے گھر، نیچے سے قطعاً" مختلف ماحول کی بنیاد بڑی نیک نیتی سے ڈالی۔

قمرالنساء کی تو پہلے ہی شبنم سے کم ہی بنی تھی لہٰذا وہ جب تک حیات رہیں۔ شاہدہ ہی کے ساتھ رہیں۔

☆ ☆ ☆

"ایک تو انہیں بریانی بھی دینے گئیں اوپر سے بزعم خود بیوٹی کوئن بنی ملکہ زرنگار شہود خان کی اتنی ساری باتیں بھی سن آئیں؟" مارے غصے کے سامعہ اسے خونخوار نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

سامعہ کا گھر بریقہ کے پڑوس میں واقع تھا وہ اور بریقہ بچپن کی سہیلیاں اور کلاس فیلوز بھی تھیں۔ سامعہ ایک نڈر اور دو ٹوک موقف رکھنے والی لڑکی تھی۔ دو عدد بھائیوں کی اکلوتی لاڈلی بہن تھی۔ اسی لیے کسی سے ذرا بھی نہیں دبتی تھی اور غلط بات پر تو قطعی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ نہ اس کی بریقہ کے "نیچے والوں" سے بنتی تھی اور نہ ہی وہاں کوئی اس سے بات کرنے کو مرا جارہا تھا سوائے شاہ رخ اختر کے۔۔۔ جی ہاں، نت نئے نافہم اور فضول سے الفاظ والے انڈین گانے اپنے بند کمرے میں اونچی آواز سے سننے اور ہیرو بننے کے سہانے سپنے دیکھنے کے علاوہ انہیں ہر اچھی (بلکہ بری بھی) لڑکی سے دوستی کرنے کا بڑا ارمان تھا۔

"تو اور کیا کرتی؟" بریقہ اس کی گھورتی نظروں سے خائف ہو کر جلدی سے صفائی دینے والے لہجے میں گویا ہوئی۔ "اور ویسے بھی امی نے مجھے بڑوں کو جواب دینے سے سختی سے منع کیا ہوا ہے اور ملکہ باجی کی عادت سے تو سب ہی واقف ہیں۔ بے چاری کی رخصتی جو نہیں ہو پارہی۔ اسی لیے فرسٹڈ رہنے لگی ہیں۔"

لگے ہاتھوں اس نے اپنی نکمی عادت کے عین مطابق ملکہ باجی کی صفائی بھی دے ڈالی۔

"تو کس عقل مند نے انہیں ایک درجن بہنوں کے اکلوتے بھائی جان کو اپنی فلمی اداؤں کے جال میں پھانس کر نکاح پڑھوانے کو کہا تھا، تمہارے دولہا بھائی کی والدہ نے ان کے زور دینے پر ان کا نکاح ضرور کردیا ہے۔ مگر مجھے وہ کم از کم اپنی آدھ درجن بیٹیوں کی شادی سے قبل اس ملکہ کو رخصت کروانے کے موڈ میں دکھائی نہیں دیتیں۔" سامعہ ٹرے میں رکھی پلیٹ میں سے مسالے دار آلو کے چپس اٹھا کر منہ میں رکھتے ہوئے مزے سے بولی۔

"ہائے اللہ سامعہ!" اس کے بے لاگ تجزیے پر وہ دہل کر بولی۔ "ایسے تو نہ کہو۔ مجھے تو ترس آتا ہے بیچاری کو یوں دیکھ کر۔"

"کبھی ان سے بھی پوچھ لینا تھا کہ انہیں، تمہاری شکل دیکھ کر کیا آتا ہے۔" سامعہ اس کے انداز پر کلس کر بولی تو بریقہ کچھ افسردہ سی ہوگئی۔

"یہ میری ہی غلطی ہے، جو میں ان لوگوں کی باتیں تم سے شیئر کرتی ہوں۔ میری ہی وجہ سے تم نیچے والوں کے بارے میں کتنا غلط سوچنے لگی ہو۔ حالانکہ وہاں سب ایک جیسے نہیں ہیں۔"

"مثلاً"۔۔۔ کس کی ذات شریف اپنے گھر والوں سے مختلف ہے۔ ذرا میں بھی تو سنوں؟" سامعہ نے اپنے چپس کی جانب بڑھتا ہاتھ پیچھے کرلیا اور گھورتی، کھوجتی نگاہوں سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

اس کے تفتیشی انداز پر بریقہ بری طرح گڑبڑا سی گئی اور اس سے قبل کہ وہ کوئی جواب دیتی سامعہ کے کمرے کا دروازہ بہت آہستہ سے کھٹکھٹایا جانے لگا۔ اور ساتھ ہی کوئی بلی نما آواز میں سرگوشی سے گویا ہوا۔

"سامی۔۔۔ میری پیاری سامی جلدی سے دروازہ کھول دو۔۔۔ نہیں تو پکڑا جاؤں گا۔" آواز سننے کی دیر تھی۔ سامعہ اپنی نشست سے اچھل کر کھڑی ہوئی اور ڈرائنگ روم کا چھوٹے سے لان کی جانب کھلنے والا دروازہ بنا آواز پیدا کیے لپک کر کھول دیا۔۔۔ اور جو شخص

کھلے دروازے سے اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر بریقہ نے مارے خوف کے پہلے تو چلانے کے لیے منہ کھولا' مگر نووارد کو جلد ہی پہچان لیا۔ لہٰذا وہ منہ جو چیخنے کے لیے کھولا تھا بند کر کے بنا لیا اور منہ ہی منہ میں کچھ بدبدانے لگی۔۔۔ جبکہ دوسری جانب معاملہ برعکس تھا۔ نووارد اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ یہ اس کا اعلا درجے کا اعتماد ہی تھا جو وہ اس خوفناک' اجاڑ حلیے میں بھی اسے دیکھ کر کھل رہا تھا۔

"السلام علیکم بھئی۔۔۔ تم کب آئیں؟" کالے بھجنگ منہ پر سفید دانت نکالے وہ اس سے مخاطب ہوا۔ بریقہ نے تلملا کر ناگواری سے اسے دیکھا۔

"اسے تو اس جہان فانی میں وارد ہوئے اٹھارہ برس بیت چکے ہیں احمق۔۔۔ تم بتاؤ اس خوفناک حلیے میں کہاں سے آ رہے ہو؟" سامعہ نے سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک دھمو کا خود سے محض "دس ماہ" بڑے بھائی جاسن کو جڑتے ہوئے کسی قدر ناراضی سے پوچھا۔ اور یہ ناراضی بھی اس کے صبح سے کسی کو بنا کچھ بتائے گھر سے غائب رہنے پر تھی۔

"تھوڑی سی تو عزت دے دیا کرو مجھے سامی!" وہ بے ساختہ اس کی جانب گھوم کر ازحد ناراضی سے بولا۔

"فی الحال تمہیں عزت سے زیادہ پانی کی ضرورت ہے۔ آخر گئے کہاں تھے تم' جو یوں خود پر ڈھیروں سیاہیاں انڈیل آئے ہو۔" وہ سر تاپا اسے دیکھ کر کچھ تاسف کچھ فکرمندی سے پوچھنے لگی۔ بریقہ بھی غیر دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی۔

"بس کیا بتاؤں سامی۔۔۔ حارث جس سوسائٹی میں رہتا ہے اس سے ذرا فاصلے پر ایک کچی آبادی واقع ہے۔ رات کے آخری پہر وہاں کی جھگیوں میں نجانے کیسے آگ بھڑک اٹھی۔۔۔ فائر بریگیڈ کو وہاں جاتے جاتے بھی اچھا خاصا وقت لگ گیا۔۔۔ کافی نقصان ہو گیا ہے بیچاروں کا۔ بس وہیں تھا میں اور حارث وغیرہ بھی۔" اس نے یکلخت سنجیدہ ہوتے ہوئے بتایا۔

سامعہ سن کر گہرے تاسف میں ڈوب گئی۔۔۔ اور رنجیدہ تو بریقہ بھی ہو گئی تھی یہ سب سن کر۔۔۔ تاہم اسے جاسن کے اس بیان پر زیادہ یقین بھی نہ آیا۔ (جھوٹا کہیں کا!)

"بابا اور ہارون بھائی بہت ناراض ہیں تم سے۔۔۔ تمہارے فائنل ایگزامز سر پہ ہیں اور تم ہمیشہ کی طرح غیر سنجیدگی کا مظاہرہ کر رہے ہو خیر۔" سامی تاسف سے باہر نکل کر اسے گھر کی تازہ ترین صورت حال سے باخبر کرنے لگی۔

"چلو تم پہلے چھت والے واش روم میں نہالو جا کر میں تمہارے کپڑے نکال کر لاتی ہوں مگر اس کے بعد بالآخر تمہیں نیچے اپنے کمرے میں آنا تو پڑے گا اور پھر بابا کے غصے کا سامنا بھی کرنا ہی ہو گا۔" سامی نے بے نیازی سے اسے خبردار کیا۔

"حق ہا" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "اپنی تقدیر سے مفر ممکن نہیں۔۔۔ کیوں بریقہ۔" اس نے تائید طلب نظروں سے گم صم بیٹھی بریقہ جو تا حال متاثرین کے متعلق ہی سوچ رہی تھی کو مخاطب کیا تو وہ جیسے یکلخت ہوش میں آتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔۔۔

"میں چلتی ہوں سامعہ۔۔۔ مغرب کا وقت ہونے والا ہے۔" اس نے جاسن کو مکمل نظرانداز کرتے ہوئے کہا اور بنا سامعہ کا جواب سنے ڈرائنگ روم کے گھر کے اندر کھلنے والے دروازے سے نکلتی چلی گئی۔

تب جاسن نے اپنا روئے سخن کچھ پریشان سی کھڑی سامعہ کی جانب کیا اور دلیری سے بولا۔

"مجھے لگتا ہے تمہاری دوست مجھے کچھ خاص پسند نہیں کرتی میری بہن۔"

"صرف میری دوست ہی نہیں تمہیں لوگوں کی اکثریت کچھ خاص بلکہ کچھ عام بھی پسند نہیں کرتی۔ اس لیے تمہارے لیے بہتر یہ ہے کہ تم لوگوں کی فکر کرنا ترک کر دو اور اس سے پہلے کہ یہاں چھاپہ پڑ جائے فوراً" سے بیشتر گھر کے پچھلے صحن والی سیڑھیوں سے اوپر جا کر فریش ہو جاؤ۔" سامعہ نے اس کی بے موقع کی شہنائی سے اکتا کر کہا۔

بات اس کی معقول تھی۔۔۔ سو وہ سر ہلا کر دروازے

کی جانب دبے پاؤں بڑھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"السلام علیکم! گھر میں کوئی ہے؟"

یہ مغرب کے بعد کا مخصوص اداس کردینے والا وقت تھا' عام دنوں میں یہ وقت بریقہ نے اپنی پڑھائی کے لیے مخصوص کررکھا تھا۔ چونکہ آج اتوار تھا للذا اس کی پڑھائی کی بھی چھٹی تھی۔ نعیم کچھ دیر قبل اپنے کسی دوست کی طرف نکلے تھے۔ شاہدہ اپنے کمرے میں مغرب کی نماز کے بعد تلاوت وغیرہ کررہی تھیں اور خود بریقہ' مغرب پڑھنے کے بعد ٹی وی لاؤنج میں اپنے ایکس اینچ کے قدرے پرانے سے ٹی وی کے آگے بیٹھی ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ کیا دیکھے اور کیا نہ دیکھے تب ہی لاؤنج کے داخلی لوہے کی سفید رنگ دار جالی والے دروازے سے آتی اس مخصوص دھیمی' گمبھیر اور سماعت میں رس گھولتی آواز نے اسے بری طرح چونکادیا۔

"ارے۔" وہ بے ساختہ اٹھ آنے والی وہ خوشی جو اسے سامنے پاکر خواہ مخواہ اس کے دل کا "راز" عیاں کرنے چہرے پر دوڑی چلی آئی تھی کو سرعت سے دباتے ہوئے بولی۔ "شان بھائی آپ... آیئے اندر آیئے۔" اس نے اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے ٹی وی بند کیا۔

"سو... سوری۔" شان اندر داخل ہوتے ہوئے پرتکلف لہجے میں بولا۔ "میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کردیا؟" وہ اپنے نفاست سے کٹے ہوئے گھنے نم بالوں میں تیزی سے انگلیاں چلا رہا تھا۔ بریقہ سمجھ گئی... یعنی وہ دکان سے ابھی ابھی گھر آیا ہے۔

یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ کام سے واپس گھر آنے کے بعد' موسم چاہے کتنا ہی سرد کیوں نہ ہو' وہ پہلی فرصت میں غسل کرنے کے لیے جاتا تھا۔ اور اتنا "فریش" ہو کر آتا کہ دیکھنے والی آنکھ تک تروتازہ ہوجاتی۔

"یہ آپ اچانک اجنبیوں جیسے لہجے میں کیوں گفتگو کرنے لگتے ہیں؟" وہ اس کے انداز پر کچھ خفا سی ہوگئی تو وہ اس کی خفگی محسوس کرکے جلدی سے بولا۔

"اوہ پیاری لڑکی!" وہ دھیرے سے مسکرایا۔ "تم تو ناراض ہی ہوگئیں حالانکہ میری بات کا ہرگز بھی وہ مطلب نہیں تھا۔ عموماً" تم اس وقت اپنی پڑھائی میں مصروف ہوتی ہو تو بس اس لیے احتیاً" پوچھ رہا تھا۔" اس نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ اور بریقہ کے دل میں ایک عجیب سی خوشی نے سراٹھایا۔ (اچھا! تو موصوف میرے روز مرہ کے معمولات سے آگاہ ہیں... واہ بھئی)

"اگر محض اسی لیے پوچھ رہے تھے تو اطمینان رکھیے۔" وہ کھلے ہوئے لہجے میں بولی "میں اس وقت بالکل بھی مصروف نہیں تھی اور بالفرض اگر ہوتی بھی تو بہرحال اتنی بامروت ضرور ہوں کہ گھر آئے مہمان کی خاطرداری اور اسے کمپنی دینے کی خاطر کچھ دیر کے لیے اپنی مصروفیات ترک کرسکوں۔"

"اچھا!" وہ لطف لینے والے لہجے میں بولا۔ "یعنی کہ اب مجھے اپنے سگے چچا کے گھر میں مہمان سمجھا جارہا ہے۔ ہوں۔" اس نے ایک شرارتی ہنکارا بھرا تو بریقہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"باتوں میں آپ کو کوئی مات نہیں دے سکتا۔"

"صرف باتوں ہی میں نہیں ڈیئر کزن۔" وہ گویا جتانے لگا۔ "مجھے کسی مقام پر بھی شکست نہیں دی جاسکتی۔"

"بالکل... بالکل" بریقہ کو اس کا اعتماد پسند آیا تھا۔ "باتیں تو ہوتی رہیں گی یہ بتائیں چائے لے آؤں آپ کے لیے پہلے یا کچھ شربت وغیرہ؟" وہ جواب طلب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"وہ دراصل۔" وہ لکڑی کے پرانے مگر صاف ستھرے سنگل صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے کچھ ہچکچا کر کہنے لگا۔ "دوپہر کا کھانا نہیں کھاسکا ہوں میں آج۔"

"اوہ..." اتنا سن کر بریقہ فکرمند اور اپنے پہلے کے سوالات پر شرمندہ سی ہوگئی۔

"تب تو آپ کے لیے فوراً" کھانا لے کر آتا

چاہیے۔" وہ بولتے بولتے بنا وقت ضائع کیے کچن کی جانب بڑھ گئی۔۔۔ اور بڑے اہتمام سے ٹرے میں بریانی سجا کر پلٹی۔

"دراصل ساری دوپہر دکان کی صفائی ستھرائی میں گزر گئی۔ گھر آنے پر پتا چلا کہ یہاں تو آج دوپہر میں کچھ پکایا ہی نہیں گیا۔ میں تو باہر جارہا تھا مگر پھر نجانے کیا سوچ کر ادھر چلا آیا۔" بریانی دیکھ کر اس کی بھوک چمک گئی۔ اس اثناء میں شاہدہ بھی تلاوت وغیرہ سے فارغ ہو کر تسبیح ہاتھ میں لیے وہیں چلی آئی تھیں اس کی بات سن کر دھیرے سے مسکرائیں اور شفقت سے اسے دیکھ کر متانت سے بولیں۔

"اچھا کیا نا بیٹا! جو یہاں آگئے۔۔۔ یوں بھی میں نے چاول دونوں گھرانوں کے حساب سے ہی بنائے تھے۔" وہ سامنے رکھے ہلکی کاسنی جھالروالی چادر سے ڈھکے تخت پر بیٹھ گئیں۔

"تھینک یو چچی جان۔" وہ رغبت سے کھاتے ہوئے بولا۔

"آپ کے ہاتھ کا ذائقے دار کھانا من وسلویٰ سے کم نہیں۔ میں تو ملکہ سے اکثر کہتا ہوں کچھ سیکھ لے آپ سے۔ مگر گھر میں میری کوئی سنے تب بات ہے نا۔" اس کے لہجے میں تاسف گھل گیا۔

"چلو چھوڑو بیٹا۔" شاہدہ رسان سے بولیں۔ "اپنا اپنا مزاج ہوتا ہے۔"

"جی ہاں۔۔۔ اور یوں بھی ملکہ باجی کو اپنے سسرال جا کر کچھ کرنے کی ضرورت بھی کیا پڑے گی۔۔۔ دو' تین نوکر تو ہر وقت موجود رہتے ہیں ان کے ہاں۔" بریقہ چائے کی ٹرے لاتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔" اس نے پلیٹ سے آخری نوالہ لیا۔ "یہ بہرحال ان کی خوش نصیبی ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ انسان کو ہر طرح کے حالات میں گزارہ کرنے کے لیے وقت سے پہلے ہی تیاری کرلینی چاہیے۔ حالات اچھے ہیں۔۔۔ لیکن اگر ہمیشہ نہ رہے تو تب کیا کریں گی وہ؟" اس کے لہجے میں بھائیوں والا (اچھے بھائیوں والا) مخصوص تفکر جھلک رہا تھا۔

شاہدہ سراہتی نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں۔۔۔ پتا نہیں ان کی جٹھانی کے ہاں اس مختلف المزاج لڑکے نے کیسے جنم لے لیا تھا۔ گریجویٹ تھا۔ آگے پڑھنا چاہتا تھا مگر باپ کی تیزی سے گرتی صحت اور کاروبار کو سنبھالا دینے کی خاطر اپنے شوق کو پس پشت ڈال دیا۔ اور والد ہی پر کیا موقوف۔ وہ اپنے گھر کے ہر فرد کا یوں ہی خیال کیا کرتا تھا۔ ملکہ کے سسرال والوں نے آنا ہے۔ اس کی خدمات حاضر۔۔۔ شہزادی کو نیا فون درکار ہے۔ اس کی بچت سے خریدا گیا۔۔۔ شاہ رخ کا ہاتھ تنگ ہے جو کہ ہمیشہ ہی رہتا تھا۔۔۔ شان صاحب کا اپنا ہاتھ کیا دل بھی کھلا ہے ان کے لیے۔۔۔ اور رہیں شبنم۔۔۔ وہ تو بہرحال اس کی ماں تھیں۔ ان کے لیے تو وہ سراپا فرماں بردار تھا۔ مہذب۔۔۔ خوش اخلاق۔۔۔ نرم گفتار۔۔۔ متحمل مزاج۔۔۔ اور جب کسی جوان خوبرو لڑکے میں اتنے اوصاف اکٹھے ہوجائیں تب وہ کیسے برا لگ سکتا ہے؟

"انشاء اللہ خیر ہوگی بیٹا۔۔۔ لو چائے پیو تم۔" شاہدہ نے اسے تسلی دی کہ جانتی تھیں کہ وہ اپنے گھرانے کی روش سے کس قدر پریشان رہتا ہے۔

"جی بالکل چائے پئیں۔۔۔ میری ہاتھ کی چائے بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔" بریقہ شرارتی تفاخر سے بولی تو وہ ہنس پڑا اور اس سے قبل کہ کچھ کہہ پاتا۔ نیچے کوئی زوردار انداز میں چنگھاڑا تھا۔۔۔ کم از کم بریقہ کی سماعت کو تو یہی شک گزرا۔

"کھانا کھالیا تو نیچے آجاؤ بھائی۔۔۔ رات پکانے کی لیے سودا منگوانا ہے۔"

"اوہ ہو۔۔۔ یہ کوئی نہیں شہزادی تھی۔۔۔ جو اعلان نشر کرنے کے بعد بنا جواب کا انتظار کیے واپس پلٹ گئی تھی۔

"ابھی تو آپ دکان سے تھک کر آئے ہیں۔" بریقہ کو اعلان کچھ زیادہ پسند نہیں آیا تھا' سودا شاہ رخ سے منگوالیتے۔" اس لیے اس نے کہہ بھی دیا۔

"جانے دو بریقہ۔" اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا' شاہدہ نے سرزنش کی۔ "ان کے گھر کا معاملہ ہے۔۔۔ کچھ۔"

"نہیں، ٹھیک کہہ رہی ہے بریقہ۔" شان جلدی سے چائے دو گھونٹ میں ختم کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ "یہ سودا سلف تو بہر حال وہ لا ہی سکتا ہے۔۔۔ خیر بہت شکریہ! آپ لوگوں کے اس ذائقے دار لنچ کا۔" وہ انہیں دیکھ کر مسکرایا۔

"ہیں لنچ۔۔۔؟" بریقہ نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ "مغرب کے بعد کھانا کھانے کو آج کل لنچ کہنے لگے ہیں کیا؟"

"رہنے دو اسے تو۔" شاہدہ نے اس کی شرارت سمجھ کر کہا۔ "اور شکریہ کس بات کا بیٹا۔۔۔ یہ بھی تو تمہارا اپنا ہی گھر ہے نا۔"

"آپ کے خلوص کی قدر کرتا ہوں میں۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر مشکور لہجے میں کہا۔ "کبھی کوئی کام ہو تو بلا جھجک۔۔۔ کہہ دیا کریں۔۔۔ آپ کے کام آکر خوشی ہوگی مجھے۔"

☆ ☆ ☆

"اپنے گھر کے کاموں سے تو فرصت مل جائے تمہارے ان شان بھائی کو۔۔۔ بڑے آئے دوسروں کا کام خوشی خوشی کرنے والے۔" حسب عادت بریقہ نے اسے اس شام کی ساری روداد سامعہ کو سنا کر دم لیا تھا۔۔۔ اور ساری بات خاموشی سے سننے کے بعد حسب عادت اس نے ایک عجیب سا منہ بنا کر یہ جواب عنایت کیا تھا۔ جسے سن کر بریقہ کا دل کچھ افسردہ سا ہو گیا۔ پتا نہیں یہ سامعہ اس کے تایا کے گھرانے کے لیے اتنی منفی سوچ کیوں رکھتی تھی؟

"نہیں یار۔۔۔ ایسی بات نہیں۔۔۔ وہ تو۔۔۔" اس نے وضاحتی انداز اختیار کیا مگر سامنے بھی خونخوار سامعہ تھی۔

"بس تم رہنے دو۔۔۔ یہ تو۔۔۔ وہ تو اور سنجیدگی سے اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔۔۔ آگے یونی میں ایڈمیشن لینا ہے یا نہیں۔" اس نے دادی اماؤں والا انداز اپنایا تو اس بار بریقہ بری طرح بھنائی۔

"مجھے کب تم نے پڑھائی میں غیر سنجیدہ دیکھ لیا سامعہ؟" اس نے اپنے آگے کھلے انگلش کے نوٹس زوردار آواز سے بند کرتے ہوئے برہمی سے کہا۔ "اگر کسی کو کچھ سمجھانا ہی ہے تو اپنے "جگری بھائی" کو سمجھاؤ۔ یونی میں یہ دوسرا سال ہے اس کا۔۔۔ کچھ اسے عقل دو کہ ابھی بھی وقت ہے اپنی پڑھائی اور کیریئر کو سنجیدگی سے لے۔ پچھلے سال یاد ہے نا اس نے اپنا ایک سمسٹر بغیر کسی وجہ کے یوں ہی چھوڑ دیا تھا۔۔۔"

"اچھا بچو؟" سامعہ کے چہرے کے عضلات خطرناک حد تک تن گئے اور داہنا ہاتھ کمر پر پہنچ گیا۔ "تو تم اب میرے بھائی کے حوالے سے مجھے طعنے دو گی؟ وہ جو بھی کرتا پھرے اس کی مرضی ہے بھئی۔ تمہارا اس کے معاملات سے کیا لینا دینا۔"

"ہاں مجھے کیا لینا دینا۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکائے۔ "میں تو ایک بات کہہ رہی تھی کہ جتنی فکر تمہیں میری اسٹڈیز کی ہے اس کی آدھی بھی اگر جاسن کی کر لو تو وہ شاید سدھر جائے۔"

"میرا بھائی بگڑا ہوا ہے ہی کب جو سدھرے گا؟" سامعہ ذرا بلند آواز سے بولی۔

"ہر کسی کو اپنا بھائی نیکیوں کا چلتا پھرتا اشتہار دکھائی دیتا ہے۔" آج تو بریقہ بھی اسے بخشنے کو تیار نہ تھی۔

"مگر شان تو تمہارا بھائی نہیں ہے تب پھر تم کیوں اسے فرشتہ ثابت کرنے پر تلی رہتی ہو؟" مارے غیض کے سامعہ کے نتھنے پھڑپھڑانے لگے۔ اسی لیے چمک کر بولی۔

"ہاں۔۔۔ میں نے کب کہا وہ میرے بھائی ہیں۔۔۔ لیکن بہر حال وہ فرشتہ صفت ضرور ہیں۔" بریقہ حتمی لہجے میں بولی۔ تو اس بار سامعہ حقیقتاً "ناراضی سے کہہ اٹھی۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے نیچے والے۔۔۔ میں اپنے گھر جا رہی ہوں اور آئندہ تمہیں میرے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔" وہ دھپ دھپ کرتی بریقہ کے ٹیرس پہ گئی اور وہاں سے درمیانی دیوار (جو محض ساڑھے چار فٹ اونچی تھی) پھلانگ کر اپنے ٹیرس پہ

اتر گئی۔۔۔ بریقہ نے روکا نہیں۔۔۔ وہ بھی اس بار اپنی اس اکلوتی دوست سے خفا ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

''دیکھو بھئی شاہدہ۔۔۔'' تائی شبنم نے اپنی آواز پہ وہ مخصوص نقاہت طاری کرتے ہوئے اپنے خطاب کا آغاز فرمایا جو سراسر مصنوعی لگا کرتی تھی۔ ''میرے گھر کا نقشہ اور ردی حالات تمہارے سامنے ہیں۔ ایک کمرے میں، میں اور تمہارے جیٹھ جی پڑے رہتے ہیں، دوسرا ان لڑکیوں کا ہے۔ جو ظاہر ہے ان دونوں ہی کے لیے ناکافی ہے تو اس میں کسی تیسرے فرد کی گنجائش کہاں، حق ہا' اتنا کہہ کر وہ متاسف بلکہ دلگرفتہ دکھائی دینے لگیں۔ اور لاؤنج میں موجود جملہ حاضرین کے ضبط کا امتحان لیا۔ (ہنسی ضبط کرنے کا)۔ جبکہ شاہدہ اس محفل کی وہ واحد ہستی تھیں جو نہ صرف سنجیدگی سے ان کا کلام سماعت کر رہی تھیں بلکہ مفہومِ کلام سے کچھ کچھ آگاہی بھی رکھتی تھیں۔

''اور رہا شاہ رخ اور شان کا سوال۔۔۔ اب ظاہر ہے لڑکی ذات نہ وہاں ٹھہرائی جاسکتی ہے اور نہ میں انہیں اپنے اپنے کمرے خالی کرنے کا حکم ہی دے سکتی ہوں۔ حکم دے بھی دوں مگر بات پھر وہی ہے کہ بیچارے جائیں گے کہاں؟ ڈرے اینگ روم (ڈرائینگ روم) تم جانتی ہو صاف دکھنا ہی پڑتا ہے یہ اس موٹی ملکہ کے سسرالی جو آئے دن بنا بتائے آن دھمکتے ہیں۔''

''ایسی ہی بوجھ بنی ہوئی ہوں تم پر تو مجھے مار کیوں نہیں دیتیں۔'' ملکہ بے حد خفا ہوئی تھیں والدہ صاحبہ کے اس قدر توہین آمیز لہجے پر۔

''اماں کو پھانسی پر چڑھنے سے ڈر لگتا ہے نا اس لیے۔'' سدا کے خوش مزاج شاہ رخ نے اپنی دانست میں اعلا پائے کے مذاق سے محفل کو زعفران زار بنانا چاہا مگر وائے افسوس یہاں تو فری اسٹائل ریسلنگ شروع ہو گئی۔

''اوہ ہو۔۔۔ ہو۔'' شاہدہ بوکھلا گئیں جبکہ بریقہ کھسیا کر اٹھ کھڑی ہوئی مبادا اس روز کی طرح اس روز بھی ملکہ اور تائی اس کے لتے نہ لینا شروع کر دیں (خوامخواہ)۔۔۔

''بھائی جان۔۔۔ آپ بے فکر رہیں، ہنی کے لیے میں بریقہ کے کمرے میں جگہ بنا دوں گی۔ آپ کو تردد کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے کھانے پینے کا انتظام بھی میرے ذمے رہا۔ چلو بریقہ۔۔۔ میرے ساتھ مل کر ذرا اپنا کمرہ تو صاف ستھرا کروالو۔'' اپنی بات مکمل کر کے شاہدہ، بریقہ کو حقیقتاً'' یہاں سے کھینچتے ہوئے لے گئیں۔۔۔ اب پتا نہیں تائی شبنم کو ان کی بات ٹھیک طرح سے سنائی دی بھی تھی یا نہیں کہ ان کے پاس سننے سنانے کو اپنے ہی گھر میں بہت کچھ تھا۔

''یہ چڑیل شاہ رخ کی بات پر کیوں ہنسی؟'' ملکہ:

''بھوتنی کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آگئی تھی اس لیے۔'' شہزادی کا کرارا جواب!

''بے غیرتوں کچھ تو شرم کرلیا کرو۔'' شبنم کی دہائیاں۔۔۔ اور بھاگ کر اپنے کمرے میں بند ہوئے شاہ رخ کے چنگھارتے ساؤنڈ سسٹم سے نشر ہوتا دلفریب نغمہ۔

''او، آجا بن جا بے شرم ہو بے شرم۔۔۔!''

☼ ☼ ☼

''رومانہ کا شوہر شادی کے کچھ ماہ بعد سعودیہ اور وہاں سے چھ ماہ بعد امریکہ چلا گیا تھا۔ ایک سال بعد اس نے رومانہ کو بھی وہیں بلوالیا۔ اس کے دونوں بچے وہیں کی پیدائش تھے۔ اماں (ساس) کے انتقال پر جب رومانہ آئی تھی تو بقول رومانہ، اس کے بچوں نے اس کے ساتھ یہاں آنے سے انکار کر دیا تھا کہ ہمیں پاکستان جاکر رونے دھونے سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' (یہ آٹھ سال پہلے کا ذکر ہے) کمرے کی جھاڑ پونچھ اور شاہدہ کے مشورے سے وہاں ضروری اشیاء کا اضافہ کرنے کے بعد وہ دوپہر کا کھانا جو دال چاول اور آلو کی بھجیا پر مشتمل تھا، تناول کرنے کے دوران اپنے ذہن میں در آنے والے مختلف سوالات اپنی والدہ کے آگے رکھ رہی تھی جن کا شاہدہ اپنے تئیں تسلی بخش جواب

دینے کی کوشش بھی کر رہی تھیں۔

"تو اب یہ دلچسپی یکایک کیسے پیدا ہو گئی؟" اس نے ایک اور سوال داغا۔

معاملہ دراصل یہ تھا کہ کل رات رومانہ نے شبنم کو کال کر کے انہیں اطلاع دی تھی کہ ان کی اکلوتی بیٹی ہانیہ عرف ہنی پرسوں کی فلائٹ سے پاکستان آ رہی ہے اور اپنے ننھیال میں ٹھہرے گی۔ "بچی" کی آج کل چونکہ چھٹیاں ہیں اور چھٹیاں بھی لمبی ہیں تو اس نے پاکستان جا کر اپنے رشتے داروں سے ملنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ تائی شبنم نے فون پر تو خاصی مسرت کا اظہار کیا مگر فون بند کرتے ہی انہیں ڈھیروں تفکرات نے آ لیا۔

سب سے پہلا مسئلہ تو اس "لانگ ٹرم مہمانداری" کا تھا۔ جسے کرنے کا نہ ان میں حوصلہ تھا نہ ہی شوق۔

دوسرا وہ ان کی اکلوتی امریکن نند کی بیٹی تھی۔ اکلوتی بہن کی نہیں...

تیسرا جوان جہان لڑکی تھی اور وہ کوئی "رسک" نہیں لینا چاہتی تھیں۔

چوتھا... چوتھا مسئلہ تو خیر کوئی نہیں تھا لیکن کیا پتا اگر پیدا ہو گیا تو؟

"اس لیے سیدھا سا حل یہ تھا کہ یہ بلا اوپر والی استانی کے سر ڈال دی جائے... لہٰذا انہوں نے ڈال دی اور اب استانی اپنی بیٹی کے سوال جواب بھگت رہی تھیں۔

"تم کچھ زیادہ ہی فالتو باتیں نہیں کرنے لگی ہو؟ غضب خدا کا جسے دیکھو آج کل اپنی ذات میں "وسیم بادامی" بنا بیٹھا ہے... معصومانہ سوالات ہیں کہ ختم ہو کر ہی نہیں دے رہے۔" وہ اپنی کسی الجھن کو جھلاہٹ کے لبادے میں چھپانے لگیں۔

"کیوں ڈانٹ رہی ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔ "میں نے آخر ایسا پوچھ ہی کیا لیا ہے؟"

"جلدی کھانا کھاؤ اور اچھی سی چائے میرے کمرے میں دے جانا مجھے... بہت تھکن سی محسوس ہو رہی ہے۔" وہ تخت پر بچھے دسترخوان سے اٹھ گئیں۔

بریقہ کچھ دیر وہیں بیٹھی ان کے رویے اور محترمہ ہنی کی متوقع آمد کے بارے میں سوچتی رہی... کچھ سوالات اس کے ذہن میں ابھی اور کلبلا رہے تھے جن کا خاطر خواہ جواب سوائے سامعہ کے اسے کہیں سے نہیں ملنا تھا... اور سامعہ کو نہ صرف اس روز وہ واقعی ناراض کر چکی تھی بلکہ پلٹ کر اس کی خبر بھی نہیں لی تھی۔

"سامعہ..." پورے ایک ہفتہ بعد بریقہ نے اس کی کمی محسوس کر ہی لی۔

☆ ☆ ☆

"تمہاری دوست، تمہارے غم میں بیمار پڑ گئی اور تم ایسی بے مروت نکلیں کہ پلٹ کر خبر نہ لی..." سامعہ کے گھر میں گھستے ساتھ ہی سلام کی بجائے یہ طعنہ سننے کو ملا۔

"کیا تمہارے اور میرے درمیان بے تکلفی ہے؟" اس نے بے طرح گھور کر اس اجاڑ صورت کو دیکھا جو اس کی راہ میں بڑی فرصت سے حائل ہوا تھا۔

"اچھا؟ نہیں ہے؟" اس نے مصنوعی حیرت کا مظاہرہ کیا۔ "تو... اس میں فکر کی کیا بات ہے۔ تم سامنے صوفے پر بیٹھ جاؤ ابھی پیدا کیے لیتے ہیں۔ اچھا ہے نا اس کے بعد اطمینان سے باتیں ہوں گی۔" وہ بولتے بولتے سامنے صوفے پر بیٹھ بھی گیا (بلکہ گرنا زیادہ موزوں لفظ ہے) اور منتظر نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ لیکن وہ اسے اس بار مکمل نظرانداز کرتی ہوئی سامعہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

جاسن نے ایک لمبی سی انگڑائی لی اور وہیں دراز ہو کر ٹی وی لگا لیا...

دوسری جانب بریقہ جب سامعہ کے کمرے میں داخل ہوئی وہ جائے نماز بچھائے عصر ادا کر رہی تھی۔ بریقہ کرسی پر بیٹھ گئی... اور یوں ہی کمرے کا جائزہ لینے لگی۔ عام سادہ طریقے سے آراستہ کمرہ تھا اس کا۔ کھڑکیوں پہ کالے ڈاٹس والے سفید کاٹن کے پردے پڑے ہوئے تھے... سفید براق دیواریں... دیوار کے

ساتھ لگا سنگل لکڑی کا بیڈ۔ بیڈ کے سامنے رکھی رائٹنگ ٹیبل' اس کے ساتھ بک شیلف' دوپٹ کی الماری' چھوٹی سی ڈریسنگ ٹیبل اور اس کے ساتھ نیچے کارپٹ پر پڑا زنانہ کپڑوں کا ڈھیر جن کی چمک بتا رہی تھی کہ وہ نئے خریدے گئے ہیں۔ اس کے جائزے کے ساتھ ہی سامعہ کی نماز بھی مکمل ہوگئی۔

"آج میری یاد کیسے آگئی؟" اس نے جائے نماز تہ کر کے اسٹینڈ پر رکھی اور دوپٹا کھولنے لگی۔ اس کے الفاظ میں نہ طنز تھا نہ کاٹ۔ بہت سادہ سا لہجہ تھا۔

"سنا ہے میرے غم نے تمہیں بیمار کر ڈالا؟" وہ افسردہ صورت بنا کر بولی۔ "بس اسی لیے چلی آئی۔"

"خیر اتنی اچھی تو تم ہو نہیں۔" سامعہ نے یقین نہ کرنے والے لہجے میں کہا تو بریقہ اسے اپنی جون میں پلٹتا دیکھ کر ہنس پڑی۔

"ضرور کوئی نہ کوئی بات ہوئی ہوگی جو تم یوں ساری خود ساختہ ناراضی بھلائے یہاں دوڑی چلی آئی ہو۔" اس نے تیقن سے کہا تو بریقہ نے برا مان کر اسے دیکھا اس بار۔

"جی نہیں' میں واقعی تمہاری خیریت پوچھنے آئی ہوں۔"

"میں زندہ سلامت ہوں۔ اب کہو؟" اس نے سیدھی بات کی۔

"یہ کپڑے تم نے خریدے ہیں۔ کسی کی شادی وادی ہے کیا تمہارے خاندان میں؟" اس نے بات بدلنے کی غرض سے آنکھیں چراتے ہوئے پوچھا۔ (فوراً" اپنے مطلب کی بات پر آجاتی تو سامعہ کے اندازے کی تصدیق ہو جاتی نا)

"میں نے نہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولی' جاسن نے خریدے ہیں کسی کے لیے۔" اس کے جواب نے بریقہ کی آنکھوں کو پھیلنے پر مجبور کر دیا۔

"جا۔ سن نے؟ کسی لڑکی کے لیے؟" اس نے تحیر سے کہا تو سامعہ نے ایک نظر گردن موڑ کر کپڑوں پر ڈالی' دوسری ضرورت سے کہیں زیادہ حیران ہوتی بریقہ پر۔

"اس میں اس قدر حیرانی کی کیا بات ہے' ظاہر ہے وہ خود تو ایسے کپڑے پہنتا نہیں۔" وہ کندھے اچکا کر بے نیازی سے بولی۔

"تو اپنے کمرے میں رکھتا۔" بریقہ منہ بنا کر بولی۔ "یہاں کیوں رکھوا دیے؟"

"اس کے کمرے میں تو ہر وقت بھائی جان یا ابو کے چھاپے کا خدشہ موجود رہتا ہے۔ یہاں کس نے ریڈ مارنی ہے۔ بس اس لیے۔" وہ مزے سے بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ "اور کوئی سوال ذہن میں کلبلا رہا ہو تو کرلو ورنہ پہلے کہو تو میں تمہارے لیے چائے لے آؤں؟"

"چائے رہنے دو۔" بریقہ برا مانتے ہوئے بولی۔ "پی کر آئی ہوں۔ بس میں تو وہ تمہاری خیریت۔" وہ ابھی جملہ مکمل بھی نہ کرپائی تھی کہ سامعہ اسے گھور کر کمرے سے باہر چل دی۔ دو منٹ بعد واپس آئی تو ٹرے میں کولڈ ڈرنک کے گلاس بمعہ مسالے دار پیکٹ کے چپس سلیقے سے رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ٹرے بیڈ پر رکھی اور خود بھی اطمینان سے بیٹھ کر بڑے پیار سے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں تم۔ کہو نا؟"

"یہ بات جاسن کو تم نے بتائی کہ میں تم سے ناراض ہوں۔" دراصل سارا غصہ اسے سامعہ کے آمرانہ رویے پر تھا ابھی جو کسی اور بات کے بہانے اس نے باہر نکالنے کی کوشش کی۔

"اور لوگ عقل رکھتے ہیں بی بی۔" وہ ناپسندیدگی سے بولی۔ "ایک دوسرے کے ہاں ہمارا آنا جانا ایک ہفتے سے بند ہے۔ شاید وہ بھانپ گیا ہوگا۔ ویسے تمہاری جدائی میں میں رانجھا تو بن نہیں گئی تھی جو پاگلوں کی طرح سارے گھر میں ہیر۔ ہیر گاتی پھرتی۔"

"اچھا۔ اچھا خیر جانے دو۔" بریقہ نے موضوع بدلا۔ مبادا ان کے مابین پھر کوئی بحث طول پکڑ کر ناراضی تک جا پہنچے۔

"تمہیں پتا ہے کل رات کی فلائٹ سے رومانہ پھپھو کی بیٹی ہنی ہمارے ہاں آرہی ہے پورے سولہ

سال بعد۔" اس نے نیوز اینکر کی طرح تجسس پھیلانے کی ناکام کوشش کی۔

"اچھا... اچھی بات ہے۔" سامعہ نے کولڈ ڈرنک کا گھونٹ بھر کر خوشی کا اظہار کیا۔

"ہاں بات تو اچھی ہے۔" اس نے بھی سر ہلایا۔ "مگر پتا نہیں کیوں مجھے لگتا ہے بات اتنی سیدھی نہیں۔" اس نے اپنی خواب ناک آنکھیں پر سوچ انداز سے بھینچتے ہوئے کہا۔

"اس میں تمہیں کیا ٹیڑھی بات نظر آ گئی؟"

"تمہیں نہیں لگتا کہ اسے یہاں پاکستان کچھ روز رہنے کے لیے بھیجنا محض بہانہ ہے۔" بریقہ نے سامعہ سے تائید چاہی۔

"ہاں۔" سامعہ نے فوراً" سے پیشتر اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔ "ہو سکتا ہے تمہاری پھپھو کی بیٹی پاناما کیس کے "متوقع" نتیجے کے "نتیجے" میں ہونے والے دھرنے میں شرکت کے لیے تشریف لا رہی ہو... آخر کو دو سال پہلے بھی تو ملکوں ملکوں سے لوگوں نے آکر دھرنا انجوائے کیا تھا نا... ظاہر ہے بد قسمت ہیں وہ لوگ' ان کے ملکوں میں ایسی عیاشیاں کہاں' حق ہا..." وہ تیز تیز چپس چبا کر اپنا غم غلط کرنے لگی۔

"اف اللہ۔" بریقہ بھنا گئی۔ "کیا بے تکی ہانک رہی ہو بہن... کس بات کو کس معاملے سے جوڑ رہی ہو؟"

"مستقبل قریب میں اینکر بننا ہے نا تو بس کبھی کبھار پریکٹس کر لیتی ہوں۔" وہ انکساری سے مسکرائی۔

"مجھے لگتا ہے وہ اپنا سوئمبر رچانے آ رہی ہے۔" بریقہ اس کی گفتگو سرے سے نظر انداز کر کے پر سوچ لہجے میں بولی۔

"اوہ... ہاں۔" سامعہ چونک گئی۔ "اس کا بھی امکان ہے بلکہ سچ کہوں تو بس یہی امکان ہے۔"

"ہے نا؟" بریقہ اپنے اندازے کی تائید پر بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔

"ہاں نا... پھر تم نے بتایا کہ وہ ٹھہرے گی بھی یہیں تمہارے ہاں... چلو اچھا ہے اسے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑے گی... یہاں تو پہلے ہی سے آسان شکار موجود ہیں۔ ویسے دیکھنے میں کیسی ہے؟ کزن ہے تمہاری... تصویر وغیرہ تو دیکھی ہو گی؟"

"مجھے نہیں پتا کیسی ہے۔" یک دم ہی بریقہ کا دل جیسے ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ "آئی گی تو خود ہی دیکھ لینا... اب چلتی ہوں کافی دیر ہو گئی۔" وہ کہتے ساتھ ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

سامعہ نے تعجب سے اسے دیکھا۔ اس کا گلاس اور چپس یوں ہی رکھے تھے۔ چند ثانیے سامعہ یوں ہی رہی پھر کندھے اچکا کر' بے پروائی سے باقی ماندہ چپس اور ڈرنک سے استفادہ کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"لڑکی بیوٹی فل... کر گئی چل..."

اندر کمرے میں شاہ رخ کا اسٹیریو پوری قوت سے گلا پھاڑ رہا تھا۔ جس کا انتظار تھا اس شاہکار کو شان "کار" میں بٹھا کر گھر لے آیا تھا۔ ملکہ اور شہزادی نے تو اس درجہ ماڈ' اسمارٹ اور شہد رنگ آنکھوں والی کو دیکھتے ساتھ ہی اس کے خلاف اپنے اپنے دل میں محاذ کھول لیا تھا البتہ ظاہر نہ کیا۔

"نہ پوچھ بچی۔" تائی پر رقت طاری تھی اور وہ اسے خود میں بھینچے دل گداز لہجے میں گویا تھیں۔ "تیرے بڑے ماموں کو تو بڑی محبت تھی رومانہ سے' محبت کیا؟ ارے بیٹی سمجھتے تھے اسے اپنی۔ اسی لیے تو اس کی شادی پر دل کھول کر خرچ کیا... لیکن دیکھو' وہ تو وہاں جا کر ہمیں جیسے بھول ہی گئی... ہائے رومانہ' ہائے کتنا ترسے ہم تیری صورت دیکھنے کے لیے۔"

"امی کیوں بین ڈال رہی ہو' پھپھو ابھی زندہ ہیں... کیوں؟" ظاہر ہے یہ شاندار جملہ سوائے شاہ رخ کے اور کس نے منہ سے نکالنا تھا۔

"دستیانا سی... جب بھی نکالنا اپنے منہ سے بری ہی بات نکالنا تو۔" تائی تلملا کر بولیں... اچھی بات یہ ہوئی کہ بے چاری ہنی کا سر چھوڑ دیا... اس نے اپنی روکی

ہوئی سانس بحال کی۔ (جو اس نے تائی کے ریشمی سوٹ سے اٹھتے نمکین بھبکوں کی وجہ سے روک رکھی تھی۔۔۔ اوں۔۔۔ ہوں آخ تھو)

"جاؤ ہنی۔۔۔ پہلے فریش ہو جاؤ۔۔۔ پھر کھانے کی میز پر تعارف کا باقی مرحلہ طے کرلیں گے۔" شان نے اس کی تھکی تھکی بے زار صورت دیکھ کر جیسے ہی اسے اذن رخصت دیا وہ فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی۔

"او یا۔۔۔ کہاں ہے میرا کمرہ؟" اس نے شان ہی کی طرف رخ روشن کرکے استفسار کیا۔

"آں۔۔۔ وہ۔" تائی نے سامنے چپ چاپ بیٹھی برلقہ کو آنکھوں سے کوئی اشارہ کیا۔

"وہ۔" برلقہ بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلیں اوپر۔۔۔ ہمارا کمرہ اوپر ہے' امی بھی وہیں آپ کی منتظر ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں بیٹا۔" ندیم نے آگے بڑھ کر ہنی کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "جاؤ کپڑے وپڑے بدل لو۔۔۔ آرام کرو۔" وہ کہہ کر اپنے حجرے کی جانب بڑھ گئے۔

"لائیں میں آپ کا سامان اوپر پہنچا دیتا ہوں۔" شاہ رخ نے مسکراتے ہوئے اس کا بھاری بھرکم سوٹ کیس اٹھالیا۔ ہنی' برلقہ کی معیت میں آگے بڑھ گئی۔

"یہ تو بڑی دیدہ ہوائی لگ رہی ہے امی۔۔۔" اس کے جانے کی دیر تھی سب سے پہلے لب کشائی ملکہ نے کی۔ اس کی حسد بھری نگاہوں نے بڑی تفصیل سے ہنی کا پہناوا دیکھا تھا۔

"ہاں تو اور کیا۔" زندگی میں شاید پہلی بار انڈیا اور پاکستان کسی بات پر متفق ہوئے تھے۔

"کمرسے شرٹ چپکی ہوئی ہے۔۔۔ ویسے ملکہ یہ ہے کتنی دبلی پتلی نا۔۔۔"

"جن" جاتی ہوگی۔" شہزادی اب تک ہنی کی شخصیت کے سحر میں کھوئی ہوئی تھی۔

"جن نہیں۔۔۔ جم ہوتا ہے شہزادی۔" شان نے تاسف سے تصحیح کی۔ "اور اگر اب تم دونوں کے تبصرے مکمل ہو چکے تو جا کر اس کے کھانے پینے کا کچھ انتظام کرو۔"

"ارے او۔۔۔ خبردار جو تونے اس رومانہ کی بیٹی کی خاطر میری معصوم بیٹیوں کو کچھ کہا ہو تو۔۔۔" معاً" شبنم بھڑک اٹھیں۔ شہزادی کا اوپری ہونٹ لٹک کر ٹھوڑی سے بھی نیچے جا پہنچا۔ آنکھیں بھیگ گئیں جب کہ ملکہ کا معاملہ برعکس تھا۔ وہ پیر پٹخ کر اپنے کمرے کی جانب گئی اور اپنے مجازی خدا کو فون ملا کر بلک اٹھی۔

"یہی دن دیکھنا باقی رہ گیا تھا نا۔۔۔ آج تمہاری وجہ سے میرے بھائی نے مجھے کس قدر باتیں سنائی ہیں۔ تم رخصتی لے چکے ہوتے تو آج یہ نوبت نہ آتی۔۔۔ ہائے اللہ کہاں جاؤں۔" دوسری جانب شہود بوکھلا کر کچھ بول تو رہا تھا۔۔۔ نجانے کیا۔۔۔

باہر تائی کی گولہ باری جاری تھی۔

شان سر پکڑے بیٹھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اور ہنی۔۔۔ تم کیا کرتی ہو وہاں؟" ہنی اپنا جہازی سائز سوٹ کیس کھول کر اس میں غالباً" اپنا نائٹ سوٹ تلاش کررہی تھی۔ تب ہی بیڈ پر بیٹھی برلقہ نے متاثر نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بات برائے "بات چیت" کی غرض سے پوچھا۔

"کچھ نہیں کررہی تھی میں' اس لیے تو مما نے پاکستان بھیج دیا کہ جاؤ وہاں جاکر کوئی لڑکا پسند کرلو۔" وہ منہ بگاڑ کر اس سے بھی زیادہ برے لہجے میں بولی اور اس کی اس درجہ صاف گوئی پر برلقہ حیران رہ گئی۔۔۔ حیرانی ذرا کم ہوئی تو زندگی میں شاید پہلی بار اپنے "اندازے" کی درستی پر دل خوشی سے جھوم تو گیا' مگر اس کے ساتھ ہی نجانے کیوں یک دم ہی سکڑ کر پھیلا تھا۔

"مم۔۔۔ مگر یہاں کون سا لڑکا ہے؟" وہ بغور اپنے سامان کے ساتھ الجھی ہوئی ہنی کو دیکھ کر بولی۔ بلکہ پوچھنے لگی۔

"آئی ڈونٹ نو یار۔۔۔" وہ بے زاری سے بولی اور ایک عدد چمڑے کا درمیانے سائز والا میک اپ باکس لیے بیڈ پر آبیٹھی اور اسے اپنے سامنے رکھ کر کھول

لیا۔

"تم تو نہانے جا رہی تھیں۔" بریقہ نے اسے اطمینان سے بیٹھتے دیکھ کر ٹوکا۔ "تو پھر یہ میک اپ کیوں کر رہی ہو؟" بریقہ متعجب ہوئی۔ "اوہ کم آن۔۔۔" وہ اسٹینڈ والا شیشہ اپنے سامنے رکھ کر بولی۔ "میک اپ کر نہیں رہی میک اپ ری موو کر رہی ہوں۔" بہت اکتاہٹ تھی اس کے لہجے میں۔

"تم نے میک اپ کیا ہوا ہے؟" بریقہ نے اس بار چونک کر مگر گہری نظروں سے اس کا بے داغ چہرہ دیکھا۔ "قسم سے یار بالکل محسوس نہیں ہو رہا۔" اس بار لہجہ ستائشی تھا۔

"یہی تو میک اپ کی کوالٹی ہونی چاہیے کہ محسوس نہ ہو۔" ہنی میک اپ وائپ گال پر رگڑتی ہوئی بولی۔ وائپ کا رنگ سفید سے مٹیالا سا ہو گیا۔

"بہت خوب۔" بریقہ نے بے ساختہ کہا۔ "مجھے بھی سکھانا؟" ساتھ ہی فرمائش بھی داغ دی۔

"شیور۔۔۔" وہ اوپرے لہجے میں بولی "مگر فی الحال تم مجھے اکیلا چھوڑ دو پلیز۔ مجھے یوں کسی کے بار بار بولنے سے بہت اری ٹیشن ہوتی ہے۔" اس کے یوں بولنے پر پہلے تو بریقہ بری طرح شرمندہ سی ہو گئی مگر اس کے بعد اسے بہت غصہ آیا۔۔۔ یعنی کہ حد ہو گئی۔

اس کے کمرے میں بیٹھ کر اسی کو میاؤں؟

"اوکے۔۔۔ مگر جلدی کرنا۔ کھانے پر سب تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔" بریقہ نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا اور دھاڑ سے دروازہ بند کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"باہر جا کر امی کے سامنے اس کے رویے کی شکایت کی تو وہ بولیں۔ "کچھ دن کی مہمان ہے خندہ پیشانی سے برداشت کر لو۔" میرا تو یہ نصیحت سن کر سچ میں دماغ ہی گھوم گیا، مگر پھر خود کو سمجھایا ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں اس نے تو تھوڑے دن بعد چلے ہی جانا ہے۔۔۔ خیر۔ پھر پتا ہے پورے ایک گھنٹے بعد وہ کمرے سے باہر نکلی، کالے ٹراؤزر اور سلیولیس پنک ٹاپ میں اووف"۔

دوسرے دن بریک میں بریقہ حسب عادت سامعہ کے سامنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

دونوں اپنی اپنی کولڈ ڈرنکس اور چکن برگر لیے سفیدے کے درخت کے نیچے بنچ پر ساتھ ساتھ بیٹھی تھیں۔ اپنے کالج بیگز بنچ کی پشت پر ٹکا رکھے تھے۔

"اچھا!" سامعہ نے دلچسپی سے پوچھا۔ "کیسی لگ رہی تھی؟"

"کیسی لگ سکتی ہے؟" بریقہ اس کی دلچسپی بھانپ کر برا مانتے ہوئے بولی۔ "شاہ رخ کی تو نگاہیں ہی نہیں ہٹ رہی تھیں اس پر سے۔۔۔ اصل میں رات میں سب نے ہماری طرف کھانا کھایا تھا نا۔" اس نے تفصیل بہم پہنچائی۔

"وہ اپنے ماحول کے مطابق پہناوے کی عادی ہو گی نا یار۔" سامعہ برگر کترتے ہوئے بولی۔ "یہاں پہلی پہلی بار آئی ہے۔ تمہاری امی یا تائی کو چاہیے کہ اسے سہولت سے سمجھا دیں کہ یہاں کا پہناوا ذرا مختلف ہے۔ وہ خیال رکھے۔"

"تم تو رہنے دو تمہیں کچھ نہیں پتا۔" بریقہ نروٹھے پن سے بولی۔ "خود آ کر دیکھنا شام میں کہ محترمہ کیا چیز ہیں؟" اس نے گویا سامعہ کو چیلنج دیا۔

"شام کی شام کو دیکھی جائے گی۔۔۔ فی الحال جلدی کھاؤ انگلش کی کلاس شروع ہونے والی ہے۔" سامعہ نے خالی لفافہ سامنے اچھالا اور کلائی پر بندھی نازک سی گھڑی میں وقت دیکھ کر کہا تو بریقہ بھی سب کچھ بھول بھال کر اپنے برگر اور کولڈ ڈرنک کی جانب متوجہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"لو اب یہ نئی مصیبت۔۔۔" شبنم ازحد بے زاری سے بولیں۔ "کوئی پوچھے، ہمارے پاس کیا کوئی خزانے دفن ہیں جو نکال کر اس کی بیٹی (یعنی ہنی) کو سارے خاندان سے ملوانے کے لیے دعوت کر دیں۔۔۔ ارے ہماری تو وہی اللہ ماری بس ایک ہی دکان ہے اس کی گرتی حالت سب کے سامنے ہے' میں کہاں سے

لاؤں گی اتنے سارے روپے۔" وہ فکر مند ہی تھیں۔

ہنی کو یہاں آئے تیسرا روز تھا۔ جب رات میں رومانہ کی کال ندیم صاحب کو موصول ہوئی۔ ان کے ساتھ ہی شبنم رونق افروز تھیں۔ ساری بات فون جھپٹ کر انہوں نے ہی کی۔ رومانہ چاہ رہی تھیں کہ سارے خاندان کی دعوت کردی جائے تاکہ سب اس روز بہ آسانی ہنی سے ملاقات کرسکیں۔ فرداً" فرداً" سب کے گھر جانا تو یوں بھی دشوار تھا اور نہ ہی ہنی اس بات کے لیے راضی ہوتی۔ وہ تو پہلے ہی بمشکل تمام پاکستان آنے پر راضی ہوئی تھی۔

"فکر کیوں کرتی ہے۔" ندیم بے پروائی سے بولے۔ کبھی شاید وہ تہذیب یافتہ رہے ہوں گے 'مگر شبنم کی پچیس سالہ رفاقت نے ساری تہذیب و شائستگی ان کے اندر سے نچوڑلی تھی۔ "بولا تو ہے اس نے کہ خرچ ہوجانے والا روپیہ بھجوادے گی.... پھر موت کیوں آرہی ہے تجھے؟" وہ نیا پان منہ میں دبانے لگے۔

"موت آئے میرے دشمنوں کو۔" وہ سات فٹ اوپر اچھلیں۔ "بڑی آئی کروڑ پتی کی بیگم پیسے واپس کرنے والی۔ ارے جو تمہاری ماں بہن کو جانتا نہ ہو اسے یہ راگ سنا کر بہلانا سمجھے.... کیا میں نہیں جانتی 'کیسے آنے بہانے کرکر کے تمہاری ماں' اپنی لاڈو رانی کے لیے تمہاری جیب ڈھیلی کروایا کرتی تھی۔"

"ارے.... رے۔" ندیم نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ "ذرا آہستہ بول.... ٹرک کے ہورن (ہارن) جیسی تو آواز ہے تیری۔ کہیں اس بچی نے سن لیا نا تو خوامخواہ دل برا ہوگا اس کا اور اب بخش بھی دے میری ماں کو۔ اسے مرے ہوئے بھی زمانہ گزر گیا ہے۔" وہ آخر میں رنجیدہ سے ہوگئے۔

"بس.... بس۔" شبنم نے غصیلے لہجے میں کہا۔ "کوئی کچھ بھی سنے اور کہے' میرے پاس اس دعوت کے لیے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے.... دعوت کروانی ہے تو پہلے پیسے بھیجے پھر دعوت ہوگی۔" وہ قطعیت سے بولیں اور لیٹ کر چادر منہ تک تان لی۔ ندیم

خلاؤں میں گھورتے ہوئے نجانے کیا تلاش کررہے تھے۔

شاید خود سے دور ہوجانے والے رشتوں کو یا پھر.... شاید خود کو!

✡ ✡ ✡

"کیسا لگا ہمارا پاکستان؟"

آج خلاف معمول نیچے چھوٹے سے اجڑے ہوئے لان میں رونق لگی ہوئی تھی۔ چپس' پکوڑے اور کٹلس شاہدہ نے بنا کر بھیجے تھے۔ البتہ چائے بنانے کی زحمت شہزادی نے گوارا کرلی تھی۔ اب سب ہی سوائے ملکہ کے دادی محترمہ کے زمانے کی لان چیئرز پر براجمان شام کی چائے کے ساتھ ساتھ آپس میں گفتگو کررہے تھے۔

تب ہی شان نے اپنے سیل فون پر غالباً" **چیٹنگ** میں مصروف ہنی سے پوچھا۔

"ہوں؟" اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ "گریٹ.... اچھا ہے۔" بھنویں اٹھا کر گویا رٹا رٹایا جواب عنایت کیا اور پھر ساری توجہ وہیں....

"اہم۔" اس بار شاہ رخ کھنکھارا۔ "اور ہم پاکستانی؟" آنکھوں میں خمار اور لہجے میں گمبھیرتا بھر کر پوچھا گیا۔

"اچھے ہی ہیں۔" اس بار نگاہیں فون سے اوپر اٹھانے کی زحمت بھی نہیں کی گئی۔ اور شاہ رخ کے ارمانوں پر اوس.... جی نہیں ایسے لوگوں کے ارمانوں پر کبھی زوال نہیں آتا.... ہر وقت' ہر جگہ تازہ دم دکھائی دیتے ہیں "یہ لوگ...."

"ابھی تمہیں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں ہنی۔" وہ بڑے دلار سے بولے۔ "کچھ دن ساتھ رہو.... پیار نہ ہوجائے تو کہنا.... ہم سب سے۔" شان کی غصیلی نگاہوں پر یک دم ہی اس کی نظر پڑی تو یہ الفاظ طوعا" و کرہا" اپنے جملے میں شامل کرنے پڑے۔ بریقہ صورت حال سمجھ کر ہنسی پڑی.... وہ ہنسی تو خود بنی نگاہوں سے چپکے چپکے ہنی کا سر تاپا جائزہ لیتی شہزادی نے

چونک کر بریقہ کو ناپسندیدگی سے دیکھا۔

"تم کیوں ہنس رہی ہو۔ شاہ رخ نے کوئی "جوک" تو نہیں سنایا۔"

"وہاٹ؟" ہنی نے اس بار فون کی جان چھوڑ کر بے ساختہ شہزادی کو دیکھا۔

"جھونک...؟ ہاہاہا۔" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز سے ہنس پڑی۔ کسی نے بھی اس کا ساتھ دینے کی ہمت نہیں کی۔ سوائے شاہ رخ کے...!

"کیوں؟" شہزادی یکلخت تڑپ کر دہاڑی۔ "اس میں ہنسنے کی کیا بات ہو گئی؟"

"کوئی بات نہیں ہوئی۔" بریقہ بات سنبھالنے کو سرعت سے بولی۔ "جلدی چائے پئیں نا آپ لوگ' ٹھنڈی ہو جائے گی اور تم بتاؤ نا شہزادی پرسوں ہونے والی دعوت میں تم کیا پہن رہی ہو؟" وہ بات کا رخ متوقع جھگڑے سے دوسری جانب لے گئی۔ شان نے بے ساختہ چمکتی' ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھ کر دھیرے سے اشارہ کیا اور بریقہ کے لہو کے ساتھ ہزاروں ان دیکھی مسرتیں گردش کرنے لگیں... آنکھیں روشن ہو گئیں تو لب کھل اٹھے۔

"نئے لے کر آنے ہیں... پاری مال جاؤں گی۔ پاری مال۔" وہ جتاتے لہجے میں ہنی کو متاثر کرنے کو بولی مگر فیشن اسٹریٹ سے شاپنگ کرنے والی نے اس بات سے کیا خاک متاثر ہونا تھا۔ اس کی تو جانے بلا کہ یہ پاری مال آخر تھا کیا...؟

"بہت اچھی بات ہے۔" بریقہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تم؟" بریقہ کا رخ اب ہنی کی جانب ہوا۔ جو اپنا اچھا خاصا چہرہ "اسپاوٹ" کر کے سیلفی لے رہی تھی۔

"جب پہنوں گی دیکھ لینا۔" اس کے نکلے سے جواب پر بریقہ نے سبکی محسوس کی۔ ناحق پوچھا اس نک چڑھی سے یہ سوال۔ شان نے شاید اس کا اترا منہ دیکھ لیا تھا۔ تب ہی اتنی دیر کی خاموشی توڑ ڈالی۔

"پہلے بتانے سے کیا ڈریس کی خوب صورتی میں فرق پڑ جاتا ہے؟"

"ہاں پڑ جاتا ہے پھر؟" وہ بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"عجیب منطق ہے۔" وہ استہزائیہ مسکرایا۔ اس کے مسکرانے پر ہنی بری طرح سلگ گئی۔

"لیکن آپ کو اس معاملے میں بولنے کی کیا ضرورت تھی۔ آئی تھنک یہ ہم لڑکیوں کی آپس کی ڈسکشن ہے۔"

"بالکل..." وہ کرسی کے ہتھے پر زور دے کر اٹھتا ہوا بولا۔ "اسی لیے میرا اور شاہ رخ کا یہاں سے اٹھ جانا بہتر ہے... چلو شاہ رخ ذرا پرسوں ہونے والی دعوت کے لیے کچھ انتظامات کرنے ہیں۔" اس نے شاہ رخ کو اشارہ کیا... وہ منہ بسورنے لگا۔ پھر چہرے پر یتیمی طاری کر کے بولا۔

"میں تو دو دن سے بہت بیمار ہوں... لان میں تازہ ہوا کھانے بیٹھا تھا۔"

"کام چور' جھوٹ بول رہا ہے بھائی... تم اسے زبردستی لے جاؤ۔" شہزادی کلس کر بولی۔ (کچھ دیر پہلے بڑا ہنس رہا تھا نا مجھ پر اس ڈائن کے ساتھ مل کر) نتیجتاً" وہ بری طرح بھڑک اٹھا۔

"تو تم جیسے روز مزدوروں کے ساتھ سڑک کھودنے جاتی ہے نا؟ موٹی بھدو۔"

"گلا دبا دوں گی تیرا۔" شہزادی بلبلا کر پوری قوت سے چلائی۔ ہنی کو اپنے کانوں پر ہاتھ رکھنے پڑے۔ بریقہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"جو دل میں آئے بھونک دیتا ہے۔"

"خاموش ہو جاؤ دونوں۔" شان جو بیرونی دروازے کی طرف جا رہا تھا ان کی چیخ و پکار پر پلٹا اور دونوں کو بری طرح جھاڑ کر رکھ دیا۔

"کوئی تمیز باقی ہے تم میں یا نہیں... سامنے مہمان بیٹھی ہے کچھ تو لحاظ کرو... چلو شہزادی' جاؤ تم لوگ اندر... اسے ہوا کھانی ہے نا... اچھی طرح کھانے دو۔" وہ شاہ رخ کو خونخوار نگاہوں سے دیکھ کر دوبارہ مرکزی دروازے کی جانب پلٹ گیا۔

شاہ رخ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑانے لگا۔ شہزادی پیر پٹخ کر اندر چل دی۔ بریقہ میز پر سے اپنی پلیٹس اٹھانے لگی۔ تب ہی صورت حال سے حظ اٹھاتی ہنی خفت زدہ چہرے والے شاہ رخ سے بولی۔

"میں بہت بور ہوگئی ہوں شاہ رخ۔ کیا خیال ہے... کہیں آؤٹنگ کے لیے چلیں؟"

"میں؟" شاہ رخ جو اس کے سامنے پڑ جانے والی جھاڑ پر ذرا جھینپا سا بیٹھا تھا اس نے بے ساختہ بے یقینی سے مسکراتی ہوئی ہنی کو دیکھا اور...

"ہاں... ہاں کیوں نہیں... بالکل چلتے ہیں... ٹھہرو، میں ذرا ابا کی موٹر سائیکل کی چابی لے آؤں۔" اور شادیٔ مرگ طاری ہونا بریقہ نے اردو کی کتاب میں پڑھ رکھا تھا... آج دیکھ بھی لیا۔

☆ ☆ ☆

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟" اپنے سامنے سفید و گلابی نفیس سے سوٹ میں ملبوس سامعہ سے کنفیوژڈ لہجے میں بریقہ نے پوچھا۔

ندیم نے رومانہ سے کیا کہا یہ تو رب جانے البتہ انہوں نے دعوت کے سلسلے میں خاصی معقول رقم بھجوا دی تھی۔ یوں آج یہ دعوت خاصے وسیع پیمانے پر منعقد کی گئی تھی۔ دعوت تو نرا بہانہ تھی —— جاننے والے جانتے تھے کہ یہ دراصل ہانیہ اشفاق (امریکہ والی) کا سوئمبر رچایا گیا تھا۔ سارے رشتے داروں و چیدہ چیدہ احباب کو دعوت بھی خود رومانہ نے فون کر کے دی تھی اور یہاں کوئی بھی ایسا بے عقل نہیں تھا جو کفران نعمت کرتا نتیجتاً گلی میں لگایا جانے والا سفید و سلور، فریش پھولوں اور فینسی لائٹوں سے آراستہ ٹینٹ پوری طرح بھرا بھرا دکھائی دے رہا تھا۔

اوپر بریقہ اپنے کمرے میں تیاری کے آخری مراحل میں تھی۔ تب ہی ٹیرس والے راستے سے سامعہ کی تشریف آوری ہوئی۔ اسے بصد اصرار آج کی دعوت پر بریقہ نے مدعو کر رکھا تھا۔

"ارے بابا... کہہ تو رہی ہوں کہ بہت پیاری ہمہت منفرد۔" سامعہ نے اسے دونوں کندھوں سے پکڑ کر بہت مضبوط لہجے میں کہا مگر بریقہ نے بے دلی سے اس کے ہاتھ پرے کیے اور احساس کمتری کے زیر اثر بولی۔

"تم نے ابھی تک ہنی کو نہیں دیکھا نا اس لیے کہہ رہی ہو۔"

"میں تو خیر ہنی کو دیکھ لینے کے بعد بھی یہی کہوں گی، مگر تم اپنا موازنہ اس سے کیوں کر رہی ہو۔ اس کی اپنی شخصیت ہے... تمہاری اپنی۔" وہ سامنے کرسی پر ٹک گئی۔

"نہیں، میں موازنہ تو نہیں کر رہی۔" وہ بجھے بجھے لہجے میں بولی۔

"تو پھر چلو نا نیچے جلدی ہے۔" وہ اٹھی۔ تب ہی ٹیرس کی جانب سے قدرے اونچی آواز سے کوئی 'بہنا... بہنا' پکارنے لگا۔

"اوہو!" سامعہ ٹھٹک گئی پھر بریقہ کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ "چلو میرے ساتھ ذرا دیکھتے ہیں اس جانسن کے بچے کو کیا تکلیف ہے۔" بریقہ کا مزاج آج عجیب سا ہو رہا تھا۔ اس لیے مزاحمت نہ کی۔

"کیا تکلیف ہے تمہیں؟" وہ ٹیرس کی درمیانی دیوار کے پاس آکر دہاڑی۔

"بریقہ سے شکوہ کرنے آیا ہوں۔" وہ سامعہ کے برعکس بڑے مؤدب لہجے میں ذرا سا سر جھکا کر بولا۔ وہ تھا تو اپنے ہی ٹیرس پر مگر درمیانی دیوار پر ہاتھ ٹکا رکھے تھے۔

"کس بات کا شکوہ؟" بریقہ نے بے زاری سے اپنی ناراض آنکھیں اٹھائیں۔

"تم نے آج کی دعوت پر مجھے نہ بلا کر اچھا نہیں کیا۔" اس نے انگلی اٹھا کر دہائی دینے والے لہجے میں کہا۔ "بلا لیتیں تو کیا پتا۔ آج میرا ہی چانس بن جاتا... امریکا جا کر اپنے سسر کے ریسٹورنٹ پر پہلی فرصت میں قبضہ جما کر عیش کرتا مگر تمہیں تو میری ترقی سے کچھ سروکار ہی نہیں ہے جیسے۔" وہ گلوگیر آواز میں بولتا گیا۔

"کر لی بکواس؟" سامعہ کے تیور خطرناک ہوئے۔

"میں نیچے جا رہی ہوں سامعہ... جلدی فری ہو کر آجاؤ تم۔" بریقہ تو خیر اس کی بات یا شکوہ جو بھی تھا ختم ہونے سے قبل ہی رخ موڑ چکی تھی۔ اب آگے بھی بڑھ گئی۔

"کیوں آواز دے رہے تھے مجھے...؟" سامعہ نے گھورا۔

"بس تھا کوئی کام۔" وہ پراسراریت سے مسکرایا۔

"جاؤ تم... اب یاد نہیں آرہا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے بعجلت پلٹ کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ سامعہ چند ثانیے تو یوں ہی کھڑی اس کی احمقانہ حرکت پر "احمقوں" کی طرح غور کرتی رہی پھر سر جھٹک کر نیچے جانے والی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"دل پہ پتھر رکھ کر منہ پہ میک اپ کر لیا..." جس وقت سامعہ سفید و نقرئی امتزاج کے اس خوب صورت سجاوٹ والے شامیانے میں داخل ہوئی۔ محفل رنگ و بو اپنے عروج پر تھی (پتا نہیں کون سے "رنگ" اور کیسی "بو؟" بہر حال)

چونکہ معزز مہمانوں کی تعداد ضرورت سے کہیں زیادہ تھی اسی لیے اس شامیانے کا تردد کرنا پڑا تھا۔ وگرنہ ان کا گھر کوئی اتنا بھی چھوٹا نہیں تھا۔ یہ دعوت کم' تقریب ولیمہ زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ ہر لڑکا اپنی دانست میں دولہا بن کر آیا تھا۔ شاید اسی لیے ایک کونے میں اپنے ساؤنڈ سسٹم کے ساتھ باقاعدہ ڈی جے بنا بیٹھا شاہ رخ خراب موڈ کے ساتھ ایک کے بعد ایک دل جلا قسم کا گانا لگا کر گویا اپنے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ شبنم چمکتے گولڈن جوڑے میں اپنے میکے والوں کے ساتھ بڑے خوش گوار موڈ میں مصروف گفتگو تھیں۔ ندیم منہ میں پان دبائے ملکی حالات پر اظہار خیال فرما رہے تھے اور ان کی میز پر اس وقت کوئی عام آدمی تو تھا نہیں کوئی ڈاکٹر شاہد مسعود تھا تو کوئی حامد میر اور حد تو یہ تھی کہ ایک عدد "ارنب گوسوامی" بھی موجود تھا اور ایسے میں وہاں وہی ہو رہا تھا جو ایسے حالات میں ہو سکتا تھا۔ یعنی بے تکان بولنے کا مقابلہ... نعیم اور شان کیٹرنگ والوں کے ساتھ مصروف تھے جب کہ شاہدہ صحیح معنوں میں آداب میزبانی نبھا رہی تھیں۔

بر دکھوے میں یہ شاہ رخ "بریک آپ سونگ' کیوں سنوار رہا ہے ہمیں یار؟" سامعہ شناسا چہروں کو سلام کرتے ہوئے نسبتاً "کونے والی میز پر ہلکے زرد اور گلابی سوٹ میں ملبوس گم صم سی بریقہ کے ساتھ آبیٹھی۔

"مجھے کیا پتا؟" وہ چونک کر روٹھے پن سے بولی۔

"یچ یار" سامعہ نے جھنجلا کر اسے گھر کا۔ "تمہیں آخر ہوا کیا ہے... اتنی بےزار اور ڈل کیوں ہو رہی ہو؟ اوپر بھی مجھے اکیلا چھوڑ کر آگئیں... اگر تم نے یوں ہی منہ لٹکائے رکھنا ہے تو پھر میں واپس چلی جاتی ہوں۔" اسے تو سچ مچ جلال ہی آگیا...

"ارے نہیں یار!" بریقہ پر اس کی دھمکی کا خاطر خواہ اثر ہوا "اس لیے فوراً" سے پیشتر خود پر قابو پا کر بولی...

"بس یوں ہی کبھی کبھار میں سوچنے لگتی ہوں کہ ہم لوگ کتنے مادہ پرست ہوتے جا رہے ہیں نا؟" وہ بلا ارادہ دور کھڑی ہنی کو دیکھنے لگی...

وہ نیوی بلیو "ایک آستین کی میکسی میں ملبوس تھی۔ دوسری سرے سے ندارد... نفیس سی جیولری اور اس کا وہی نامحسوس میک اپ "اف..."

بلاشبہ جان محفل وہی تھی۔ اور اسی لیے اس کے ارد گرد بہت سی ماڈرن قسم کی آنٹیاں اپنے اپنے "نمونوں" کے ہمراہ موجود تھیں۔ مصنوعی ادب آداب... خوشامدی گفتگو... جھوٹی سچی اپنی اپنی تعریفیں... معنی خیز مسکراہٹیں اور نجانے کیا کیا کچھ!

"بس یار... کیا کریں۔" سامعہ بھی وہیں دیکھ رہی تھی اسی لیے قدرے تاسف سے بولی... "مگر تم کا ہے کو فکر کرو ہو لڑکی۔" اس نے اپنی مرحومہ نانی کا سا انداز اختیار کیا "اب ایسا بھی اخلاقی کال نہیں پڑا ہمارے زمانے میں ہاں... بہتے اچھے لوگ بھی موجود ہیں۔" اس نے ہاتھ نچا کر کہا تو بریقہ ہنس دی۔

"ہاں۔" وہ سر اثبات میں ہلا کر تائیداً بولی۔ "بہت سے اچھے لوگ بے شک موجود ہیں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں جگنوؤں کی مانند چمکی تھیں اور سامعہ بہرحال اتنی احمق ہرگز نہ تھی کہ خوانخواہ اپنی گردن موڑ کر اسے زحمت دیتی جبکہ اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ بات کرتے ہوئے پیاری سہیلی کا مرکز نگاہ کون ذات شریف ہے؟

"تعارف نہیں کراؤ گی اپنی کزن سے میرا؟" اس نے بات بدلی تو بریقہ نے زاویہ نظر تبدیل کیا۔

"آج تو بہت رش ہے ملنے جلنے والوں کا۔۔۔ اتنے دن سے کہہ رہی تھی تب تو تم آئیں نہیں۔" اس نے جتاتے لہجے میں کہا تو سامعہ نے کندھے اچکا دیے۔۔۔

"جانتی ہو' میں مصروف تھی۔" ابھی وہ دونوں مصروف گفتگو ہی تھیں کہ ان کے بہت نزدیک سے ایک والہانہ قسم کی "ہائے" گونجی۔۔۔ دونوں جو سر جوڑے ہوئے تھیں بے ساختہ اچھل پڑیں۔۔۔ دیکھا تو شہزادی سرخ کامدار ٹاپ اور گولڈن پینٹ میں اپنی دانست میں ماہرہ خان بنی ہوئی تھی۔

"اوہ ہیلو شہزادی!" سامعہ اپنے تاثرات پر قابو پا کر بولی۔ "بہت کیوٹ لگ رہی ہو۔"

"ہے نا۔" وہ بے تحاشا خوش ہو کر بولی۔ "پورے پانچ ہزار کا لیا ہے پاری مال سے 'اماں تو دلوا ہی نہیں رہی تھیں۔ میں نے بھی وہیں کھڑے کھڑے خودکشی کرنے کی دھمکی دے دی۔۔۔ تب جا کر مانیں۔" اس نے فخریہ اپنی کارگزاری بیان کی۔

"وری گڈ۔" سامعہ متاثر ہوئی۔ "اور وہ تمہارے باجی ملکہ کہاں ہیں۔" اسے واقعی اب جا کر دھیان آیا تھا۔ بریقہ نے میز کے نیچے سے اس کا پاؤں دبا کر اسے تنبیہہ کی مگر بے سود۔۔۔

"وہ اندر ڈرائنگ روم میں لے گئی ہے اپنے سسرال والوں کو۔" اس تذکرے پر اس کے بھرے بھرے گالوں والے چہرے کے زاویے بگڑ سے گئے۔ "خوانخواہ سر پر چڑھا رکھا ہے انہیں۔۔۔ اگر یہیں بٹھائے رکھتی تو کیا ہو جاتا؟"

"شاید ان سیکیور فیل کر رہی ہوگی؟" سامعہ نے معنی خیزی سے۔۔۔ کسی شوخے سے لڑکے کی کسی بات پر بے فکری سے قہقہہ بکھیرتی ہنی کو دیکھ کر کہا تو شہزادی نے گڑبڑاتے ہوئے بڑی تیزی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں وہی تو۔۔۔ میں بھی فیل کر رہی ہوں جو تم نے ابھی کہا مگر دیکھو' میں بھی تو یہاں موجود ہوں نا۔۔۔ اندر تو نہیں گئی۔" وہ بیچاری نجانے کیا سمجھی کیا نہیں اپنی کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"شرم کرو کچھ۔" اس کے جانے کے بعد بریقہ نے ملامتی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"کیوں اس معصوم کا مذاق اڑا رہی تھیں؟"

"نہیں؟" سامعہ نے انجان بن کر آنکھیں پھیلائیں۔ "میں نے کب مذاق اڑایا؟ خوانخواستہ میں تو مذاق کر رہی تھی اس سے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" اس نے زور دیا۔

"ایک بات نہیں ہے بی بی بریقہ۔" سامعہ نے اس سے زیادہ زور دے ڈالا اپنی بات پر۔ "دونوں باتوں میں فرق ہے' مگر جانے دو' تم نہیں سمجھو گی۔"

اور اس سے قبل کہ بریقہ کوئی جواب دیتی معاً سارے شامیانے میں افراتفری سی پھیل گئی۔ (یعنی کھانا لگا دیا گیا)۔۔۔ تو یوں وہ دونوں بھی اس جانب متوجہ ہو گئیں۔ کھانا کھانے کے لیے نہیں۔۔۔ فی الحال آداب میزبانی نبھانے کے لیے!

☼ ☼ ☼

"آج کہاں دعوت ہے؟" بریقہ نے بڑی تندہی سے ہنی کو اپنے لانبے مصنوعی بال (ہنی نے اصلی بالوں کی "نعلی" ایکس ٹینشنز لگوا رکھی تھیں) اسٹریٹنر سے سیدھے کرتے ہوئے دیکھا تو پوچھ بیٹھی۔

ہنی کے سوئمبر کے بعد سے اس کے لیے رشتوں کی جیسے قطاریں لگ گئی تھیں۔ رشتے واقعی معقول تھے۔۔۔ مگر حتمی فیصلے کا حق رومانہ نے ہنی کو سونپ رکھا تھا۔ اور فی الحال ہنی کسی بھی "حتمی" فیصلے پر پہنچے

بغیر خاندان والوں کی دعوتیں "انجوائے" کررہی تھی۔ ایسا ماحول اسے امریکہ میں میسر نہیں تھا لہٰذا اسے یہ خوشگوار تبدیلی واقعی بھلی محسوس ہورہی تھی..... اور اس کے ساتھ ساتھ تائی شبنم اینڈ فیملی یوں دعوتیں اڑاتے پھر رہے تھے جیسے کہ یہ ان کا حق ہو۔ دوسری طرف بریقہ کے ان دنوں ٹیسٹ ہورہے تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ڈرائنگ روم میں بند ہوکر آج کل صرف پڑھائی میں مصروف تھی۔ ظاہر ہے اس کا کمرہ تو آج کل ہنی کے زیر استعمال تھا۔

شاہدہ تو چاہتی تھیں کہ وہ ان کے کمرے میں آجائے لیکن وہ اپنے والدین کو بے آرام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس وقت وہ کچھ دیر آرام اور اپنے لیے چائے بنانے کی غرض سے باہر نکلی تو ہنی کی تیاریاں دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

"کہیں نہیں؟ مصروف ہنی نے ایک نظر اسے دیکھ کر کہا' ہم لوگ آؤٹنگ کے لیے جارہے ہیں باہر۔" یہ نئی اطلاع تھی۔ اپنے کالج بیگ سے کوئی کتاب نکالتی بریقہ چونک اٹھی۔

"ہم لوگ..... ؟ کون لوگ؟ اچھا اچھا۔" پھر خود ہی جیسے سارا معاملہ سمجھ کر جلدی سے سرہلانے لگی۔

"تم اور شاہ رخ؟" اس نے انگلش کی کتاب برآمد کی اور زپ بند کرکے بیگ دوبارہ رائیٹنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"نہیں یار....." ہنی نے سیدھے ہوچکے بالوں کو احتیاط سے پشت پر پھیلاتے ہوئے کہا۔

"ہم سب جارہے ہیں..... ملکہ باجی' شہزادی آپی' وغیرہ....."

"اچھا!" بریقہ کو حیرت ہوئی (ان کے مابین اس قدر دوستانہ فضا کب سے پیدا ہوگئی؟) "کہاں جارہے ہو ویسے؟" اس نے سرسری سے لہجے میں پوچھا۔

"ولس اپ ٹو شان۔" اس نے بے نیازی سے کندھے اچکاتے ہوئے بریقہ کا سکون تہہ و بالا کردیا۔

"شا..... شان بھائی بھی جارہے ہیں۔" یہ تو حیرت سے مرجانے کا مقام تھا بریقہ کے لیے۔

"ہاں۔" وہ آئینے میں دیکھ کر اب اپنا چہرہ "رنگنے" کی تیاری کررہی تھی۔

"ایکو لی میں نے کار ہائیر کی ہے رینٹ پر' تم بھی چلو۔" اس نے ازراہ مروت کہا۔

"نہیں' مجھے پڑھنا ہے۔" وہ بجھے لہجے میں کہہ کر کمرے سے نکل کر باورچی خانے میں آگئی۔

چولہے پر رکھی چائے ابل رہی تھی..... بریقہ کی آنکھ میں در آئے آنسوؤں کی طرح.....

☆ ☆ ☆

"ہائے ہنی! خدا تمہارا بھلا کرے۔ ہم تو کراچی میں رہتے ہوئے بھی کبھی ان مہنگی جگہوں پر کھانا کھانے کے لیے نہیں آئے۔" شہزادی نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ ہنی کو خوامخواہ ہنسی آگئی۔ شاہ رخ کا تو خیر فرض تھا اس کا ساتھ دینا البتہ ملکہ بے نیازی سے ہنستے ہوئے ترخ کر بولی۔

"تم ہی نہیں آئی ہوں گی۔ مجھے تو اس سے بھی اچھی اچھی جگہوں سے کھانا کھلا چکا ہے شہود۔"

"اچھا؟" شہزادی نے طنزیہ اس کی جانب دیکھا۔ "تب تو تم بلاوجہ بے چارے شہود بھائی کو کنجوس ہونے کے طعنے دیتی رہتی ہو کہ جب بھی باہر کھانا کھلانا ہو یا جاوید کی نہاری یا کھسیٹا خان کی حلیم کے باہر لے جاکر کھڑا کردیتا ہے۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا تو ملکہ کا جی چاہا اس کی آنکھیں نکال دے۔ لیکن اس سے قبل کہ وہ کوئی جوابی ڈرون اس پر گراتی اس سارے ماحول سے اکتاہٹ محسوس کرتے شان نے دخل اندازی کی۔

"اچھا بس!" اس نے باری باری دونوں کو تنبیہہ گھورا۔ "نہ وقت دیکھتی ہو نہ موقع بس شروع ہوجاتی ہو۔ یہ مینو رہیں تم لوگوں کے؟" وہ کچھ اور بھی کہتا لیکن اس سے پہلے ہی ویٹرز ان کا آرڈر ٹرالی میں سجائے چلے آئے۔ ملائی ہانڈی' روسٹ' گرین تکے' منچورین' تھگار لک رائس' سلاد' رائتہ' گرین چٹنی' ساسز' کولڈ ڈرنکس اور پانی۔ اور ہر شے کی قیمت دگنی

سے بھی ڈبل تھی۔ مگر ہنی کو کوئی فکر نہیں تھی اس کے پاس بہت پیسہ تھا۔ لیکن تشویش تو اب جا کر صحیح معنوں میں شان کو ہونے لگی تھی۔ کچھ تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔ اس لیے جوں ہی کھانا سرو ہوا وہ بے ساختہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے کہاں؟" اپنی پلیٹ میں سلاد نکالتی ہنی نے بے تحاشا چونک کر پوچھا۔

"میں کچھ اچھا فیل نہیں کر رہا۔" وہ ہلکا سا کھنکھار کر بولا۔ "اس لیے گاڑی میں بیٹھنے جا رہا ہوں۔ تم لوگ آرام سے کھاؤ پیو اوکے۔" وہ اپنے بھائی بہنوں کو دیکھ کر بولا جو اسے یوں اٹھتا دیکھ کر کچھ پریشان سے ہو گئے تھے۔

"لیکن کھانا؟" شاہ رخ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"مجھے بھوک نہیں۔" وہ جلدی سے کہہ کر لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

"پتا نہیں اچانک انہیں کیا ہو گیا۔" شہزادی کو بھی افسوس ہوا۔

"اچانک کہاں؟" ملکہ نے دھیرے سے کہا۔ جانتی تو ہو تم یوں ہی موڈی ہے۔ چھوڑو اسے اور کھانا کھاؤ۔" وہ پلیٹ میں تکہ نکالنے لگی۔

"ہاں ہنی! تم خیال نہ کرنا۔" شہزادی نے ملائی ہانڈی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے ساتھ ہی ساتھ سنجیدہ سی صورت بنائے بیٹھی ہنی کو تسلی بھی دی۔

"کھاؤ نا۔ تم تو کچھ لے ہی نہیں رہیں۔" شاہ رخ نے روسٹ سے "ناانصافی" کرتے ہوئے کہا۔

"اٹس اوکے۔" ہنی نے کندھے اچکا کر کہا۔ "مگر ہم نے کوئی ڈیزرٹ کیوں آرڈر نہیں کیا؟" اس نے یہاں سے وہاں تک انواع و اقسام کی نعمتوں سے بھری ہوئی میز پر نظر ڈال کر موضوع بدلا۔

"ڈی زلٹ۔" بے عزتی کروانا تو جیسے شہزادی پر فرض تھا اسی لیے حیران ہو کر یہ لفظ دہرایا۔

"جاہل۔" ملکہ نے نخوت سے ناک چڑھائی۔ "میٹھے کے بارے میں پوچھ رہی ہے۔"

"میٹھا چھوڑو ہنی۔ "ٹوٹی فروٹی" سے آئس کریم کھا لیں گے۔۔۔۔" شاہ رخ نے مشورہ دیا۔

"نہیں ایسا کرتے ہیں آئس برگ چلتے ہیں وہاں کی آئس کریم زیادہ مہنگی۔ اوہ میرا مطلب ہے اچھی ہوتی ہے۔" ملکہ پھسل جانے والی زبان پر سرعت سے قابو پا کر بولی۔

"لیکن ٹوٹی فروٹی۔ شاہ رخ کچھ بول رہا تھا۔"

"آئس برگ۔" شہزادی خاموش رہی۔ ان معاملات میں اس کی معلومات صفر تھیں۔ (دیگر معاملات کی طرح) وہ لوگ اپنی بحث میں الجھ گئے اور ہنی کا ذہن عین وقت پر اچانک یہ ڈنر چھوڑ کر چلے جانے والے شخص میں۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے بہنا! بہت گم صم دکھائی دے رہی ہو؟ کیا کالج میں نقل کرنے کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں؟" سامعہ جو سر جھکائے بڑی سنجیدگی سے اپنے کورس کی ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس کے نزدیک براجمان ہوتے ہوئے بڑی دل گیر قسم کی فکر مندی سے پوچھا۔

"جب بھی ہانکنا۔ بے تکی ہی ہانکنا۔" سامعہ غصے سے کتاب بند کرتے ہوئے بولی۔ "یہ بتاؤ تم آخری بار سنجیدہ کب ہوئے تھے؟" اس نے بغور اپنے اس کھلنڈرے مزاج کے بھائی کو دیکھا۔

"اوں۔ یاد کرنا پڑے گا" وہ سوچ میں ڈوبنے لگا تو اس کے تاثرات دیکھ کر سامعہ بے ساختہ ہنس پڑی۔

"تم نہیں سدھرو گے۔"

"مطلع کرنے کا بے حد شکریہ۔" وہ ممنونیت سے بولا' پھر سامعہ کے سامنے پڑی کتابوں' نوٹس وغیرہ کو الٹ پلٹ کر دیکھتا ہوا بظاہر سرسری سے لہجے میں پوچھنے لگا۔ "کتنے پیپرز رہ گئے ہیں تمہارے؟"

"اللہ کا شکر ہے صرف دو باقی ہیں۔" سامعہ نے خوشی خوشی بتایا پھر چونک گئی۔

"کیوں؟ لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟" وہ مشکوک نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

جاسن ذرا سا گڑبڑا گیا۔ "تم کافی دنوں سے اپنی پیاری سہیلی کے گھر نہیں جارہی نا اس لیے۔"

"میں گئی تھی پرسوں نوٹس لینے۔ سب خیریت ہے وہاں تمہیں ان کی فکر میں دبلا ہونے کی ضرورت نہیں، بہتر ہے اپنے فائنل ایئر کے فائنل پیپرز پر دھیان دو۔ منزل کو پانا چاہتے ہو تو خوش اسلوبی سے راستہ طے کرو۔ ورنہ اور بھی امیدوار موجود ہیں وہاں اس کے۔" اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں جاسن کو بہت کچھ جتادیا۔

"کس کے؟" وہ سامعہ کی ذہانت کا قائل تھا تاہم بظاہر بے نیازی سے پوچھنے لگا۔

"بریقہ کی بات کررہی ہوں میں جاسن۔" اس بار وہ مکمل سنجیدگی سے بولی تو جاسن ایک پل چپ کا چپ رہ گیا اسے سامعہ سے بہرحال یہ توقع نہیں تھی کہ وہ یوں صاف صاف اس کا نام لے گی۔

"وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے۔ آنٹی نے ایک بالکل مختلف ماحول میں رہتے ہوئے اس کی تعلیم و تربیت پر بہت محنت کی ہے۔ وہ اس کی آئندہ آنے والی زندگی میں ظاہری بات ہے اسے خوشحال دیکھنا چاہیں گی۔ ان کے ذہن میں اس کے لیے پڑھے لکھے سنجیدہ ذمے دار قسم کے جیون ساتھی کا تصور ہوگا ایسے میں تم خود اپنا تجزیہ کرو کہ تم کہاں کھڑے ہو؟ ٹھیک ہے اس کی پڑھائی ابھی مکمل نہیں ہوئی مگر کیا پتا کوئی بہت اچھا رشتہ آنٹی کو میسر آجائے تب تو وہ بالکل دیر نہیں کریں گی۔" وہ ناصحانہ لہجے میں بولتی چلی گئی۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے؟" جاسن یہ سب سن کر ذرا پریشان سا ہو گیا تھا۔

"کیوں نہیں۔" اس نے جلدی سے کہا" جس گھر میں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں۔" اچانک اس کے اندر نانی مرحومہ کی روح حلول کر گئی۔

"آ۔۔۔ اچھا" جاسن نے زور وشور سے سرہلایا۔ "ایک بیری تو ہمارے گھر میں بھی موجود ہے لیکن یہاں تو آج تک ایک پتھر کیا چھوٹی سی کنکری بھی نہیں آئی۔ ایسا کیوں؟" جاسن کچھ ہی دیر سنجیدہ رہ سکتا تھا۔

"تم۔۔۔! اتنی گمبھیر سنجیدہ بات میں سے اس نے یہ نکتہ نکالا تھا۔ یعنی کہ حد ہو گئی مارے طیش کے سامعہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا۔

"ٹھیک ہی کہتے ہیں سب تم آپ اپنے دشمن ہو۔ تم بیٹھے یہاں جگتیں مارتے رہو۔ کچھ ہی دنوں میں جب شان بھائی اسے بیاہ کرلے جائیں گے تب سر پکڑ کر رونا۔" مارے غصے کے وہ ناراضی میں جو بات مخفی رکھنی تھی وہ کر گئی۔

"شان!! بریقہ سے شادی، کیا مطلب؟" اس بار حقیقتاً" اس کی ساری شوخی اور غیر سنجیدگی ہوا ہو گئی۔

"ہاں۔" بات تو اب منہ سے نکل ہی گئی تھی تب بہانے بنا کر چھپانے کا کیا فائدہ؟

"ہاں شان بھائی۔ گریجویٹ ہیں' اپنا بزنس کرتے ہیں' ذمے دار ہیں' سنجیدہ ہیں اور تو اور ڈیشنگ بھی ہیں یعنی سارے ہی پلس پوائنٹ یکجا ہیں ان کی شخصیت میں۔ تب آنٹی ان کے رشتے سے کیوں انکار کرنے لگیں؟" وہ آنکھیں گھما گھما کر پوری کہانی اپنی جانب سے گھڑ کر سناتی چلی گئی (ضرب لگانی ضروری ہے، اچھا ہے تب ہی سدھرے گا یہ۔) یہ اس کا بھنوں والا معصوم سا خیال تھا۔ اور شاہدہ کا نام اس نے اس لیے لیا کہ وہ اپنی پیاری سہیلی کا نام تو لے نہیں سکتی تھی نہ لینا چاہتی تھی کیونکہ اسے اس کی عزت اور وقار ہر حال میں ہر بات سے زیادہ عزیز تھے۔

"مگر شان۔ شان تو اس کے لیے۔ اچھا خیر دیکھتے ہیں۔" وہ از حد فکر مندی سے کچھ کہتے کہتے رکا۔ پھر یک دم اپنی جگہ سے اضطراری انداز سے اٹھ کھڑا ہوا اور سامعہ سمجھی۔ تیر عین نشانے پر جا لگا ہے۔

مگر ایسے سارے ہی تیر اگر نشانے پر جالگیں تو زندگی کے اس کھیل میں مزہ ہی کیا رہ جائے گا؟

✡ ✡ ✡

"ارے بھائی گھر میں کوئی ہے؟"

اس دن تو ان سب کے جانے کے بعد بریقہ کا جی

پڑھائی میں لگا ہی نہیں تھا۔ ہر شے سے جیسے دل اچاٹ اور ذہن وہیں چپک کر رہ گیا تھا گویا۔ لیکن اگلے دن پرچہ تھا اس لیے پڑھنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے مختلف بہانوں سے اپنا جی بہلا کر با دل نخواستہ پڑھائی کی جانب متوجہ ہونا ہی پڑا۔۔۔ صد شکر پرچہ ہمیشہ کی طرح اچھا ہی ہو گیا تھا اب اگلے پرچے تک چار روز کا گیپ تھا لہٰذا آج کا دن بریقہ نے آرام کے نام کر دیا۔ گھر آ کر دیر تک نہائی۔ پھر خوب ہی سوئی۔۔۔ مغرب سے ذرا پہلے آنکھ کھلی تو جلدی سے عصر پڑھ کر اپنے لیے چائے بنانے لگی ہی تھی کہ لاؤنج میں یہ دل کو کھینچ لے جانے والی آواز گونجی۔

"جی سب موجود ہیں۔ آپ ہی کافی دنوں سے غیر حاضر رہے۔" وہ مڑ کر از حد جتاتی سنجیدگی و ناراضی سے بولی اور بنا اس کے کہے چائے کا پانی ایک کپ بڑھا دیا۔

"اچھا!" شان باورچی خانے کے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور بڑی گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ وہ نیلے اور بسکٹی رنگ کے سوٹ میں بلا شبہ بہت معصوم، خالص اور خفا خفا سی دکھائی دے رہی تھی۔

"تو ہماری بریقہ طنز کرنا بھی سیکھ گئی ہے۔" وہ محظوظ ہوا۔

"نہیں، شکوہ کر رہی ہوں۔" وہ ٹرے میں کپ سیٹ کرنے لگی۔۔۔

"ارے بھئی تمہاری ناراضی بجا۔ بس کچھ مصروف تھا۔" وہ تخت پر بیٹھ گیا۔

"ہاں جانتی ہوں۔ آج کل آپ نے ہنی کے ڈرائیور کا عہدہ جو سنبھال لیا ہے۔" وہ ترنت بولی تو ایک محظوظ سا قہقہہ لگا کر اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ خوب کہا۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ "واقعی میڈم نے ان دنوں ڈرائیور ہی بنا رکھا ہے مجھے اور وہ بھی بلا تنخواہ۔۔۔ ویسے ہے کہاں وہ؟" اس نے آخر میں تجسس سے دریافت کیا۔

"کمرے میں ہو گی۔" اس نے چائے چھانتے ہوئے کہا۔ "میں تو ڈرائنگ روم میں سو رہی تھی۔"

"اچھا!" وہ سر ہلا کر بولا۔ جا کر اٹھاؤ بھئی مغرب کا وقت ہے اس وقت یوں سونا اچھی بات نہیں۔"

"سونے دیں شان بھائی! ان کی بائیولوجیکل کلاک امریکہ کے وقت کے مطابق سیٹ ہے۔" اس نے ٹرے شان کے آگے رکھی اور اپنا کپ اٹھا کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ شاہدہ کمرے میں کسی سے فون پر محو گفتگو تھیں۔۔۔ انہوں نے بریقہ کو چائے کے لیے منع کر دیا تھا۔

"واہ واہ۔" شان نے طنزاً کہا۔ "محترمہ کو یہاں آئے ڈیڑھ ماہ ہو چلے ہیں اور ابھی تک وہ خود کو یہاں کے شب و روز کے مطابق سیٹ نہ کر سکیں۔"

"چھوڑیں شان بھائی' انہیں ضرورت بھی کیا ہے، کچھ دنوں میں تو انہوں نے واپس چلے جانا ہے۔۔۔" بریقہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔۔۔ شان کے لہجے سے ہنی کے لیے ٹپکتی ناپسندیدگی اس کے دل کو یک گونہ طمانیت سے بخش رہی تھی۔

"اپنے دولہا سمیت' تم یہ کہنا تو بھول ہی گئیں۔" اس نے شریر سے انداز میں کہا تو بریقہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ اور عین اسی وقت لاؤنج کے دروازے سے ہنی اندر داخل ہوئی تھی اور اس کے پیچھے پیچھے شاہ رخ جس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں بہت سے شاپنگ بیگز تھام رکھے تھے۔

"اوہ۔" ہنی نے بہت غور سے دونوں کو دیکھا تھا۔

"یہاں تو ٹی پارٹی ہو رہی ہے۔" وہ چبھتے لہجے میں کہتی صوفے پر دھم سے گر گئی اور دایاں پاؤں' بائیں گھٹنے پر رکھ کر سفید و سیاہ ہائی ہیل کے اسٹریپ کھولنے لگی۔ شاہ رخ بھی سارے شاپنگ بیگز وہیں پٹخ کر اس کے نزدیک ہی ڈھیر ہو گیا۔ ٹھیک ٹھاک تھکا ڈالا تھا آج تو ہنی نے اسے۔

"کوئی پارٹی نہیں ہو رہی تھی ہنی۔" بریقہ کو اس کا انداز اچھا نہیں لگا۔

"یہ تم لوگ اس وقت آ کہاں سے رہے ہو؟" شان نے تشویش آمیز ناگواری سے ہنی کا مخصوص حلیہ دیکھ کر دوسرا ہی موضوع نکالنا چاہا مگر ہنی کی کوئی اہم کال آ رہی تھی۔ لہٰذا وہ اس کا سوال نظر انداز کر کے فون

ریسیو کرتی ہوئی اندر بڑھ گئی۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔" اب شاہ رخ تو بے نیازی دکھا نہیں سکتا تھا اس لیے پھنس گیا۔

"وہ ہنی کو کچھ بہت ضروری شاپنگ کرنی تھی۔ بس مال تک گئے تھے۔" وہ چار رونا چار منمناتے لہجے میں بولا تو دفعتاً "شان بری طرح بھڑک اٹھا۔

"حالانکہ میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا نا اس ہنی کو ایسے قابل اعتراض حلیے میں اپنے ساتھ بائیک پر باہر لے جانے سے۔ تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔" اس کی آنکھیں لال ہو گئیں۔

"یقین کرو بھائی! میں لے جانا نہیں چاہ رہا تھا مگر قسم سے خدا کی بہت مجبور کر دیا تھا اس نے مجھے۔" وہ مسکین سی صورت بنا کر بے چارگی سے بولا۔ اور وہاں سے بھاگنے کے لیے پر تولنے لگا۔

"میں تو جاہل 'بے وقوف ہوں نا۔ جو تم لوگوں کی فکر میں مرا جاتا ہوں۔ ارے سارا محلہ پتا نہیں کیسی کیسی باتیں بنا رہا ہے اس کے لیے۔ اور تم ہو کہ میری کوئی بات سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں ہو۔ وہ شہزادی ہے جو وقت دیکھتی ہے نہ موقع' جب دیکھو تب اس کے ساتھ واک کرنے کے لیے کبھی باہر تو کبھی چھت پر پہنچی ہوئی ہوتی ہے' ملکہ ہے تو وہ اس کی ڈریسنگ کی نقل کرنے کی کوشش میں ہلکان۔" وہ طیش میں آ کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس سے زیادہ سننے کی شاہ رخ میں تاب نہ تھی اس لیے۔ "شاید مجھے ملکہ آواز دے رہی ہے۔" کہہ کر فی الفور وہاں سے غائب ہو گیا۔

"اس نے تو کچھ روز میں واپس چلے جانا ہے۔" اب وہ ہاتھ ہلا ہلا کر صورت حال کی کشیدگی پر ہراساں و فکر مند کھڑی برلقہ سے مخاطب تھا۔ "مگر اس کے چکر میں ہماری جو بدنامی ہو رہی ہے اس نے ساری زندگی ہمارا تعاقب کرنا ہے۔ پتا نہیں پھپھو نے کیا سوچ کر اسے یہاں بھجوایا ہے۔"

اس نے نفی میں سر ہلا کر پریشانی سے اپنا سر پکڑ لیا تو "وقفہ" غنیمت جان کر برلقہ جلدی سے ملتجی لہجے میں بولی۔

"شان بھائی! پلیز آہستہ بولیں۔ ہنی سن لے گی۔" وہ گھبرا گھبرا کر اس کے کمرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی طبیعت کو گھر آئے مہمان کی اتنی بے عزتی گوارا نہیں ہو رہی تھی۔

قصور وار شاید ہنی اتنی تھی بھی نہیں۔ واقعی اگر رومانہ نے اسے تن تنہا اور وہ بھی رشتے کی غرض سے پاکستان بھیج ہی دیا تھا تو بہتر ہوتا اگر وہ اسے ماحول اور پہناوے کا فرق سمجھا کر بھیجتیں۔۔۔ یا پھر یہاں آنے پر اسے "جیسا دیس ویسا بھیس والی بات سمجھا دی جاتی بہر حال۔۔۔

"میری طرف سے سو بار سن لے۔" وہ مزید اونچی آواز میں چلایا۔ "میں ابھی جا کر امی سے بات کرتا ہوں' آئندہ شہزادی یا ملکہ اس کے ساتھ باہر نکلیں تو دیکھنا تم لوگ میں ان کی ٹانگیں توڑ دوں گا۔" اس کے اندر چھپا بیٹھا سلطان راہی یکایک ہی بیدار ہو کر بڑھکیں مارنے لگا تھا۔

"الٰہی خیر!" شاہدہ فون چھوڑ کر حواس باختہ سی باہر نکلیں کہ کیا بات ہو گئی۔

"بیٹا۔۔۔ ہوا کیا؟" انہوں نے باری باری غصے سے بھرے شان اور پھر سہمی کھڑی برلقہ کو دیکھ کر از حد متفکر ہو کر پوچھا۔

"کچھ نہیں چاچی! آپ پریشان نہ ہوں' فی الحال میں چلتا ہوں۔" وہ مزید غصہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے باہر کی جانب بڑھ گیا۔

"کیا ہوا بتاؤ تو سہی۔" انہیں بہت گھبراہٹ ہو گئی تھی۔ اسی لیے برلقہ کو ڈپٹ کر پوچھنے لگیں تو وہ دبی ہوئی آواز اور دبے سے لہجے میں واقعہ ان کے گوش گزار کرنے لگی۔ لیکن اس کی ساری احتیاط پسندی بے کار رہی کیونکہ جسے سننا تھا۔ وہ شان کی زبانی سب سن چکی تھی۔

✡ ✡ ✡

"ہائے اللہ جی۔۔۔ کوئی ریل گاڑی کے نیچے پھینک آؤ مجھے۔ میرے جیون کا اب کوئی مقصد نہیں۔" اپنے

سینے پر دوہتڑ مارتی ملکہ کے بین وقفے وقفے سے جاری تھے۔

اور ابھی تو شان والے واقعے کی بازگشت جاری تھی کہ یہ نیا تماشا شروع ہو گیا۔ ہوا کچھ یوں کہ گوہر بلی عرف گوگو جنہیں ملکہ زرنگار کی سب سے بڑی نند ہونے کا شرف حاصل ہے اور جو ٹھیک چند ماہ قبل بڑی مشکلوں سے پیا دیس سدھاری تھیں کو اچانک ہی اپنے بے چارے سے سسرالیوں کی نظر میں کوئی اونچا سا مقام حاصل کرنے کی دھن سوار ہو گئی اور اس چکر میں انہوں نے اپنے رج کے نکمے مگر خاصے خوبرو دیور محترم کی شادی ہنی سے کروانے کی ٹھان لی۔

اب اللہ جانے یا وہ کہ یہ نادر خیال ان کے ننھے سے دماغ میں آیا کیونکر مگر اب آتو بہر حال گیا تھا۔ لہٰذا اپنی والدہ کو بتایا بلکہ زور دیا کہ وہ یہ رشتہ کروا کر دم لیں۔ ہر چند کہ والدہ حضور واقف تھیں کہ اس رشتے کو شرف قبولیت بخشے جانے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں مگر اپنے سپوت کے سسرال والوں کو دباؤ میں اور پریشان کرنے کا یہ سنہرا موقع جب قدرت انہیں فراہم کر رہی تھی تو وہ کیوں ناشکری کرتیں۔ بس پھر کیا تھا وہ اس اتوار آئیں اور رشتہ بمعہ دھمکی دے کر چلی گئیں۔

"نہ بیٹی..." معاملہ جان کر متفکر بیٹھیں شاہدہ نے نرمی سے اسے ٹوکا۔ "ایسی ناامیدی کی باتیں نہیں کرتے..."

"تو تم ہی بتاؤ نا پھر اور یہ کرم جلی کیا کرے؟" شبنم چمک کر بولیں "اس کی وہ بل بتوڑی (ساس) صاف کہہ گئی ہے۔ رشتہ نہ ہوا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اب اس زہریلی سے کوئی پوچھے۔ جس لڑکی پر ہمارا کوئی زور ہی نہیں بھلا ہم اس سے کیسے رشتہ جڑوا سکتے ہیں۔" بات کے آخر میں سر دائیں جانب شدید غصیلے انداز سے جھٹکا۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بھابی!" شاہدہ نے تائیداً سر ہلا کر کہا۔

"مگر اب کیا ہو گا میرا..." ملکہ نے تڑپ کر پھر دہائی دی۔ "وہ تو صاف دھمکی دے گئی ہیں۔" وہ آنسو بہانے لگی تھی۔ شاہدہ کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

شبنم نے بھی اسے دیکھا پھر چلا کر بولیں۔

"ماں مر گئی ہے کیا تیری جو کل سے روئے جا رہی ہے' ارے زندگی عذاب ہو گئی ہے میری' ایک مصیبت ختم نہیں ہوتی کہ دوسری شروع۔" وہ بھی روانکھی سی ہو رہی تھیں۔

"ان کے دھمکانے سے کیا ہوتا ہے بیٹا۔" شاہدہ نے پھر تسلی دینا چاہی۔ "تم شہود بیٹے سے بات کرو نا۔ اسے کہو کہ اپنی امی کو سمجھائے۔ بھلا ایسے بھی کبھی رشتے ہوتے ہیں۔"

"اسے کیا کہوں چاچی۔" ملکہ نے دوپٹے کے پلو سے اپنی سرخ پکوڑا ناک بری طرح رگڑ کر دل جلے سے لہجے میں کہا۔ "اس کے بس میں صرف مجھ سے نکاح کرنا تھا' وہ کر لیا اب اور وہ ان سے کچھ نہیں منوا سکتا نہ سمجھا سکتا ہے۔" وہ دل گرفتہ سی ہو گئی۔

"رومانہ کو بھی دیکھو نا۔" تائی معا" تازہ دم ہو کر بھڑکیں۔ "اپنی بیٹی کو یہاں بھجوا کر جیسے بھول ہی بیٹھی ہے۔ ارے کتنے ہی رشتوں کو میں نے اپنے منہ سے انکار کیا ہے رومانہ کے کہنے پر۔ اب تو سب یہ سمجھنے لگے ہیں کہ جیسے میں پتا کاٹ رہی ہوں جان بوجھ کر ان سب کا۔ میری بلا سے کالے چور سے بیاہ رچا لے وہ مہارانی' مجھے کیا پڑی ہے ہونہہ... مگر پھر بھی کوئی فیصلہ تو کر لے نا بھائی... تاکہ وہ واپس جائے اور ہماری جان چھوٹے۔" تائی شبنم نے زور سے دونوں ہاتھ معافی کے انداز میں جوڑ کر چھوڑ دیے۔

"ہاں بھابی۔" شاہدہ نے جلدی سے کہا۔ "ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... آپ فکر نہ کریں میں بات کرتی ہوں رومانہ سے کہ ہمیں اس کے یہاں رہنے پر اعتراض نہیں لیکن وہ کوئی فیصلہ تو کرے نا تاکہ باقی امیدواروں کو قرار آ جائے۔"

"ہاں کرو استانی... تم ہی بات کرو' سمجھاؤ اسے' یوں بھی جوان جہان بے باک قسم کی لڑکی ہے اس کی' میں کب تک چوکیداری کروں بھائی۔" وہ ایسے

تھکن سے چور لہجے میں بولیں گویا چوبیس گھنٹے ہنی کی حفاظت پر نگران فرشتے کی مانند پہرا دیتی رہی ہوں۔

"ہاں کرتی ہوں میں بات۔" شاہدہ پرسوچ لہجے میں بولیں پھر مسلسل سوں' سوں کرتی ملکہ سے مخاطب ہوئیں۔

"بیٹا۔۔۔ تم بھی نماز پڑھ کر اللہ سے یہ پریشانی ٹل جانے کی دعا کرو۔ ان شاءاللہ خیر ہوگی۔۔۔ میں تمہاری ساس کو بھی سمجھانے کی کوشش کروں گی۔" وہ اسے دلاسہ دینے لگیں۔۔۔ شبنم اب کی بار کچھ نہ بولیں ملکہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کمرے کی بوجھل فضا پر گمبھیر خاموشی طاری ہونے لگی۔

✡ ✡ ✡

"دیکھو ہنی ڈارلنگ!" رومانہ فون پر اپنی دختر نیک اختر سے مخاطب تھیں۔ "تم جانتی ہو میں ریسٹورنٹ کے کاموں میں تمہارے ڈیڈ کے ساتھ کتنا بزی رہتی ہوں۔ شیگی (بھائی) کو تو اپنے ہی دوستوں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ آج کل بھی وہ ان کے ساتھ ہوائی گیا ہوا ہے۔ مجھے تو خیر اس سے ویسے بھی کوئی امید نہیں۔" اتنا کہہ کر رومانہ کا لہجہ بجھ گیا۔

"یہ سب باتیں تو میں جانتی ہوں۔" ہنی تمسخرانہ مسکرا کر بولی۔ وہ اس وقت ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ کھڑی تھی۔ "آپ وہ بتاؤ جس وجہ سے مجھے کال کی ہے۔"

"ہنی۔" اس بار رومانہ کے لہجے سے ہلکا سا طنز جھلکا۔ "ڈھائی مہینے ہوگئے ہیں تمہیں وہاں جا کر بیٹھے ہوئے اور ابھی تک تم نے کوئی لڑکا ہی پسند نہیں کیا۔ دیکھو میں تمہیں اچھی طرح پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ تمہاری شادی ہرگز بھی اس لالچی کالے ملار (Mallar) سے نہیں کروں گی تو بہتر ہے کہ تم پاکستان سے اپنے لیے کوئی اچھا سا لڑکا پسند کرلو اور جلدی کرو۔ نہیں تو دو درجن پینڈنگ رشتوں میں سے کسی ایک کو ہاں کردوں گی میں۔ بیٹا تو ہاتھ سے نکل ہی چکا ہے۔ اب کم از کم داماد تو ایسا ہو جس پر انسان اعتبار کر سکے۔ جو ہمارا سہارا بن سکے۔" وہ دبنگ انداز میں بول تو گئیں مگر اپنے الفاظ کے کھوکھلے پن سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ بھی اور ان کی بیٹی بھی۔ اسی لیے وہ عجیب سے انداز میں ہنسنے لگی۔

"او وہ کم آن مما!" اس نے سر جھٹکا۔ "ملار صرف میرا دوست ہے۔ ہاں ہو سکتا ہے وہ لالچی ہو مگر مجھے وہ ایز اے لائف پارٹنر ویسے بھی نہیں پسند' پتا نہیں' آپ کو کیوں ایسا لگا ڈیل۔۔۔ ڈونٹ وری میں اپنے لیے ایک اچھا سا پیور پاکستانی لڑکا پسند کر چکی ہوں۔ اس لیے پلیز آپ ان دو درجن کنواروں والے رشتوں کو اٹھا کر سائیڈ پر پھینک دیں۔"

"تھینک گاڈ۔" رومانہ نے ایک سکون کا سانس لیا ورنہ وہ تو شاہدہ کی فون کال سننے کے بعد بے حد پریشان سی ہو گئی تھیں۔

"کون ہے وہ؟" جلدی سے پوچھا۔

"بس دو دن دے دیں۔" اس نے افق پر اپنی میک اپ زدہ آنکھیں گڑا کر معنی خیزی سے کہا۔ "دو دن بعد میں آپ کو اس کا نام بتا سکوں گی۔"

"اوکے۔" رومانہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولیں کہ واقف تھیں اس سے اصرار کرنے کا چنداں فائدہ نہ تھا۔ "مگر یاد رکھنا میں انتظار کر رہی ہوں۔"

"او اوکے مما!" اس نے اکتا کر کہا۔ "آئی نو ٹیک کیئر" اور جلدی سے فون کاٹ دیا۔

مبادا وہ کوئی اور قصہ لے بیٹھیں اور فی الحال ہنی کا ان سے مزید بات کرنے کا بالکل موڈ نہیں تھا۔ اس کی نگاہوں میں ایک سوچ ٹھہری ہوئی تھی اور لبوں پر پراسرار مسکراہٹ!

✡ ✡ ✡

ڈھلتی شام کا سمے تھا۔ پورے دن اپنی تپش لٹانے کے بعد شاہ خاور اب تھک ہار کے واپسی کے سفر پہ تھا۔۔۔ صد شکر ہوا بھی چل پڑی تو موسم قدرے معتدل ہو گیا۔ باہر کا موسم تو خوشگوار ہو گیا تھا مگر گھر کے اندر کی فضا ہنوز حبس زدہ سی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ ہر

شخص اپنی جگہ کچھ پریشان سا تھا۔ نجانے کیوں؟

برلقہ کے دل میں بھی کئی اندیشے' خدشے اور وسوسوں نے دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ بہت دن سے سامعہ نے بھی اس کی طرف چکر نہیں لگایا اور وہ خود بھی وہاں نہ جاسکی۔ یا شاید جاسن کی وجہ سے جان بوجھ کر نہیں گئی' سامعہ کا یہ لفنگا بھائی اسے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں ہوتا تھا' وہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔ ٹھیک ہے اس کے والد اور بڑے بھائی اس کی مشکوک سرگرمیوں اور حرکتوں کی وجہ سے اس سے عموماً ناراض اور شاکی رہا کرتے تھے مگر برلقہ کے لیے وہ درد سر پچھلے سال سے بنا تھا۔ وہ جس قدر اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اسے دق کیا کرتا۔

ویسے خدانخواستہ کبھی کوئی غیر اخلاقی حرکت یا بات اس نے نہیں کی تھی مگر پھر بھی برلقہ کو اس سے نجانے کیوں جیسے ۔۔۔ بیر سا ہو گیا تھا۔ اور وہ اسی لیے اب سامعہ کے ہاں جانے سے کترانے لگی تھی۔ اسے ایسے لڑکے بالکل پسند نہیں تھے جو صنف نازک کو دیکھتے ہی رال ٹپکانے لگتے ہیں۔

شان بھی تو تھا۔ کتنا وقار اور شائستگی جھلکتی تھی اس کے انداز و اطوار سے' صنف نازک سے بات کرتے وقت اور اس سے بڑھ کر اس کی شرافت کی دلیل کیا ہوگی کہ اس نے ہنی جیسی کھلی ڈلی لڑکی تک سے ایک مخصوص فاصلہ شروع سے قائم رکھا تھا اور ایک شاہ رخ تھا۔ اس کے آگے بچھا بچھا جاتا تھا ہمیشہ۔۔۔ بہرحال!

وہ ایسی ہی بے ربط لامتناہی سوچوں میں گھری گھر کے مرکزی دروازے تک چلی آئی اور اس سے قبل کہ وہ دروازہ کھول کر قدم باہر نکالتی' شان اپنی چابی سے ڈائمنڈ لاک کھولتا اندر داخل ہوا۔ وہ ٹھٹک کر ٹھہر گئی اور ٹھہر تو وہ بھی گیا تھا۔۔۔

"تم اس وقت کہاں جارہی ہو؟" وہ اسے دیکھتے ہی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔ برلقہ بے طرح سہم گئی۔

"میں تو وہ۔ وہ سامعہ۔" اس نے ہکلا کر بتانا چاہا' معاً" اس کی نظر شان کے بگڑے چہرے پر پڑ گئی۔

"ارے۔ یہ چوٹ کیسے لگ گئی آپ کو۔"

وضاحت چھوڑ چھاڑ اس نے گھبرا کر بے چینی سے پوچھا۔ شان کی انگشت شہادت بے ساختہ نامحسوس انداز میں اپنی ہلکی سی سوجن زدہ ناک پر جا پہنچی۔

"معمولی سا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" اس نے چڑ کر کہا۔ "تمہیں فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

برلقہ اس کے لہجے کی درشتی پر حق دق رہ گئی۔

"اور چلو واپس جاؤ اندر" اس نے چٹکی بجاتے ہوئے اسے واپسی کا راستہ دکھایا' "اور کوئی ضرورت نہیں تمہیں سامعہ کے گھر جانے کی۔ جانتی بھی ہو اس کا آوارہ بھائی ہر وقت گھر میں موجود ہوتا ہے۔ ایک آدھ مرتبہ پہلے بھی میں نے تمہیں وہاں جانے سے منع کیا ہے مگر تم ہو کہ سنتی ہی نہیں۔ یوں بھی میں ہوتا ہی کون ہوں تم پر قدغن لگانے والا' تمہیں اچھا برا سمجھانا تو ویسے بھی تمہارے والدین کا کام ہے۔ میری بلا سے جو کرو مرضی تمہاری۔" پتا نہیں کس بات کا غبار تھا جو وہ اس پر نکال رہا تھا مگر برلقہ کے نازک دل میں اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں تھی۔

اچانک ہی بہت سا پانی اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگا تو وہ بغیر کچھ کہے سرعت سے مڑی اور اندر بھاگ گئی۔

اور ٹیرس سے انہیں آپس میں محو گفتگو دیکھ کر بعجلت وہاں تک آئی ہنی نے بہت تعجب سے یہ منظر دیکھا۔ ایک پل تو توقف کیا۔ پھر سنبھلی اور گھر کے اندر قدم بڑھاتے شان کو پورے اعتماد سے روک کر بولی۔

"آج تو میں نے پاکستانی کپڑے پہنے ہیں۔ کیا آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانا پسند کریں گے؟" اور اندر قدم بڑھاتے شان کے قدم رک کر ٹھہر گئے۔ آگے بڑھنے سے انکاری ہو گئے اور انہیں انکاری ہی ہونا تھا۔

✡ ✡ ✡

"لو مان لیا ہم نے۔ ہے پیار نہیں تم کو۔"

آج بہت دنوں بعد شاہ رخ اپنے کمرے میں پہلے کی

طرح بند تھا اور اس کا اسٹیریو الیہ نغمے "اگل" رہا تھا۔ (جس طرح کے گانے وہ سنتا تھا ان کے لیے لفظ "اگلنا" ہی موزوں ترین تھا)

کوئی دھماکہ سا دھماکا تھا جو ہنی نے کیا تھا اور دھماکے کے بعد والے مناظر ان کے گھر میں دیکھے جا رہے تھے۔ ہر کوئی بے یقین سا تھا کہ یہ ہو کیسے گیا جو "ہو چکا" تھا۔

ہنی کی نظر انتخاب "شان" پر ٹھہری تھی۔

کل رات رومانہ نے خوشی سے چہچہاتے لہجے میں یہ "رشتہ" تائی شبنم کے حضور پیش کر دیا۔ ایک پل کے لیے تو شبنم بالکل چپ سی رہ گئیں کہ اتنا تو وہ جانتی تھیں کہ شان کو اس رشتے پر راضی کرنا جوئے شیر لانے سے کم دشوار ثابت نہیں ہوگا۔ کیوں کہ ان کا یہ بیٹا ان لوگوں سے بہت علیحدہ اپنا ایک مزاج رکھتا تھا۔

تاہم جب رومانہ نے یہ رشتہ جڑ جانے کی صورت میں انہیں حاصل ہونے والے فوائد و سہولیات پر تفصیل سے روشنی ڈالی تو یہ روشنی اتنی زیادہ طاقت ور تھی کہ ان کی آنکھیں چندھیا سی گئیں اور یوں بھی وہ کوئی کم عقل خاتون تو تھیں نہیں جو بیٹھے بٹھائے "بنا کوشش" کے ان کی جھولی میں از خود آگرنے والی اس نعمت کو یوں ہی بنا ایک کوشش کیے جانے دیتیں۔ لہٰذا انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک مرتبہ تو وہ شان سے اس موضوع پر ضرور بات کریں گی باقی جو اللہ کو منظور۔

☆ ☆ ☆

"میری تو سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر ہنی نے کیا سوچ کر شان بھائی کا نام لیا ہے۔" دبا دبا غصہ' جھلاہٹ' تشویش' پریشانی... کیا نہیں تھا اس وقت بریقہ کے لہجے اور فکر سے اترے ہوئے چہرے پر۔

اور بھلا وہ متفکر کیوں کر نہ ہوتی۔ وہ پسندیدگی تھی' لگاؤ یا پھر محبت' کوئی جذبہ تو وہ شان کے لیے بہر کیف دل میں نہاں رکھتی ہی تھی نا۔ پھر ایک مرتبہ خود اس نے شاہدہ کو نعیم سے کہتے سنا تھا۔

"بریقہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے نعیم! اس سے جدائی کا تصور ہی میرے لیے سوہان روح ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر شان ہمارا داماد بن جائے تو۔ اچھی فطرت کا بھلا مانس بچہ ہے' پھر سب سے بڑی بات ہماری نظروں کے سامنے پروان چڑھا ہے۔

آپ نہیں جانتے نعیم! میں ساتھی ٹیچرز سے روز ہی کوئی نہ کوئی ایسا واقعہ سن رہی ہوں جو ایک بیٹی کی ماں کا دل دہلانے کو کافی ہے۔ زمانہ بہت بدل گیا ہے نعیم! اچھے نیک لوگوں کو تلاش کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔" وہ نہیں جانتی جواباً "شاہدہ کو نعیم نے کیا کہا وہ تو بس اتنا ہی سن کر دروازے سے ہٹ گئی تھی اس روز۔ لیکن اس کا دل ان کی اس خواہش ہی میں کہیں اٹکا رہ گیا تھا اور گزرتا ہر دن شان کے لیے اس کی پسندیدگی یا جو کچھ بھی تھا۔ میں اضافہ ہی کرتا رہا۔

"ایسے ہی کوئی کسی کا نام دھڑلے سے نہیں لے لیتا بریقہ!" آج خلاف مزاج سامعہ بہت سنجیدہ انداز میں اس سے محو گفتگو تھی۔

وہ تو آج یہاں بریقہ سے کوئی بہت ہی اہم "بات" کرنے کے لیے آئی تھی' مگر یہاں آکر اسے جب اسے رشتے والی بات کا پتا بریقہ کی زبانی چلا تو وہ فی الحال کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی کہ دیکھیں آگے کیا ماجرا ہوتا ہے۔ "کسی نے شہ دی ہوگی تو اس کی اتنی ہمت ہوئی ہے۔" اس کا لہجہ کچھ جتاتا ہوا سا تھا۔ حسب توقع اس کی بات پر اس کے برابر صوفے پر بیٹھی بریقہ نے تیکھے چتون سے اسے دیکھا اور بے حد برا مناتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اسے کون شہ دے گا سامعہ! شان بھائی اس سے سیدھے منہ بات تک تو کرتے نہیں۔"

"سیدھے منہ بات نہ کرنے پر وہ ان کا رشتہ طلب کر بیٹھی؟" سامعہ نے مضحکہ اڑایا۔

"اگر سیدھے منہ بات کر لیتے تو شاید اب تک وہ شادی شدہ ہو چکے ہوتے کیوں؟"

"تم نہیں جانتیں نا شان بھائی کو۔" اس بار بریقہ مدافعانہ لہجے میں بولی۔ "اس لیے ایسا کہہ رہی ہو۔ وہ اس رشتے کے لیے کبھی بھی راضی نہیں ہوں گے' تم

دیکھ لینا۔" وہ اتنے پراعتماد لہجے میں بولی کہ سامعہ کو حقیقتاً "اس پر افسوس ہونے لگا۔

وہ اس وقت ایک ایسا دعوا کر رہی تھی جو اگلے چند گھنٹوں میں غلط ثابت ہونے والا تھا۔ ہاں وہ اس کے شان بھائی کو نہیں جانتی تھی۔ آج سے دو دن قبل تک تو بالکل بھی نہیں۔ لیکن اب وہ بہت کچھ جان چکی تھی۔

بہت کچھ ایسا جو جان کر بھی بریقہ کے سامنے کہہ دینے کی ہمت خود میں نہیں پا رہی تھی اور ہمت ہی کی کیا بات تھی بریقہ کے اعتبار کا بھی تو معاملہ تھا اور پھر جن "رازوں" سے قدرت از خود بہت جلد پردہ اٹھانے والی تھی پھر وہ بات جلد بازی میں اسے کر کے کیا مل جاتا سوائے اپنی پیاری سادہ دل سہیلی کی ناراضی کے۔

لہٰذا اس نے سب کچھ اللہ اور آنے والے دنوں پر چھوڑ دیا اور خود بس بہت خاموشی سے مسلسل بریقہ کو بولتے ہوئے سنے گئی۔

اس کا مسلسل اور بے تکان شان کے حق میں بولنا اس بات کی عکاسی کر رہا تھا کہ وہ اندر سے شاید خود بھی کچھ بے یقین، بے چین اور پریشان ہے۔

اور وقت بہت جلد کرنے والا تھا کہ اس کا اضطراب غلط نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

"Are you in your senses?"

(تم ہوش میں تو ہو؟) دوسری طرف فون پر ملار تپ کر بری طرح چیخا۔

"اوہ! ریلیکس بڈی۔" اس کے اس کھردرے ردعمل پر ہنی نے برا سا منہ بنا کر اسے بے ساختہ درشتی سے ٹوکا۔

"پہلے تم میری پوری بات تو سن لو۔" وہ خفگی سے بولی۔

"مجھے تمہارا کوئی بھی فضول قسم کا پلان سننے سے دلچسپی نہیں۔" وہ اس سے بھی زیادہ ناراضی سے دہاڑا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ تم بس اپنی اسٹوپڈ ایسٹرن مما کے فورس کرنے پر پاکستان جا رہی ہو تمہارا تو وہاں شادی کرنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں تھا یار! پھر اب تم یہ ڈی سیشن کیوں لے رہی ہو؟" وہ کالا امریکن اپنی ریل کے بھونپو جیسی آواز میں گرج کر رہا تھا۔

بات دراصل یہ تھی کہ اب سے کچھ عرصہ قبل وہ دونوں واقعی اچھے دوست تھے یہ اور بات کہ ملار کی دوستی بہت جلد پسندیدگی میں ڈھل گئی۔ جب کہ ہنی کو اس کے لیے ایسا کوئی جذبہ دل میں محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے نزدیک ملار کی حیثیت ایک بے دام غلام کی سی تھی۔ وہ بوتل کے جن کی طرح اس کا ہر حکم بلا تاخیر بجا لانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا۔ بہرحال یہ خاصی خطرناک صورت حال تھی رومانہ کے لیے۔ ایسے میں جب بیٹا تو خیر مکمل طور پر ہاتھ سے نکل چکا تھا وہ بیٹی کو یوں تباہ ہوتا نہیں دیکھ سکتی تھیں۔ اسی لیے خالصتاً "مشرقی ماؤں والے کارگر نسخے آزما کر انہوں نے اسے پاکستان بھجوا کر دم لیا تھا۔

ویسے سچ تو یہ تھا کہ انہیں زیادہ امید نہیں تھی اس سے، لیکن جب اس نے ان کے بڑے بھائی کے ہونہار بیٹے کا نام لیا تو وہ حقیقتاً" پھر سے جی اٹھی تھیں۔

"کیوں کہ شان مجھے واقعی اچھا لگا ہے ملار۔" وہ اسے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔ "وہ یہاں کے دوسرے لڑکوں سے بہت الگ ہے.... میں نے تمہیں بتایا تھا نا شاہ رخ، منیب، ارسلان وغیرہ (اس کے دیگر رشتے دار جن سے اس دوران فون پر وہ ہلکی پھلکی بات چیت کرتی رہی تھی) کے بارے میں.... وہ سارے بہت ڈمپ، اسٹوپڈ لالچی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں لگا مجھے کہ جس سے میں شادی کر سکوں۔"

"مگر کچھ دن پہلے تو تم نے مجھے بتایا تھا کہ وہ تمہیں اچھی لڑکی نہیں سمجھتا اور تمہاری اس ٹیپکل مشرقی کزن کو تم پر فوقیت دیتا ہے اور تمہارے خیال میں تو ان دونوں کے درمیان کچھ چل بھی رہا تھا پھر اب تم اسے اپنے لیے کیسے پسند کر سکتی ہو؟" وہ اتنا حیران ہو کر بول رہا تھا کہ ہنی خواہ مخواہ شرمندہ سی ہونے لگی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

"ہاں وہ مجھے کچھ غلط فہمی ہوگئی تھی۔" وہ جھینپے جھینپے سے لہجے میں بولی۔ "لیکن اب ساری بات کلیئر ہوچکی ہے۔ اس لیے تم بھی بے کار کی باتیں چھوڑ کر مجھے گڈ لک وش کرو۔"

"تم ایک دقیانوسی انسان سے شادی کرنے جارہی ہو ہنی!" وہ متنبہ کرتے ہوئے بولا "تو میں تمہیں گڈ لک کیسے کہہ سکتا ہوں... میں تو یہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہا ہوں کہ کیا اس جیسا بیک ورڈ شخص ہمیں آئندہ "دوست" رہنے دے گا؟ سوچو پلیز... سوچو ہنی۔" وہ منت کرنے لگا۔

اور اس لمحے ہنی کا جی چاہا کہ اس کالے انگریز کو اپنی خالص مادری زبان میں بالکل شبنم ممانی ہی کی طرح کھری کھری سنا کر اس کی ہر فکر اور تشویش کا "جامع" جواب اسے عنایت کردے، لیکن چونکہ وہ اردو سے قطعی طور پر نابلد تھا اس لیے وہ خود کو کمپوزڈ کر کے ادھ کھائی انگریزی (یعنی امریکن انگلش) ہی میں بمشکل نرم لہجے میں بولی۔

"دیکھو ملار، یہ میری زندگی ہے' اس میں کسے ہونا چاہیے' کسے نہیں یہ میں بہتر سمجھتی ہوں۔ اس لیے تم بالکل فکر مت کرو میں کسی کی ڈکٹیشن پر نہ کسی کو چھوڑ سکتی ہوں نہ اپنا سکتی ہوں اور تمہاری بات تو سب سے الگ ہے' تم میرے بہترین دوست ہو میں بھلا تم سے کیسے دست بردار ہوسکتی ہوں۔" اور واقعی یہ سچ ہی تھا۔ اس جیسا پیدائشی غلامانہ ذہنیت کا حامل شخص ہنی جیسی حاکمانہ طبیعت والی لڑکی کو اور کہاں ملنا تھا۔

اب پتا نہیں محترم ملار مطمئن ہوئے یا نہیں۔ البتہ بذات خود ہنی اپنی جانب سے سب کچھ طے کرنے کے بعد بہت مطمئن تھی شاید اس لیے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا اعتماد غلط نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

"دیکھ شان۔" آج بطور خاص شبنم نے اپنے ماتھے پر دوپٹا باندھ رکھا تھا تاکہ دیکھنے والے کو صاف دکھائی دے کہ وہ تکلیف میں ہیں۔ چہرے پر بھی رنج والم کے سائے لرزاں تھے۔ بال بکھرے ہوئے اور آنکھوں میں نمی تھی۔

"گھر کے سارے حالات تیرے سامنے ہیں وہ گلوگیر آواز میں شان کے ملگجی چادر والے سنگل بیڈ پر اس کے روبرو بیٹھی اس سے مخاطب تھیں۔ "باپ تیرا کئی سالوں سے گھر پہ پڑا ہے تو خود بتاتا ہے کہ دکان نہیں چلتی (منہ اوپر کرکے دردناک آہ بھری گئی) بہنیں تیری پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بن بیاہی بیٹھی ہیں۔" اتنا کہہ کر ان کے لبوں سے سسکاری سی نکلی اور انہوں نے کن اکھیوں سے شان کے تاثرات جانچے۔ وہ متوجہ تھا لہٰذا بات جاری رکھی۔

"قسمت سے جو رشتہ جڑ ہی گیا تھا وہ بھی اب ٹوٹنے کے قریب ہے تو جانتا ہے ناکہ ملکہ کی نند۔"

"یہ سب باتیں میں پہلے سے اچھی طرح جانتا ہوں امی..." شان نے شدید اکتا کر انہیں ٹوکا تو وہ یک دم بھنا کر اپنی اصلی "ٹون" اور "جون" میں آگئیں۔

"جب سب کچھ جانتا ہے تو' تو تجھے یہ بھی معلوم ہوگا کہ تیری اروں پتی۔ پھپھی نے اپنی لاڈو رانی کے لیے تجھے مانگا ہے... اب بتا کیا جواب دوں اسے؟ روز فون کر کر کے جان کھا رہی ہے میری۔ میں نے بھی کہہ دیا بھائی میرا یہ لڑکا ذرا دوسرے دماغ کا ہے۔ اس سے پوچھ کر ہی جواب دے سکتی ہوں۔" اپنے تئیں "دھاکا" کرکے منہ پھیر لیا تاہم دزدیدہ نگاہوں سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو جانچ گئیں... خاک سمجھ نہ آیا کہ اس وقت اس کا چہرہ بالکل سپاٹ محسوس ہو رہا تھا۔

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ گمبھیرتا سے بولا۔

"میں کیا اور میری بساط کیا۔" عاجزی کوٹ کوٹ کر بھری گئی تھی لہجے میں۔ "لیکن ماں ہونے کے ناطے اتنا مشورہ ضرور دوں گی اسی سے کرلے تو ہماری ساری مشکلیں آسان ہوجائیں گی۔ ورنہ اس استانی کو اپنی ساس بنا کر تجھے سوائے درجن بھر کتابوں اور وقت بے وقت سبق کے علاوہ اور کیا ملے گا؟"

"ارے۔" اس نے بے پناہ حیران ہو کر اپنی والدہ کو پوری آنکھیں کھول کر دیکھا۔ "یہ سوچ آپ کے ذہن میں کیسے آ گئی۔ میں نے کب کہا کہ میں چچی کو اپنی "ساس" بنانا چاہتا ہوں؟"

"ہاں۔" شبنم نے تائیداً سر ہلایا۔ "بس ایک منہ ہی سے نہیں نکالی تو نے یہ بات۔ ورنہ تیرے سارے انداز چلا چلا کر یہی بتاتے تھے۔" وہ چیں بہ چیں ہو کر بولیں تو اس نے ان کی غلط فہمی دور کرنے کو جلدی سے سر نفی میں ہلا کر کہا۔

"نہیں امی، بخدا ایسی کوئی بات نہیں۔ نہ جانے آپ کو ایسا کیوں محسوس ہوا۔"

"اچھا؟" وہ ایک لحظہ کسی سوچ میں ڈوب کر ابھریں۔ "چل دفع کر انہیں اور اس ہنی کے بارے میں بتا تیری پھپھی کو کیا جواب دوں، بے صبر نے فون کر کر کے زندگی حرام کر رکھی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولیں۔ واقعی، رومانہ کے وقت بے وقت آنے والی کالیں انہیں سخت "بے آرام" کر رہی تھیں۔

"اوہو امی۔" وہ ذرا جھنجلا سا گیا۔ "اس معاملے میں میرا ہمیشہ سے موقف یہی رہا ہے کہ جو آپ کو میرے لیے مناسب لگے گی میں اس لڑکی کو اپنی زندگی میں آرام سے شامل کر لوں گا۔" وہ دونوں ہتھیلیاں آپس میں رگڑتا ہوا بہت ہموار اور قطعی لہجے میں بولا۔

"نہیں؟" اس کے اس قدر فرمانبردارانہ جواب پر شبنم نے حیرت آمیز مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "بھلا یہ کیا بے تکی بات کی تو نے، آخر تیری بھی تو کوئی پسند ہو گی؟" سچ تو یہ ہے کہ اپنی توقع کے برعکس اس کا نرم رویہ اور معمول کے مطابق انداز نے انہیں الجھا سا دیا تھا۔

"کیا حلف اٹھاؤں اب کہ نہیں ہے مجھے کوئی پسند۔" مارے جھلاہٹ کے وہ بھڑک ہی تو اٹھا۔

"جب کہہ رہا ہوں کہ آپ کی پسند پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا تب پھر اس جرح کا مطلب؟"

"اسی پر تو حیران ہو رہی ہوں میں۔" شبنم کوئی کم منہ پھٹ تھیں۔ "کہ آج تیری کایا کیسے پلٹ گئی۔ کہاں تو تجھے میری ہر بات میں سو سو کیڑے اور عیب دکھائی دیتے ہیں اور اب میری پسند کی لڑکی سے شادی کرنے چلا ہے۔ تجھے ماں کی عقل پر کب سے بھروسا ہو گیا۔" بات کے اختتام پر ایک عجیب سے ٹھٹھا لگا کر گویا اپنی بات سے خود ہی حظ اٹھایا گیا۔

"عجیب ہیں آپ۔" وہ سخت بے مزہ ہو کر بولا۔ "بات مانو تو مسئلہ نہ مانو تب بھی مصیبت، آخر آپ چاہتی کیا ہیں۔"

"زیادہ محمد علی نہ بن۔" وہ اس کی "اداکاری" سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئیں۔ "میں تو تیری خاطر ہی بول رہی تھی اب اگر تو نے فیصلے کا اختیار مجھے دے ہی دیا ہے تب اس سے اچھی اور کیا بات ہو سکتی ہے۔" اسے جھڑک کر بہت مطمئن ہو کر وہاں سے اٹھی تھیں وہ....

ایک بہت بڑا محاذ تھا جو اس وقت انہوں نے سر کر لیا تھا لہٰذا ان کا اطمینان کچھ ایسا بے معنی بھی نہیں تھا۔ ان کے کمرے سے نکلتے ہی کافی دیر سے "الرٹ" پوزیشن میں بیٹھے ہوئے شان نے خود کو ڈھیلا چھوڑ کر اعصاب کو پرسکون کرنے کے لیے ایک لمبی سی سانس اندر کھینچ کر باہر نکالی۔ گردن دائیں بائیں گھمائی اور بڑے ہی طمانیت آمیز انداز میں بستر پر دراز ہو کر فتح کی چمک سے لبریز آنکھیں موند لیں۔

البتہ ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ معنی خیز مسکراہٹ۔

☆ ☆ ☆

"میں نے تو آپ جیسی انگریز لڑکی کو دیکھتے ساتھ ہی دل میں منت مان لی تھی کہ جس روز آپ میری بھابھی بنو گی، میں نفلیں پڑھوں گی، روزے رکھوں گی۔" منافقت سے بھرپور، مگر شہد آگیں لہجے میں یہ بیان آنسہ شہزادی مہر نگار کی جانب سے جاری کیا گیا تھا۔

"ساری دیر تو گویا شان کی ہاں ہی کی تھی.... بعد کے معاملات بہت تیزی سے طے پا گئے۔ شبنم اور رومانہ نے آپس میں مشورہ کر کے اگلے جمعے کو نکاح کی

تقریب رکھ لی۔ چونکہ رومانہ تو اپنے ریستوران کی مصروفیات کی وجہ سے زیادہ دن کے لیے یہاں آنہیں سکتی تھیں لہٰذا جو بھی انتظامات اس نکاح کے سلسلے میں کرنے تھے۔ لڑکے والوں ہی نے کرنے تھے، رقم بلکہ خاصی تگڑی رقم اس مد میں رومانہ نے فوراً" ہی فراہم کردی تھی تو پھر اب کیا دشواری تھی؟ ظاہر ہے کچھ بھی نہیں۔

اس وقت بھی وہ سارے نیچے لاؤنج میں رونق لگا کر بیٹھے ہوئے تھے تب ہی نجانے کس جھونک میں شہزادی یہ بات کہہ گئی۔

"ارے تو کیا منت مانے گی۔" سامنے صوفے پر بیٹھ کر بڑے اہتمام سے حسرت زدہ و شکایتی نگاہوں سے ہنی کے "فریش" چہرے کو تکتے تکتے یک دم بلبلا کر شاہ رخ بولا تو سب ہی چونک کر اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔

"منت تو اپن نے مانگی تھی سالا" کسی کے ساتھ کے لیے۔" اس نے اپنا بالشت بھر کا سینہ بری طرح ٹھونک کر "رام جانے" بننے کی خاصی متاثر کن کوشش کی، مگروائے افسوس کوئی متاثر نہ ہوا۔ الٹا شبنم کے منہ سے اس کی شان میں کچھ ایسے کلمات نکلے جو احاطۂ تحریر میں لائے نہیں جاسکتے۔

"جب دیکھو تب اس کا منڈوا (نوٹنکی) جاری رہتا ہے۔ ارے جادفع ہو یہاں سے' جا کر بھائی کا ہاتھ ہی بٹالے کم بخت! بے چارا دو لہا ہو کر ایک ٹانگ پر ناچتا پھر رہا ہے۔" شبنم پورا حلق پھاڑ کر اسے لتاڑ رہی تھیں۔ شہزادی کے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ گئی' ہنی بھی دانت دکھانے لگی۔

"ہونہہ۔۔۔ ایسے ہیرے جیسی چمکتی امریکن لڑکی سے میری شادی ہو رہی ہوتی تو میں ایک تو کیا۔ بنا ٹانگوں کے بھی ناچ کر دکھا سکتا تھا۔" وہ اپنی "بے عزتی" سے محظوظ ہوتی ہنی کو خون آشام نگاہوں سے دیکھ کر بکتا جھکتا باہر نکل گیا۔

"اوہو۔" شاہ رخ کے پیر پٹخ کر کمرہ عبور کرتے ہی ملکہ نے متانت سے مسکرا کر سر جھٹکا۔ (وہ آج کل یوں ہی بات بے بات مسکرا مسکرا کر سب کو حیران کم پریشان زیادہ کرنے پر تلی ہوئی تھی)

"اب بس بھی کرو امی۔۔۔ جانتی تو ہو یہ شاہ رخ جو فلم دیکھ لے مہینے بھر اسی کے "ڈائیلاگوں" کو دہراتا رہتا ہے' اسے چھوڑو اور یہ بتاؤ ہنی کے نکاح کا جوڑا ہم کہاں سے لیں گے؟" اس نے بہت میٹھی' نثار ہوتی نظروں سے صوفے پر بیٹھی ہنی کو دیکھ کر سوال داغا۔ (یہ ہنی ہی تو تھی جس کی بدولت اس کی زندگی کے کتنے ہی گنجلک مسائل کا حل نکلنا تھا تب پھر وہ کیوں نہ اس پہ واری صدقے جاتی؟)

"ایکسکیوزمی!" اس سے پہلے کہ شبنم کوئی جواب عنایت کرتیں' ہنی یک دم بول اٹھی۔ "برائیڈل ڈریس لینے میں صرف شان کے ساتھ جاؤں گی۔" اتنا اجنبی اور قطعی انداز؟ تینوں ماں بیٹیوں نے بے ساختہ ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

"لیکن شگن کا جوڑا لینے سب ساتھ جاتے ہیں۔" دونوں بیٹیاں تو کچھ نہ بولیں والدہ نے خلاف عادت حتی المقدور نرم لہجے میں تحمل سے کہا۔ "اور یوں بھی میرے پہلے پہلے بیٹے کی شادی ہے۔ کیا اپنی بہو کے لیے شگن کا جوڑا لینے جانے پر میرا کوئی حق نہیں۔۔۔ میرے بھی دل میں تو کچھ ارمان ہیں۔" وہ واقعی جذباتی ہی ہوگئیں۔

"یہ سب مجھے نہیں پتا۔" وہ چڑ کر نخوت زدہ لہجے میں بولی۔ "میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے اپنے معاملات میں کسی کی بھی انٹرفیئرنس (مداخلت) پسند نہیں اور کسی کے مشورے سے اپنی زندگی کے اتنے اہم ایونٹ کے لیے ڈریس چوز کرنا۔ او نو ممانی میں تو اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔" اس نے یوں جھرجھری لی گویا خدانخواستہ کسی عذاب کا ذکر کر رہی ہو۔

اس کے بے لچک انداز پر شبنم ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کے تو سان و گمان میں کہیں دور دور تک ایسی بہو کا گزر نہیں تھا۔ حق ہا! کیا کیا نہ ارمان پال رکھے تھے انہوں نے اپنے نازک سے دل میں۔ بہو لے کر آؤں گی۔۔۔

اسے ناکوں چنے چبواؤں گی۔ کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کام کرواؤں گی۔ سانس تک نہ لے گی جب آنکھیں دکھاؤں گی۔ بیٹے سے ذلیل کرواؤں گی، بیٹیوں کو اس کے سر پہ نچواؤں گی۔ یہ۔۔۔ وہ۔۔۔ اور، اور پس سچ کہا ہے کسی دانا نے کہ یہ دنیا ہے صاحب، یہاں دل کے ارمان بھلا کب پورے ہوتے ہیں۔

"آ۔۔۔ اچھا کوئی بات نہیں ہنی۔" ملکہ شبنم کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے کچھ کچھ ان کے اندر اٹھتے جوار بھاٹے کا سراغ پا گئی تھی۔۔۔ اور اسی لیے اسے ڈر تھا کہ بات بننے سے پہلے کہیں بگڑ نہ جائے اس لیے جلدی سے بولی۔ "جیسی تمہاری خوشی۔ ہم تو یوں ہی کہہ رہے تھے، میرا خیال ہے کہ شان اب تک تیار ہو گیا ہوگا۔ تم لوگ جلدی سے نکل جاؤ ورنہ پھر شام ہو جائے گی۔"

واقعی، اس وقت عقل مندی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ اسے منظر نامے سے چھو منتر کر دیا جائے۔ بصورت دیگر نقص امن کا شدید خدشہ تھا کہ وہ اپنی والدہ محترمہ کی عادت سے بخوبی واقف تھی۔ ابھی اگر وہ خاموش ہو گئی تھیں تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا کہ انہوں نے اس سرپھری ہنی کے آگے کبھی نہیں بولنا تھا۔ انہوں نے بولنا تھا بلکہ بہت کچھ بولنا تھا، مگر پہلے "پکا کام" تو ہو جاتا نا اور اس پکے والے کام سے پہلے اگر خوامخواہ کسی بات پر وہ اپنا ضبط کھو دیتیں تو سب کی "بھلائی" خطرے میں پڑ جاتی نا اور اتنی عقل تو خیر وہ خود بھی رکھتی تھیں اور اسی لیے اس وقت مصلحتاً" خاموش رہ کر انہیں صحیح وقت کا انتظار کرنا تھا۔

ایک ایسے وقت کا انتظار جو ان کی زندگی میں اب کبھی نہیں آنا تھا۔

لیکن وہ نہیں جانتی تھیں۔۔۔

☆ ☆ ☆

شام نے اب سرمئی پیراہن اتار کر اپنا آپ سیاہ چادر سے ڈھانپ لیا تھا۔ ہر طرف تیزی سے پھیلتا یہ اندھیرا آج اسے بڑا غنیمت محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جیسے سارے زمانے ہی سے نہیں خود اپنے آپ سے بھی چھپ جانا چاہتی تھی، مگر اصل مصیبت تو یہی تھی کہ چھپ کر جاتی کہاں؟ اس کا چہرہ آئینہ تھا۔ ہاں آج سے قبل تو واقعی آئینہ ہی تھا۔ جو دل میں ہوتا وہ چہرے پر جھلکنے لگتا۔ مگر یہ کچھ دن پہلے کی بات تھی۔ آج نہ صرف وہ اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو پانا سیکھ چکی تھی بلکہ آنکھوں سے نکلتے آنسوؤں کو پلکوں تلے روک کر دل میں کیسے اتارنا ہے یہ مشکل ہنر بھی اسے زندگی نے کسی ماہر استاد کی طرح بڑی آسانی سے سکھا دیا تھا۔

شاہدہ، اب سے کچھ دیر پہلے شبنم کے بلاوے پر نیچے گئی تھیں۔ شان اور ہنی کا رشتہ جڑ جانا ان کے لیے بھی دیگر کی طرح باعث حیرت تھا۔ تھوڑی ملال بھی ہو میں اور رنجیدہ خاطر بھی۔۔۔ تاہم "جس کا جہاں نصیب اور جو اللہ کو منظور" جیسی تاویلیں دے کر خود کو جلد ہی نہ صرف سنبھال لیا بلکہ گھر میں ہونے والی اس پہلی پہلی شادی کی تیاریوں میں خوش دلی سے اپنا حصہ بھی ڈالنے لگیں۔

لیکن بریقہ ایسا نہ کر سکی اور بھلا وہ اتنی اعلا ظرفی کا مظاہرہ اس قدر جلدی کر بھی کیسے سکتی تھی۔ اس کا دل ٹوٹا تھا اور اب اسے اس کرچی کرچی دل کو سمیٹنے میں وقت تو بہرحال لگنا ہی تھا۔

وہ ٹیرس کی دیوار پر سر رکھے بے آواز آنسو بہا رہی تھی۔ آج اتنے دن بعد یہ موقع ملا تھا پھر وہ اس سے استفادہ کیوں نہ کرتی؟

"بریقہ!" لیکن برا ہو ان دوستوں کا' جو موقع دیکھتے ہیں نہ عمل بس آن دھمکتے ہیں خوامخواہ۔

"کیسی ہو؟" وہ آگے بڑھی تو بریقہ نے گھبرا کر جلدی سے اپنا سر اٹھایا اور سرعت سے آنسو پونچھے مبادا اس کی نظر نہ پڑ جائے کہیں' لیکن سامعہ کو اس کا "غم" محسوس کرنے کے لیے آنسو دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ زبردستی نم آنکھوں سے مسکرائی۔ "تم کب آئیں؟"

"اپنے ٹیرس پہ کھڑی کافی دیر سے ملاحظہ کر رہی تھی میں تمہیں۔" اس نے دانستہ طنزاً" کہا۔ "کہ تم کتنی ٹھیک ہو؟"

"کیوں؟" اس نے خود کو اچھی طرح سنبھال کر کہا۔ "مجھے کیا ہوا؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"یہی سوال تو میں تم سے کرنے آئی ہوں میری پیاری بھولی اور نادان دوست۔" وہ اس بار نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"کیوں ایک ایسے شخص کے لیے اپنے قیمتی آنسو برباد کر رہی ہو جو کبھی تمہارے قابل تھا ہی نہیں۔"

بریقہ کے چہرے پر کرب اور راز کھل جانے کی شرمندگی ایک ساتھ ظاہر ہوئی۔ جذبات نے کچھ ایسے یلغار کی کہ وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور اس بار پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

سامعہ نے ایک طویل بے بس سانس کھینچی تاہم اسے کچھ کہا نہیں' بس یوں ہی رونے دیا۔

"اور شاید ٹھیک ہی کہتے ہیں سیانے۔" وہ اپنی نادان سہیلی کو دیکھ کر بلا ارادہ سوچنے لگی۔ "یہ نئے دور کی "نئی لڑکی" والا نظریہ تو محض ہمیں خوش کرنے کی بات ہے سچ تو یہ ہے کہ دور چاہے کوئی بھی کیوں نہ ہو فطرت تو کبھی نہیں بدلتی اور کلی کی فطرت میں شامل ہے شوخ نظر پڑتے ہی مہک اٹھنا' دلفریب لہجے پر جھوم جانا' توجہ کی پھوار پا کر کھل اٹھنا سو وہ کیونکر محفوظ رہ سکتی تھی۔ صد شکر کہ وہ کھلی ضرور' مگر کھلی نہیں۔

"تم بھی نجانے کیا سوچ رہی ہو گی میرے بارے میں۔" وہ ذرا تھمی تو ہاتھ کی پشت سے اپنے گال بری طرح رگڑ کر جھینپے جھینپے سے لہجے میں بولی۔

"دوست ہو کر بھی آج تک تم سے اپنے دل کا اتنا بڑا راز چھپائے رکھا اور آج جب محبت میں رونے کا مقام آیا تو بلا تکلف تمہارے ہی سامنے اپنا دل ہلکا کر رہی ہوں۔"

"وہ دوستی ہی کیا جو دوست ایک دوسرے کے دل کا بھید نہ پا سکے۔" وہ دھیما سے مسکرا کر اس کی ندامت زائل کرنے کو بولی۔

"میں اس شخص کے لیے تمہارے جذبات سے واقف تھی بریقہ۔" سامعہ نے گمبھیر معنی خیزی سے کہہ کر اسے حیران کرنے کی ٹھانی۔ "اور اس شخص کے "اصلی چہرے" سے بھی۔" وہ بہت گہرے لہجے میں بولی۔

"میں تو سمجھ ہی نہیں پا رہی کہ تقدیر نے یہ کیا چال چلی ہے میرے ساتھ؟" بریقہ نے یقیناً" سامعہ کے الفاظ دھیان سے نہیں سنے تھے۔ "وہ کیوں انہیں مجھ سے دور لے گئی اور وہ خود۔ وہ خود کیسے اتنی آسانی سے اس رشتے کے لیے راضی ہو گئے؟ ہاں ٹھیک ہے وہ اپنی فیملی کے لیے ہمیشہ اپنا آپ پس پشت ڈالتے آئے ہیں تو کیا اس بار بھی انہوں نے ملکہ باجی کے لیے یہ قربانی دے دی اور ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچا یا پھر ان کا وہ التفات' توجہ' پسندیدگی سب کچھ میری ہی نظر کا دھوکا تھا؟" اس کا دل بھرا ہوا تھا۔۔۔ وہ بغیر رکے۔۔۔ بے ربط سی جو جی میں آیا بولتی چلی گئی۔

"ہاں۔۔۔ بریقہ۔" سامعہ نے ہمت افزائی کے لیے نرمی سے اس کا کندھا دبا کر تاسف سے کہا۔ "تمہاری نظر کا دھوکا تھا واقعی وہ سب۔۔۔ لیکن ایسا دھوکا جو تمہیں دانستہ دیا گیا تھا اور یہی تو میں اتنی دیر سے تمہیں بتانے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

"کیسا دھوکا سامعہ؟" بریقہ نے الجھ کر بے دلی سے

اس کا ہاتھ پرے کیا۔ "پلیز صاف صاف بات کرو۔"
"ہاں! میں دیکھ رہی ہوں کہ تم یوں نہیں سمجھ سکوگی۔" سامعہ نے لب بھینچ کر تاسف سے سر ہلایا۔
"اور اسی لیے یہ بات تمہیں صاف صاف بتانی ہی پڑے گی کہ..." وہ بریقہ سے نظریں چرا کر' مگر فیصلہ کن لہجے میں یہ کون سی کہانی اسے سنانے لگی تھی؟ بریقہ نے بہت چونک کر اسے دیکھا۔
سامعہ کے لب متحرک تھے اور بریقہ ہمہ تن گوش...

☼ ☼ ☼

"تمہیں پتا ہے کامران بھائی۔" اس وقت شان اپنے علاقے کے ایک درمیانے درجے کے چائے والے ڈھابے پر نسبتاً "صاف ستھری میز کرسی پر اپنی دکان کے واحد مددگار جمع نوکر جمع دوست جمع اپنے "مداح" کے مقابل اپنی ازلی بناوٹی بے نیازی سے براجمان' ایسے لہجے میں گویا تھا جیسے کوئی بہت بڑا مہان اور کامیاب انسان بام عروج پر پہنچ کر کسی "دو ٹکے" کے صحافی کو اپنا انٹرویو دے رہا ہو۔
"میرے ننھیال میں کبھی کوئی کالا بچہ پیدا نہیں ہوا تھا... لیکن میں ہو گیا۔" وہ بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں چہرے پر رکھ کر خلاؤں میں گھورنے لگا۔ اور اس "پیارے افضل" بننے کی ناکام کوشش سے قطع نظر... اس وقت وہ واقعی ماضی کے جھروکوں میں جا پہنچا تھا۔ بات بظاہر بے حد معمولی اور عام سی تھی مگر اسی ایک معمولی بات پر اس کی "غیر معمولی شخصیت" کی بنیاد پڑ گئی۔ سارا قصور شبنم اور ان کے میکے والوں کی جہالت کا تھا۔
شان جب پیدا ہوا تو بہت گہری رنگت کا حامل تھا۔ شبنم کی والدہ اور بہنوں نے تو اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی اور فوراً اسے پیشتر گویا اسے مسترد کر دیا۔
"اتنا کالا کوئلے جیسا بچہ پیدا کیا ہے ری تو نے شبنم۔" نیرہ نے تو اپنا کلیجہ ہی تھام لیا خود ان کی اپنی رنگت میں بڑھاپے بلکہ اس قدر بڑھاپے میں بھی غضب کی سرخ و سپید اور جلد چمکدار' چہرہ شاداب سا تھا (بنا صابن پئے۔ اور کیوں نہ ہوتا عمر کوئی تفکر جو نہ پالا تھا) شبنم پہلے ہی بچہ دیکھ کر روہانسی ہو رہی تھی' ماں کے جتانے پر پھٹ ہی پڑی۔
"کم بخت... ددھیال والوں کی منحوس صورتوں پر پڑ گیا... اب کیا کروں پھینک آؤں کہیں؟" اس وقت تو اس کا جلال دیکھ کر سب ہی خاموش ہو گئے۔ مگر بعد میں اس کی اس رنگت کو باقاعدہ اس کا "عیب" قرار دیا گیا۔ اس رنگت ہی کی بنا پر اس کا خوب مذاق بنایا جاتا۔ نیرہ چھوٹے تینوں (ملکہ' شہزادی' شاہ رخ) سے تو پھر بھی پیار جتاتی تھیں کبھی کبھار لیکن اسے تو باقاعدہ خود سے پرے رکھتیں اور کبھی کبھار جب ساری اکٹھا ہوتیں اور ہنسی مذاق کی محفل عروج پر ہوتی تو وہ حد ہی کر دیتی تھیں۔
"چل بھاگ جا ادھر سے' تجھے دیکھتی ہوں تو خوامخواہ تیری چالا کو دادی ذہن میں آجاتی ہے... کالی چڑیل کہیں کی۔" نیرہ کو اپنی اس سمدھن سے بہت خار تھا شاید اس لیے کیونکہ نہ صرف سلیقے' قرینے کی خاتون تھیں بلکہ ان کے لاکھ زور لگانے کے باوجود بھی وہ بہت سے محاذوں پر شکست کھانے کو تیار نہ تھیں۔ جبکہ ان کی "دیگر" سمدھنوں نے تو محض ان کے ایک دو حملوں کے بعد ہی ان کے سامنے ہتھیار ڈال دیے تھے... بہرحال ان کے اسی تحقیر آمیز رویے نے اس کے دل میں احساس کمتری کا بیج بو دیا۔ وہ لوگوں سے گھبرانے لگا' چھپنے لگا' کترانے لگا سب سے خائف رہنے لگا۔ کچھ باشعور ہوا تو اس نے اپنے ننھیال جانا بالکل ہی ترک کر دیا اور شبنم کے نزدیک مزید معتوب ٹھہرا۔ ان کے خیال میں اس کے اس عمل کے پیچھے اس کی دادی کا ہاتھ تھا۔
ان ہی دنوں شاہدہ نے اپنی ساس کے زور لگانے پر اس کا داخلہ بھی گھر کے نزدیکی پرائیویٹ اسکول میں کروا دیا۔ خود بھی وقت نکال کر گھر میں اسے پڑھانے لگیں۔ ذہن تو وہ خیر تھا اس لیے جلد ہی پڑھائی میں دلچسپی لینے لگا۔ یہ ایک بہت مثبت بات تھی۔ بری تب

ہی جب آئے دن ہر آئے گئے کے سامنے اس کا موازنہ اس کے چھوٹے بھائی بہنوں سے انہیں نہ پڑھنے کا احساس دلانے کے لیے کرنے لگیں۔ انہیں تو خیر کیا شرم آتی یا احساس ہوتا البتہ اس چکر میں شان کے احساس کمتری نے 'احساس برتری' کا روپ دھار لیا۔ وہ خود نمائی کی لذت سے آشنا ہو گیا۔ اور وقت کے ساتھ ساتھ یہ "مرض" بڑھنے لگا۔۔۔۔

"اجی میں نے کہا' کہاں کھو گئے سیٹھ صاحب۔" کامران نے ہلکے سے میز بجائی۔ "آپ کچھ بتا رہے تھے۔۔۔ تو بتائیے نا۔" وہ اٹھلایا۔ دراصل سارا دن بھانت بھانت کی عورتوں کو بھگت بھگت کر موصوف کا انداز بھی کچھ ان ہی سے مشابہ ہو چلا تھا۔ "میں سننے کو بے تاب ہوں۔"

"ہاں بس۔" اس کی آواز نے شان کو ماضی کے جھروکوں سے باہر قدم رنجہ کرنے پر مجبور کر دیا۔

"میں بتا رہا تھا کہ بچپن میں میری رنگت ذرا گہری۔۔۔۔"

"ارے گولی ماریے رنگت کو سیٹھ صاحب۔" وہ سخت بے مزہ ہوا' بچپن میں آپ جیسے بھی رہے ہوں اب تو ماشاء اللہ پورے کے پورے "فہد مصطفیٰ" لگتے ہیں اور وہ بھی "سوئیاں" لگوائے بغیر قسم سے۔" گردن مٹکا کر جن تحسین آمیز الفاظ سے انہیں نوازا گیا۔۔۔ ان لفظوں نے اپنی بات قطع کیے جانے کی ساری کلفت زائل کر دی اور وہ تفاخر سے مسکرا کر لیکن سراسر مصنوعی کسر نفسی سے بولا۔

"بس یہ۔۔۔ تمہارا حسن نظر ہے اور کیا کہوں۔"

"ارے نہیں سیٹھ صاحب۔" اس نے زور و شور سے نفی میں سرہلا کر اپنی بات پر زور دیا۔ "یہ میری نظر کی بات نہیں۔ یہ آج کل کی ماڈرن اور ظاہر ہے مرنے والی لڑکیاں خوامخواہ ہی تو آپ کا دم نہیں بھرتیں۔" اس نے شرارت سے دائیں آنکھ دبائی اور عینک اس "دباؤ" کی تاب نہ لا کر نیچے جا پڑی۔

"تمہیں بھی شوخیاں کرنی آگئی ہیں بھائی کامران۔" وہ مغرور سے انداز میں چٹخارہ لے کر بڑے بھرپور انداز سے مسکرایا۔

"جو سیکھا ہے آپ سے سیکھا ہے" وہ نیاز مندی سے اس کے آگے جھکا مگر اس بار عینک ہاتھ سے پکڑلی۔۔۔ "مگر آپ بھی نا' قسم سے بڑے چالاک ہیں۔۔۔" وہ نروٹھے پن سے شکوہ کرنے لگا۔

"یہ راز کی بات لاکھ پوچھنے پر بھی نہیں بتا رہے کہ آپ نے اپنی "اس امریکن بلا" کو کیسے قابو کیا جبکہ مقابلہ بھی بہت سخت تھا۔" وہ اس بار ایسی پیاسی نگاہوں سے شان کو دیکھ رہا تھا گویا آج ہی سارا "علم" حاصل کر لینا چاہتا ہو' شان اس کی بے چینی بھانپ کر بردباری سے مسکرایا۔

"ہاں واقعی' مقابلہ بڑا سخت تھا۔" اس نے کامران بھائی کی بات سے دو سو فیصد اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں سرہلایا۔ "مگر ہم نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلیں یار۔"

"ہاں۔۔۔ یہ بات میں جانتا ہوں۔" اس نے جلدی جلدی تائیدا" سرہلایا (عینک پکڑ کر)

"تم پڑھے لکھے نہیں ہو نا۔" شان نے اکبر اعظم جیسے لہجے میں اپنی بات آگے بڑھائی اور اس بار پہلے سے بھی زیادہ زور و شور سے سرہلا تھا ان کے معتقد کا۔

"اس لیے نہیں جانتے کہ نفسیات کا بہت سادہ اور عام سا اصول ہے کہ اگر کسی کو اپنی جانب متوجہ کرنا چاہتے ہو تو اسے نظر انداز کرنا شروع کر دو۔ بس یہی کیا تھا میں نے اس کے ساتھ۔ ہاں شروع شروع میں تھوڑی بہت بات چیت میں کر رہا تھا کہ ظاہر ہے میری کزن ہے۔۔۔ پہلی پہلی بار پاکستان آئی ہے۔۔۔ یہ تو اس کے بر دکھاوے کے بعد اس کے چاہنے والوں کا ہجوم دیکھ کر میں نے اپنی حکمت عملی تبدیل کی۔ اور دیکھ لو' اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے۔۔۔۔ میرے اندازوں کے عین مطابق اب وہ میری توجہ پانے کو بے چین ہے۔۔۔۔ کل بھی مجھ سے کہہ رہی تھی کہ آپ سے ضروری بات کرنی ہے ذرا مجھے کسی کیفے تک لے چلیں مگر میں نے بھی جان بوجھ کر صاف منع کر دیا کہ "بی بی میں ایسے حلیے میں تمہیں لے کر باہر نہیں جا سکتا۔"

وہ ہاتھ اٹھا کر شہنشاہی انداز میں بولا۔

"ایسا کیوں.... اگر وہ ناراض ہو گئی تو؟" کامران سمجھ نہیں سکا تھا اس عمل کے پیچھے چھپی حکمت....

"نہیں ہو گی بھائی۔" اس نے گویا مکھی اڑائی۔ "پہلی ہی بار میں "ہاں" کر دینا بھاؤ گرا دیتا ہے انسان کا ویسے بھی میں تمہیں بتا چکا ہوں پہلے بھی کہ ان لڑکیوں کو اکھڑ مزاج لڑکے بہت بھاتے ہیں.... لہٰذا فکر نہ کر.... بس میرے حق میں دعا کر۔"

"ماننا پڑے گا آپ کو استاد۔" وہ بے پناہ متاثر نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ "ملنے کے بعد کیا آپ اسے شادی کی پیش کش کر دیں گے؟" اسے نیا سوال سوجھا۔

"ڈی پینڈ کرتا ہے کہ وہ بات کس طرح کرتی ہے۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولا۔ دیکھتے ہیں۔ پہلے اسے بات تو کرنے دو۔ دیکھیں تو آخر وہ چاہتی کیا ہے....

"آپ تو اس سے شادی کر کے چلے جائیں گے یہاں سے۔" وہ باچھیں چیر کر بولا تو پھر آپ کی اس ڈیئر کزن کا کیا ہو گا۔ جو ہر وقت آپ کی منتظر رہتی ہے۔ آپ کی خدمت میں ذائقے دار کھانے بنا بنا کر پیش کرتی ہے.... وقت بے وقت آپ کی چائے کی طلب پوری کرتی ہے؟" وہ چھیڑ خانی والے لہجے میں بولا اور ثابت کیا کہ یقیناً وہ اس کا "ہمراز" تھا۔

"اوہو۔ ہو بریقہ...." شان نے اس کا نام لے کر مزہ لینے کے لیے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور اس کے عقب والی میز پر کافی دیر سے حارث کے ساتھ براجمان اس کی لن ترانیاں بغور سنتے جاسن کے اعصاب یہ نام سن کر تن گئے۔ جبڑے بھینچ گئے۔

دوسری طرف شان آنے والے "برے وقت" سے بے خبر اسی جوش و خروش سے گویا تھا۔ "ہاں یار! بے چاری کا دل بہت دکھے گا.... پچ مگر میں بھی کس کس کا خیال کروں۔ سچ کہوں تو ہنی سے پہلے میں اس کے لیے واقعی سنجیدگی سے سوچنے لگا تھا.... خوب صورت ہے، معصوم ہے اور، میرے لیے فکر مند بھی بہت رہتی ہے.... لیکن اس ہنی کے مقابلے میں کچھ پھیکی پھیکی ہے۔"

"بس...." اس کی برداشت اب جواب دے گئی۔ اس لیے وہ بنا کچھ سوچے سمجھے اٹھا۔ آن واحد میں پیچھے سے اس کا سر پکڑ کر گھسیٹا اور۔

"واقعی شان بھائی، بہت بڑے پلازہیں آپ.... آپ کو داد نہ دینا زیادتی ہو گی۔" زہر خند لہجے میں کہہ کر ایک زوردار مکا پوری قوت سے اس کی ناک پر رسید کر دیا.... شان کی تو کچھ سمجھ میں ہی نہ آیا کہ ہوا کیا ہے؟ اس لیے وہ مکا کھا کر اطمینان سے زمین پر لم لیٹ ہو گیا۔ صورت حال پر خوف کے مارے ڈیڑھ پسلی کے کامران کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ منظر دیکھے گیا۔ سارے ڈھابے میں یکایک افراتفری پھیل گئی.... وہ تو اس کی مزید "تواضع" کرتا لیکن حارث بمشکل تمام اسے گھسیٹ کر باہر لے گیا۔

"یہ اطمینان ہو جانے پر کہ وہ اب واپس نہیں پلٹے گا" سہمے سہمے سے کامران نے بڑی دقتوں سے اسے اٹھا کر واپس کرسی پر بٹھا کر پانی پلایا۔

"کس کس سے دشمنی پالے بیٹھے ہیں سیٹھ صاحب" کامران پریشانی سے بولا۔ "کون تھا یہ؟"

"جو کوئی بھی تھا۔" شان کراہتے ہوئے بولا "اس کی آنکھوں کے آگے ابھی بھی تارے رقصاں تھے۔ "پتا نہیں کم بخت کیا کچھ سن کر گیا ہے.... مجھے اب جلدی کچھ کرنا ہو گا ہاں جلدی ہی کچھ کرنا ہو گا۔" وہ اپنے گھومتے سر کو سنبھال کر تشویش سے بولا تھا۔

اور واقعی اس کی تشویش غلط نہیں تھی....!

☼ ☼ ☼

"اس روز جاسن نے گھر لوٹ کر پہلی بار مجھے شان بھائی کے متعلق بتایا کہ حارث کے بڑے بھائی ان کے ساتھ کالج میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ ان ہی کے مطابق وہ کالج کے زمانے ہی سے "چھپے رستم" مشہور تھے۔ لونڈے لپاڑوں میں بیٹھ کر شیخیاں بگھارنا اور لڑکیوں کی خود پر مرمٹنے کی داستان مرچ مسالا لگا کر سنانا ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ ان ہی چکروں میں پڑ کر وہ

اپنا گریجویشن بھی مکمل نہ کرسکے۔ بہت زیادہ غصے میں تھا جاسن۔ اس نے مجھے خاصے محتاط الفاظ میں ہوٹل والا واقعہ سنا کر تمہیں ان سے خبردار اور فاصلے پر رہنے کی تلقین کرنے کو کہا۔ بہت فکرمند تھا وہ تمہارے لیے۔" میں نے بہت کوشش کی کہ تمہیں یہ ساری سچائی بتاسکوں مگر تمہارا ان پر اندھا اعتماد اور غیر متزلزل ایقان دیکھ کر میں اس وقت خاموش رہ گئی۔"

اس نے یہ اذیت ناک حقیقت جلدی جلدی اس کے سامنے کھول کر رکھ دی کہ جانتی تھی اگر درمیان میں وقفہ لیا تو دوبارہ بولنے کے لیے خود کو قائل کرنے میں وقت لگے گا۔

"کہہ دو سامعہ کہ یہ سب جھوٹ ہے۔" ششدر رہ جانے والی بریقہ کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔ "اور تم میری دلجوئی کی خاطر یہ کہانی گھڑ کر مجھے سنا رہی ہو۔" وہ آس بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں ذرا دیر کو تھمنے والی برسات دوبارہ شروع ہوچکی تھی۔

"کاش میں کہہ سکتی۔" سامعہ کو اس کی حالت رنج پہنچا رہی تھی اور وہ اسی لیے اسے یہ سب بتانے سے گریزاں تھی۔

"مگر اس بظاہر نفیس طبع، سلجھے ہوئے انسان کی سچائی یہی ہے۔ میں نے ہمیشہ ہی تمہارے اس شان بھائی کی حد سے کہیں زیادہ اور بلاضرورت "اچھائی" کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا تھا تاہم ان کے اس قدر رذیل ہونے کی مجھے بھی توقع نہیں تھی۔" وہ متنفر لہجے میں بولی۔

"کیوں کیا انہوں نے میرے ساتھ ایسا۔ مجھے میری ہی نظروں میں گرا کر رکھ دیا۔" وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیا معلوم کہ ان کی اس "ذہنی حالت" کے پیچھے کیا عوامل رہے ہیں، لیکن اچھی بات یہ ہوئی کہ وہ تم پر آشکار ہوگئے اور یہ رونے کا نہیں سجدۂ شکر ادا کرنے کا مقام ہے۔ اس لیے اتنا مت رو بریقہ۔" اس نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور بہت پیار سے اس کی اشک شوئی کرتے ہوئے ناصحانہ لہجہ اختیار کیا۔

"جانتی ہو، زندگی کے بازار میں انسان ہمیشہ ہی اپنے دام اپنی اصل قدر و قیمت سے بہت کم مقرر کرکے خود کو بے قدروں کے حوالے کرکے رکھ دیتا ہے۔ سو اگر تم بھی یہی کرنے چلی تھیں تو اس میں کچھ عجب نہیں مگر تم خوش قسمت ہو پیاری کہ قدرت نے تمہیں خود کو ارزاں کرنے سے بچالیا۔ اور اگر رب کی مہربانی سے بچ ہی گئی ہو تو یقین رکھنا، وہ تمہیں ان شاء اللہ ایسے محفوظ اور قدردان "ہاتھوں" تک پہنچائے گا کہ تم ساری زندگی خود پر رشک کروں گی۔ تمہارا اخلاق، تمہاری سادگی و معصومیت بیش قیمت ہے بریقہ اتب تمہیں کوئی "مفلس" انسان کیسے حاصل کرسکتا تھا؟"

اور نہ جانے کیسے پرتاثیر الفاظ تھے یہ۔ کہ جاکر سیدھا بریقہ کے زخم خوردہ دل پر مرہم کی طرح لگ گئے۔

"تم بہت اچھی دوست ہو سامعہ۔" وہ اس کے گلے سے لگ کر بے ساختہ ممنونیت سے بولی۔ "پتا نہیں میں تمہاری اس محبت کا احسان کیسے چکا پاؤں گی؟"

"محبت احسان نہیں ہوتی پگلی۔" سامعہ کا اپنا دل گداز ہونے لگا۔ "یہ تو اعزاز ہوتی ہے۔ اسے ماتھے پر کسی جھومر کی طرح سجانا چاہیے۔ احسان سمجھ کر بوجھ نہیں بنانا چاہیے۔" وہ اپنے ازلی و مخصوص دو ٹوک، واضح انداز میں بولی تو اس بار بریقہ بہت دل سے مسکرائی تھی۔ دل کا ہر بوجھ اور غم عزیز دوست نے جو بانٹ لیا تھا۔ تو کیا وہ اب بھی خود کو ہلکا پھلکا محسوس نہ کرتی۔

☆ ☆ ☆

"اور کیا سمجھتے تھے مجھے لوگ؟" رات کے پچھلے پہر شان اپنے کمرے میں قد آدم آئینے کے سامنے ایستادہ خود اپنے آپ سے مخاطب تھا۔

"کیا میں اتنا ہی عام انسان تھا۔" اس نے مغرور نگاہوں سے خود کو بغور دیکھا۔ "نہیں قطعی نہیں۔

اگر ہوتا تو وہ اتنی اسٹائلش' امیر باپ کی بیٹی کیا مجھے اپنا جیون ساتھی بنا سکتی تھی؟" وہ نفی میں سر ہلا کر عجیب طرح سے ہنسا۔

"ہاں ٹھیک ہے تھوڑی بہت کوشش میں نے بھی کی تو کیا ہوا؟ کیا ترقی کرنا میرا حق نہیں؟ میں آخر کب تک اس چھوٹی سی دکان پر بیٹھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کرتا رہتا اور سچ تو یہ ہے کہ اگر میرے پاس اس جنجال پورے اور ان جاہلوں سے دور رہنے کا کوئی اور ٹھکانہ ہوتا تو میں تو کبھی کا ان سب سے دور جا چکا ہوتا ہونہہ۔" اس نے تحقیر آمیز تنفر سے سر جھٹکا۔ "خیر جو ہوا سو ہوا' وہ تو شکر ہے کہ اس ہنی نے بروقت مجھے پروپوز کر دیا ورنہ میں تو اس کمینے جاسن کی طرف سے ڈر ہی گیا تھا کہ کہیں وہ اس واقعے کا ذکر اپنی اس نک چڑھی اور مغرور بہن سے نہ کردے اور وہ اپنا فرض عین سمجھتے ہوئے بریقہ سے اور بریقہ انتقام "ہنی سے مگر خیر گزری۔" وہ اب کی بار ذرا طمانیت سے ہلکا سا مسکرایا۔

"ویسے یہ میں نے عقل مندی کی کہ ہنی کو ڈائریکٹ "ہاں" کرنے کی بجائے "امی" کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلا دی۔۔۔ ہاں تو کیا بے وقوف تھا میں جو اس کے پروپوزل کے جواب میں فوراً" ہی ندیدوں کی طرح ہاں کر دیتا نہیں' یہ حماقت میں نہیں کر سکتا تھا۔ بھئی آئندہ زندگی میں اس ہنی کو قابو میں رکھنے کے لیے یہ ضروری تھا تاکہ یوں ظاہر کیا جائے جیسے کہ میں یہ "شادی" بڑوں کی مرضی کی وجہ سے کر رہا ہوں' اوہ! واقعی ایسی ذہانت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ ویسے میری شادی پر شکلیں دیکھنے والی ہوں گی سارے رشتے داروں کی۔۔۔ خصوصاً" نشو خالہ' زیبا اور نیلو خالہ کی بھی۔" اسے سوچ کر اتنا لطف آیا کہ چہرہ فرط مسرت سے تمتمانے لگا۔

"بچپن میں تو میرا مذاق اڑاتے نہیں تھکتی تھیں اور اب مجھے داماد بنانے کے لیے مری جا رہی تھیں۔ میں نے بھی انہیں آسرے میں رکھ کر ایسا داؤ کھیلا ہے جو تاعمر یاد رکھیں گی۔۔۔ ہاہاہا۔" اس سے اپنا جناتی قہقہہ ضبط کرنا محال ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"ہو ددلا دے مینوں گولڈن جھمکے۔"

مہندی کی روشنیوں سے جھلملاتی رنگا رنگ تقریب' مہندی کی مناسبت سے آراستہ اس بینکوئیٹ ہال میں جاری تھی۔ اسٹیج پر رکھے منقش جھولے پر ہونے والے دولہا دلہن ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ ہنی نارنجی' ہرے اور سنہرے گوٹے سے مزین فان اور پیلے رنگ کے گھیر دار فراک اور پاجامے میں ملبوس سر پر نیٹ کا نارنجی دوپٹہ لیے گردن اکڑائے تفاخر سے بیٹھی اسٹیج کے سامنے محو رقص شہزادی مہرنگار کو مذاق اڑاتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ (حالانکہ اس نے یہ سارا آئٹم نمبر" آج کل کے پاکستانی ڈرامے دیکھ دیکھ کر بطور خاص اسی کے لیے تیار کیا تھا)

کالے شلوار کرتے میں شان بھی خاصا خوبرو دکھائی دے رہا تھا۔ مگر تازہ فیشل والے چہرے پر کچھ بے چینی سی ابھر رہی تھی۔۔۔ کیونکہ فی الحال ساری "حسد و حسرت بھری نگاہیں" اس آئٹم نمبر پر تھیں جو اس وقت جاری تھا۔

"چٹیاں کلائیاں وے' ہو بے بی میری۔" اچانک موسیقی تیز ہونے پر پیلے غرارے میں ملبوس شہزادی زور سے گول گھومی۔ دور بیٹھا شاہ رخ جواب سے کچھ دیر قبل ارد گرد بکھرے "جلووں" سے اپنی آنکھیں سینکنے میں مصروف تھا (ہنی پر وہ کب کی لعنت بھیج چکا تھا اور اس کے علاوہ چارہ بھی کیا تھا) اب اپنی ہمشیرہ کو یوں سر محفل مٹکتے دیکھ کر دانت پیس پیس کر اپنا غصہ دبانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا۔ جبکہ خود شبنم تیز گلابی ساڑی میں واقعی "شبنم" بنی بیٹھی تھیں آج اور اپنی اس باصلاحیت بیٹی کو بہت فخریہ انداز سے دیکھ رہی تھیں اسٹیج کے ہی نزدیک ملکہ آج بڑے رعونت آمیز انداز سے اپنی ساس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

شہود میاں سامنے بیٹھے تھے اور آنکھوں ہی

آنکھوں میں ملکہ کو اشارے کر کے بتا رہے تھے کہ آج وہ بہت اچھی لگ رہی ہے۔ اور اس جملے کا اگلا حصہ انہیں فون پر کہنا تھا کہ بس اب اور انتظار نہیں، وہ جلد ہی اپنی اماں کو رخصتی کی تاریخ لینے بھیجیں گے۔ اور قرائن شاہد تھے کہ اس بار یہ معجزہ واقعی رونما ہو کر رہنا تھا۔۔۔

اور اس خود غرضی کے ماحول میں اگر واقعی کوئی دل سے شاد تھا تو وہ رومانہ ہی تھیں۔ ہر چند کہ تھوڑی بہت غرض مند تو وہ بھی تھیں مگر وہ اتنی بے جا بھی نہیں تھی۔ وہ ملکے ہرے اور سفید سوٹ میں سر پہ ہم رنگ اسکارف اچھی طرح لپیٹے سارے ہی رشتے داروں سے بہت پرتپاک انداز سے مل کر مبارکبادیں وصول کر رہی تھیں۔ ان کے میاں ریستوران کی وجہ سے نہیں آسکے تھے اور شیگی نامعلوم وجوہات کی بنا پر، بہرحال وہ بہت شاداں فرحان اور مطمئن تھیں کہ کچھ عرصے میں تو ان کے داماد نے وہیں آجانا تھا ان کا ہاتھ بٹانے (یا ہاتھ صاف کرنے' واللہ اعلم) شاہدہ بھی خاموشی سے نسبتاً" ایک کونے والی میز پر سنجیدہ ہی صورت بنائے بیٹھی تھیں۔

اور رہی بریقہ۔۔۔ تو ہوا کچھ یوں کہ سامعہ دوپہر میں اسے زبردستی گھسیٹ کر اپنے ساتھ پارلر لے گئی تاکہ اس کی "سر جھاڑ منہ پھاڑ" حالت کچھ درست ہوسکے۔ دراصل وہ چاہتی تھی کہ بریقہ بھرپور تیاری اور اعتماد کے ساتھ ہنی اور شان کی شادی میں شرکت کرے اور دل سے چاہتی تو بریقہ بھی یہی تھی اب تاکہ اگر شان کو اس کے بارے میں کوئی "غلط فہمی" تھی بھی تو اچھی طرح دور ہو جائے۔ شاہدہ یوں عین موقعے پر ان کے جانے پر ذرا معترض ہوئیں، مگر سامعہ نے کچھ کہہ سن کر انہیں قائل کر لیا تھا۔ پھر جس وقت وہ دونوں کلائیاں بھر بھر مہندی لگوا کر واپس لوٹیں۔ یہ لوگ ہال آنے کے لیے گھر سے نکلنے کو تیار کھڑے تھے۔ اس نے شاہدہ سے کہہ دیا کہ آپ مطمئن ہو کر جائیں۔۔۔ میں تیار ہو کر سامعہ کے ساتھ پہنچ جاؤں گی اور شاہدہ کو مناسب نہیں لگا کہ اس کی وجہ سے ان

لوگوں کو تاخیر ہو اس لیے اسے جلدی آجانے کی تاکید کر کے ان کے ساتھ چلی گئیں اور پابندی وقت کا یہ سہرا رومانہ ہی کے سر تھا ورنہ شبنم وغیرہ تو بادشاہ لوگ تھے۔

لڑکی کی ماں ہونے کے ناتے رومانہ پر فطری گھبراہٹ سوار تھی اور وہ چاہ رہی تھیں کہ ہر کام وقت پر اور بہ احسن و خوبی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے۔۔۔ بریقہ اور سامعہ ابھی تک نہیں پہنچی تھیں اس لیے شاہدہ نے اپنا فون نکال کر اسے کال ملائی۔۔۔

"جی امی۔۔۔ راستے میں ہیں بس پہنچ رہے ہیں دس پندرہ منٹ تک ان شاء اللہ' دراصل راستے میں ٹریفک بہت ہے۔ جی جی۔۔۔ آپ فکر مند نہ ہوں' سامعہ میرے ساتھ ہے۔ جی' جی جاسن ڈرائیو کر رہا ہے۔۔۔ او کے۔" بریقہ نے شاہدہ کی تسلی کروا کر فون بند کیا اور بہت غصے سے آہستہ رفتار سے گاڑی ڈرائیو کرتے جاسن کو دیکھا۔

"تم گاڑی ذرا تیز نہیں چلا سکتے' وہاں میری امی پریشان ہو رہی ہیں۔"

"میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ گاڑی آگے بڑھاؤں ہی نہیں' جہاں ہے وہیں روک دوں۔" وہ شیشے میں دکھائی دیتا اس کا سجا سنورا روپ دیکھ کر مخمور لہجے میں بولا۔

میرون گھیرے ہرے اور پیلے چنری کے گھاگھرے اور قمیص میں ملبوس کانوں میں موتیے کے بالے ڈالے' دونوں نازک کلائیوں کو ہم رنگ ریشمی چوڑیوں سے سجائے نین کٹوروں میں کاجل کی دھار کھینچے واقعی وہ آج قیامت سے کم نہیں لگ رہی تھی اس روایتی تیاری میں۔

"آہم۔۔۔ آہم۔" سامعہ نے اپنا گلا زور سے کھنکھار کر جیسے اسے اپنی موجودگی یاد دلائی تو وہ سٹپٹا کر قدرے شرمندہ سا ہو گیا۔

"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔" وہ گھبرا کر شدید پریشانی سے بولی۔ "کیوں روکو گے تم گاڑی' اچھا۔۔۔ اچھا پلیز میں کچھ نہیں کہہ رہی' مگر ذرا جلدی چلا لو نا اچھے بھائی نہیں ہو۔" اس نے لجاجت سے کہا اس کے ضبط کا

پیمانہ لبریز ہو گیا تھا۔

صورت حال پر بے ساختہ سامعہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"سامعہ!" وہ دہاڑا تو سامعہ ایک دم چپ ہو جانے کی اداکاری کرنے لگی۔

"میں نے تم سے کچھ کہا نہیں تھا؟" وہ دانت کچکچا کر یاد دہانی کروانے والے لہجے میں بولا تو معصوم سامعہ کو فوراً" ہی کچھ یاد آ گیا۔

"اوہ ہاں۔" اس نے دھیرے سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "ذرا کسی فلاور شاپ پر گاڑی تو روکنا جاسن! میں مسٹر اینڈ مسز شان ندیم اختر کے لیے کوئی اچھا سا بکے ہی لے لوں' ایسے خالی ہاتھ چلے جانا تو اچھا نہیں لگتا۔"

"اس نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور وہ تو جیسے منتظر ہی تھا۔ دو منٹ کی ڈرائیو پر پھولوں کی دکان تھی' جھٹ وہاں جا کر گاڑی روک دی۔

"اوہ ہو۔" بریقہ بری طرح جھنجلا گئی۔ "اب کیا میں اس حلیے میں تمہارے ساتھ دکان کے اندر جاؤں گی' خود تو تم نے سمپل سا شلوار سوٹ پہن لیا اور مجھے خواہ مخواہ میں ہیروئن بنا ڈالا آج۔"

"ریلیکس ڈیئر۔" وہ ہاتھ اٹھا کر اسے شانت کرنے والے لہجے میں بولی۔ "تم بیٹھو۔ میں بس دو منٹ میں آئی۔" وہ چٹکی بجا کر بولی اور آن واحد میں گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتی بریقہ نے لب واپس بھینچ لیے۔

اور جاسن نے ایک ٹھنڈی سانس کھینچی۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا' اسے جو کہنا تھا جلدی کہنا تھا۔

"بریقہ۔" اس نے بہت سنجیدگی سے پکارا تو نظروں سے سامعہ کا تعاقب کرتی بریقہ نے بہت چونک کر بے ساختہ اس کی جانب دیکھا۔

"کیا ہوا؟" اس نے چڑے چڑے سے لہجے میں جیسے پتھر پھوڑا تھا۔ وہ تو پہلے ہی اس صورت حال سے غیر آرام دہ محسوس کر رہی تھی۔

"چند باتیں ہیں۔" وہ ہنوز سنجیدہ' مگر بے حد مضبوط لہجے میں گویا تھا۔ "یا صفائیاں سمجھ لو جو میں تمہیں اپنی دینا چاہتا ہوں۔"

"اچھا؟" وہ تعجب سے بولی۔ "مگر وہ کیوں؟"

"میں جانتا ہوں۔" اس کے تعجب بھرے انداز پر بے ساختہ اس کے لبوں کی تراش میں خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ "میرے بارے میں تم بھی اوروں ہی کی طرح سوچتی ہو شاید۔" وہ ذرا سا اداس ہو گیا۔

"لیکن میں لوگوں سے کبھی شکوہ نہیں کرتا' نہ اپنی صفائیاں دیتا ہوں' دراصل میں عوام الناس کی اپنے بارے میں منفی رائے کی پرواہ کرتا ہی نہیں ہوں لیکن جن لوگوں کی پرواہ میں کرتا ہوں میرا سچ جاننا ان کا حق ہے۔" وہ آج خلاف معمول بہت نپے تلے الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے بردباری سے گفتگو کر رہا تھا۔ بریقہ بولی تو کچھ نہیں اس بار البتہ تحیر اس کی آنکھوں سے جھلکنے لگا۔

"نہ میں لاابالی ہوں' نہ پڑھائی چور اور نہ نکما۔" اس نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا جہاں اگلے جملے ترتیب دینے کے لیے توڑ دیا تھا۔ "دراصل زندگی گزارنے کا میرا اپنا نظریہ اور طریقہ ہے جو یقیناً" عام لوگوں سے ہٹ کر ہے تب ہی ان کی سمجھ میں آسانی سے نہیں آتا۔ میں نے اپنا لاسٹ سمسٹر بغیر کسی وجہ کے نہیں ڈراپ کیا تھا۔ میرے ایک دوست کو اپنی والدہ کے علاج کے سلسلے میں رقم درکار تھی جس کا بندوبست میں نے اور حارث نے دو چار اور لوگوں کے ساتھ مل کر کیا۔ امتحان کا کیا ہے' وہ تو میں نے بعد میں دے دیا' لیکن اگر ان کی زندگی چلی جاتی تو کیا لوٹ کر واپس آ سکتی تھی؟" وہ اب عقب نما شیشے میں نہیں' گردن موڑ کر باہر دیکھ رہا تھا۔

شیشے کے پار دکان میں کھڑی سامعہ بھی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ فریزر کھلوا کر مختلف پھول منتخب کر رہی تھی اور اندر گاڑی میں بریقہ اس کے منہ سے یہ سب سن کر دنگ رہ گئی۔

"نہیں۔ دن بھر اپنے دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی نہیں کرتا بریقہ! میں اور میرے تین ہم مزاج دوست ایک ایسے ادارے کی بنیاد رکھنے کی کوشش میں

بھاگ دوڑ کررہے ہیں جہاں ہم اپنے علاقے اور آس پاس کے لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے عملی طور پر کچھ کرسکیں۔۔۔ ہمارا ماننا یہ ہے کہ ہم کیوں کسی کا انتظار کریں۔ حکومت' این جی اوز' فلاحی ادارے' صاحب حیثیت افراد' وہ اگر اپنا رول صحیح طرح ادا نہیں کررہے تو نہ کریں۔ ہمیں تو اپنی کوشش کرنی ہے اور ہم وہی کررہے ہیں۔ دیکھو وقت کم ہے اور میں بھی باتوں باتوں میں کہاں سے کہاں جا پہنچا۔ ہاں تو میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ہرگز بھی اتنا برا انسان نہیں ہوں جیسا کہ شاید تم سمجھتی رہی ہو مجھے اور نہ ہی لڑکیوں سے فلرٹ کرنا میرا مشغلہ ہے اور نہ ہی انہیں تحائف دینا اور وہ جو زرق برق کپڑوں کا ڈھیر تم نے سامعہ کے کمرے میں دیکھ کر مجھ پر شک کیا تھا تو بتادوں۔" وہ محظوظ انداز سے مسکرایا تو اسے سنتی بریقہ کا دل چاہا کہ اس مار آستین کی اچھی طرح خبر لے جو فلاور شاپ میں جاکر واپس پلٹنا بھول ہی گئی تھی جیسے۔۔۔۔

"وہ ایک مستحق لڑکی کی شادی کے سلسلے میں کی جانے والی شاپنگ تھی۔" وہ یہاں تک بتا کر ذرا دیر کو خاموش ہوگیا۔ یہ اس بے پرواہ' لاابالی کھلنڈرے غیر سنجیدہ مزاج لڑکے کی شخصیت کا کون سا پہلو تھا؟ یہ جان کر بریقہ دم بخود رہ گئی تھی۔

"میں نے اپنی جانب سے تمہیں ساری "صفائی" دے ڈالی ہے۔" کچھ توقف کے بعد وہ ذرا بے چینی سے لہجے میں دوبارہ لب کشا ہوا۔ "مگر اب تم بھی تو کچھ کہونا۔۔۔"

"میں کیا کہوں؟" وہ احمقانہ انداز سے بولی۔ "مجھے تو یہی سمجھ میں نہیں آرہا کہ تم اس وقت مجھے یہ سب کیوں بتارہے ہو؟"

"حق ہا۔" اس نے بے اختیار ایک بے بس ٹھنڈی سانس لے کر گاڑی کی چھت کی جانب دیکھا۔

"جتنی فیاضی قدرت نے تمہاری صورت بناتے وقت دکھائی ہے' کاش وہ یہاں تھوڑی سی کمی کرکے وہ کمی تمہارا دماغ ڈیزائن کرتے وقت پوری کردیتی تو کتنا اچھا ہوتا۔"

وہ اس وقت بریقہ کی حماقت پر اتنا بھنایا کہ بس سر پیٹنے کی کسر رہ گئی۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا؟ ہیں؟ کیا مجھ میں عقل نہیں ہے۔" بریقہ نے آنکھیں پھیلاتے ہوئے منہ بنا کر اسے بے طرح گھورا۔۔۔ مگر اسے کیا پتا چلتا اس کی تو پشت تھی بریقہ کی جانب۔۔۔

"مطلب تو فوراً" تمہاری سمجھ میں آگیا۔" وہ لڑاکا عورتوں کی طرح چمک کر اس کی جانب گھوما۔

"اور یہاں اتنی دیر سے جو میں صاف صاف انداز سے تمہیں بتانے کی کوشش کر رہا ہوں وہ تمہارے سر سے گزر رہا ہے۔" اس نے طنزاً" ہاتھ نچایا۔

"صاف صاف کیا بتا رہے ہو۔" وہ بھی بھڑک کر بولی۔ خوامخواہ فری ہو رہا تھا ایک تو ویسے ہی دیر ہو رہی تھی۔ "اپنے "عبدالستار ایدھی" ہونے کے قصے سنا رہے ہو۔ سن لیے۔۔۔ مان بھی لیا۔ بولو اب کیا کروں اس میں سمجھنے والی کون سی بات آگئی؟" وہ سخت برافروختہ ہو گئی۔

"محبت کرتا ہوں تم سے۔" جب احمق محبوبہ بلاواسطہ کچھ سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتی تو کیا فائدہ مزید لفظ ضائع کرنے کا۔ اس لیے اس نے کہا تو اس بار صاف اور سادہ الفاظ میں ہی تھا مگر آنکھوں میں خمار اور لبوں پر الوہی مسکراہٹ آپوں آپ ہی آٹھہری۔۔۔

دوسری طرف بریقہ کے تاثرات اتنے ہونق ہو گئے جیسے کوئی لٹیرا پستول تانے اس کے سر پر کھڑا اس سے اس کا موبائل چھیننے کی کوشش کر رہا ہو۔

"اپنانا چاہتا ہوں تمہیں۔ بہت اچھی لگتی ہو تم مجھے۔۔۔ آج سے نہیں بہت عرصے سے۔ میں اپنی "صفائیاں" تمہیں سامی سے بھی دلوا سکتا تھا" لیکن میں نہیں چاہتا کہ ہمارے درمیان کوئی پل کا کردار ادا کرے تو اب بتاؤ کیا جواب ہے تمہارا؟" وہ تو یہ اظہار سن کر ہی حواس باختہ تھی جواب طلبی پر بالکل ہی بوکھلاہٹ کا شکار ہو گئی۔

"یہ تم کیا۔۔۔ میں کیا۔" مارے گھبراہٹ کے اس کے منہ سے بے ربط قسم کے الفاظ ادا ہوئے ادھر وہ اس کی حالت کا اندازہ کر کے بڑے جاندار انداز سے مسکرا دیا۔ "تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟" بمشکل اپنے لہجے اور الفاظ کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پا کر وہ ڈپٹنے والے لہجے میں بولی۔

"کہاں رہ گئی کم بخت سامعہ ' آبھی جا۔" اور دل ہی دل میں سامعہ کو پکارا' صد شکر وہ اب کاؤنٹر پہ پیسے دیتی دکھائی دے رہی تھی۔

"باتیں تو اور بھی ہیں کرنے والی۔" جاسن نے زیادہ دیر اسے پریشان کرنا نامناسب خیال کرتے ہوئے اپنا رخ دوبارہ ونڈ اسکرین کی جانب موڑ دیا۔ "لیکن پھر کبھی سہی ۔۔۔ آج کے لیے یہی بہت ہے۔ پہلے اس پر غور کرنے کے بعد جواب دے دو' باقی پھر دیکھیں گے۔" وہ زیر لب معنی خیزی سے مسکرا رہا تھا۔ اس کے پراعتماد انداز پر وہ بری طرح تنک گئی۔

"کتنے بڑے ڈکٹیٹر ہو تم اپنی بہن کی طرح۔" وہ کچھ دیر پہلے والی کیفیت سے باہر نکل آئی تھی۔ "تمہیں یہ خوش فہمی کیوں ہے کہ میں اقرار ہی کروں گی؟"

"اس کا پہلا اور افسانوی جواب تو یہ ہے محترمہ کہ خلوص اپنا آپ منوا ہی لیتا ہے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "جب کہ دوسرا اور سچا جواب یہ ہے کہ تم کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل سامی سے تو مشورہ کرو گی ہی۔۔۔ بس کر لے گی وہ تمہیں ہینڈل۔" مسکراہٹ اب اونچے سے قہقہے میں تبدیل ہوئی اور بریقہ کا جی چاہا کہ اس کا سر پھاڑ دے۔

"بھول ہے تمہاری کہ میں اس معاملے میں اس جانب دار سامی سے مشورہ کروں گی۔" وہ دانت کچکچا کر تنبیہہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ تب وہ بڑے ہی جذب سے بولا۔

"سامی سے واقعی مت کرنا' بس ایک بار اپنے دل سے ضرور پوچھ لینا۔۔۔ سیانے کہتے ہیں کہ وہاں سے ملنے والے جواب کبھی غلط نہیں ہوتے۔" پتا نہیں کیا تھا اس کے لہجے میں کہ وہ جو طیش میں تھی یکایک مسحور ہو گئی۔

"آئی ہوپ... میں نے واپس آنے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا ہوگا۔" ٹھیک اسی وقت جب محبت دو دلوں کی دھڑکن ایک تال پہ لے کر آرہی تھی سامعہ واپس آگئی۔ اس کا مخاطب یقیناً" جاسن تھا۔

وہ دھم سے گاڑی کی سیٹ پر یوں گری جیسے کوئی بہت بھاری کام سرانجام دے کر پلٹی ہو۔ "تم شاید غلط جملہ کہہ گئیں۔" مخاطب سامعہ کا جاسن تھا جواب بریقہ نے دیا۔

"جملہ میرا صحیح ہے۔ تم اس کی فکر مت کرو اور لو پکڑو اپنی یہ امانت۔" اس نے برا سا منہ بنا کر بہت ہی خوب صورت سا بکے اس کے ہاتھ میں تھمایا تو جاسن بے ساختہ احتجاجاً" چلا اٹھا۔

"یہ چیٹنگ ہے سامی... یہ بکے تو میں نے منگوایا تھا۔"

"ہاں تو تمہاری ہی طرف سے دیا ہے اسے۔" وہ جتا کر بولی۔ مارے خفت کے بریقہ کا چہرہ گلنار ہو گیا۔ "اب کیا تم میرے سامنے تھماتے اسے یہ بکے نہیں بھئی کم از کم میں تو اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی تہذیب و تمدن کا یوں خون ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ محبت و جت سب اپنی جگہ مگر ان سب باتوں میں احتیاط...."

"خدا کا واسطہ تمہیں چپ ہو جاؤ سامی۔" جاسن نے بھنا کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔ "بہت اچھا کیا جو تم نے یہ بکے میری طرف سے اسے تھمادیا۔ اس صدی میں اس سے اچھا اور اخلاقیات کے عین مطابق کام ممکن ہی نہیں تھا۔" وہ گاڑی تیزی سے سڑک پر لے آیا۔

"کوئی مجھ سے تو پوچھ لو کہ مجھے یہ بکے قبول ہے بھی یا نہیں۔" ان دونوں کی بحث نے بریقہ کا دماغ گھمادیا۔

"لو... اب تمہیں کیا اعتراض ہو گیا بھئی؟ آخر خرابی ہی کیا ہے اس بکے میں، پورے بیس پچیس منٹ کی محنت سے ایک ایک پھول خود منتخب کر کے تیار کروایا ہے میں نے اور تم اسے قبول کرنے سے انکار کررہی ہو؟" سامعہ دایاں ہاتھ نچا کر شرم دلانے والے لہجے میں باقاعدہ جرح پر اتر آئی۔ جاسن نے بے ساختہ بیک ویو مرر میں دکھائی دیتا اس کا متذبذب چہرہ دیکھا۔

"میں قبول کرنے سے انکار نہیں کررہی مگر...." وہ الجھے ہوئے لہجے میں بولی تو جاسن اس کا لہجہ محسوس کر کے بول اٹھا۔

"رہنے دو سامعہ... اگر وہ لینا نہیں چاہ رہی تو اسے فورس مت کرو... اپنے پاس محفوظ کرلو اس امید کے ساتھ کہ بہت جلد ان گلابوں کی مہک اسے پوری آمادگی کے ساتھ منزل تک کھینچ لائے گی...." اس کا لہجہ بہت گمبھیر تھا۔ بریقہ کا دل دھڑک اٹھا۔ شاید وہ غلط نہیں کہہ رہا تھا۔

"یعنی میں نے خوامخواہ میں پیسے ضائع کیے۔" سامعہ کف افسوس ملنے لگی۔

"نہیں... ویسے بھی تم یہ گلدستہ شان اور ہنی کے لیے لینے گئی تھیں ناں؟" بریقہ نے طنزیہ انداز سے اسے یاددہانی کروائی۔ "تو انہیں دے دیتا۔"

"خبردار۔" سامعہ غصے سے انگلی اٹھا کر بولی۔ "یہ مہنگا اور اچھا والا ہے۔ ان کے لیے تو میں نے یہ لیا ہے۔" اس نے دائیں ہاتھ میں دبوچی دو ملفوف کلیاں آگے کیں۔

"ویسے تم بھی حد کردیتی ہو سامعہ!" بریقہ دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑی۔ سامعہ نے بے پروائی سے یوں کندھے اچکادیے گویا کہہ رہی ہو "دیکھ لو۔ بس ایسی ہی ہوں میں۔"

البتہ جاسن اس بار کچھ نہیں بولا۔ بس یوں ہی زیرلب مسکراتے ہوئے مہارت سے کار ڈرائیو کرتا رہا۔ یوں بھی جو اسے کہنا تھا وہ کہہ چکا تھا اسے تو بس اب انتظار کرنا تھا۔ گلابوں کی منزل تک پہنچنے والے دلربا مسافر کا....!

سعود فاطمہ سنی

یہ لمحے لوٹا کے دو

"چلو مریم پہلے کینٹین چلتے ہیں۔ قسم سے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے ہیں۔" جیسے ہی بریک ہوئی زوہا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کینٹین کی طرف کھینچا۔

"ارے یہ کیا' پہلے میری بات تو سن لو بھوکی کہیں کی۔" مریم نے اسے دھپ رسید کرتے ہوئے زبردستی روکا۔

"کیا ہے یار کہا تو ہے صبح ناشتہ نہیں کیا۔ مرنے کے قریب ہوں۔" زوہا نے رونی صورت بنا کر کہا تو مریم کو ہنسی آ گئی۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ زوہا بھوک کی کتنی کچی ہے۔ وہ اگر صبح ناشتہ کر بھی لیتی تب بھی بریک میں ضرور کھاتی اور اپنے ساتھ مریم کو بھی کھلاتی۔

"وہ اصل میں آج میرا روزہ ہے تو تم کینٹین اکیلی چلی جاؤ۔" مریم نے رکنے کی وجہ بتائی تو زوہا کی آنکھیں پھٹیں۔

"آئے ہائے یہ رمضان کب شروع ہوا مجھے تو کوئی علم نہیں۔"

"رمضان تو شروع نہیں ہوا مگر روزے ضرور رمضان کے ہیں جو قضا ہو گئے تھے۔" مریم نے اطلاع فراہم کی۔

"اوہ! چلو پھر میں بھی نہیں جاتی' آج گزارہ کر لوں گی۔" زوہا اب اس کا ہاتھ پکڑ کر گراؤنڈ کی طرف لے جا رہی تھی جہاں تقریباً سارے ہی طالب علم الگ الگ گروپ کی شکل میں بیٹھے گپ شپ اور کھانے میں مصروف تھے۔

"تم ایسا کرو یہیں اپنے لیے کچھ منگوا لو ورنہ سچ مچ فوت ہو جاؤ گی۔ اور مجھ میں قطعی سکت نہیں کہ اس روزے کے حالت میں تمہارے لیے بین کروں۔" مریم نے بیٹھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"چھوڑ یار! پھر تمہارا ابھی دل کرے گا کھانے کو۔" زوہا نے ہمدردی سے کہا تو مریم نے آنکھیں نکالیں۔

"اتنی کچی لگتی ہوں میں تمہیں بھوک کی۔"

"یار تم کچی نہیں ہو مگر مجھے اچھا نہیں....."

"تم چپ کر جاؤ بس۔" مریم نے اس کی بات درمیان میں کاٹ کر خود ہی اس کے لیے سموسے اور چٹنی منگوائی۔ کیونکہ وہ یہ چیزیں شوق سے کھاتی تھی۔

"ویسے یار ہمت ہے تمہاری روزہ رکھنے کی۔" اس نے سموسہ چٹنی میں ڈبو کر کھانا شروع کر دیا۔

"لو' اس میں ہمت کی کیا بات ہے۔ اتنے چھوٹے چھوٹے تو دن ہیں' پتا بھی نہیں چلتا۔" مریم نے چٹکی بجائی۔

"وہ تو ہے۔ دن تو بے شک چھوٹے ہیں مگر اتنی سردی میں سحری کرنا اف! توبہ۔" زوہا ایک کے بعد ایک سموسہ ہڑپ کرتی جارہی تھی اور تبصرہ بھی۔

"یار میں کون سا خود بناتی ہوں۔ چچی جان سحری تیار کر کے مجھے جگاتی ہیں۔ اور میں جا کر نوش فرمالیتی ہوں۔"

"کیا؟ تمہاری چچی تمہارے لیے آدھی رات کو سحری بناتی ہیں۔" مریم کی بات پر زوہا کو تو جیسے کرنٹ ہی لگا تھا۔

"کیوں تمہیں کوئی شک ہے کیا؟" مریم نے فائل اس کے سر پہ دے ماری تو زوہا بے چاری ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"وائے ری قسمت! یہاں لوگ پھپھیوں سے لاڈ اٹھوا رہے ہیں اور ایک ہم ہیں جنہیں دیکھ کر ہماری بھابھی صاحبہ کو فلو ہونے لگتا ہے۔" زوہا نے کچھ اس مسکینی سے کہا کہ مریم کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا۔

"ویسے آپ کو دیکھ کر تو بھابھی کو فلو ہونے لگتا ہے مگر آپ کو انہیں دیکھ کر کیا ہونے لگتا ہے؟" مریم نے شرارت سے سرگوشی کی۔

"مجھے کچھ نہیں ہوتا انہیں دیکھ کر۔" زوہا نے سنجیدگی سے کہا تو مریم بھی شرارت چھوڑ کر شرافت کے جامے میں آگئی۔

"اچھا چھوڑو اداس نہ ہو' یہ چھوٹی موٹی چپقلشیں تو ہوتی رہتی ہیں۔"

"کیسی چھوٹی موٹی چپقلشیں یار! میں تنگ آگئی ہوں روز روز کی ان چھوٹی موٹی چپقلشوں سے۔" زوہا نے جھنجلا کر کہا تو مریم نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو زوہا! تمہاری بھابھی کو بیاہ کر آئے ہوئے صرف چند ماہ ہی ہوئے ہیں اور کسی کو جاننے' سمجھنے کے لیے یہ انتہائی قلیل مدت ہے۔ نہ تو وہ تمہاری مزاج آشنا ہوئی ہیں اور نہ ہی تم انہیں سمجھ پائی ہو اور پھر تم کسی سے کم ہو کیا؟ تم بھی تو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہو۔" مریم نے بڑی صفائی کے ساتھ اسے آئینہ دکھایا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی دوست تھی اور مخلص دوست اپنے دوست کا ہمیشہ بھلا ہی چاہتا ہے۔ اس کی خامیاں اس کے منہ پر بیان کرتا ہے تاکہ وہ اسے سنوارے اور مریم بھی یہی کررہی تھی۔

"زوہا یار! یہ تو تم جانتی ہو نا کہ کچھ لینے کے لیے کچھ دینا پڑتا ہے۔" مریم نے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

"بھابھی کا پیار حاصل کرنے کے لیے تمہیں بھی انہیں پیار دینا ہوگا۔ تھوڑی لچک تم لاؤ گی اپنے رویے میں تو تھوڑی وہ بھی لائیں گی

اور ویسے بھی جس مسئلے کا کوئی برابر حل نہ ہو۔ وہاں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر عمل کرنا چاہیے۔" مریم نے بڑی اپنائیت سے بات ختم کی مگر جواباً" زوہا خاموش رہی۔

☆ ☆ ☆

شبانہ بیگم کی تین اولادیں تھیں۔ بڑی بیٹی شیریں شادی شدہ اور دوسرے شہر میں تھی۔ اس کے بعد بیٹا تھا شہروز جو ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں بہت اچھی پوسٹ پر تھا اور ابھی کچھ عرصہ قبل ہی شادی کے بندھن میں بھی بندھا تھا جبکہ سب سے چھوٹی زوہا تھی جو کہ ابھی پڑھ رہی تھی۔

شہروز بھائی کی شادی کے کچھ دنوں تک تو سب ٹھیک تھا مگر آہستہ آہستہ بات بگڑنے لگی۔ زوہا اور نمرہ (بھابھی) کی باتیں تو تو میں میں سے شروع ہوتیں اور پھر بڑھنے لگتیں اور جھگڑے کی وجہ اکثر کام کرنا ہوتا۔ دونوں کی سوچ تھی کہ وہ دوسرے سے زیادہ کام کرتی ہیں۔

شبانہ بیگم جہاں دیدہ خاتون تھیں۔ نہیں چاہتی تھیں کہ گھر کا نظام بگڑے۔ ویسے بھی وہ بہو کو بیٹی سے کم نہیں سمجھتی تھیں تب ہی گھر کا کام دونوں میں برابر

تقسیم کر دیا۔ اور زوہا چونکہ پڑھتی تھی تو شبانہ بیگم نے اس کے حصے کے کچھ کام اپنے ذمے لے لیے جس پر بھابھی کو بھی کوئی اعتراض نہ تھا۔

کچھ دنوں تک تو سب کچھ ٹھیک چلا مگر پھر وہی حالت شروع ہو گئی۔ دونوں اپنے اپنے حصے کے کام نبٹاتیں مگر پھر بھی کچھ ایسا ہو جاتا جس پر دونوں میں تکرار شروع ہو جاتی۔

ابھی بھی زوہا سنک کے آگے کھڑی برتن دھو رہی تھی اور ساتھ میں مریم کی باتوں کو بھی سوچ رہی تھی۔

''واقعی بھابھی اگر سیر ہیں تو میں بھی تو سوا سیر ہوں بقول مریم کے اینٹ کا جواب پتھر سے دیتی ہوں۔

ہم انسان بھی عجیب ہوتے ہیں' چاہتے ہیں کہ ہر کوئی ہماری عزت کرے' ہمیں پیار دے مگر جواباً'' خود اسے کچھ دینے کی کوشش نہیں کرتے۔

ہم بھول جاتے ہیں کہ ہم جب کسی سے توقعات رکھیں گے تو جواباً'' وہ بھی ہم سے ایسی ہی امید رکھے گا۔ کچھ دینا پڑے گا جب ہی ہمیں بھی کچھ ملے گا۔

''زوہا میں شہروز کے ساتھ امی کی طرف جا رہی ہوں۔ ہو سکتا ہے رات وہیں ٹھہر جاؤں۔ تم پلیز' صبح ناشتہ بنا لینا۔'' نمرہ نے کچن میں آکر اسے بتایا تو اس نے کھلے دل سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے بھابھی! میں کرلوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔''

اور کچن کی طرف آتی شبانہ بیگم نے بے ساختہ انگلی دانتوں تلے دبالی۔ کیونکہ وہ کب ان دونوں کے ایسے رویے کی عادی تھیں مگر یہ تو شروعات تھی آگے اور بھی حیرانی کے پہاڑ گرنے تھے۔

☆ ☆ ☆

آج اتوار تھا اس لیے گھر کی تفصیلی صفائی ہوتی تھی اور یہ کام زوہا ہی کی ذمہ داری تھا۔ اتوار کو بھابھی چونکہ بھیا کے ساتھ لیٹ ناشتہ کرتی تھیں سو زوہا نے امی کے ساتھ ناشتہ کر لیا اور صفائی میں جت گئی دو گھنٹے میں اس نے لاؤنج کچن اپنے اور امی کے کمرے کو جیسے چمکا دیا مگر

اس کی اپنی حالت دیکھنے لائق ہو گئی تھی۔ جب ہی واش روم میں گھس گئی۔ فریش ہو کر نکلی تو دماغ کے ساتھ ساتھ جسم بھی ہلکا پھلکا ہو گیا تھا مگر پھر بھی بیڈ پر لیٹ گئی۔ اتوار کا فائدہ اٹھانے کیونکہ ویسے بھی اب وہ شام تک فارغ ہی تھی۔

اور پھر ایسی سوئی کہ دوپہر بارہ بجے ہی خبر لائی۔ سو کر اٹھی تو صبح والی تکان کا شائبہ تک نہ تھا۔ کچن میں آکر دیکھا تو بھابھی لنچ کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنے لیے فریج سے سیب نکالا اور آکر امی کے ساتھ بیٹھ گئی۔ جو ٹی وی پہ اپنی پسندیدہ سیریل دیکھ رہی تھیں۔ معاً'' اس کے کانوں میں بھیا کی آواز پڑی جو بھابھی کو بلا رہے تھے اور وہ انہیں انتظار کا کہہ رہی تھیں۔

''لائیں بھابھی! یہ باقی کام میں دیکھ لوں گی۔ آپ جائیں بھیا کب سے آپ کو بلا رہے ہیں۔'' زوہا نے اس کے ہاتھ سے ڈوئی لے کر ہانڈی میں چلا کر کہا جو تکمیل کے مراحل میں تھی۔

اور اس سے پہلے کہ بھابھی کچھ مروت دکھاتیں بھیا کی آواز ایک بار پھر آئی اور بھابھی جلدی سے ''تھینک یو زوہا'' کہہ کر چلی گئیں اور زوہا کو پتا نہیں کیوں ایسا کرتے ہوئے دلی سکون سا ملتا گیا۔ حالانکہ اسے ابھی اپنے اور امی کے کپڑے بھی استری کرنے تھے۔ ویسے تو وہ استری شام کو کرتی تھی۔ مگر آج شام کو امی کے ساتھ چونکہ خالہ کی طرف جانا تھا جو کہ زیادہ دور نہیں تھا اور پھر نتیجتاً'' وہی ہوا۔ ابھی آدھے کپڑے بھی استری نہیں ہوئے تھے کہ امی سر پہ پہنچ گئیں۔

''ناں تو مجھے بتا تجھے چلنا ہے میرے ساتھ کہ نہیں۔

اب اتنی لیٹ جائیں گے تو کیا رات کو واپس آئیں گے۔'' امی نے گھوریوں کے ساتھ کہا۔

''چلتی ہوں امی! مگر آپ پلیز تھوڑا ویٹ کرلیں ناں' پھر لائٹ کا تو آپ کو پتا ہے۔'' زوہا منمنائی۔

اور بھابھی جو کسی کام سے کچن کی طرف جا رہی تھیں ادھر آگئیں۔

"زوہا! امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ابھی سے جاؤ گی تو آنے میں آسانی ہوگی ورنہ تو رات ہو جائے گی۔ یہ کپڑے میں استری کرلوں گی۔" بھابھی نے اس کے ہاتھ سے استری لے کر خود کرنا شروع کردی اور زوہا "تھینک یو" کہہ کر کمرے میں چلی گئی۔ جبکہ امی بیگم انگشت بدنداں تھیں۔ نند بھاوج کا یہ پیار ان سے کچھ ہضم نہیں ہو رہا تھا مگر بے ساختہ دل سے ان دونوں کے ہمیشہ یوں ہی پیار محبت سے رہنے کی دعا نکلی۔

اور قبولیت کی گھڑی کون سی ہے یہ کوئی نہیں جانتا۔

زوہا بہت خوش تھی۔ مریم کی باتوں پر عمل کرنے کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ پچھلے ایک مہینے سے گھر میں امن واماں کے ساتھ دوستانہ فضا بھی قائم ہوگئی تھی جس میں زیادہ ہاتھ بے شک زوہا کا تھا۔ مگر نمرہ بھی فطرتاً اچھی لڑکی تھی۔

زوہا نے مصلحت کی راہ اختیار کی تو نمرہ نے بھی خود کو بدل لیا۔

اس وقت بھی وہ دونوں کچن میں بری طرح مصروف تھیں۔ شہروز کے کچھ دوست آرہے تھے رات کھانے پر اور باری چونکہ زوہا کی تھی اس لیے وہ پیش پیش تھی۔ مگر نمرہ بھابھی بھی اس کی ساتھ برابر لگی ہوئی تھیں۔

"بھابھی! آپ یہ سلاد کاٹ لیں جب تک میں یہ برتن دھولوں گی۔" زوہا نے سبزی کی ٹوکری بھابھی کو تھمائی اور خود برتن دھونے کھڑی ہوگئی۔

"زوہا بیٹا تمہارا فون بج رہا ہے۔" ابھی وہ برتن ختم بھی نہیں کرپائی تھی جب لاؤنج سے امی کی آواز آئی۔

"ضرور مریم کا ہوگا۔" اس نے دل میں سوچا اور جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔

"جاؤ زوہا تم بات کرلو یہ باقی میں دھولوں گی۔" بھابھی نے چھلکے ڈسٹ بن میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ میں کرلوں گی بس آپ جاکر میرا فون اٹینڈ کرلیں اور اگر مریم ہو تو کہہ دیں کہ نہ میں آرہی ہوں اور نہ وہ آئے۔"

"ارے یہ کیا؟ تم نہیں جارہیں تو اس کو کیوں منع کر رہی ہو۔" بھابھی حیران ہوئی تھیں اس کی بے تکی بات پر۔

"ارے بھابھی یار! وہ مجھ سے ملنے نہیں بلکہ کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرنے آرہی ہے اور اس سچویشن میں 'میں اس کے ساتھ ٹیسٹ کی تیاری کیا 'بات بھی نہیں کرپاؤں گی۔" زوہا نے مریم کے آنے کے مقصد کے ساتھ ساتھ اپنی مصروفیت بھی بتادی جس کے جواب میں بھابھی بڑبڑا کر نکل گئیں۔

"ہوگئی بات 'کیا کہہ رہی تھی؟" بھابھی دو منٹ بعد واپس آئیں تو زوہا نے ان سے پوچھا۔

"ہاں ہوگئی بات میں نے کہہ دیا کہ زوہا نہیں آسکتی 'تم آجاؤ۔"

"کیا؟ میں نے کیا کہا تھا آپ کو اور آپ نے کیا کہہ دیا۔" زوہا نے چیخ کر کہا تو بھابھی نے کانوں پہ ہاتھ رکھ لیے۔

"افوہ! ایک تو تم بولتی بہت اونچا ہو اور ہاں اب جاکر اپنا حلیہ درست کرلو۔ یہ باقی میں دیکھ لوں گی۔" بھابھی نے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے برتن لے لیے اور اسے باہر جانے کے لیے کہہ دیا۔

"اتنا سارا کام باقی ہے 'آپ کیسے کریں گی؟"

"ارے کوئی زیادہ نہیں ہے۔ میں کرلوں گی۔ ویسے بھی سب تقریباً "ریڈی" ہے تم جاؤ شاباش!" بھابھی نے اس کی بات کاٹ کر اسے زبردستی باہر دھکیلا۔

"اللہ! کتنی اچھی بھابھی ہیں میری جو میری پڑھائی کا اتنا خیال کررہی ہیں۔ اللہ سب کو ایسی بھابھی دے۔" زوہا نے سوچتے ہوئے مسکرا کر اپنے کمرے کے جانب قدم بڑھائے۔

جبکہ ادھر بھابھی بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ "میری نند کتنی معصوم اور پیارے دل کی مالک ہے۔ جو میری وجہ سے اپنی پڑھائی پر بھی کمپرومائز کو تیار ہے۔ اللہ سب کو ایسی نند دے۔"

اس چھوٹے سے اصول کچھ لو اور کچھ دو نے دونوں کی زندگی سہل کردی تھی۔

☆

ثناء رضا

حسن آرا ہے اور....

صحرا کا آگ اگلتا سورج ' شدید پیاس ' پھوڑے ' پھنسیوں سے بھرا جسم وہ سب کچھ بھول چکا تھا۔ نام ' عہدہ ' شخصیت ' رشتے ' محبت ' نفرت.... اس لمحے اسے اپنے گناہ یاد آرہے تھے ' وہ اللہ کو پکار رہا تھا۔

ماہ رو ' اریبہ ' حلیمہ اور حسن المآب کالج میں دوست تھیں۔ ماہ رو کا آزاد خیال اور ماڈرن گھرانے سے تعلق ہے۔ اریبہ ایک مڈل کلاس فیملی سے ہے اور بڑی بہنوں کے رشتے نہ ہونے سے پریشان رہتی ہے۔ حلیمہ کا تعلق ایک بہت مذہبی گھرانے سے ہے۔ حسن المآب غیر معمولی حسین ہے۔ اس نے سن شعور سے اپنے گھر میں شریعت کے احکام سے اور مذہب کی سختی سے پابندی دیکھی ہے۔ مفتی عبید الرحمٰن اس کے نانا تھے۔

حسنل کا خاندان تبلیغ دین کے لیے مشہور تھا۔ جبکہ حلیمہ کے گھر والوں کی حیثیت ان کے مریدین جیسی تھی۔ حلیمہ کے والد کی انتہا پسندی کی وجہ سے حلیمہ کی بڑی بہن اور دو بھائیوں کے رشتے نہ ہو سکے تھے۔

حلیمہ اپنے والد کا پرتو تھی ' جبکہ حسنل اپنے مذہبی ماحول سے شدید بے زار تھی۔

مکمل ناول

میری اپنی خالہ زاد کی شادی میں شرکت کرنے چرچ جاتی ہے۔ وہاں دولہا یوحنا اسے شکوہ بھری نظروں سے دیکھتا ہے۔ یوحنا نے پہلے اس کے لیے رشتہ دیا تھا۔ ماما کو بھی شدید رنج ہے کہ میری نے یوحنا کے رشتے سے انکار کیوں کیا۔
حسنل کے لیے عبدالمبین اور عبدالمتین کا نام لیا جاتا ہے۔ جن سے حسنل شدید نفرت کرتی ہے۔
حسنل ماہ رو اور اریبہ کے شدید اصرار پر ایک میوزک کنسرٹ میں جاتی ہے۔ وہاں موسیٰ بی کو دیکھتی ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جس شخص کو وہ اپنے تصورات میں دیکھتی رہی ہے۔ وہ موسیٰ بی ہے۔ اس کا خیال پیکر مجسم ہو کر سامنے آگیا تھا۔

عقیلہ بیگم اس کے آنے سے بہت خوش تھیں۔ ان کا پوتا ساری زندگی ان سے دور رہا تھا۔ ان کا پوتا ماورائی حسن کا مالک تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ بے حد نازک مزاج بھی تھا۔ خصوصاً" کھانے کے معاملے میں اس کے ہزار نخرے تھے۔ انہوں نے اس کے لیے خاص طور پر شیف رکھا تھا۔

حسنل کی تصورات کی دنیا موسیٰ بی سے آباد تھی۔ موسی انڈین میوزک ڈائریکٹر کی چال بازیوں سے دل برداشتہ ہو کر پاکستان اپنا کیریئر بنانے آگیا۔ جہاں چالاک اور نسبتاً" بڑی عمر کی اداکارہ شہرزاد عیسائی نے اسے گھیر لیا اور دونوں ہی اپنے مفادات کی خاطر دوستی کے رشتے میں بندھ گئے۔

سعد حسن نے دور اندیشی سے کام لے کر محی الدین سہگل کو اپنا داماد بنالیا۔ جو کہ مفتی عبید الرحمٰن کا کلاس فیلو تھا۔ محی الدین سہگل نے ذہانت کے بل بوتے پر خوب ترقی کی اور اسی دوران وہ ایک بیٹے بدر الدین کا باپ بن گیا۔ بدر الدین کی آمد سہگل اور عقیلہ کے لیے ڈراؤنا خواب تھی۔ وہ صرف کیریئر بنانا چاہتے تھے۔

وہ اپنے دوستوں ایڈورڈ اور کیلاش کے ساتھ تفریح کی غرض سے نکلا تھا۔ مگر ایڈونچر کے شوق میں راستہ بھٹک گیا۔ اس کے دوستوں نے اسے بہت ڈھونڈا مگر وہ صحرا میں کہیں کھو گیا تھا۔

خدیجہ بانو نوعمری میں بیوہ ہوگئی تھیں۔ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے بل بوتے پر پالا۔ خدیجہ بانو کے اپنے بھائی اور اس کی فیملی سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ خدیجہ بانو کا بیٹا ماریہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ ماریہ عیسائی ہے۔ دونوں کے خاندان اس رشتے کے لیے تیار نہیں۔ مگر ماریہ اور مُنّا دونوں ہی کسی معجزے کے منتظر ہیں۔

اپنے اپنے تحفظات کے ساتھ ماریہ اور منے کی فیملی مان جاتی ہے اور دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ماریہ کے والدین اس سے قطع تعلق کر لیتے ہیں۔ خدیجہ اور ماریہ کے درمیان روایتی ساس بہو والی چپقلش نہیں۔ ماریہ عملی مسلمان بننے کی کوشش کرتی ہے، مگر خدیجہ بانو اس کے عقائد کے بارے میں شک میں پڑ جاتی ہیں۔

حسنل کو اس کی سہیلیاں سمجھاتی ہیں کہ موسیٰ کا حصول ایک خواب ہے مگر حسنل اسے اپنی دعاؤں کا حصہ بنا لیتی ہے اور اسے پانے کے لیے نیک بن جاتی ہے۔ اس کی یہ کوشش اس کے نانا سے مخفی نہیں، مگر وہ اصل بات نہیں جانتے۔ موسیٰ نئی نئی ماڈلز کے ساتھ کام کرتا ہے، جس پر شہرزاد چراغ پا ہو جاتی ہے، مگر حقیقت کا ادراک کر کے موسیٰ سے دوبارہ دوستی کر لیتی ہے۔

محی الدین سہگل نے بدر کی تربیت کے لیے فلپ اینڈرسن کو رکھا تھا۔ وہ ایک ہوس ناک مرد تھا جس نے بدر کو لوٹ لیا۔ بدر لندن تعلیم حاصل کرنے جاتا ہے، فلپ اس کے ساتھ ہے، مگر ایک حادثے میں فلپ ہلاک ہو جاتا ہے۔ فلپ کی موت بدر الدین کو توڑ دیتی ہے۔ وہ اپنے ماں باپ سے برگشتہ ہو کر اسکارلٹ کی دوستی میں پناہ تلاش کرتا ہے جو بلا کی مے نوش ہے۔

کیلاش اسے تلاش کرنے میں اور وہ صحرا میں راستہ تلاش کرنے میں ناکام ہو گیا ہے۔ اب اس کی تلاش ملکی سطح پر ہو رہی ہے کیوں کہ وہ برطانوی شہریت رکھتا ہے۔

جیک کی دوست اس کی محبت میں گرفتار ہے اور خود بھی اس کی تلاش کا عزم رکھتی ہے۔ محی الدین سہگل اپنے پوتے سمیع الدین کے ساتھ کچھ بے باک لڑکیوں کو دیکھ کر خدشات کا اظہار کرتے ہیں مگر سمیع ان کی تسلی کرا کے اپنی شادی کے سارے اختیارات انہیں سونپ دیتا ہے۔

ماریہ اور خدیجہ بانو کے درمیان تناؤ آ جاتا ہے۔ ماریہ چار بچوں کی ماں بن جاتی ہے۔ منے کا ایک روز ایکسیڈنٹ ہو جاتا ہے تو ماریہ کا بھائی ڈیوڈ اسے خون دیتا ہے۔ اسی اسپتال میں ماریہ کے والد بھی داخل ہوتے ہیں۔ ماریہ محبت سے مجبور ہو کر دوبارہ اپنے گھر والوں سے تعلقات قائم کر لیتی ہے۔ خدیجہ بانو سخت برا مانتی ہیں۔ ان کی پوتی میری اپنی دادی اور ماں کی چپقلش سے متاثر ہوتی ہے۔ شہرزاد ہر موقع پر موسیٰ بی کی پسند ناپسند کا خیال رکھ کے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرتی ہے۔ وہ صحرا میں بے بسی سے کسی مدد کا منتظر ہے۔ اس بات سے بے خبر کہ عالمی میڈیا اس کی جانب متوجہ ہو چکا ہے اور اس کی تلاش کے لیے ہیلی کاپٹر سے مدد لی جا رہی ہے۔

خاندانی شرافت پر یقین رکھنے والی لڑکی کی تلاش میں محی الدین سہگل اپنے حلقے میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ مفتی عبید الرحمٰن ان کی توجہ ان کوتاہیوں کی طرف دلاتے ہیں جو بدر الدین کی پرورش کے سلسلے میں ان سے ہوئی تھیں۔

حسنل چھپ چھپ کے ریڈیو پر موسیٰ بی کے گانے سنتی ہے۔ صبغہ اسے ٹوکتی ہے اور اس کے پاس موسیٰ کی جیکٹ بھی نکلتی ہے، مگر حسنل اپنی زبان درازی کے آگے اس کی ایک نہیں چلنے دیتی۔

موسیٰ بی اور شہرزاد کو پرستار گھیر لیتے ہیں۔ وہیں قریب ماہ رو بھی ہوتی ہے، وہ بھی موسیٰ کی شخصیت سے متاثر ہو جاتی ہے۔ موسیٰ کی رفاقت نے شہرزاد کو خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے۔ خدیجہ بانو نے میگی کا نکاح اس کی پسند کو دیکھتے ہوئے ذیشان سے کروا دیا۔ میری کے لیے سمیع الدین کا رشتہ آتا ہے۔ دونوں خاندان ایک دوسرے کو پسند کر لیتے ہیں مگر میری کسی ایسے شخص سے شادی کے لیے تیار نہیں، جس کی ماں کا مذہب دوسرا ہو۔ اور اس حوالے سے وہ اپنی دادی کو موردِ الزام ٹھہراتی ہے۔

اسے صحرا میں بھٹکتے تین دن و رات گزر جاتے ہیں' اس کی تلاش کی کوششیں ناکام ہوجاتی ہیں۔ اس کی حالت خراب ہونے لگتی ہے جیک کی دوست اس کے حوالے سے بے حد پریشان ہوتی ہے۔

چھٹی قسط

"انکار!" محی الدین سہگل نے بے یقینی سے عقیلہ بیگم کو دیکھا۔

"جی۔" عقیلہ بیگم نے قصوروار نہ ہوتے ہوئے بھی سرجھکالیا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے بھلا۔ میں ابھی بات کرتا ہوں خدیجہ بانو سے اچانک کیسے مکر سکتی ہیں' کوئی وجہ بھی تو ہو۔" انہوں نے فون گود میں رکھ لیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" خدیجہ بانو کا لہجہ بے حد شکستہ تھا۔ محی الدین سہگل کو حیرت ہوئی۔

"آپ کو وجہ بتانی ہوگی۔" ان کا لہجہ دھونس بھرا تھا۔ "یہ میری اور میرے پوتے کی کھلی بے عزتی ہے۔" وہ آگ بگولہ ہونے لگے تھے۔

"وجہ کو آپ رہنے دیں محی الدین صاحب۔۔۔ اللہ کو منظور ہی نہیں تھا۔" خدیجہ بانو کی آواز میں شکستگی اتر آئی۔

"دیکھیے خدیجہ بانو۔!" محی الدین کی آواز ابھری۔

"وجہ تو مجھے جاننی ہی ہے۔ اگر مجھے آپ' آپ کا گھرانہ اور بچی پسند آئی تھی تو آپ کی پسندیدگی بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی بلکہ اگر صاف گوئی سے کہوں تو آپ زیادہ پرجوش تھیں۔ اب یہ اچانک انکار۔"

ان کے انداز میں غم وغصے کے ساتھ ساتھ رعونت بھی جھلکنے لگی تھی۔

خدیجہ بانو نے اتنا ٹھنڈا سانس بھرا کہ محی الدین تک کو اس ٹھنڈک کا احساس ہوا۔

"آپ کو دکھ ہوگا محی الدین۔۔۔!" وہ متامل تھیں۔

"دکھوں کے سوا پایا ہی کیا ہے۔ آپ کے انکار کا دکھ کیا کم ہے۔"

وہ شکستگی سے بولے۔

"آپ وجہ بتایئے۔ اعتراض دور بھی کیا جاسکتا ہے۔ آپ تو بالکل ہی پیچھے ہٹ گئیں۔" وہ نئی امید سے بولے۔ لہجہ جوشیلا ہوگیا۔ دوسری طرف خدیجہ بانو کے لیے آواز کی لرزش پر قابو پانا ناممکن ہوگیا۔

"بعض اعتراضات دور کرنا انسان کے بس میں نہیں ہوتا محی الدین۔۔۔!"

"نہیں۔۔۔ سب کچھ ہوسکتا ہے۔ کون سا ایسا کام ہے جو نہیں ہوسکتا۔ آپ کہیے میں نہ کروں تو میرا نام بدل دیجیے گا۔" ان کے اندر کی افسر شاہی کو گویا ضرب لگی تھی۔

"دنیا میں کچھ کام کبھی نہیں ہوسکتے۔۔۔ جیسے اپنا باپ نہیں بدلا جاسکتا۔ ویسے ہی جیسے سمیع الدین کی ماں کو نہیں بدل سکتے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ شتابی سے بولے' پہلو بھی بدلا۔

"میرو نے منع کیا ہے۔۔۔ وہ ایسے کسی شخص سے شادی نہیں کرنا چاہتی جس کی ماں۔۔۔ اور جو خود دو مذاہب کی سرپرستی میں پلا بڑھا ہو اور۔۔۔ اور۔۔۔"

"آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ میں سمجھ نہیں پارہا۔" ریسیور تھامے ہاتھ سے پسینہ پھوٹا تھا۔ عجلت ان کے ہر انداز سے عیاں تھی۔ عقیلہ بیگم بھی کچھ آگے سرک آئیں۔

اور کھل کر بتانے کے لیے خدیجہ بانو کے پاس بہت کچھ تھا۔ کچھ لپیٹ کر۔۔۔ کچھ کھول کر ساری تفصیلات بتادیں۔ محی الدین کا چہرہ متغیر ہوگیا' رنگت سفید سے زرد اور زرد سے سیاہ ہوگئی۔ سیاہ پر دوسرا کوئی رنگ چڑھتا نہیں۔ ادھر خدیجہ بانو نے سب کچھ کہا بس وہاں سے آگے نہ گئیں جب میرو نے کہا تھا۔

"اور اس کی وجہ آپ ہیں دادی جان۔"

⭐ ⭐ ⭐

"وہ رئیلی...!" سمیع الدین کا چہرہ اچنبھے کے باعث بگڑ گیا۔ "وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے اس لیے... یہ آنسر کچھ میچ نہیں کر رہا ان کے بیک گراؤنڈ اور باڈی لینگویج سے..."

محی الدین اور عقیلہ بیگم ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ کتنا سرسری لہجہ اپنایا تھا۔ کچھ تضحیک کے ساتھ... جیسے اچھا ہوا اس لڑکی سے جان چھوٹ گئی جو کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ اس نے ایک سیکنڈ میں مسترد کر دیا۔

اور یہاں تک بھی محی الدین بڑی مشکل سے آئے تھے۔ ورنہ فون بند ہوتے ہی انہوں نے وہ طوفان اٹھایا تھا۔ اسکارلٹ کو یاد کر کے کوس کوس کر... اس کی وجہ سے اس کی نحوست...

اور عقیلہ بیگم نے سر پکڑ لیا۔ ان کی سوچیں منتشر تھیں ہغم و غصہ اور حیرت... معصوم سی دکھائی دینے والی وہ لڑکی جو بلی کے بچے گن رہی تھی اور جس نے سفید یونی فارم کی جیب کچے امرودوں سے بھر رکھی تھی۔ جو کچھ خفا دکھا دیتی تھی اور پھر گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جب وہ ان دونوں کے دوستانہ انداز کے باعث گھل مل گئی اپنی پڑھائی کا بتایا۔ دوستوں کا' استادوں کا شرارتوں کا...

اپنی ساری دنیا شیئر کرلی۔ وہ اتنی گہری بات کرے گی۔ ایسا انکار اور ایسا جواز اور پھر اس کی مضبوطی کا عالم... وہ قائم تھی اپنے انکار پر اور ارادوں پر...

اور غم یہ تھا ایسی نتھری ستھری لڑکی ہی کی تو ضرورت تھی انہیں...

اور غصہ... سب باتیں اپنی جگہ... مگر اس نے انکار کیوں کیا۔ انہیں انکار۔ ان کے سمیع الدین کو منع کر دیا۔

اور محی الدین نے بدر الدین کو فون ملایا تھا۔ یہاں دن تھا' وہاں رات۔

بدر الدین کا لہجہ مخمور تھی اور آواز لڑکھڑائی سی... پیچھے شور تھا' گلاس گر گیا تھا۔ چھناکے کی آواز کے ساتھ ایک تاسف زدہ آواز... پھر گلاس کا غم منایا جانے لگا۔

اسکارلٹ چلانے لگی' وہ گھٹنوں کے بل جھک گئی تھی اور چلانے لگی تھی' بدر فون بند کرے' کتنا نقصان ہو گیا تھا اور بدر محی الدین کو سن رہا تھا۔ وہ اسے نہ جانے کون سا قصہ سنا رہے تھے۔ آخر وہ کہنا کیا چاہتے تھے۔ وہ لاکھ کوشش کے باوجود سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

وہ حسب عادت اسکارلٹ کو کوس رہے تھے۔ نہ جانے اس نے اب کیا کر دیا تھا۔ حالانکہ وہ تو گھر سے نکلی ہی نہیں' وہ قسم کھا سکتا تھا۔ وہ صبح شام ایک دوسرے کے ساتھ رہتے تھے تو پھر ڈیڈی کا نقصان کیسے کر سکتی ہے۔ آخر وہ اتنا غصہ کیوں ہو رہے ہیں۔

اور... یہ سمیع کا کیا ذکر... کیا ہوا اس کے سمیع کو۔

"کیا ہوا سمیع کو؟" اس نے بے تابی سے سوال داغا۔

مگر محی الدین کو جواب سے غرض نہیں تھی۔ انہیں تو بس کہنا تھا کہ کیسے ایک بار پھر اسکارلٹ کا منحوس سایہ ان کے پوتے کی زندگی پر... مگر دوسری طرف اسکارلٹ ایک اور بوتل لے آئی تھی اور اس نے بدر سے فون چھین کر پٹخ دیا تھا۔

اور محی الدین بہت بھڑک کر میرو کے انکار کی وجہ سمیع الدین کو بتانا چاہتے تھے۔ چیخ چیخ کر... اور گالیوں کے ساتھ بددعاؤں کے تڑکے سے...

مگر عقیلہ نے بھی منع کیا تھا اور ایک روز مفتی عبدالرحمٰن نے بھی منع کیا تھا اور پھر محی الدین سہگل نے خود بھی تو اس روز سمیع الدین کے چہرے کے رنگ اور آنکھ کا غم دیکھا تھا نا... اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ کبھی ان کی طرف سے اسے ضرر پہنچے (ضرر وہ بھی... روح پر...)

"اوکے... اٹس اوکے..." سمیع نے لاپروائی سے کہا اور باہر نکلنے لگا۔

"لیکن...!" محی الدین اور عقیلہ بیگم مدھم' مگر پرسکون انداز میں آپس میں کچھ بات کر رہے تھے۔ نکلتے ہوئے کچھ جملے سمیع الدین کے کانوں میں پڑ گئے۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ،
حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ،
سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی،

جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ادھورے... بے ربط مگر چونکاتے سے...

"سمیع تو فوراً" مان گیا۔ اس نے کوئی بحث کی ہی نہیں۔" محی الدین کا لہجہ پرسکون تھا۔

"ہاں تو اس کی کون سی جذباتی وابستگی تھی۔" **عقیلہ** بیگم نے بہت آسان توجیہہ پیش کردی۔

"ہوم... مگر اس کی اسکار سے تو جذباتی وابستگی ہے نا۔" سمیع چونکا۔ وہ کچھ سمجھا، کچھ نہیں سمجھا۔ تو وہ وجہ نہیں تھی جو اسے بتائی گئی مگر کیوں... اور پھر وہ اصل وجہ کیا ہو سکتی ہے۔ ایک چبھن سی دل میں رہ گئی۔

بہت لاپرواہ، بہت سارا برٹش... تھوڑا سا پاکستانی تو تھا نا۔ کبھی بھی موقع ملے تو پوچھے گا ضرور... رشتے سے صفا انکار کے بعد "میرو" سے ملنے کی خواہش پیدا ہو گئی تھی۔ طلب سچی تھی۔

اور پھر یہ خواہش جلد پوری بھی ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

حسنل بیڈ پر چت لیٹی تھی۔ اس کے پورے وجود پر ایک سناٹے کی کیفیت طاری تھی۔ وہ پلکیں جھپکائے بنا پنکھے کو دیکھ رہی تھی۔ پہلے تو اک ہٹ دھرمی اور میں نہ مانوں کے زیر اثر رہنے سے سکون تھا جو اس نے سوچ لیا۔ طے کر لیا وہی درست ہے، مگر وہ جو دوستوں کی نصیحتوں نے پتھر پر قطرے والا کام کر دکھایا تھا۔

وہ سوچنے لگی تھی۔ جو وہ چاہتی ہے وہ کیونکر ہو سکے گا؟

"مگر جب اللہ کچھ کرنا چاہتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ سبب بن جاتے ہیں اور انسانی عقل ششدر رہ جاتی ہے۔"

"اور اگر نہ ہوا...؟" کتنی بار تینوں دوستوں نے یہ سوال کیا تھا اور اس نے ہر بار نئے جواب سے انہیں مطمئن کر دیا تھا۔ بات کہیں سے بھی شروع ہوتی اسی سوال پر رکتی تھی۔

اور اب وہ اس پہلو پر گھنٹوں سوچنے لگی تھی کہ اگر ویسا نہ ہوا جو وہ چاہتی ہے۔

تب وہ کیا کرے گی؟ ہاں تو پھر وہ کبھی دعا نہیں مانگے گی۔ اس نے کیسے دھمکایا تھا؟

دینے والے کا تو کچھ نہیں جاتا نہ مانگنے والا ہی گھاٹے میں رہتا ہے۔

دعا چھوڑنے کا مطلب ہوتا ہے آپ اللہ کو چھوڑ رہے ہیں۔

دعا کی منکری... اللہ کی منکری... نعوذباللہ...

ایسے لوگوں کو پھر حرف عام میں ناشکرا کہا جاتا ہے۔

بندگی تو یہ ہے کامل یقین سے مانگا جائے اور نہ ملنے پر سجدہ ریز ہو جایا جائے۔ میں راضی، میرے مالک میں راضی... جو تو چاہے جو تیرا فیصلہ... اور پھر صبر مانگا جائے۔ شکر ادا کیا جائے۔

ایسے تو نہیں ناں کہ پھر میں... استغفراللہ...

(ایک تو منگتا اوپر سے نخرے... فقیری تو عجز ہی سے سجتی ہے ناں۔)

تو وہ بھی کیا عام لڑکیوں کی طرح... اس بے وقوفانہ عشق کو بھول کر گھر بسائے گی۔ شوہر، بچے، مسئلے مسائل۔

بڑی خوش آئند بات تھی حسن المآب یہاں تک سوچنے لگی تھی۔ کہاں تو عقل کی بات شروع ہوتے ہی یوں بھڑکتی جیسے کسی نے دیا سلائی دکھادی ہو تو یہ بڑی مثبت تبدیلی تھی۔

اور یہ بڑا ہی مبارک وقت تھا۔ اسے کچھ غلط ہو جانے کا احساس ہو رہا تھا۔

"سو رہی ہو حسنل..." اسے پتا ہی نہ چلا کب امی اس کے سر پر کھڑی ہو گئیں۔

"اوہ... نہیں بس یوں ہی لیٹی تھی۔" وہ اٹھ بیٹھی۔

"سب کے دھلے کپڑے الماری میں چلے گئے۔ تمہارا ڈھیر یوں ہی پڑا ہے۔" وہ خفگی سے تہ شدہ کپڑوں کو دیکھ رہی تھیں۔ "یہ پکڑو اخبار... حشر ہوا پڑا ہے الماری کا' کیسے چیزیں ٹھنسی ہوئی ہیں۔" وہ پٹ کھول کر کھڑی ہو گئیں۔

"میں کر لیتی ہوں امی۔۔۔!" وہ تیزی سے آئی۔

"ہاں، تم نے کرلیا اور میں نے کروالیا۔ نئے کپڑے ملنے پر پرانے کو صدقہ کردینا چاہئیں بیٹا۔ ماسی کی بیٹی تمہارے قد کاٹھ کی ہے۔ وہ منہ سے نہ کہے مگر معلوم ہے۔"

"اوہ اچھا اچھا۔ میں دے دیتی ہوں، میں نے پہلے ہی الگ کردیے تھے۔" وہ ماں اور الماری کے بیچ حائل ہوگئی۔ "چلو یہ تو اچھا ہے۔"

امی اس کے دیے کپڑوں کی حالت چیک کرنے لگیں۔ کپڑے بہت اچھی حالت میں تھے۔

"یہ نیلے والا تو ابھی تم نے ایک دوبار ہی پہنا تھا۔"

"جی۔۔۔ مگر یہ مجھے بہت کھلا ہو گیا ہے۔" امی نے اسے سر تا پا دیکھا۔

"بہت کمزور ہو گئی ہو حسنل۔۔۔!"

"میں، نہیں تو امی۔۔۔!"

"میں ماں ہوں۔" امی نے خفگی سے کہا۔ "کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ بیٹا۔!"

"نہیں کوئی پریشانی نہیں امی۔۔۔ ہاں بس وہ ایگزام ہونے والے ہیں۔"

"سر میں درد بھی تھا دو دن سے۔۔۔" اس نے کنپٹی مسلی۔

"تو بیٹا! بیماری بتاتیں تو علاج شروع ہوتا ناں۔" حسنل نے بے ساختہ ماں کو دیکھا۔ وہ سادگی سے کہہ کر۔۔۔ اخبار کھول کر دینے لگیں۔

"پہلے اخبار بچھاؤ پھر پرانا ململ کا دوپٹا اس کے بعد کپڑے رکھو۔"

"جی جی۔۔۔"

"اور اپنا سفید نگ والا جوتا بھی دے دو۔۔۔" امی اٹھ گئیں۔ "ویسے تو موچی جوڑ دیتا، مگر تم کو اب نہیں پہننا۔۔۔ جوتا گانٹھ کر پہننا تو سنت نبوی ہے، مگر خیر تمہاری مرضی۔۔۔ ماسی کی بیٹی کو آجائے گا۔"

اور کوئی وقت ہوتا تو وہ سخت بے زاری کا مظاہرہ کرتی۔ اس گھر میں ہر بات "مثالوں" سے ثابت کی جاتی تھی۔

مگر اس وقت اس کے ہوش معطل ہو گئے تھے۔ اخبار کے کھلے ورق پر موسیٰ بی کی تصویر جگمگا رہی تھی۔ اور سارا فساد یہ ہی تھا نگاہ پڑتے ہی سب سے پہلے عقل رخصت ہوئی۔

بس نظر رہ جاتی تھی اور دل، جو دھڑکنے لگا تھا۔

امی نجانے کیا کیا کہتے ہوئے کمرہ سمیٹ رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عقیلہ بیگم کا جوش و خروش اور پھولتی سانس دیدنی تھی۔ وہ پورچ ہی میں ٹہل رہی تھیں۔

"خیریت ہے ناں؟ میں اچھا خاصا بازی جیت رہا تھا۔ تم نے بلا لیا۔"

"آپ سنیں گے ناں تو خوش ہو جائیں گے۔" وہ ان کا ہاتھ تھام کر انہیں ساتھ لیے اندر کی جانب بڑھیں۔

"میں نے سمیع کے لیے دلہن ڈھونڈلی ہے۔" دونوں ہاتھ پھیلا کر انہوں نے بے پناہ خوشی کا اظہار کیا۔

"ارے!" ان کی خوشی محی الدین سہگل کے لیے حیرانی کا باعث تھی۔

"آپ تو شاید مفتی صاحب کے گھر سالانہ ذکر و دعا کی مجلس میں گئی تھیں۔"

"ہاں ناں بالکل، میں تو سارا وقت لڑکیاں ہی دیکھتی رہی۔ سب اچھی تھیں، مگر سہگل صاحب۔۔۔! طویل دعا کے بعد جب منہ پر ہاتھ پھیر کے آنکھیں کھولیں وہ میرے عین سامنے۔ یا اللہ۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ سوچ نہیں سکتے وہ کیسی بچی ہے۔ جب وہ اتنی خوب صورت شکلیں گھڑتا ہے تو خود کتنا حسین ہوگا۔" عقیلہ گویا جھوم رہی تھیں۔

محی الدین نے کشن کو اپنی پشت پر سیٹ کیا۔ وہ آرام دہ حالت میں بیٹھ تسلی سے انہیں سننے لگے۔

"پھر کچھ نام پتا، فون نمبر۔۔۔؟" وہ شوخی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

"ناں... نہیں..." عقیلہ کے ماتھے پر تیوریاں چڑھیں۔

"ایک جھلک دکھا کر ایسی غائب ہوئی کہ مجھے لگا' وہ کوئی وجود نہیں تھی میرا تصور تھا جو زندہ ہو کر آگیا تھا۔"

"تو اب کیسے پتا لگے گا۔ کیا نام پکارتی گلی گلی صدائیں لگائیں گی۔" ایسی ٹوٹی پھوٹی کھوج محی الدین کو ملال ہونے لگا۔

"گلی گلی کیوں؟ ان کے گھر چلتے ہیں' میں وہاں نشانیاں بتاؤں گی گھر والوں کو تو خبر ہوگی ناں..."

"اتنے مجمع میں کتنی صورتیں یاد رکھیں گے۔" وہ نروٹھے پن سے بولے۔

"آپ بھی بس... وہ تو اپنے نام کی ایک ہی تھی۔ اندھا بھی پہچان جائے اور نام کا مجھے اندازہ ہے' کوئی حلیمہ حلیمہ پکار رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر گئی۔ اس کا رنگ روپ' آنکھیں' ہاتھ پیر' سبحان اللہ... ماشاء اللہ۔" وہ جھوم رہی تھیں۔ "سمیع اس کے سامنے دھیما پڑ جائے۔ یقین کریں میں حیران رہ گئی منہ پر ہاتھ پھیرا آنکھیں کھولیں تو عین سامنے... ماشاء اللہ... واہ۔"

☆ ☆ ☆

محی الدین نے سارا قصہ فون پر مفتی عبیدالرحمٰن کے گوش گزار کیا اور گھر آنے کا وقت لیا۔

"آپ ہی کا گھر ہے مولانا... چشم ماروشن دل ماشاد۔ جلد تشریف لائیں اور بھابی محترمہ کو بھی..."

عقیلہ بیگم کے پیروں میں گویا پہیے لگے تھے۔ وہ محی الدین سہگل سے ایک قدم آگے چل رہی تھیں۔ ٹیبل پر شام کی بہترین چائے سجی تھی۔ ہر چیز رنگ و ذائقے میں بہترین تھی۔ کل تو وہ فقط سلام دعا اور گلے مل کر آگئی تھیں۔ آج تفصیلی ملاقات میں تعارف اور گفتگو بڑھی۔

ایک مفتی صاحب کی بیوہ بیٹی تھی اور دو ان کی بھابیاں اور ایک شادی شدہ بیٹی عقیلہ بیگم نے سمیع کے حوالے سے خواہش و خدشات کو ڈھکا چھپا کر بتایا۔

"مجھے وہ بچی بے حد پسند آئی۔ مجھے بس اسی کو اپنی بہو بنانا ہے۔ آپ پلیز میری ہیلپ کریں۔"

"ہم سے جو ہو سکے گا ہم ضرور کریں گے۔" عبیدہ بیگم نے انہیں تسلی کرائی۔ بھابیوں نے بھی سر زور زور سے ہلائے تھے۔

"ماشاء اللہ بہت ہی پیاری بچی... سفید و گلابی شلوار قمیص میں تھی۔ خیر سفید تو سب نے پہنا تھا۔ ہاں اسے حلیمہ کہہ کر پکارا گیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"ارے حلیمہ... ! خالہ جان وہ تو..." چھوٹی بھابی زور سے ہنسی تھیں۔ باقی خواتین بھی مسکرانے لگیں۔ "آپ جانتی ہیں اسے...؟" عقیلہ بولیں۔

"بالکل جانتے ہیں۔ کیوں نہیں جانتے۔ حسنل کی دوست ہے۔ بہت ہی اچھے لوگ ہیں۔ یہیں اسی لین کے شروع میں گھر ہے۔ آپ کے راستے میں آیا تھا ابھی۔" انعمتہ بے حد خوشی سے بتا رہی تھی۔

"حسنل' حسنل... ادھر آؤ ذرا۔" وہ سر گھما کر پکارنے لگی۔

ہلکے بسکٹی رنگ کے ڈھیلے شلوار قمیص میں جمائی لیتی' مندی خفا آنکھوں کے ساتھ وہ دروازے سے برآمد ہوئی۔

شہد رنگ ملائم چوٹی بائیں جانب اور سیاہ دوپٹا ذرا سا سر پر رک کر دائیں کندھے سے گزرتا زمین کو چھو رہا تھا۔

"ابھی تو میری آنکھ لگی تھی اور... جگا..." اس کی نظر عقیلہ بیگم پر پڑی اس نے سرعت سے دوپٹا ڈھونڈا پھر سر پر سیٹ کیا۔

"السلام علیکم!" وہ پوری طرح جاگ گئی۔

"سوری۔" اس نے حاضرین سے معذرت کی۔ انعمتہ صوفے پر کھسک کر جگہ بنانے لگی۔

عقیلہ بیگم کے ہونٹوں سے کپ لگا تھا۔ بمشکل گھونٹ نگلا وہ یک دم کھڑی ہو گئیں۔

"یہی ہے... یہی... یہ ہے وہ لڑکی... جو کل مجھے

سمیع کے لیے اچھی لگی۔ ارے میرے اللہ۔۔۔ ادھر آؤ بیٹی۔۔۔"حسنل نا سمجھی کے عالم میں آگے بڑھنے لگی پر انعمتہ نے اس کا ہاتھ پکڑ روک دیا۔ وہ حیرانی سے اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی اور سامنے خاتون کو۔

"معذرت خواہ ہوں خالہ جان! حلیمہ اس کی دوست ہے۔ کل وہ بھی تھی مجلس میں۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔"

"اور یہ حسنل ہے حسن المآب، میری چھوٹی بہن۔ نانا جان۔۔۔ مطلب مفتی عبیدالرحمن کی نواسی۔۔۔ اور اس کی بات طے ہے چھوٹی ممانی کے بھائی سے۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ بس اس کے امتحان کا انتظار ہے پھر شادی۔۔۔"

عقیلہ بیگم کے پیروں سے زمین سرک گئی۔ وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھی تھیں۔

حسن المآب کے سر پر چھت گر گئی۔ دھواں ریت، مٹی کنکر۔۔۔ اس کے منہ اور ناک میں، کچھ پل جاتے اور وہ جان دے دیتی۔

✡ ✡ ✡

عقیلہ بیگم بس رو دینے کو تھیں۔ حسن المآب کا چہرہ ایک پل کے لیے بھی آنکھوں سے ہٹ نہیں رہا تھا۔

عبیدہ بیگم سمیت باقی تمام کے چہرے کے تاثرات پل بھر میں اس قدر پتھر ہوئے کہ وہ چوٹ لگنے کا گمان کرنے لگیں۔ آداب میزبانی، رخصت کی سلام دعا وہ سب بھول بیٹھی تھیں۔ حسنل انعمتہ کے جلو میں واپس اندر غائب ہو گئی۔

دونوں بھابھیوں کے چہرے پر ناگواری کی تحریر جلی حروف سے لکھی تھی۔ عبیدہ بیگم کی مروت بھی اب رخصت کی منتظر تھی۔

"وہ آپ کی نواسی ہے۔۔۔ حسنل۔۔۔ حسن المآب!" عقیلہ بیگم کے ایک دم باہر گاڑی کے پاس آکر کھڑا ہونا محی الدین سہگل کے ساتھ ساتھ مفتی عبیدالرحمن کے لیے باعث تعجب تھا۔

عقیلہ بیگم کے سامنے کھڑے ہو کر نظر بردوں پر ٹکاتے وہ پوچھ بیٹھے۔ عقیلہ بھی نظر نہیں ملا رہی تھیں۔ مگر جواب دینے کے بعد وہ ڈھٹائی سے بغور ان کا چہرہ تکنے لگیں۔

وہاں یک دم چیختی ہوئی زمین یا زلزلے کے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ بدرالدین جیسے شرابی کا بیٹا اور محی الدین جیسے راشی کا پوتا سمیع الدین۔۔۔ کیسے ہو سکتا ہے۔

"کیسا سوال۔۔۔ کیسا جواب، کس لیے کھوج۔۔۔ یہ تو سامنے کی بات تھی۔ ان کے چہرے کا اگلا تاثر اگر عقیلہ عورت نہ ہوتیں تو منہ توڑ دینے جیسا تھا۔ مگر ضبط حد بھی ان کے علم و تربیت کا حصہ تھا۔

وہ اللہ حافظ کہنے کے لیے دروازے تک آئے تھے اور لینڈ کروزر کے کھلے دروازے کو تھامے کھڑے تھے۔ ہاتھ چھوڑ چار قدم پیچھے ہوئے۔ گویا آپ جا سکتے ہیں۔

محی الدین سہگل کو صورت حال کا اندازہ ہوا۔

عقیلہ نے گاڑی میں بیٹھ کر رونا شروع کر دیا، کسی نے کچھ نہیں کہا تھا، مگر شدید احساس ذلت۔۔۔ ہونہہ۔۔۔

اور۔۔۔

حسنل کا خوابیدہ حسن باکمال

آنکھوں کی حیرانی۔

نیم وا ہونٹ۔

اس کی آستینیں آدھی کلائی تک چڑھی تھیں۔

اور آدھی کلائی سے لے کر ہاتھ تک۔۔۔

بے داغ، نرم ملائم، ریشم، موم۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ ان کے رونے میں شدت آگئی۔

"سمیع الدین کا گھر، مستقبل، اس کے بچے، میں ان سب کے حوالے سے بہت متفکر رہتا ہوں۔ ذرا سی بھی غلطی میری پوری نسل کو بالکل انجام بد تک لے جائے گی۔ تم مان جاؤ مفتی عبید۔۔۔ تمہاری نواسی میری نسل کو سنوار دے گی۔ وہ ایک ایسا گھر بنائے گی جس کی مجھے خواہش ہے، جس کی ہمیں شدید ضرورت ہے۔"

"ایسا... ایسا نہیں ہے کہ..." محی الدین کو دفعتاً صفائی دینے کا خیال آیا۔ "مجھے اس کے لیے لڑکیاں نہیں مل رہی ہیں۔ مل رہی ہیں' بہت آسانی سے۔ لوگ ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ مگر وہ سب سمیع کو اپنے رنگ میں رنگ لیں گی اور ان کے رنگنے سب کے سب کچے اور پھٹے ہوئے۔ انجام کار تباہی و ناکامی... ڈب کھڑبے رنگ... اصل کی پہچان ناممکن... جبکہ... جبکہ تمہاری بچی... اس کی تربیت تمہارے ہاتھوں ہوئی ہے۔ وہ پارس ہے' جسے چھولے..."

محی الدین ان کی کلائی کو ہلکا سا چھوتے ہوئے **کھکھارہے تھے۔**

"اب تم اور کچھ مت کہنا سہگل ہے...!"

وہ دوستی' لاڈ' محبت اور مان کے ساتھ انہیں "مولانا" کہتے تھے۔ پتھر جیسا سہگل' انہیں اپنا نام کبھی اتنا برا بھاری' بدشکل نہیں لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں کہوں گی چھوٹی ماں سے کہ تمہیں بنالیں اپنی بھاوج' مگر خدا کے لیے میرا نام مت لیں۔" وہ جتاتی نگاہوں سے حلیمہ کو کہہ رہی تھی۔

"یہ تم اسے سزا سنا رہی ہو یا جزا کہہ رہی ہو۔" ماہ رو نے پوچھا۔

"میرے لیے تو کم از کم یہ سزا ہے۔ سزائے موت سے بدتر... ہاں اسے جزا ہی لگے گی۔ تمہیں سوٹ کرے گا عبدالمبین۔" وہ طنز کے تیر برسا رہی تھی۔

"عبدالمبین' حلیمہ کو بخش رہی ہو تو عبدالمتین بچ جائے گا۔ اس کے لیے تمہارا فیصلہ؟" اریبہ نے نہ بولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ اب جیسے بس ہو گئی تھی۔

"اسے تم لو... یو نو دین دار' نیک پرہیزگار ساری زندگی ثواب ثواب کھیلنا تم چاروں..." وہ بدتمیزی کی حد کو چھو رہی تھی۔

"تم بہت خودغرض اور بدتمیز ہو چکی ہو حسنل... خاموشی سے بڑی صفت کوئی نہیں' تمہیں دیکھ کر یقین آجاتا ہے۔ جب بھی بولنا مطلب سے' خودغرضی سے... نفرت کا اظہار کرنے کے لیے..."

"اور اب اگر تمہارا تجزیہ کروں تو تم انتہا درجے کی خودغرض لڑکی ہو اپنے مطلب کے لیے کچھ بھی کر گزرنے والی۔"

ماہ رو کا سارا وجود تاسف کے رنگ میں ڈھلا ہوا تھا۔ وہ تینوں لائبریری کے پچھلے والے حصے میں دو گھنٹے سے اس کے ساتھ پیش آنے والے واقعات سن رہی تھیں۔

"تمہیں یاد ہے اریبہ... وہ ثنا امتیاز' وہ جس نے ہمارے نوٹس والے جرنل جن پر نام' پتا' رول نمبر کچھ بھی درج نہ تھا کتنی ایمان داری اور کھوج کے بعد ہم تک پہنچائے تھے۔ نیو ایڈمیشن تھی۔ اکیلی گھومتی تھی۔"

حلیمہ اور اریبہ نے زور' زور سے سر ہلائے' جبکہ حسنل الجھی ہوئی' تنی ہوئی نگاہوں سے بے وقت کے ذکر کو سن رہی تھی۔

"ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا' اسے کینٹین میں خوب اچھی سی ریفرشمنٹ دی۔ اچھی لڑکی تھی۔ جب روز' روز آکر ہمارے پاس بیٹھنے لگی تو کیسے اس نے ناک بھوں چڑھا کر کہا تھا۔

"اسے اب چلتا کرو' کیا لسوڑے کی طرح جہاں دیکھو وہاں حاضر ہو جاتی ہے۔ ٹھیک ہے' ہم پر احسان کیا۔ ہمارے پورے سال کی محنت تھی' جرنلز میں... مگر ہم نے بھی تو شکریہ کہہ دیا' کھلا پلا دیا۔ اب پیچھا چھڑاؤ اس سے..." اور اتنے روکھے پھیکے انداز سے ملنے لگی کہ وہ بے چاری خود ہی شرمندہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ اب کبھی نگاہ بھی ملے تو مسکراتی نہیں۔

"اور یاد ہے جب جرنلز گم ہوئے تھے تو کیسے قسمیں' منتیں کرتی تھی۔ یااللہ ایک بار جرنل مل جائیں۔ پیر دھو دھو کر پینے تھے اس نے اور بعد میں..."

"اس سب بکواس کا مطلب...؟" حسنل نے کمر پر ہاتھ ٹکائے۔

"کوئی مطلب نہیں۔" ماہ رو کا لہجہ لاپروا ہو گیا۔

"جنہیں بتانا تھا۔ وہ سمجھ گئیں۔"
"تم بے حد مطلبی، خود غرض اور طوطا۔۔۔"
"بس کرو۔۔۔" حسنل نے ہاتھ اٹھائے۔ "تم سب لوگ میرے لیے کچھ نہیں کر سکتیں تو تقریر بھی مت جھاڑو۔"
"نہیں، نہیں، کیوں۔۔۔ ہم جاتے ہیں آنٹی کے پاس جو ساری بھڑاس تم نے یہاں نکالی ہے فضول۔۔۔ لاحاصل۔۔۔ ہم تمہارے دوست ہیں۔ تمہارے لیے اتنا تو کر سکتے ہیں کہ تمہارے دل کا حال گوش گزار کردیں۔ بلاوجہ کی ٹینشن ہے۔ عبدالمبین۔۔۔ عبدالمتین اور نہ ہی سمیع الدین، موسیٰ بی۔۔۔ بھئی واہ۔ دونوں بھائیوں میں ثانی بھی نہیں ہوگی۔" ماہ رو کا طنزیہ انداز طیش دلانے والا تھا۔ اور۔۔۔

حسنل کی قوت برداشت بہت کم۔۔۔ اس نے ٹوٹی ڈیسکوں پر رکھا اپنا بیگ ایک ہاتھ مار کے گرادیا۔ وہ کچھ بھی لیے بغیر پیر پٹختے ہوئے واک آؤٹ کر گئی۔

تینوں کو سکتہ سا ہو گیا۔

پھر اریبہ اٹھی۔ وہ بکھری کتابیں سمیٹتے ہوئے بے حد دل گرفتہ اور پریشان تھی۔ وہ کس کے کندھے پر سہارے کا ہاتھ رکھتی۔ باقی دونوں کا حال بھی کب مختلف تھا۔

"مجھے حسن المآب سے ڈر لگنے لگا ہے۔" حلیمہ بہت دیر بعد بولی تھی۔

"اور مجھے حسن المآب کے لیے ڈر لگتا ہے۔" ماہ رو نے کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تھے تو وہ ابا جان کے دوست اسکول، کالج کے زمانے میں۔۔۔ بڑے نام والے ہیں۔ اونچا عہدہ، پیسہ۔۔۔ پوتے کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہے ہیں۔ اب اچھے برے کا پتا نہیں۔"

"مگر دوستی اور چیز ہے، رشتے ناتے الگ معاملہ۔۔۔"

بڑی ممانی اپنی معلومات جو بس اتنی ہی تھیں، حاضرین محفل کے سامنے بیان کر کے اب سب کے تبصرے سننے کو ہمہ تن گوش تھیں۔

"لیکن اس میں ایسی خفگی کی کوئی بات بھی نہیں۔۔۔ بس بتا دینا کافی تھا کہ جب گھر میں رشتہ موجود ہے تو باہر کیوں جائیں۔" انعمتہ کے منہ میں تو ممانیوں کی زبان تھی۔

حسن المآب مٹروں کے ڈھیر کے پاس زمین پر بیٹھی تھی۔ دایاں زانو مڑا ہوا اور بائیں گھٹنے پر گال ٹکائے وہ بڑی "صم بکم" اور بڑی با بچی بنی تندہی سے مٹر چھیل رہی تھی۔

"میرا بس ایک بھائی رہ جائے گا۔ پھر اس کے لیے ذرا فکر ہے۔" چھوٹی ممانی خوشی و تفکر کے ملے جلے لہجے میں بول پڑیں۔

"حسن المآب تو بھئی خوش قسمت ہے۔ گیند اس کے کورٹ میں ہے۔ جس کا مرضی نام لے لے۔ عبدالمتین یا عبدالمبین۔۔۔" اس پر باجماعت رشک کیا جارہا تھا۔

سب اپنے نئے نئے ماڈرن ازم پر تفاخر سے گردن اکڑائے ہنس رہی تھیں۔

لیکن وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور تیز قدموں سے اپنے کمرے کی جانب چل پڑی۔ وہ شرما گئی تھی؟ گھبرا گئی تھی۔۔۔ یا۔۔۔ جھنا گئی۔

لیکن اس کے پیر کی ٹھوکر سے چھلے ہوئے مٹروں کی چنگیر الٹ گئی تھی۔ مٹر چاروں جانب ہر جگہ پھیل گئے۔

تیزی کے باعث ہڑبونگ کے سبب یوں ہونا کوئی بات نہیں، مگر امی اور انعمتہ نے چال کا جارحانہ پن دیکھ لیا۔ آنکھوں کے شرارے اور نتھنوں کا پھڑکنا۔

امی نے شرما گئی۔ انعمتہ نے گھبرا گئی۔ کی گنتری کی اور آگے پیچھے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

انعمتہ نے کسی انجانے خدشے کے تحت چٹخنی چڑھادی تھی۔

خدشہ ہتھیلی میں چھپے تار کی طرح رڑکتا تھا۔ حقیقت دل میں نیزے کی طرح گڑ گئی۔

"کیوں۔۔۔ کیوں۔۔۔؟ آپ سب لوگوں نے سوچا

بھی کیسے؟ مجھ سے کسی نے پوچھنا گوارا نہیں کیا۔"
"تو پوچھیں گے ناوقت آنے پر تم جس کا مرضی نام لے لینا۔" انعمتہ بولی۔
"نہیں۔ کیوں... یہی دو نام کیوں؟" یہ دونوں دنیا کے پہلے مرد ہیں یا آخری... کوئی تیسرا نام کیوں نہیں؟"
"لاحول ولا..." امی کے ماتھے پر پسینہ پھوٹا۔
"کیسا تیسرا نام... میں تو خدا تعالیٰ کا شکر بجالاؤں جو میرے لیے آسانیاں پیدا کر رہا ہے۔ میری زمانوں پرانی ہوگی۔ کیسی عزت سے گزری۔ یہ آخری فیصلہ بھی..."
"میرے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔" اس نے دانت پیستے ہوئے یاد دہانی کروائی۔ "شکر آپ کو کیوں ادا کرنا ہے۔ آپ کا شکر میرے لیے موت کے پروانے پر دستخط جیسا ہے۔ آپ کیوں...؟ کس کے دماغ کی اختراع ہے یہ احمقانہ بات۔" اس نے ہاتھ لہرا کر اندازے سے چھوٹی ممانی کے کمرے کی سمت دیکھا۔
"کون پاگل کا بچہ یہ فیصلہ کر رہا ہے؟
"حسنل!" امی کے منہ سے بہ مشکل نکلا۔ "ابا جان نے کہہ رکھا ہے ہمیشہ سے... کیا ہو گیا ہے تجھے۔ بڑے ہی ایسے فیصلے کرتے ہیں۔"
"بڑے غلط نہیں کر سکتے کیا؟"
"کیا غلطی ہے اس سب میں..." انعمتہ کا انداز جارحیت لیے ہوئے تھا۔ وہ اسے ایک تھپڑ مار کے چپ کروانے کی خواہش کو بہ مشکل روکے ہوئے تھی۔
"تو صحیح کیا ہے۔ آپ مجھے دیکھیں۔" اسے سنگھار میز کے قد آدم شیشے میں اپنا عکس دکھائی دے رہا تھا۔
ہلکے پیازی پھول دار کرتے شلوار میں گلابی گلاب دکھائی دیتی تھی۔ چوٹی صبح کالج جاتے وقت گوندھی تھی۔ اب بکھری، الجھی، چھوٹے چھوٹے بال ہوا سے چہرے پر ٹکراتے تھے۔ اس کے چہرے کا بے حد گلابی رنگ سرخی میں بدل رہا تھا۔ اس کے گال کا تل ہر جملے پر اپنے تاثرات ظاہر کرتا تھا۔ کبھی چھوٹا ہو کر، کبھی ڈمپل میں چھپ جاتا اور کبھی پل بھر کے لیے نمایاں ہوتا۔
"دیکھیں آپ مجھے... وہ دونوں سو بار پیدا ہو کر بھی میرے قابل ہو سکتے ہیں کیا؟" میں ایسے کسی آدمی کو غلطی سے بھی دیکھنا نہ چاہوں اور آپ انہی کو انعام کہہ کر میرے لیے رکھ رہی ہیں۔
"نفرت ہے مجھے ان کی شکلوں سے، حلیوں سے، چال ڈھال سے، ہر چیز سے..."
اس کا جسم تناؤ کا شکار اور لہجہ تیز اور اونچا ہو رہا تھا۔
صبغہ ابھی ابھی اندر آئی تھی۔ اسے صورت حال کے سیاق و سباق کی کچھ خبر نہیں تھی مگر اس کے جملے ہر معاملے کو کھولتے ہوئے تھے۔
"یہ ایک اور آگئی ہیں کولہو کا بیل... اندھی کانی... مگر مجھے آپ اس طرح الو نہیں بنا سکتی... میں ان جیسے جیون ساتھی کو اپنانے سے بہتر ہے موت کو گلے لگالوں اور میں یہ کر سکتی ہوں، کرلوں گی۔"
"خودکشی حرام ہے۔" صبغہ کے منہ سے بے تکا جملہ نکلا۔
"حرام زندگی جینے سے بہتر ہے کہ میں حرام موت کو گلے لگالوں۔" وہ چلائی۔
"وہ دبلے پتلے ہیں، تو کیا تم موٹے آدمی سے شادی کرنا چاہتی ہو۔" صبغہ کا اوپری حصہ آہستہ آہستہ خالی ہو رہا تھا۔ وہ پچھلی گیلری میں کھڑی انڈور پلانٹ کو اسپرے سے صاف کر رہی تھی۔ کھلی کھڑکی سے آتی آوازوں کو سن ہانپتی کانپتی پہنچی تھی۔
"دبلے اور موٹے کے علاوہ بھی انسان ہوتے ہیں۔" وہ ہنسی تھی جیسے اس کی کم عقلی پر۔
صبغہ کے خاک پلے نہ پڑا۔ "دبلے اور موٹے کے علاوہ کیسے انسان..." حسنل بھی جملے کے اختتام پر کھو سی گئی۔
کسی کے چوڑے شانے، موٹی گردن اور سکس پیک آنکھوں کے آگے آٹھہرے تھے۔ وہ گرد و پیش سے بے گانہ ہو گئی۔
"کیسی کافرانہ باتیں کرتی ہے۔ تو نے سنا انعمتہ!

اس نے کیسی کیسی بکواس کی ہے۔ میں۔۔۔ میں اس کا۔۔۔" وہ بالکل اچانک اٹھیں۔ حسنل کی چوٹی گردن کے پاس سے جکڑی اور گال پر چٹاخ چٹاخ کرکے طمانچے برسا دیے۔

وہ پلنگ پر اوندھے منہ گری' مگر منہ چھپا کر رونے کے بجائے وہ اسی طرح کہنی کے بل اٹھی اور سر اٹھا کر بے حد نفرت اور منتقمانہ انداز سے رشتے احترام وقت۔۔۔ بھلائے انہیں گھورنے لگی۔

ماں کی مار بھی اولاد کے لیے بھلا ہوتی ہے۔ مگر یہ مار خود ماں کے لیے بے حد برائی بن کر سامنے آئی۔

"آپ کا کیا خیال ہے' میں اس طرح کے طریقوں سے مان جاؤں گی' شادی کا مطلب معلوم ہے نا آپ سب کو۔۔۔ یہ سوچ کر سارے جسم میں چونٹیاں رینگتی ہیں کہ وہ مجھے دیکھ رہے ہیں یا دیکھیں گے۔

شدید گھن آتی ہے کہ میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں ہو۔ کراہیت کے مارے الٹی آتی ہے۔ آوخ آوخ۔۔۔ کہ وہ میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیں گے۔۔۔ آخ۔۔۔ تھو۔۔۔ اور آپ باتیں کرتی ہیں شادی کی۔۔۔

چلتے پھرتے نمونے' تنگ نظر' راہ چلتے پاؤں کے نیچے چیونٹی آنے لگے تو میں احتیاط سے پاؤں رکھوں اور وہ دونوں میری نگاہ میں' ان کے لیے اتنی سی بھی قدر نہیں اور آپ لوگ شادی تک۔۔۔ میری خوش قسمتی کہتے ہیں۔

"تو پھر وہ کون ہے جس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ سجا لگتا ہے۔" انعمتہ نے صاف بات کرنی چاہی۔

حسنل کو ایسے اندازے کی فوری توقع نہیں تھی۔

وہ لڑکھڑا گئی۔ "اب بولو' جواب دو۔"

"کوئی نہیں۔۔۔ کوئی بھی نہیں۔" وہ صاف مکر گئی۔

(مجھے قطعا" ضرورت نہیں۔ ان لوگوں کو' ان انسانوں کو' اپنا حال دل کہنے کی' میرا معاملہ اب کہیں اور ہی طے پائے گا۔)

انعمتہ نے سرنفی میں ہلایا۔ "اتنا کلیئر تو بندہ تب ہی ہوتا ہے۔۔۔ جب۔۔۔"

"اس نے متین اور مبین کے حلیوں کا نذاق تھوڑی اڑایا ہے۔ اس نے تو اپنے باپ' دادا' نانا سب کے چال چلن کو اپنی ٹھوکر پر رکھ لیا۔"

"جو چیز ہمارے لیے فخر ثواب اور تقلید کا سبب رہی۔۔۔ اس کی اتنی مٹی پلید۔۔۔؟" امی کی ہچکیاں مسلسل بڑھ رہی تھیں۔

"تو آپ فخر کرتی رہیں نا کسی نے روکا ہے' ساری زندگی یہی شکلیں اور حلیے دیکھے' اب آگے کیوں دیکھوں اور چلو' یہ سب تو مجھے یہاں پیدا ہونے کی وجہ سے مل گیا۔ تو اب اگلے قدم میں جب فیصلے کا اختیار میرا ہے تو میں اپنی مرضی کیوں نہ کروں' کیوں ساری زندگی ان چاہے لوگوں' حلیوں کے ساتھ گزارا کروں۔۔۔ کیوں۔۔۔"

"تم ہم سب سے اتنی نفرت کرتی ہو۔۔۔" انعمتہ کی محبت بھری جارحیت اور غصہ اس کے ٹھنڈے برف جیسے لہجے نے ختم کردی تھی۔ اس کے لہجے میں کوسوں بھاگنے کے بعد کی تھکان امڈ آئی تھی۔

"جو مرضی سمجھ لو۔۔۔ اگر کبھی جو مجھے چوائس دی جاتی تو تم لوگوں کا کیا خیال ہے۔ میں تمہارا نام لیتی۔ نہیں' کبھی نہیں۔۔۔" وہ واقعی ہوش بھلا بیٹھی تھی۔

"اس گھر میں پیدا ہونا چاہتی۔۔۔؟" اس کا دماغ الٹ گیا تھا۔

"نہیں' میں کبھی بھی اپنی پیدائش کو۔۔۔ تم لوگوں کو اپنے لیے پسند نہ کرتی۔ میں اپنے لیے کوئی اور دنیا چنتی' میری پسند کم از کم تم لوگ تو کبھی بھی نہ ہوتے۔"

صبغہ کی انگلیاں ہونٹوں سے چپک گئیں۔

امی نے منہ پر دوپٹا رکھ لیا۔ انعمتہ آگے ہو کر ان کی کمر سہلانے لگی۔

وہ تیزی سے اٹھ کر غسل خانے کی جانب بڑھ گئی۔

عشاء کی نماز پڑھنی تھی۔

اس کی واپسی پر کمرے میں تین نفوس کی موجودگی کے باوجود کھنڈر جیسا سناٹا تھا۔ اس نے نماز کے انداز کا دوپٹا لپیٹا اور جاء نماز بچھائی۔ "کس منہ سے اللہ کے حضور جا رہی ہو۔" صبغہ کی آواز آئی۔

"اسی منہ سے۔۔۔ صاف ستھرا باوضو۔۔۔ کسی منافق

کا منہ نہیں ہے یہ' دل کی بات کہہ چکی ہوں میں۔۔۔
بہت نیک اور مثالی ہوتی' اگر آپ سب کی مان کر نکاح پڑھوا لیتی اور ساری زندگی ایک بالکل ناپسندیدہ شخص کے ساتھ گزارتی۔ ہنستی' روتی' کھاتی' سوتی' جاگتی' ہر پل کراہیت کھاتی اور مسکراتی۔۔۔ کیوں۔۔۔ میری رضامندی کی کوئی اہمیت نہیں۔ سارا وقت مذہب کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔ اتنا علم نہیں ہے لڑکی رضامند نہ ہو تو نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا۔ ہونہہ۔۔۔

جب میں نے ایک بار منہ کھول کر کہہ دیا کہ مجھے نہیں کرنا اور آج نہیں کہا۔ اکثر و بیشتر ناپسندیدگی جتلائی۔۔۔ پر سب اسے شرم و حیا سے تعبیر کرتے رہے۔ لڑکی کی خاموشی ہر بار "ہاں" نہیں ہوتی۔ مگر ہر بات کو اپنی مرضی کے معنی و مطالب دے کر نت نئی تشریحات کرنا خوب آتا ہے' مجھے پوری زندگی گزارنی ہے' ایک دو پل نہیں۔"

"تو بے حیا پھر اس کا نام پھوٹ دے' کوئی تو ہے جو زبان کو رکنے ہی نہیں دے رہا۔" امی نڈھال ہو چکی تھیں۔ اپنے تئیں جیسے چلائی تھیں۔

"کوئی نہیں ہے۔" وہ گم سم سی ہو گئی۔

"اور اگر ہوتا یا ہے تو آپ کو بتانے سے کیا حاصل؟ جسے بتانے سے فائدہ ہے۔ اسے تو میں کھول کھول کر بتا چکی۔ اب تو بس نتیجے کا انتظار ہے۔ آپ کے چہیتوں کو انکار کرنے کے لیے کسی مراثی نچوڑے کا ہونا ضروری نہیں۔ میں ساری زندگی ایسے نہیں گزار سکتی کیا؟؟" اس کا انداز چیلنج دیتا ہوا تھا۔

"حسنل۔۔۔ حسنل۔۔۔!" امی نے بے بسی سے سر دائیں بائیں پٹخا۔ اس نے ان تینوں کے چہرے دیکھے۔

حیرانی۔۔۔ شرمندگی' خوف' ڈر' نہ جانے کیا کچھ۔۔۔

اس نے سیدھا پیر جاء نماز پر رکھا پھر الٹا۔ دونوں ہاتھ تکبیر کے لیے اٹھائے۔ اللہ اکبر۔ تینوں کے منہ کھلے اور آنکھیں حلقوں سے باہر تھیں۔

☼ ☼ ☼

اور مفتی عبدالرحمٰن کی راتوں کا چین لٹ گیا تھا۔

ہزاروں کے پنڈال میں سے اٹھنے والے کسی بھی سوال کا جواب وہ منہ توڑ دے سکتے تھے۔ اپنے علم و ہنر کی بدولت وہ اس فن میں طاق تھے۔ وہ اپنے گھونسے سے کسی کا منہ توڑ سکتے تھے یا نہیں۔۔۔ کبھی ایسا موقع آیا ہی نہیں اور اگر مقابل ایک انیس برس کی لڑکی ہو۔۔۔

گیلری سے گزرتے ہوئے صبغہ کے چھوڑے ہوئے اسپرے پمپ کو انہوں نے یونہی ہاتھ میں لے لیا تھا۔ بس یونہی۔۔۔

اور اب تین راتوں سے ایک پل کے لیے بھی پلکیں نہیں جھپکی تھیں۔

"کہاں کمی رہ گئی تھی۔ کیا زیادتی ہو گئی اور کوئی بات نہیں عبدالرحمٰن' وہ صحیح کہہ رہی ہے۔ اسے حق ہے کہ وہ اپنی پسند کا جیون ساتھی منتخب کرے۔

اسے نہیں پسند تو رشتہ کیسے جڑ سکتا ہے۔ لیکن میں اس کا ولی ہوں اور اگر تقویٰ اور پرہیزگاری دیکھوں' اگر شرافت و نجابت دیکھوں اور علم و حکمت کا جائزہ لوں تو ان دونوں سے بہتر کون ہو گا۔

مگر حسن المآب تو کہتی ہے' اسے کراہیت آتی ہے' محض تصور سے۔۔۔ (اتنی بڑی بات) آں۔۔۔ ہاں۔۔۔' انہوں نے سر جھٹک کر تصور کو توڑا تھا۔ "اگر ایک طرف دین داری اہم ہے تو شکل و صورت بھی ایک شے ہے۔

حسن المآب کا جوڑ واقعی نہیں بنتا۔ عبدالمتین اور عبدالمبین شخصیت کے اعتبار سے ظاہری روپ' رنگ اور قد کاٹھ میں پاسنگ مارک بھی حاصل نہیں کر پاتے تھے۔ وہ شخصی اعتبار سے زیرو تھے۔ مگر وہ ذہین تھے۔ دینی تعلیم سے آراستہ۔۔۔ حافظ قرآن۔۔۔ ان کے سینوں سے علم کے سوتے پھوٹتے تھے۔ وہ اپنے میدان میں بلا کے حاضر جواب تھے۔"

"تو کیا زبردستی کر دوں۔" دل بولا۔

"میرے دین میں جبر منع ہے۔" عقل بھی بحث میں شامل تھی۔

"کیا وہ کسی کی جانب متوجہ ہے۔

کیا اس کی توجہ کے مرکز کو ڈھونڈوں۔۔۔ بس ایک بار

مل لوں۔

اور اگر... وہ چوڑا ہوا یا مراثی یا بے دین...

اس کی ہٹ دھرمی اور جارحیت اسے بغاوت کی راہ پر لے جائے گی۔" عقل نے سر پیٹا "اور اس کی بغاوت ان کے نام و مقام' زمانوں کی کمائی عزت کو ملیامیٹ کردے گی۔"

ان کا دل سہم گیا۔ "نہیں... نہیں۔"

☼ ☼ ☼

میری نے سچ بولا تھا۔ وہ سب جو اس نے دیکھا۔ محسوس کیا۔ اور پھر سوچا۔ اس نے غلط نہیں کہا۔ اس لیے اس سے معذرت کی امید بھی نہ کی جائے۔

اور یہ سب وہ ہمیشہ سے کہنا چاہتی تھی۔ مگر پاسبان عقل نے ہر بار نوک زبان سے بات اچک لی۔ اس نے پھر جھٹک کر "جانے دو یار" سوچا۔

اور اس کا کمال ہی تھا' اسے خود کو سمجھانا آتا تھا۔ اسے خود کو چھپانا آتا تھا۔

اور گھر کا ماحول ایک سناٹے کے عالم میں تھا۔ سب کے اترے چہرے اسے افسردہ کر گئے۔ کتنے دن ہوگئے۔ کالج آف تھا۔ امتحان کے لیے چھٹیاں دی گئی تھیں۔ وہ کتاب منہ پر ڈال کر رٹے لگاتی' پھر اسی کتاب کو اوڑھ کر خراٹے لیتی پائی جاتی تھی۔ خدیجہ بانو اور ماریہ بھی اس کی صورت دیکھتیں — جیسے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ میگی ڈسکس کرنا چاہتی تھی۔ اسے اس نے صاف منع کردیا۔

"ایک لفظ نہیں۔"

میگی سر ہلا کر رہ گئی۔

پر اس وقت وہ کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔ "تم میرے ساتھ چل رہی ہو میری! اس کا بر تھ ڈے ہے۔" میگی اس کے جوتے لہرا کر دکھا رہی تھی۔ خود ریڈی تھی۔

"میرے پیپرز ہو رہے ہیں۔" اس نے کتابوں کا ڈھیر دکھایا۔

پر میگی اسے گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئی۔

"آپ نہیں چل رہیں دادی؟" اس نے خدیجہ بانو سے پوچھا۔

"نہیں... تم دونوں جاؤ' کتنے دنوں سے کمرے میں بند پڑی ہو۔"

خدیجہ بانو کا لہجہ پر محبت تھا۔ جیسے کچھ ہوا نہیں۔ مگر جو ہوا تھا وہ تو بتائے بنا بھی دکھائی دیتا تھا۔ بات کرتے وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔

"کتنے فاصلے آگئے تھے ان دونوں کے بیچ..."

ماریہ بھی چاہتی تھی' وہ گھر سے نکلے۔

☼ ☼ ☼

اور اسے نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ اور میگی نے کیا کہا تھا۔ گھر سے باہر تو نکلو ذرا۔ ذہن کو جلا ملے گی اور آنکھیں کھلیں گی۔ کھل ہی تو گئیں۔ بلکہ اسے چودہ طبق روشن ہونا بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہفت آسمان گھوم جانا۔ بھونچکا رہ جانا۔ وہ ساکت وصامت کھڑی سامنے کھڑی سمیع الدین کو دیکھ رہی تھی۔

بازار آکر اچھا لگا تھا۔ واقعی وہ کتنے دن سے کسی جمود کے زیر اثر تھی۔ میگی کو کچھ بھی پسند نہیں آرہا تھا۔ نمبر دو دونوں کا اکٹھے بازار نکلنا بھی ایک مصیبت بن جاتا تھا۔ ہر شخص اشارے کرتا تھا' دیکھو ایک جیسی...

"دیکھیں' آپ صرف جڑواں کو دیکھ کر خوش نہ ہوں' کوئی پیکج بھی دیں۔" وہ دکان دار سے مخاطب تھی۔

"پیکج..." وہ کچھ نہ سمجھا۔

"ہاں دراصل ہمیں بائی ون گیٹ ون کی عادت ہے۔ ایک کے ساتھ ایک فری... میرے ساتھ میری بہن فری ملی تھی۔ یہ دیکھیں میری بہن..." میگی نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر سیلز مین کے روبرو کردیا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا۔

کوئی جواب نہ بچا... میری کے ہونٹ لٹک گئے۔ وہ واقعی مفتیے کا مال دکھائی دینے لگی۔ بے ضرر... مجبور'

بے بس۔۔۔

میگی کی آنکھیں شرارت سے جگمگا رہی تھیں۔ سیلز مین "کبھی ہم ان کو دیکھتے ہیں۔" کی تصویر بنا کھڑا تھا۔

"وہ اللہ تعالیٰ کی ذات تھی جس نے آپ کو ساتھ میں فری کی بہن دے دی اور یہ بے چارہ سیلز مین ہے، اللہ کا حقیر بندہ۔۔۔ دو ہزار کی ریسٹ واچ کے ساتھ ایک اور فری میں کیسے دے سکتا ہے۔ ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ میگی۔"

"یہ کون بولا؟" میگی ہیما مالنی کے انداز میں گردن گھما کر بولی۔ اور میری۔۔۔ اس کے سامنے پوری زمین گھوم گئی۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ میگی کو کیسے جانتا ہے۔ وہ بھی ایسا دوستانہ انداز۔۔۔"

"اوہ۔۔۔ آپ۔۔۔" میگی کی باچھیں چر گئیں۔

"جی میں۔۔۔" وہ میری کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ میری بہن ہے۔" میگی نے پھرتی سے تعارف کروانا چاہا۔

"جی آپ کی بہن میری۔۔۔ میں نے پہچان لیا انہیں۔" وہ اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ میری کا سوالیہ چہرہ ہونق ہو گیا تھا۔ اس نے میگی کو دیکھا۔

"اور یہ سمیع الدین ہیں۔۔۔ دادی کی۔۔۔"

"اوہ۔۔۔!" میری کی الجھن سلجھ گئی۔ مگر نگاہوں کی حیران کیفیت، بلکہ صدماتی کہنا مناسب ہے۔ ہنوز برقرار تھی۔ میگی کے دل میں امید جاگی۔ "ہو سکتا ہے اب میری مان جائے۔"

"آپ آئیں نا ہمارے ساتھ۔ کچھ کھاتے پیتے ہیں، میرا تو سر چکرانے لگا۔" وہ یک بیک غذائی کمی کا شکار لگنے لگی۔

"اوہ ضرور۔۔۔" اس نے برٹش اسٹائل میں ہاتھ لمبا کر کے پہلے خواتین والا انداز اپنایا۔

اور ان دونوں کو فوڈ کورٹ میں بٹھا کر میگی بھاگ گئی۔ کہیں ریسٹ واچ بک نہ جائے۔ میری کے اندر سے خود اعتمادی ایسے ختم ہوئی تھی۔ جیسے اوک سے پانی ٹپک جاتا ہے۔ یہ اس کی سوچ کی حد سے پرے کی چیز تھی کہ سمیع الدین اور یہ کہ وہ جواب وہی کرے گا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔ اور میگی نے صحیح کہا تھا۔ وہ اتنا شان دار تھا، اتنا شان دار کہ اس نے تھوک نگلا۔ وہ مستقل اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں کچھ بھی کہہ دینے کے لیے زبان کی محتاج نہیں تھیں اور ان آنکھوں میں جھانکنا۔ جیسے کوئی پردہ نشین درز میں سے گلی کو تکتی ہو۔

لیکن میری کو نظریں چرانے کی عادت نہیں تھی۔ اور وہ چور تھی بھی نہیں۔

"آپ اتنی پیاری ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی نے آپ کو یا آپ نے کسی نے پسند نہ کیا ہو۔"

اس نے ناقابل فہم سی تمہید باندھی۔ میری نے الجھ کر دیکھا۔ اور شکر کیا، یہ اس نے ٹھیک کہا تھا آنکھوں کے بجائے زبان کو تکلیف دے دی۔

"میں سمجھی نہیں۔" اس کا اعتماد لوٹنے لگا تھا۔

"مجھے یہ کیوں لگتا ہے، مجھ سے شادی سے انکار کی وہ وجہ نہیں ہے۔ جو بتائی گئی کہ آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں۔"

"کیوں؟" میری کے ابرو کھینچ گئے۔ "میں کسی کو یا کوئی مجھے پسند کیوں نہیں کر سکتا۔" وہ اپنی جون میں لوٹ آئی۔

"میں اصل وجہ جاننا چاہتا ہوں، میری! آپ نے مجھ سے شادی سے انکار کیوں کیا؟" وہ میز پر کہنی ٹکا کر ذرا آگے کو جھکا تھا اور بہت با اعتماد میری غیر ارادی طور پر پیچھے کو سرکی تھی۔ اس کی آنکھوں میں الجھن تھی۔

انکار پوچھنے کا بھی ایسا محبوبانہ انداز۔۔۔

وہ عام جملے ایسے بولتا تھا تو اگر کبھی جو خاص بولے گا تو۔۔۔ لیکن وہ حق تو اس نے اسے دیا ہی نہیں تھا۔

میری کے ذہن میں کیا کیا نہ آنے لگا اور ساتھ ہی چہرہ تن گیا۔

"میں بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔"

"اور اگر میں اصرار کروں تو۔۔۔"

"بے کار ہی کریں گے۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

"نہیں میری! میں جاننا چاہتا ہوں کہ میں اتنا برا ہوں کہ۔۔۔"

وہ نہ جانے کیا کہہ رہا تھا۔ میری یہیں اٹک گئی۔ وہ اس کی تردید کرنا چاہتی تھی' اس کی تشفی بھی کرا سکتی تھی کہ وہ اتنا اچھا ہے۔ اتنا پیارا' ایسا دل دار کہ کوئی بھی اس کے لیے بلکہ کوئی کیوں۔۔۔ وہ نام۔۔۔

مگر نہیں۔۔۔ اسے اپنا سر سن ہوتا محسوس ہونے لگا۔ وہ جو اسے حیرت ہوئی تھی۔ وہ دوبارہ اس پر گھیرا ڈالنے لگی۔

"میں آپ سے سچ کہہ رہا ہوں' میں واقعی آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ۔۔۔" اس کا لہجہ اور آنکھیں بھی ملتجی و بے قرار ہو گئیں۔

میری نے سر جھٹکا۔ وہ پہلے شوخی کا مظاہرہ کر رہا تھا' پھر سنجیدگی اور اب رنجیدگی۔۔۔ اور بے قراری سی۔۔۔ پریشان حال نظر آنے لگا۔

اس نے گویا کرتب دکھانے والے مداری کی طرح روپ بدلے تھے۔ پلک جھپکتے کہانی کے سارے موشنز (احساسات) بیان کر دیے۔

مگر میری۔۔۔ اس پر کسی کردار نے ایسا اثر نہ ڈالا کہ وہ لب کھول کر ایک بار پھر سے وجوہات بتانا شروع کر دے۔

"آپ اپنا اور یقیناً" میرا وقت ضائع کر رہے ہیں' پتا نہیں یہ میگی کدھر رہ گئی۔" اس کی متلاشی نگاہیں چکرانے لگیں۔

"اوہ سوری۔۔۔!" وہ کھڑا ہو گیا۔ "ویسے آپ سے مل کر اچھا لگا' چلتا ہوں' مگر۔۔۔" وہ دو قدم بڑھا کر پلٹا۔ "جواب ادھار رہا۔" وہ لمبے ڈگ بھرتا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"چلا گیا سمیع۔۔۔؟" میگی کا لہجہ صدماتی تھا۔

"ہاں۔۔۔!" میری کی نظریں دروازے پر جمی تھیں۔

"تم نے جانے دیا؟" میگی دبے لہجے میں چلائی تھی۔ میری نے اسے بغور دیکھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ یہ سمیع الدین۔۔۔"

اس سے جملہ مکمل نہ ہوا' حلق میں مرچیں سی بھر گئیں۔ اس نے مصنوعی کھانسی شروع کر دی۔

میگی نے بدمزگی سے شاپر کرسی پر پٹخے۔

"میں نے کیا نہیں بتایا۔ ہنہ تم کچھ سننے کو تیار تھیں بھلا؟ ہم نے بھی سرپرائز کا سوچ لیا تھا۔"

"ہاں سرپرائز تو میں ہو گئی۔ ایسی کہ تاعمر یاد رکھوں گی۔"

وہ عجیب تکان زدہ انداز سے کرسی پر بیٹھی تھی۔ وہ جا چکا تھا' مگر اس کے ملبوس کی مہک اب بھی موجود تھی۔ میری کا دل چاہا وہ لمبے لمبے سانس بھرتی رہے۔ آنکھیں موندے۔۔۔

☆ ☆ ☆

گھر سے فرار حاصل کر کے کالج آئی تھی اور کالج میں بھی۔۔۔ سکون میسر نہ آتا۔ ایگزامز کے لیے آف ہونے میں کچھ دن باقی تھے۔ صرف رہ جانے والے اہم مضامین کے ایک دو پیریڈز کی خاطر انہیں آنا پڑتا۔ پیریڈ کے بعد لائبریری چلی جاتیں یا پھر کنٹین مگر چاروں کے بیچ جیسے کوئی حارج ہو گیا تھا۔

وہ پہلی سی بے تکلفی و بے ساختگی نجانے کہاں چلی گئی۔ زبان سے نہیں بولتی تھیں۔ مگر آنکھوں ہی آنکھوں میں۔۔۔ یا پھر نظریں چرا لیتیں۔

کوئی دیکھتا تو مانتا ہی نہ۔۔۔ یہ چاروں وہ تھیں بالخصوص ماہ رو کی خاموشی وہ دیوار سے ٹیک لگا کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے ایک پر کہنی ٹکاتی اور سر پر ہاتھ رکھے چھوٹی چھوٹی کنکریاں سامنے لگے پیڑ پر مارتی جاتی۔

اریبہ مخاطب کرنا چاہتی مگر الفاظ دم توڑ دیتے۔

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی مورد الزام نگاہوں سے حسنل کو دیکھتی۔ وہ لاپروائی سے رخ موڑ لیتی۔ یہ سب اسی کا کیا دھرا تھا نا۔۔۔ اس نے ماہ رو کو بری طرح جھاڑ دیا۔ اسے نصیحت خانم کہا تھا اور ہاتھ جوڑ کر کہا تھا۔

"خدا کے لیے اسے تو اب وہ معاف ہی کر دے۔"

"اور تم پر بیتتی تو پوچھتی' تمہیں خبر بھی ہے غم کیا ہوتا ہے' فکر کسے کہتے ہیں اور مصیبت کس چڑیا کا نام ہے۔ تم میں حساسیت نام کو نہیں۔ دریا میں اترے بغیر گہرائی کو تضحیک کا نشانہ بنانے والی تم ہوتی کون ہو۔"

اور وہ ایسی ہی بے مروت ہو جایا کرتی تھی اور ماہ رو نے چپ سادھ لی۔ دیوار سے سر پھوڑنے سے کیا حاصل۔ اس نے کسی کو نہ بخشا۔ حلیمہ کی سمجھانے کی کوششوں پر سخت طنزیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

"میں جانتی ہوں حلیمہ! تمہیں عبدالمبین اور عبدالمتین دونوں بہت پسند ہیں' تم فکر مند نہ ہو۔ میں بات کروں گی ممانی سے۔۔۔"

"ہیں!" اریبہ ششدر رہ گئی۔ اس نے سخت شرمساری سے حلیمہ کو دیکھا۔

مگر یہ کیا حلیمہ مسکرا رہی تھی بڑی پیاری مسکراہٹ۔ جس سے اس کا سادہ چہرہ سج گیا تھا۔ اور حسنل سے کتنے استہزاء کا مظاہرہ کیا تھا۔

"ممانی حسن پرست ہیں۔"

اریبہ کو اپنی آنکھیں بھیگتی محسوس ہوئی تھیں۔

اس نے مدد طلب نگاہ سے ماہ رو کو دیکھا وہ گھٹنوں پر ٹھوڑی جمائے بے تاثر چہرے کے ساتھ حلیمہ کو دیکھ رہی تھی۔ اتنی خالی آنکھیں۔۔۔ تو اسے بھی صدمہ پہنچا تھا۔ عیاں ہونا دکھ کی سرشت میں شامل ہے اور حلیمہ مسکراتے ہوئے کیا کہہ رہی تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو' مجھے وہ دونوں پسند ہیں' اتنے کہ میں نے ایک بار سوچا۔ کاش ہم نے دین کو پورے کا پورا اپنایا ہوتا۔ تو میں پیام بھیج دیتی کاش میں کسی قابل ہوتی اور حسن پرستی کی جو بات ہے۔ حسن تو آنکھ میں ہوتا ہے۔ جیسے ہم میں سے کسی کو موٹی بی میں وہ حسن نظر نہیں آیا۔ جس نے تمہاری آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ سدھ بدھ بھلا دی۔ مروّت بھلا دی۔ اخلاق بھلا دیا۔ تم مرنے مارنے پر تل گئیں حسن المآب!" اس کا بھیگا لہجہ متبسم بھی تھا۔

حلیمہ نے حسنل کو ہی نہیں اریبہ اور ماہ نو کو بھی حق دق کر دیا تھا۔ اس نے حسنل کو جھٹلایا نہیں تھا بلکہ اس نے تو سب مان لیا تھا۔ اور اتنا سادہ مگر اتنا حسین طریقہ تھا یہ اعتراف کا۔

اور حسنل نے کہا تھا ممانی بڑی حسن پرست ہیں۔

"تو حسن تو کلام میں بھی ہوتا ہے۔" چند جملوں میں کس خوب صورتی سے حلیمہ نے حسنل کو آئینہ دکھا دیا تھا۔ حسنل کی مسکراہٹ سمٹ گئی۔ اب اس کے چہرے پر کرختگی آگئی تھی۔

اریبہ کے پاس الفاظ نہیں تھے جس سے وہ حلیمہ کو گرم جوش 'دل برا نہ کرنے' کا کہتی۔ اس نے اپنا ہاتھ حلیمہ کی ہاتھ پر رکھ دیا۔ اس کی گرفت جذبات سے بھرپور تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہے اور وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔

حسنل نے گردن موڑ لی۔ وہ سرخی مائل زرد چونچ والی کوئل کو دیکھ رہی تھی جو کسی دانے دنکے کی تلاش میں محتاط روی سے گھاس میں منہ مار رہی تھی۔

"تو تلاش کے لیے مقام سے کچھ نیچے آنا ہی پڑتا ہے۔" اس نے سبق سیکھا اور اریبہ' اسے تو وہ پچی کا خطاب دے چکی تھی۔

تو اس نے اپنی زبان سے دوستوں کو دشمن کر لیا تھا۔ نہیں دشمن تو نہیں انہیں خفا کر دیا تھا۔ خود سے دور کر دیا تھا۔ اور اب تنہا کھڑی تھی اور صرف کالج میں نہیں وہ گھر میں بھی تنہا ہو گئی تھی۔

اس کا مقاطعہ ہو جاتا مگر امی نہیں چاہتی تھیں بھابیوں کو اور دیگر کو بھنک بھی پڑے۔ ایک اس کی باتوں کا صدمہ۔۔۔ دوسرے چھپا لینے کی تگ و دو' وہ بستر سے جا لگیں۔ بھرم رہ گیا بی پی بہت ہائی تھا۔

"ایسے کیوں کھڑی دیکھ رہی ہو۔ ماں کے پیر دبا دو حسنل۔" چھوٹی ممانی نے سب سے الگ تھلگ کھڑی ماں کو فکر سے دیکھتی حسنل کو مخاطب کیا۔ انعمتہ جوس پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ صبغہ بی بی اپریٹس لپیٹ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر تفکر تھا۔

حسنل دہری کیفیت کا شکار تھی۔ اسے ماں کے حال کی بخوبی خبر اور فکر تھی۔ مگر وہ بیان سے انچ بھر بھی

پیچھے ہٹنے پر تیار نہیں تھی اور اسی ہٹ دھرمی کو دیکھ کر امی کی شریانوں میں خون ابلتا تھا۔

وہ ممانی کے کہنے پر ماں کے قدموں کے پاس ٹک گئی۔ اور نرم ہاتھوں سے پیر دبانے لگی۔ امی نے سختی سے آنکھیں میچیں۔ ممانیاں سر پر نہ کھڑی ہوتیں۔ تو وہ اپنے پیروں سے اسے ٹھوکر مار کے دور پھینک دیتیں۔ بھلے سامنے دیوار سے ٹکراتی یا میز کا کونا لگنے سے ماتھا پھوٹ جاتا۔

اس کی نگاہ اٹھی.... تب امی اس کے چہرے کو ہی دیکھ رہی تھیں۔ جیسے دل کا حال جاننا چاہتی ہوں۔ حسنیل کے ہاتھ ساکت ہو گئے۔ اس کی نظریں جھک گئی تھیں۔ پھر اس کے ہاتھوں کی سختی نے ایک بار پھر انکار بتا دیا امی نے غیر محسوس طریقے سے اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔ حسنل کے ہاتھ وہیں کے وہیں رہ گئے۔

وہ ٹھنڈا سانس لیتی اٹھ گئی۔

دزدیدہ نگاہوں سے دیکھتی امی کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبا۔ ماؤں کے تو مکر بھی اولاد کے پیروں سے زمین کھینچ لیتے ہیں' وہ سچ مچ دل پکڑے کھڑی تھیں۔

تو کیا وجہ تھی۔ کیا ہو سکتی تھی اور بات انکار اقرار کی نہیں تھی۔ بات اس گفتگو کی تھی جس کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"کچھ کیجیے ابا جان..... کچھ کیجیے۔ کچھ پڑھ کر پھونکیے۔ میری بیٹی تو بڑی سیدھی بچی تھی۔ ضرور یہ کسی ہوائی مخلوق کا سایہ ہے۔ وہ پیاری بھی تو کتنی ہے ناں۔"

عبیدہ بی بی کے بالوں میں زمانوں پہلے سفیدی اتری تھی مگر اس وقت مفتی عبید الرحمن کے سامنے بیٹھی وہ ننھی لاچار سی بچی کی طرح اپنی پریشانی بتا کر سدباب چاہتی تھیں۔

"میری پھونکوں میں وہ تاثیر نہیں عبیدہ! جو تمہاری بیٹی کے لہجے کے شرر کو بجھا سکے۔"

"آپ سمجھائیں گے تو سمجھ جائے گی۔ آپ اسے بتائیے گا عبد المبین بہت اچھا ہے۔ وہ اس کے ساتھ بہت خوش....."

"تمہیں کس نے کہا عبیدہ.... مسئلہ عبد المبین کا ہے؟" مفتی صاحب نے ان کے ہاتھوں سے اپنے ہاتھ کھینچے عبیدہ بری طرح چونکیں۔

"عبد المبین کا مسئلہ نہیں ہے۔" "تو پھر کیا مسئلہ ہے؟"

وہ منہ کھول کر انہیں دیکھنے لگیں۔

مفتی صاحب نے جواب کے بجائے اپنی ٹوپی اتار کر سر کے چند بالوں پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ وہ بیٹی کی سمت دیکھنے سے گریزاں تھے۔

"میں کچھ نہیں جانتی۔ آپ کو کسی بھی طرح اسے باز رکھنا ہے۔"

میں بلاتی ہوں اسے' پیار سے سمجھائیں نہیں تو لگائیں دو الٹے ہاتھ کے جھانپڑ۔ سارا خناس نکل جائے گا۔"

"بیٹیوں پر کون ہاتھ اٹھاتا ہے عبیدہ.... اور جہاں تک سمجھانے منانے کا سوال ہے تو تمہاری بیٹی" وہ قصدا" رکے متلاشی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ میز سے گلاس اٹھایا۔ پل بھر کے توقف کے بعد دیکھے بنا گلاس پر گرفت ڈھیلی کر دی' ایک چھناکا ہوا اور کرچیاں سارے میں پھیل گئیں۔ عبیدہ نے بے ساختہ اپنے پیر سمیٹے اور تحیر آمیز خوف سے باپ کی سمت دیکھا۔

"جوڑ سکتی ہو ان کرچیوں کو....."

عبیدہ کا سر بے ارادہ نفی میں ہلا۔

"یہی حال تمہاری بیٹی کا ہے۔" انہوں نے جملہ مکمل کیا۔ دوسرے معنوں میں بات ختم کر دی۔

جو کچھ وہ سن چکے تھے۔ وہ اسے بلا کر سمجھانے کے نام پر اس کی باتوں سے اپنے دل کو اور دکھی اور حیران نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دل چاہا وہ بتائیں بیٹی کو.... کل جب اتفاقا" انہوں نے بہنوں کی گفتگو سن لی تھی۔

اتفاقا" وہ کمرے کے باہر سے گزر رہے تھے۔ صبغہ کے لہجے کی کرختگی پر رک جانا پڑا۔

"ہاں.... باپ' بھائیوں کی حد تک یہ حلیے ٹھیک ہیں' مگر شوہر مجھے اپنی پسند کا چاہیے۔" یہ حسنل کا جواب تھا۔

"تم کتنی بے شرم ہو حسنل۔" صبغہ کی آواز

پھٹ گئی تھی۔

"خود ہی تو کہا تھا صاف وجہ بتاؤں... اب کہتی ہو میں بے شرم ہوں۔" "اور تمہیں پتا ہے ہمارے گھر میں آنے والے سارے کے سارے باپ' بھائیوں جیسے ہی ہوں گے۔" وہ اسے باور کرا رہی تھی۔

"پتا ہے... اس لیے ضروری تو نہیں کہ شادی کی ہی جائے۔ زندگی ایسے بھی مزے سے گزر جائے گی۔" اس کے تصور میں کسی کی تصویر سج گئی۔

"وہ دونوں کبھی میرے آئیڈیل کے معیار پر پورا نہیں اتر سکتے۔" اس نے سختی سے باور کروایا۔

"اچھا تو تمہارا کوئی آئیڈیل بھی ہے۔" صبغہ کے لیے دو لفظ حیرت کا باعث تھے۔ "اور وہ کیسا ہے؟"

"کیسا...؟" حسنل نے آنکھیں موندیں اور اب وہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔ اور اس نے ... کہنا شروع کر دیا۔

اور یہ ایسے تھا جیسے وہ اسکیچ بنوانے کے لیے مصور کو جزئیات بتا رہی ہو۔ اور جزئیات نگاری بھی ایک فن ہے اور موسیٰ کا ذکر ہو تو اس سے بڑھ کر کون... باہم ملا کر دیکھ رہی تھی اور دکھا رہی تھی۔

اندر موجود صبغہ کی حالت نہ جانے کیا تھی۔ مگر باہر کھڑے مفتی صاحب شرم... شرم اور بے حد شرم ایسی کہ جس میں مر جانے کی خواہش ہو یا اسے گاڑ دیں یا ایک دھاڑ لگائیں اور اس کی زبان گدی سے کھینچ لیں۔

مگر وہ جنبش بھی نہ کر پائے۔ زبان کاٹ لینے سے خیال تو نہیں بدل سکتے۔ گونگا زیادہ شور مچاتا ہے۔ باز نہیں آتا۔

بات تو ذہن بدلنے کی تھی اور وہ تو نہ جانے کب سے بدل چکا تھا۔ ان کا دل چاہا وہ دھاڑ لگائیں۔ بند کرو اپنی بکواس بے شرم لڑکی' مگر ان کی زبان ہل نہ سکی۔

"پھر یہ بھی تو تھا نا۔" انہیں دھیان آیا۔

"میں کیسے چلا سکتا ہوں عبید الرحمن... میں مبلغ ہوں' میرا اکر خشکی سے کیا واسطہ... مبلغ تو شیریں ہوتا ہے۔ ملائم اور سہل... دھیما اور صابر... مگر صبر وہ بھی اس بکواس پر... اف... اوہ خدا...

تو انہیں کیا کرنا ہو گا۔ کتنے ہی لوگ ان کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ وہ دین کو سمجھانا جانتے تھے۔ بڑے سیاہ دل قفل توڑے تھے۔ مگر... اب یہاں کیا کریں گے؟"

"نماز پڑھنا چھوڑ دو حسنل... تم اللہ کے حضور کس منہ سے پیش ہوتی ہو' تمہیں شرم نہیں آتی۔ اس کے پسندیدہ بندوں اور حلیے کا مذاق اڑا کر کیسے بندگی کے نام پر جھکتی ہو تم۔

دین صرف کلمہ پڑھنے کا نہیں' عمل کا نام ہے۔ تائید ہی نہیں کرتے' تصدیق بھی کرتے ہیں اور تصدیق اعمال سے ہوتی ہے۔ یہ تم نے کیا' کیا۔" وہ واقعی غم زدہ ہو گئی تھی۔

"بند کرو اپنی تقریر۔" حسنل دہاڑی۔ "تم ہوتی کون ہو میرے دین پر شک کرنے والی۔ تمہیں پتا ہے کتنا گناہ ملے گا۔ نماز چھوڑنے کا مشورہ دے رہی ہو۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ جاہل مطلق! نماز میرا فرض ہے اور وہ میری چوائس... مذہب' معاشرہ اور قانون مجھے حق دیتا ہے کہ شوہر کے حوالے سے میں کیا چاہتی ہوں۔ اور اس میں تم لوگوں کی چوائس نہیں چاہیے بات ختم' کیوں پڑ گئے' سب میرے پیچھے۔"

اس نے طومار باندھ دیا۔ صبغہ کا خیال تھا اس کی تقریر دل پذیر پر اس کا دل پسیجے گا' غور و فکر کے روزن کھلیں گے۔ مگر وہ تو ایسی بھڑکی جیسے پیڑوں کو تیلی دکھا دی ہو۔

"اور دیکھنا کیسی سزا دے گا اللہ... کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کو ایسے کہتا ہے بھلا۔" وہ اسے اللہ کے عتاب سے ڈرانے کے لیے بڑی بڑی مثالیں لا رہی تھی۔

صبغہ ہکا بکا تھی۔ "قیامت کی ایک نشانی یہ بھی ہو گی حسنل کہ لوگ غلط اعمال کو ثواب سمجھ کر کیا کریں گے اور کہنے کو ان کے پاس بہت علم ہو گا۔ تم ان ہی لوگوں میں سے ایک ہو۔ تم نے مجھے تو لاجواب کر دیا۔ مگر ایک بات کہوں تم مجھے وہ سود خور مسلمان لگ رہی

ہو جو کہتا ہے نماز میرا فرض ہے اور سود میرا پیشہ۔"

حسنل نے تڑپ کر سر اٹھایا۔ اگلے ہی پل وہ صبغہ کا منہ نوچ لینے کے قوی ارادے سے آگے بڑھی مگر صبغہ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیل دیا۔ تھی وہ بھی حسنل کی بہن تھی۔۔۔ علم و عقل میں اس سے کم کیسے ہو سکتی تھی۔ اس جملے کی جگہ وہ گندی گندی' بے ہودہ گالیاں بھی دے دیتی تو ایسا اثر نہ ہوتا جواب ہوا تھا۔

"اور سود ساری عبادتوں کو کھا جاتا ہے جیسے گھن لکڑی کو کھا جاتا ہے۔ دیکھ لینا' تم خالی ہاتھ رہ جاؤ گی۔"

صبغہ نے کمرے سے نکل جانا ہی بہتر سمجھا۔

"آمین کہنا بھول گئیں تم۔" حسنل پیچھے سے زہر خند لہجے میں چلائی۔

"آمین دعا کے بعد کہتے ہیں۔" صبغہ کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ "اور میں نے تم کو بددعا دی ہے' سمجھیں۔"

صبغہ کے لہجے کے ٹھہراؤ نے حسنل تو حسنل مفتی عبدالرحمن کے پیر بھی اکھاڑ دیے۔ خود صبغہ کو رونا آگیا۔ وہ یہ کہنا نہیں چاہتی تھی مگر دل دکھ جائے تو پھر جو جی چاہتا ہے بول پڑتا ہے۔

اور مفتی عبدالرحمن کے لیے سوچ کے نئے در کھل گئے تھے۔

انہیں کچھ کرنا پڑے گا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی۔

یہ عبدالمبین و عبدالمتین کی بات نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

مفتی عبدالرحمن نے یہی سن رکھا تھا (دیکھ رکھا تھا) پانی شکل نہیں رکھتا جس برتن میں ڈال دو وہی اس کی صورت بن جاتی ہے۔ گول' چوکور' مستطیل۔۔۔

اور بچہ بھی ویسے ہی شکل نہیں رکھتا۔ جو صورت والدین چاہیں ڈھال سکتے ہیں پھر حسنل ویسی کیوں نہ ڈھلی جیسی وہ چاہتے تھے یا باقی سب بن گئے تھے۔

ہاں لیکن پانی ہی تو چھلک جاتا ہے۔ لبریز ہوتے ہی بہہ جاتا ہے۔ کنارے ٹوٹ جاتے ہیں' بند ٹوٹ جاتے ہیں۔

تو وہ اتنی لبریز کب ہوئی اور کیسے۔۔۔ اور اتنا وقت کب تھا کہ حسن المآب کی تحلیل نفسی کرتے۔ اس کے من کا بھید جانتے۔ کتنی بڑی بات کہہ دی تھی۔ اسے کراہت کا احساس ہوتا ہے' چھوئے جانے کے خیال سے بھی۔۔۔ وہ رات کی تاریکی میں لان میں ٹہلتے ہوئے سوچ سوچ کر تھک گئے تھے۔

میاں بیوی کے رشتے میں کراہت۔۔۔ وہ بہت آگے تک سوچ کر پلٹے۔ ذرا سی گنجائش نہیں چھوڑی تھی اس جملے نے۔۔۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ اس نے ہر طور ناپسندیدگی بتائی ہوتی۔ رد کرتی ہنس کر' چلا کر' جھوٹ سچ بول کر بس یہ لفظ کراہت نہ کہا ہوتا کہ وہ ساری زندگی گھن کھائے گی۔

اور عبدالمبین۔۔۔ ہاں وہ ظاہری اعتبار سے قطعاً" حسن المآب کے قابل نہیں تھا۔ ان کے دل نے بالآخر پوری ایمان داری سے تجزیہ پیش کر دیا اور خواہش کے باوجود جھٹلایا نہیں گیا۔

ہاں بالکل نظر کا سیر ہونا بڑا ضروری ہے۔ تب ہی تو دل میں پھول کھلتے ہیں۔ مفتی صاحب کی انگلیاں اپنی گردن پر سرک رہی تھیں۔

یہ سادہ کہانی نہیں تھی کہ لڑکی نے بزرگوں کے طے شدہ رشتے سے انکار کر دیا۔ اس نے تو ہر چیز سے انکار کر دیا تھا۔ جو جو جملے اس نے استعمال کیے۔ جو رائے وہ سب کے بارے میں رکھتی تھی۔ اسے باپ بھائی کے لیے یہ شکلیں اور حلیے پسند تھے مگر شوہر۔۔۔

اور وہ کہاں سے لائیں ویسا لڑکا۔۔۔ جو اس کے آئیڈیل پر پورا اترتا ہو اور آئیڈیل ہوتا کیا ہے؟

کرنے کو تو یہ بھی کر سکتے تھے کہ دو تھپڑ لگاتے اور۔۔۔

لیکن اس نے کہا تھا اسے تو وہ کہیں باہر ڈھونڈیں۔۔۔

اب وہ اسے گھر میں نہیں رکھ سکتے تھے۔ وہ آتش گیر مادہ بن چکی تھی۔

اور اگر بالفرض وہ اصلاح کی کوشش کرتے۔۔۔ تو کن الفاظ سے یہ ان کی وہ بچی تھی جو مباحثے میں انہیں شکست دے سکتی تھی۔ نہیں' وہ اسے اب گھر

میں نہیں رکھ سکتے۔
لیکن کہاں بھیجیں... ان کا تو حلقہ احباب بھی ان ہی کے جیسا تھا اور جس سے اس نے اتنے سخت الفاظ میں بے زاری کا اظہار کیا تھا۔
"یا اللہ میری مدد فرما..." اللہ کے بندے تھے' تھک کر اس کی سمت پلٹے۔ ناخلف اولاد کیسا امتحان ہوتی ہے۔
تو اب پتا چلا اولاد کو آزمائش کیوں کہا گیا۔
"ہم تمہیں جان سے' مال سے' اولاد سے آزمائیں گے۔"
"اولاد منہ پر کھڑی ہو جائے تب جان کے ساتھ ساتھ عزت کے لالے بھی پڑ جاتے ہیں اور مال بھی کام نہیں آتا۔" یہ جملے محی الدین سہگل کے تھے۔
اور وہ ہر بار ان ہی کو اصل قصوروار کہتے تھے۔ اب حسنل کے معاملے میں کون قصوروار؟ ان کے اندر سے سوال اٹھا۔ ہاں الزام لگانا آسان ہوتا ہے۔ وہ بھی تو محی الدین سہگل کو ایسے ہی کہتے تھے اور محی الدین...
"محی الدین...!" وہ بری طرح چونکے تھے "ہاں محی الدین۔"

☆ ☆ ☆

کمرے میں قدم رکھتے ہی صبغہ کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔ حسنل بیڈ پر اوندھی لیٹی تھی۔ دونوں بازو تکیے پر بچھے تھے۔ گال تکیہ میں دھنسا ہوا تھا۔ اس کی ٹانگیں اوپر کو ہو کر مسلسل ہل رہی تھیں۔
"تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ لڑکیوں کو الٹا نہیں لیٹنا چاہیے۔" وہ کہنے تو کچھ اور آئی تھی مگر ٹوکے بنا نہ رہ سکی۔ حسنل چونک کر سیدھی ہوئی' پائنچے نیچے کیے۔
"دیکھنے میں اچھا نہیں لگتا' انتہائی بے ہودہ حالت۔ اللہ نے بھی منع کیا ہے۔ اور میڈیکلی بریسٹ کینسر کے چانسز بڑھ جاتے ہیں۔ مگر تم نے تو خیر روگردانی کی قسم کھا رکھی ہے۔ پوری ٹانگیں ننگی ہو رہی تھیں۔" وہ سخت برافروختہ تھی۔
"لیکچر سنانے آئی ہو۔ سب نے ایکا کر لیا ہے' ہر وقت میرے جرم گنوانے ہیں بلکہ جرم تلاشنے ہیں۔ کینسر ہو گا مجھے ہو گا تم سے مطلب...." اس کا انداز و لہجہ متحمل تھا۔ مگر جملہ تلخ تھا۔
صبغہ بہت ترش جواب دینا چاہتی تھی مگر اس نے یکدم لب بھینچ لیے۔ وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر اسے گھورنے لگی۔ حسنل نے پروا ظاہر نہ کرنے کے لیے شہد رنگ لچھوں کو کھولا پھر ہاتھ پر بل دے دے کر دوبارہ کسنے لگی۔ پھر دراز سے نیل کٹر نکالا اور بہت باریک بینی سے رگڑنے لگی۔
سب ایک طرف... اور وہ اکیلی ایک طرف مگر ڈٹی ہوئی تھی۔ اس کی بے خوفی و بے نیازی کے کیا کہنے۔
"تمہیں نانا جان بلا رہے ہیں۔" صبغہ کمرے سے نکل گئی۔
"نانا جان... وہ کیا کہیں گے۔" وہ گھبرائی نہیں تھی۔ ہاں الجھی تھی۔
اے سی سے باہر آ کر تو ویسے بھی نارمل موسم آگ لگتا ہے۔ اور اس کے اندر تو پہلے ہی بھانبڑ جل رہے تھے۔
وہ دہاڑیں مار مار کر رونا چاہتی تھی۔ سینہ کوبی کرنے کی حسرت اسے کاٹ رہی تھی۔ اس کے دل کی خواہش تھی کہ وہ پھسکڑا مار کے زمین پر بیٹھ جائے اور سر پر ہاتھ مار مار کے بین ڈالے۔ کسی کو کوسے' شکوہ کرے' ماتم ڈالے۔
مگر... اس کی آنکھ سے ایک بھی آنسو نہ ٹپکا۔ اس کی آنکھیں اتنی خشک اور ویران تھیں کہ ویرانی منہ چھپاتی تھی۔
اسے خبر نہ تھی کہ۔ نانا جان اسے خوب اچھی طرح سن چکے ہیں۔
"اللہ رب العزت نے تھوڑا سا علم اور بہت سی عزت سے نوازا' پتا نہیں میں دنیاوی و دینوی اعتبار سے حق ادا کر سکا یا نہیں۔ شکر گزاروں کی فہرست میں میرا نام ہے کہ نہیں۔"

اس کا لہنگا ایک جانب سے ساس نے اوپر اٹھا رکھا تھا' دوسری جانب ملازمہ تھی۔ اور پیچھے بھی۔۔۔ پر وہ بہت مشکل سے قدم اٹھا پا رہی تھی۔ پورچ سے اندرونی دروازے تک لمبا راستہ تھا مگر اتنا بھی نہیں۔ وہ ہر قدم سوچ سوچ کر اٹھاتی۔

بلکہ اٹھاتی کب تھی جب سہارا دینے والے قدم بڑھاتے تو اسے بھی گھسٹنا پڑتا۔

"مگر میرے لیے عمر کے ان جاتے پلوں میں عزت سب سے اہم ہے۔"

نانا جان ٹیبل کی شیشے والی سطح پر نگاہیں جمائے بیٹھے تھے جیسے کچھ پڑھ کر سنا رہے ہیں۔ ان کا لہجہ تاثرات سے عاری تھا۔

"مرد کے لیے عورت کے انتخاب کی تین باتیں ہیں۔ پہلی دین داری اور تقویٰ یا پھر حسن۔ عورت بھی اپنی شرائط کو پیش نظر رکھے گی۔ اللہ کی نظر میں مرد و زن یکساں ہیں۔ تم سب کچھ فراموش کر کے صرف ظاہری شخصیت کو اہمیت دینا چاہتی ہو۔

وہ برآمدے کی سفید ماربل والی سیڑھی کے پاس آ رکی تھی۔ گہرے سیاہی مائل سی گرین لہنگے پر کوپر کلر کا بے حد نازک نفیس اور بھاری کام تھا۔ بہت چھوٹے میرون نگ جگہ جگہ ٹکے تھے۔ آستین آدھے سے آدھی تھیں اور اس کے بازو۔۔۔ اف خدا۔۔۔

سارے گھر کے زیور بھی اکٹھے کرتے تو اتنے نہ بنتے جتنے وہ اس وقت پہنے ہوئے تھی۔ چوبیس سونے کی چوڑیاں جو کوپر کلر کے نگوں سے سجی تھیں۔

اس کا ٹیکا' جھومر اور بہت بھاری ہار بھی اسی ڈیزائن کا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں ایمرجنسی کون کے تیز رنگ تھے۔

"میں تمہیں جتنا پرسکون نظر آرہا ہوں درحقیقت ہوں نہیں۔ میرے اندر تلاطم برپا ہے۔ نجانے کہاں کمی رہی۔ کیا ان دیکھا ہوا۔۔۔ تم متنفر ہو گئیں ہر چیز سے ابھی تو مجھے خود سے اس سوال کا جواب لینا ہے' تم میرے پورے وجود' میرے تمام ماہ و سال' میرے علم و حکمت کے غرور کو تہس نہس کر کے یہاں سے جا رہی ہو۔ میں نے تمہارے لیے صحیح کیا یا غلط' اس کا فیصلہ وقت کے ہاتھ میں ہے۔"

وہ کرسی کی پشت پر دونوں ہاتھ جمائے ناسمجھی کے عالم میں انہیں سن رہی تھی۔

دروازے پر تیل کی دھار بہائی گئی تھی۔ "دولہا ہاتھ پکڑ کے اندر لے کر جائے گا۔"

"ہم نے گود میں اٹھا کر بھی لے جانے کا سنا ہے۔" زندگی سے بھرپور آواز گونجی۔

"بھئی جس رسم کو منانے کا دل چاہے منالیں۔ مگر اسے تو بلائیں۔ آج شیروانی میں کس قدر جچ رہا ہے۔"

"میری بہو سے کم۔۔۔" یہ لہجہ شہد آگیں تھا۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ خدا دعائیں اس طرح بھی سن لیتا ہے۔" عورت کی ہی آواز ابھری۔

"وہ سنتا ہے' خود ہی کہتا ہے کوئی ہے جو مجھ سے مانگے۔" مرد کی آواز میں بھرپور اعتقاد تھا۔

وہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ پر اللہ نے اس کی تو نہیں سنی' اس نے تو اسے بہت پکارا تھا۔ بے حد' بے حساب' بے تحاشا' تڑپ تڑپ کر' رو رو کر' اللہ نے اسے کیوں نہیں سنا؟

"میں نے تو اتنے سارے نفل مان رکھے ہیں۔ ابھی رات کو پڑھ کر سوؤں گا۔"

اس نے بھی تو نفل مانے تھے۔ کتنے سو۔۔۔ ہزار۔۔۔ بہت زیادہ۔۔۔

"پہلے تو میں صدقہ بھجواؤں گی۔" وہ مستقل اس کے سر سے پیسے وار رہی تھیں۔

"اور ہنی مون سے پہلے چادر چڑھانے جائیں گے۔" مرد نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"سمیع مان جائے گا۔ وہ کب ایسے کام کرتا ہے؟"

"نہیں منت ہے' منت پوری کرنی پڑتی ہے ورنہ الٹ ہو جاتا ہے اچھا خاصا کام۔۔۔"

"آپ اسے آواز تو دیں۔ فون تو بعد میں ہو گا بلکہ فون بند کریں کوئی کال نہیں آئے گی نہ جائے گی۔"

"زندگی میں ایسے پل بار بار تھوڑی آتے ہیں۔"

(ہاں موت۔ بس ایک بار۔۔۔)

کوئی آکر اس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں چلا گیا۔ وہ **کسمسا کر رہ گئی۔** وہ اب ہاتھ کھینچ کر کیا کرتی۔

"میں تمہارا نکاح کر رہا ہوں۔ ابھی بعد نماز عصر' امید ہے تم مجھے مزید صدمات سے بچالوگی۔"

اور جب اللہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو ہو جاتی ہے تو اگر یہ نکاح ہو جاتا ہے تو دراصل یہ سب یوں ہی ہونا تھا۔

اور جب اللہ کو اپنے طے کیے ہوئے راستے اور فیصلے ہی کو اولیت دینی ہوتی ہے تو فرمائش کا حق کیوں دیتا ہے۔

اس نے ہر اس طریقے سے مانگا تھا جو مانگنے کا حق تھا۔ اس کی طلب سچی تھی۔ پھر اسے گوہر مقصود کیوں نہ ملا؟

اور میں اب تک زندہ کیوں ہوں.... جب اسے میرا ہونا ہی نہیں تھا تو اے اللہ! مجھے میرے گھر والوں کے سامنے تو برا بننے سے بچالیتا۔

حاصل وصول کچھ بھی نہیں اور ہاتھوں میں خاک آئی۔

اس کا ہاتھ ہلکے سی گرین کلر کی شیروانی والے کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خوب صورت ریلنگ والی سیڑھیوں پر گھسٹتی ہوئی بڑھتی تھی۔

اس کی سست روی' لہنگے' زیور اور پھولوں کے وزن سے منسوب کی جا رہی تھی۔

وہ اپنی سوچوں کے گرداب میں یوں الجھی تھی کہ گردو پیش کا کوئی ہوش نہ تھا مگر حجلۂ عروسی کی سجاوٹ نے اسے یکدم چونکایا تھا۔ اس نے سر جھٹک کر خود کو اگلے لمحوں کے لیے تیار کرنا چاہا۔

ملازمہ اس کے لہنگے کو بیڈ پر چار جانب گول گول سیٹ کر کے جا چکی تھی۔

اس کا سر چکرا رہا تھا۔ واش روم کے دروازے کے کھلنے بند ہونے کے بعد وہ بیڈ کی پشت پر ڈھے گئی۔

اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔ پھولوں کی خوشبو اس کے حواس پر چھا رہی تھی۔ نیم وا آنکھوں نے جب سامنے موجود قدِ آدم آئینے میں اس کی جھلک دکھائی تو پوری آنکھیں کھول وہ خود کو بہت حیرانی سے تکنے لگی۔ اس نے دائیں بائیں گردن گھمائی۔ وہ خوشحال گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر کمرے کی امارت.... اس نے حیرانی سے خود کو دیکھا۔ اس قدر بیش قیمت لباس' جس کی قیمت لاکھوں میں تھی۔ اسے اپنا ہوش کب تھا۔ وہ اپنا سب کھو کر یہاں آئی تھی۔ اپنے خواب' اپنے ارمان' اپنی دعائیں۔

اس کی پلکیں پہلی بار لرزیں۔ دل کے موم پر آنسو کا گرم قطرہ گرا۔

اس نے کیا چاہا تھا۔ وہ کس چیز سے بھاگتی تھی اور اسے کیا ملا تھا؟ کیا اسے ہپناٹائز کیا گیا تھا۔ اس نے نام سنے بنا تین بار اثبات میں سر ہلایا تھا اس نے بہت سہل طریقے سے پلٹتے کاغذوں کے کونے پر بہت واضح حسن المآب عبدالمنان لکھا تھا۔

وہ گردو پیش کو حیرت سے تکتی تھی۔ اس پر کیا جانے والا "عمل دھیرے دھیرے اپنا اثر کھو رہا تھا جیسے وہ ہوش میں آ رہی تھی۔

میں نے تو اللہ پر بھروسا کیا تھا پھر اللہ نے.... حلیمہ کہتی تھی۔ "ہماری ساری محنت اکارت جاتی ہے کیونکہ مانگی جانی والی چیز ہمارے حق میں بہتر نہیں ہوتی۔"

لیکن اللہ میں نے تجھ سے مانگا تھا۔ تو اس کی ساری کمیاں دور کر کے اسے میرا کر دیتا۔ تو تو دلوں کو پھیر دیتا ہے پھر میرے لیے اسے موزوں کیوں نہ کیا؟

وہ ہوش میں آ چکی تھی اور ہاتھ مار کے سیج نوچنے والی تھی۔ **دفعتاً** "غسل خانے کا دروازہ ذرا سا کھلا اور بنا دیکھے بے دھیانی میں کوئی چیز بیڈ پر اچھالی گئی جو اس کے سر سے ٹکرائی گود میں گر گئی۔

دروازہ اب نیم وا تھا اور پانی گرنے اور ہلکے سروں میں سیٹی بجنے کی آواز ارتعاش پیدا کر رہی تھی۔

وہ پھولوں میں گھری پھول بن کر مہک رہی تھی۔ مگر اچانک سے گود میں پھوٹ پڑنے والی مہک.... مانوس سی لگی' یادداشت کے در کھٹکھٹاتی ہوئی وہ خوف زدگی

زندگی کے عالم میں اپنی گود میں پڑی شیروانی کو دیکھ رہی تھی۔

ایک بے حد عجیب سا احساس اتنا طاقت ور تھا کہ اس نے تیزی سے کالر کے اندرونی حصے پہ ناک ٹکائی۔

اس نے شیروانی سے گویا اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا۔

اس کی یادداشت سے یہ خوشبو کبھی نہ محو نہ ہونے کے لیے تھی۔

"سوری.... میں بالکل دھیان نہ رکھ سکا کہ اب اس بیڈ پر کوئی اور بھی ہے۔" ایک معذرتی دلکش آواز۔

"ہٹائیے اسے خود پر سے...." وہ بیڈ پر ٹک گیا بلکہ اسے یکدم یاد آیا۔

"اس پر ایمبرائڈری ہے۔ میٹل کے بٹن آپ کو لگے تو نہیں چوٹ تو نہیں۔ آئی۔" اس کے ہاتھ شیروانی کے پیچھے اور شیروانی چہرے پر تھی۔ بے حد سراسیمگی کے عالم میں اس نے دھیرے سے ہاتھ نیچے کرنا شروع کیے۔

پیشانی' بند آنکھیں' ناک' ہونٹ اور گردن پر سجا ہار....

اوہ مائی گاڈ.... وہ مبہوت رہ گیا تھا۔

حسن و معصومیت کے چرچے وہ سن ہی رہا تھا۔

اور حسن اس کی زندگی کی پہلی چیز نہیں تھا۔ مگر معصومیت پھر اس پر یہ ہراساں انداز' لرزتے ہونٹ سختی سے بند آنکھیں۔

ان آنکھوں کا رنگ دیکھنے کی خواہش عود کر آئی۔

وہ اس کے چہرے پر جھک گیا۔ ایک معمولی سی خراش ماتھے پر جھومر کے پاس تھی۔ وہ زخم کو چھو کر محسوس کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی شہادت کی انگلی چھپتے ہوئے تل پر ٹک گئی۔

خوشبو اب ہر چیز پر حاوی ہو چکی تھی۔ اور اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

"آپ کا استقبال صحیح طریقے سے نہیں ہوا' اب ازالہ کیسے ہو۔" اس نے اس کا لرزتا ہاتھ اپنے ہاتھ میں بھر لیا۔

"ایسا دوسرا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔" یہ اطلاع نہیں' خود کلامی تھی۔ "آنکھیں کھولو۔"

مرنے والے کا اتنا حق ہے کہ وہ آلۂ قتل کے بارے میں پوری جان کاری رکھتا ہو....

اس کے چہرے کا ہر اس' تعجب' حیا اور پسینے میں نم ہتھیلی دل موہ لینے والی تھی۔ یہ سمٹتا' سکڑتا' گھبراتا' بے حد خوفزدہ وجود اسے ایک انوکھے احساس سے دوچار کر رہا تھا۔ اس نے ایسا منظر زندگی میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ایسی خواہش البتہ ضرور کی تھی۔

وہ اب زندگی میں کچھ بھی دیکھنے کی خواہش مند نہیں تھی۔ لیکن.... آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔

اگلا پل قیامت کا تھا۔

اس نے جھٹکے سے خود کو دور کیا تھا۔ اس کے چہرے کے متعجب خوفزدہ تاثرات نے نقش کو بگاڑ دیا تھا۔ وہ سُرعت سے اٹھ جانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔

"پ.... آپ؟ آپ کون؟"

"اتنا برا لگا ہوں۔" متبسم لہجہ دلکش آواز' بے حد خوبصورت سنہری آنکھیں۔

"نہیں.... ہاں.... !"

وہ بیڈ پر پیچھے سرکی مگر اس کا ہاتھ.... وہ نزدیک آیا۔

حقیقت سامنے آچکی تھی۔

شوق کا جہاں آباد کیے' نثار ہوتی نگاہیں۔

اسے غش سا آنے لگا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھٹ پڑیں پھر آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ مختلف آوازیں اردگرد رقص کرنے لگیں۔

زمین آسمان گھوم گئے۔

وہ تیورا کے ڈھے گئی تھی۔ تو عبدالمبین کو رد کرنے کے بعد یہ نانا جان کا انتخاب تھا۔

☆ ☆ ☆

ماہ رو بہت اداس کیفیت میں عظمت اللہ ہلاک کی

سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ اسے یہاں سے تقریباً" سارا کالج نظر آتا تھا۔ سائنس بلاک 'شہاب الدین بلاک گراؤنڈ...

اور چار سال کیسے گزر گئے۔ چٹکی بجا کر... اسے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ساری فائنل آج ایڈمٹ کارڈ کے حصول کے لیے کالج پہنچی ہوئی تھیں۔ کاغذی اعتبار سے تعلق کے خاتمے کا اعلان...

اسے اپنے کالج سے عشق تھا۔

اور سارے کالج سے دوستی تھی مگر وہ تینوں... حلیمہ اریبہ اور حسنل... اور یہ سب اب تک کیوں نہیں پہنچیں... اس نے خود کو بوجھل کیفیت سے نکال کر رسٹ واچ دیکھی ساڑھے نو بجے کا ہی طے کیا تھا۔ جگہ بھی طے تھی۔ اس نے سوچا وہ اب گیٹ کے پاس جا کر کھڑی ہو جاتی ہے۔

"ہاں ....!" وہ اٹھتے اٹھتے دوبارہ کولہوں کے بل گری۔ یہ اریبہ 'عاقل و بالغ تھی۔ دونوں بچھڑے پریمیوں کی طرح گلے ملنا چاہتی تھیں۔ مگر عین پیچھے اسٹاف روم تھا۔ یہ ملن اگر کسی پروفیسر کی نظروں میں آجاتا تو امر ہو جاتا۔

(کوئی خیال نہ کرتا' آج بے چاریوں کا آخری دن ہے)

"اور یہ حسنل اور حلیمہ کدھر رہ گئیں۔ حلیمہ تو گھڑی کا دوسرا نام ہے اور آج تو ویسے بھی آخری دن تھا۔ ہم باتیں کب کریں گے۔" اریبہ نے ہونٹ لٹکائے۔

"وہ دیکھو حلیمہ۔" ماہ رو نے نعرہ بلند کیا۔

"مگر یہ اکیلی کیوں ہے۔ حسنل کہاں رہ گئی۔" اریبہ نے کہا۔

حلیمہ کی نظریں ان پر پڑ گئیں۔ اس کے قدموں سے وحشت آمیز عجلت عیاں ہونے لگی۔ اس کی سانس پھول رہی تھی۔

"کیا ہوا کتا پیچھے لگ گیا۔" اریبہ نے قیاس کیا۔

حلیمہ کے چہرے پر سنجیدگی خطرناک حد تک پھیل گئی۔ اس نے سہمے ہوئے مدد طلب انداز سے ماہ رو کا بازو دبوچ لیا تھا۔ اسے یکدم گمبھیر صورت حال کا احساس ہوا۔

"کیا ہوا حلیمہ خیریت... تم اتنی عجیب سی کیوں ہو رہی ہو۔ خیریت ہے ناں؟" وہ پنجوں کے بل اچک کر اس کے پیچھے دیکھنے لگی۔ اریبہ بھی یہی کرنے لگی تھی۔

"اور تم اکیلی کیوں ہو' حسنل کدھر رہ گئی۔ تمہاری طبیعت ٹھیک ہے ناں...."

"وہ نہیں ہے۔" حلیمہ کی آواز اب تک کھوئی کھوئی سی تھی۔

"نہیں ہے مطلب؟ یاد نہیں پرنسپل نے کہا تھا۔ ہر لڑکی کو بائی ہینڈ دیا جائے گا ایڈمٹ کارڈ۔ اب اتنی پڑھاکو تو وہ ہے نہیں... کہ گھر بیٹھ کر پڑھے گی' کالج آنے میں وقت ضائع ہو گا ہم بھی تو آئے ہیں۔"

"اور تمہارا رنگ کیوں فق ہے۔ میری جان! ہم ایڈمٹ کارڈ لینے آئے ہیں مارک شیٹ نہیں۔" اریبہ کی آواز نکلی۔

"ہم نے تو سوچا تھا آج خوب ہلا گلا کریں گے۔ پھر نجانے قسمت کہاں لے جائے۔ ملیں نہ ملیں اور مل بھی گئے تو یہ دن تو نہ ہوں گے۔" اریبہ کے لہجے میں افسردگی تھی "مگر یہ حسنل' یہ ہمیشہ رنگ میں بھنگ ڈالتی ہے۔"

"وجہ کیا بتائی خیر سے تشریف نہ لانے کی۔ تم نے پوچھا نہیں۔" حلیمہ' حسنل کو گھر سے لیتے ہوئے آتی تھی۔

"وہ نہیں تھی گھر میں۔" حلیمہ نے دونوں کی آنکھوں میں دیکھا۔

"نہیں تھی مطلب... گھر میں نہیں تھی تو کہاں تھی۔ عشق میں نکما ہوتے سنا تھا۔ دیکھ بھی لیا۔"

"صبغہ نے کہا...." حلیمہ نے تھوک نگل کر باری باری دونوں کے سوالیہ چہرے دیکھے۔ "حسنل نہیں ہے اس کا.... اس کا نکاح کر دیا نانا جان نے۔"

"نکاح ـــ" اریبہ اور ماہ رو نے ایک دوسرے کی صورت دیکھی اور یک آواز ہو کر یوں چلائیں کہ اریب قریب کی کتنی ہی لڑکیاں رک گئیں۔

"تم نے کیا کہا حلیمہ ـــ نکاح ـــ حسنل کا نکاح "

ماہ رو بہت دیر بعد بول پائی۔

"عبدالمبین سے ؟" اریبہ کے لہجے میں سرسراہٹ تھی۔ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ وہ ہاں سننا چاہتی ہے یا ناں ـــ پر حلیمہ کا سر نفی میں ہلا۔

"وہ تو لان میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔"

"کیا مطلب ؟" ماہ رو کے نقوش بگڑے۔

"حسنل کی رخصتی بھی ہو چکی ہے۔" حلیمہ نے اصل دھماکا اب کیا تھا۔

ماہ رو کو لگا پورا عظمت اللہ بلاک اس کے سر پر آگرا ہے۔

☼ ☼ ☼

انسان اپنے لیے تو خدا سے ہر وقت معافی کی درخواست کر سکتا ہے، رو کر گڑگڑا کر، تڑپ کر، سچ بول کر جھوٹ کہہ کر ـــ مگر یہی معافی جب کوئی دوسرا انسان اس سے طلب کرے تو ـــ وہ بے نیازی کی تمام حدیں پار کر جاتا ہے۔ لاتعلقی ـــ اور ایسی خالی نگاہوں سے دیکھتا ہے جیسے اس کے پاس سماعت نہ ہو بس سامنے والے کے ہلتے ہونٹ بتاتے ہوں کہ یہ کچھ کہہ رہا ہے۔

مگر بستر مرگ پر پڑے ان کا بے بس وجود اور خالی آنکھیں ـــ وہ سرخ حریری پردوں کی چھپرکٹ والی مسہری کے گولڈن بستر پر لیٹی آج بھی چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ چہار عالم میں اس حسن کے سہارے ناموری پانے والا یہ وجود بس گمنامی کے اندھیرے میں ڈوبنے والا تھا۔

اس نے ان کے پہلو میں ٹک کر ان کے انگوٹھی سے بھرے کیوٹکس سے سجے نازک ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں بند کر لیا۔ وہ گہرے نیلے فراک میں ملبوس تھیں اور نیلے موٹے موٹے موتیوں کی مالا گلے میں تھی، ویسے ہی گول ٹاپس ـــ کمبل ان کی ٹانگوں پر دھرا تھا اور۔

اور اس نے اس عورت کو ہمیشہ اسی طرح اس روپ میں نک سک سے درست دیکھا تھا۔ کسی کمی بیشی کے بغیر ـــ اس نے اپنے نچلے ہونٹ کو کچلا تھا وہ غیر ارادی طور پر ان کے ہاتھوں کو سہلا رہا تھا۔ اسے جی بھر کے افسوس ہوا۔ وہ جبراً "شعوری کوشش کر کے بھی ان کے لیے لفظ "ماں" نہیں سوچ پاتا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ ایک عورت لگی تھیں۔

"ڈاکٹر کیا کہتا ہے ؟" اس نے اپنی عجیب سی سوچوں سے جان چھڑا کر مسہری کی دوسری جانب بیٹھے باپ سے استفسار کیا۔

اور وہ بس رو دینے کو تھے۔ انہوں نے کچھ کہنے کو لب کھولے مگر زبان لڑکھڑا گئی۔ کثرت شراب نوشی نے ان کی بھی حالت بگاڑ دی تھی۔ وہ جواب میں بہت تفصیل بتانا چاہتے تھے۔ مگر منہ کھولتے ہی بدبو کا بھبکا اور ہچکی شروع ہوگئی۔ ان کے بے حد سوجے پپوٹے اس بات کے غماز تھے کہ وہ بیوی کا غم غلط کرنے کے لیے صبح و شام بس پی رہے تھے۔ آنکھوں میں سرخ ڈورے اور نمی ـــ زبان بھاری تھی۔

اس نے جبڑے بھینچے ـــ اس نے ان دونوں کو ہوش سنبھالنے سے بھی پہلے اسی طرح ہی دیکھا تھا۔

کثرت شراب نوشی نے ان دونوں کے جگر گردے سب برباد کر دیے تھے۔ وہ باپ سے ماں کے لیے کیا افسوس کرتا۔ اس کے باپ کو بھی اسی حال میں مرنا تھا۔ آگے پیچھے۔

اس کے ہاتھوں کی حدت سے سکون پاتی ماں اب آنکھیں موندے پڑی تھی۔ ان کے چہرے پر ممتا کا تاثر آ ٹھہرا تھا۔ مگر وہ اتنا عجیب دکھائی دیتا تھا کہ اس کا دل چاہا وہ بھاگ جائے۔

اس نے ماں کو ہمیشہ ڈولتے بہکتے قدموں کے ساتھ رات گئے گھر میں گھستے دیکھا اور ماں کو سنبھالنے میں

بے حال نشے میں دھت باپ دونوں ایک دوسرے کو پکڑے جکڑے جوتوں سمیت اکثر بیڈ روم تک نہ پہنچ پاتے۔ کامن کے کسی صوفے پر گر جاتے۔ دیوار کے سہارے ٹیک لگا کر ساری رات گزار دیتے۔

اور کبھی گاڑی سے نکلنے کی ہمت نہ ہوتی تو دروازے کے باہر گاڑی کے اندر...... وہ معصوم چھوٹا بچہ ٹکر ٹکر ان کی صورت دیکھتا۔ میڈ اس کی تمام ضروریات کا خیال رکھتی، اس سے محبت کرتی اور وہ بھی اس سے بہت مانوس تھا۔ مگر اسے اپنے ماں باپ سمجھ میں نہ آتے۔ وہ ہوش میں بھی ہوتے تو جیسے اس کے لیے نہیں ہوتے۔

ان کی اپنی دلچسپیاں، مشاغل، مصروفیات تھیں اور ان سب میں اس کا حصہ ذرہ برابر بھی نہ تھا۔ اس کے باپ ــــــ اور ماں کے پاس بے تحاشا دولت تھی اور وہ اسے دونوں ہاتھوں سے لٹاتے تھے۔

وہ سنہری بالوں اور سنہری سبز آنکھوں والا بے حد خوب صورت بھولا بھالا بچہ تھا۔ وہ ہوم ورک کرتے کرتے پنسل ہونٹ میں دبائے انہیں دیکھا کرتا۔

اسے ماں کو دیکھ محبت نہیں ہوتی نفرت بھی نہیں...... حیرت بھی نہیں...... وہ بس اسے دیکھتا رہتا تھا۔

ماں ایک ملکہ تھی اور باپ اس کا عاشق غلام زادہ زر خرید جیسے (سالوں بعد اس نے سوچا تھا۔ عشق اندھا کر دیتا ہے 'انسان کو کتا بنا دیتا ہے۔ بینائی چھین لیتا ہے اور گویائی بھی)

عشق اور عقل تین حرفی الفاظ ہیں۔
دونوں کی عین ایک طرح سے آدھی لکھی جاتی ہے۔
اتنی مماثلت کے باوجود۔

یہ دونوں ایک جگہ پر ایک ساتھ کبھی نہیں رہتے۔
جہاں عشق ہے وہاں سے سب سے پہلے عقل رخصت ہوتی ہے۔
عشق اور عقل ایک دوسرے کے جانی دشمن......
دونوں میں سے ایک کام ہو سکتا ہے

یا عشق کرو یا عقل......
اور عشق گلاب بن کر کھلتا ہے اور عذاب بن کر جھڑتا ہے۔
عشق کا پھول واحد پھول ہے جب مرجھاتا ہے تو اپنی جان سے تو جاتا ہے ہے اس شاخ کو بھی کھا جاتا ہے جس پر کبھی بسیرا تھا۔
یہی نہیں وہ اس زمین کو بھی بنجر کر جاتا ہے پھر وہاں کبھی کوئی سوتا نہیں پھوٹتا اور اس کی ماں اس قابل تھی کہ اس سے عشق کیا جاتا۔
اور جب یہ کھلی پیش کش تھی تو اس کے عاشق بے شمار......

معصوم آنکھوں میں حیرانی اچنبھا سوالیہ نشان بن کر ابھرتا جب وہ اکثر ڈولتے قدموں آتی تو سہارے دینے والے ہاتھ اور کندھے نجانے کس کے ہوتے۔

"اب بابا سوئے گا۔" اس کی میڈ کاپی بند کر کے پنسل نرمی سے لیتے ہوئے اسے کندھے سے لگائے اندر کی جانب بڑھتی مگر منظر سے غائب ہونے تک وہ وہ دیکھا کرتا جو سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

پھر جب سمجھ میں آنے لگا تب......

☼ ☼ ☼

اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا۔ سو اس کی ساری زندگی اس کی نگاہوں کے سامنے فلم کی طرح چلی تھی اور اس فلم کو بار بار دیکھنے پر اسے احساس ہوا اس نے سب کو پکارا تھا۔ ایک بار اللہ کو بھی پکار کر دیکھ لے...... مگر کیوں؟ اللہ دیکھ نہیں رہا کہ وہ کس حال میں ہے اور کیا اللہ کو اس پر ترس نہیں آتا؟

اسے خبر نہیں تھی۔ اللہ کو اس پر بہت ترس آ رہا تھا مگر وہ مدعا منہ سے سننا چاہتا تھا اور اسے اسی بات کی خبر نہیں تھی۔

آپ اپنے ایک بندے کو اس طرح کیسے چھوڑ سکتا ہے وہ اپنے تئیں چلایا تھا اور اس نے سب کو یاد کیا تھا۔ اچھے کو، برے کو...... اور اب جب اللہ یاد آیا تو شکوہ فوراً "ساتھ آیا۔ مجھے اس حال میں کیوں ڈالا۔

وہ بھول گیا' جتنے انسانوں کو یاد کیا تھا ان سے کوئی نہ کوئی تعلق تھا۔ اس نے خدا سے تعلق رکھا ہی کب تھا۔۔۔

اس کے سب پر اور سب کے اس پر احسان تھے۔ اللہ کا کیا احسان؟ اس نے اسے یہاں پھنسایا' کیا وہ اسے بچائے گا؟

"اے اللہ مجھے بچالے۔" وہ آسمان کی طرف منہ کر کے چیخا تھا۔ اللہ منہ در منہ سوال و جواب نہیں کرتا مگر کبھی دل میں یوں ہی کوئی بات ڈال دیتا ہے۔

اس نے اللہ کے لیے کیا کیا تھا؟

کیا اس کے پاس کوئی ایک بھی ایسا کام تھا جس کا بدل اور رحم مانگ رہا تھا۔ ایسی کوئی عبادت جو اجر کا باعث ہو۔ ایسا کوئی عمل جو رد عمل ظاہر کرے۔

اور اسے اپنی موت کا یقین ہو چکا تھا کہ اگر موسم جھیل لے گا تو بھوک پیاس مار دے گی اور پیاس جھیل لے تو یہ سانپ اور بچھو اور یہ کیڑے پتنگے۔۔۔

وہ پیاس کی شدت سے تڑپ تڑپ کر اب ایڑیاں رگڑنے پر آچکا تھا۔

مگر اس کے پاس ایسی کوئی ریاضت نہیں تھی۔

اس کے پاس اللہ کو دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

کوئی نماز' کوئی روزہ' کوئی زکوۃ' کوئی خدا ترسی کا عمل کوئی حق سچ کا علم۔۔۔

اور اگر اسے ایک موقع ملے تو وہ۔۔۔ وہ سبیل لگائے گا اور مسجد بنائے گا۔ اور نیک کام کرے گا۔

اگر اسے ایک موقع دیا جائے تو۔۔۔ وہ اللہ کو بہلا رہا تھا یا خود کو۔۔۔ اسے یہ خبر نہیں تھی' عبادت اللہ کی نہیں انسان کی ضرورت ہے۔

اس کی خود کلامی اتنی مدھم تھی کہ ہونٹ بمشکل ملتے دکھائی دیتے تھے۔ پیاس کی شدت سے زبان تالو سے چپک رہی تھی۔ وہ اب چل نہیں سکتا تھا۔ وہ ہل بھی نہیں پا رہا تھا۔ وہ بے حس و حرکت ایک حقیر کیڑے کی طرح ریت میں دفن ہونے جا رہا تھا۔

اس کا دماغ سُن تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا تھا۔

اسے واہمے ستا رہے تھے۔ کبھی اسے اپنے گرد لوگ چلتے محسوس ہوتے' کبھی باتوں کی آواز آتی' کبھی مزے دار کھانوں کا تصور۔۔۔ کبھی جوس' پانی' اپنا کمرہ اے سی سوئمنگ پول کا نہانا۔

اس کی یادداشت جواب دے رہی تھی۔

اس کا دماغ دھیرے دھیرے تاریکی میں اتر رہا تھا۔

وہ زبردستی آنکھیں کھولے چت پڑا تھا۔ اب مروں تب ہی بند ہو جاؤں خود بخود مگر جب تک میں۔۔۔ دیکھ سکوں یہ آسمان۔۔۔ اور اللہ اوپر آسمان میں رہتا ہے اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

اس کے ذہن کے سلیٹ سے سب مٹنے لگا تھا۔ چہرے آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ ان میں اس کا اپنا چہرہ بھی تھا مگر وہ خود کو بھی شناخت نہیں کر پا رہا تھا۔ اس نے بہت زور دے کر اپنے نقوش کو یاد کرنا چاہا' مگر اپنا آپ تو یاد نہ آیا۔۔۔ ہاں "ایمانے" یاد آ گئی۔ ایسے جیسے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی ہو' ہاتھ بڑھائے تو چھو لے۔۔۔

مگر اس میں اب اتنی سکت بھی نہیں تھی۔ اس نے اللہ سے بہت شکوے کیے تھے جس نے اسے اس حال میں پہنچایا۔ بعض تو کفر کے دائرے میں بھی آ رہے تھے' مگر "ایمانے" یاد آئی تو دھیان نے پلٹا کھایا۔

اے اللہ تو نے مجھے اس پوری دنیا کی بہترین چیزیں عطا کیں۔ (یہ موت سامنے کھڑی دیکھ کر تائب ہونے کے اعلان جیسا جملہ تھا جیسے۔۔۔) اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب رہا تھا۔ اسے کلمہ پڑھنا یاد نہیں تھا پتا نہیں اسے کلمہ آتا بھی تھا کہ نہیں۔۔۔

"آئی ایم سوری اللہ۔۔۔ تو نے مجھے بہت کچھ دیا۔ سب اچھا' کاش' اب تو تھوڑی سی مہلت اور دے دیتا۔ مجھے بہت سے لوگوں سے معافی مانگنی ہے۔ مگر وہ سب اب میری معافی سن نہیں سکتے مگر تو تو سن رہا ہے نا سو پلیز مجھے معاف کر دے۔ اب جبکہ میں کچھ ہی دیر بعد تیرے سامنے پیش ہونے والا ہوں۔

(باقی آئندہ ماہ اِن شاء اللہ)

طلوع

رات ایسی بھی جابر نہیں ہے
وہ آئی ہے
لیکن تمہارے لیے
کچھ نہ کچھ ساتھ لائی ہے
اس کے سیاہ پیراہن پر نہ جاؤ
کہ دامانِ ظلمت میں اس کے
ستارے بھی ہیں
صبحِ نو کے اشارے بھی ہیں

احمد ندیم قاسمی

ہنستے کھیلتے

خشک پتے
ہوا کے ہم جولی
کودتے، پھاندتے، گنگناتے ہوئے
دامنِ موجۂ صبا تھامے
مملکت زندگی کی طے کر کے
سرحدِ نیستی پہ جا پہنچے

احمد ندیم قاسمی

طرب زاروں پہ کیا بیتی، صنم خانوں پہ کیا گزری
دلِ زندہ! ترے مرحوم ارمانوں پہ کیا گزری

زمیں نے خون اگلا آسماں نے آگ برسائی
جب انسانوں کے دل بدلے تو انسانوں پہ کیا گزری

ہمیں یہ فکر ان کی انجمن کس حال میں ہو گی
انہیں یہ غم کہ ان سے چھٹ کے دیوانوں پہ کیا گزری

یہ منظر کون سا منظر ہے، پہچانا نہیں جاتا
سیہ خانوں سے کچھ پوچھو شبستانوں پہ کیا گزری

چلو وہ کفر کے گھر سے سلامت آ گئے لیکن
خدا کی مملکت میں سوختہ جانوں پہ کیا گزری

ساحر لدھیانوی

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی طاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی، اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے حاکم کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری)

فائدہ:

امیر یا حاکم سے مراد اپنے وقت کا مسلم حکمران، کسی صوبے کا گورنر، وزیراعلا اور کسی علاقے کا افسر مجاز ہے۔ ان کی اطاعت جب تک اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو، ضروری ہے۔ اور ان کی نافرمانی سخت گناہ، کیونکہ نظم ملت بہت ضروری ہے اور وہ اسی طرح قائم رہ سکتا ہے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

- آپ کے جوتے وہ پہلی چیز ہیں جن کی وجہ سے لوگ آپ کی شخصیت کا اندازہ لگاتے ہیں۔ نفیس جوتے پہنیں۔
- اگر آپ گیارہ گھنٹے سے زیادہ بیٹھے رہتے ہیں تو جان لیں کہ پچاس فیصد امید ہے آپ دو سال میں بیمار ہو جائیں گے۔
- کم از کم چھ افراد دنیا میں آپ کے ہم شکل موجود ہیں اور نو فیصد امید ہے کہ زندگی میں ان میں سے ایک سے آپ کی ملاقات بھی ہو گی۔
- تکیے کے بغیر سونے سے آپ کی کمر مضبوط ہوتی ہے اور کمر درد میں آرام آتا ہے۔
- کسی شخص کا قد عموماً اس کے باپ کی طرح ہو گا اور وزن اس کی ماں کی طرح۔
- انسانی دماغ تین چیزوں پر فوراً متوجہ ہوتا ہے
کھانا، دلکش لوگ اور خطرہ۔
- دایاں ہاتھ استعمال کرنے والے کھانا بھی دائیں طرف چباتے ہیں۔
- خشک ٹی بیگ ورزش کے سامان اور بدبودار جوتوں سے بدبو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
- البرٹ آئن اسٹائن کے مطابق اگر زمین سے شہد کی مکھی کا وجود ختم ہو جائے تو انسانی حیات چار دن میں ختم ہو جائے گی۔
- سیب کی اتنی زیادہ اقسام ہیں کہ اگر ہر روز ایک نئی قسم کا سیب آپ کھانا شروع کر دیں تو بیس سال تک کھاتے رہیں گے۔
- آپ کھانے کے بغیر ہفتوں تک زندہ رہ سکتے ہیں لیکن نیند کے بغیر صرف گیارہ دن زندہ رہ پائیں گے۔
- ہنسنے مسکرانے والے لوگ خشک مزاج لوگوں سے زیادہ صحت مند ہوتے ہیں۔
- سستی اسی طرح لوگوں کو ہلاک کرتی ہے جیسے سگریٹ نوشی۔
- ہمارا جسم تیس منٹ میں اتنی حرارت پیدا کرتا ہے کہ ڈیڑھ لیٹر پانی ابالا جا سکتا ہے۔
- ہر روز دس منٹ پیدل چلنا چاہیے۔ مسکراتے ہوئے۔ اس سے ڈپریشن دور ہو جاتا ہے۔

(بہ شکریہ فرائی ڈے اسپیشل)

اختصاریے،

- سکھ بکرا ذبح کرنے لگا تو کنفیوز ہو گیا کہ پڑھنا کیا ہے؟
- ایک لمحہ سوچنے کے بعد چھری چلاتے ہوئے

جوش سے بولا۔ "پیپی برتھ ڈے ٹو یو۔"

* لڑکی آئس کریم کھاتے ہوئے فرینڈ سے بولی۔ "مجھے کچھ ایسا کہو کہ میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگ جائے۔"
لڑکا۔ "میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔"

* ایک ٹرک دوسرے ٹرک کو رسی سے باندھ کر لے جارہا تھا۔ یہ دیکھ کے ایک سردار ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگیا اور کہنے لگا۔
"ایک رسی کو لے جانے کے لیے دو دو ٹرک۔"
گڑیا شاہ۔ کہروڑ پکا

اُف یہ لڑکیاں،

ایک لڑکی نے فیس بک پر اسٹیٹس اپ ڈیٹ کیا۔
"ہاتھ پر مچھر نے کاٹ لیا۔"
اس پر لڑکوں کے کمنٹس۔

1۔ او مائی گاڈ! تم ٹھیک تو ہو نا؟
2۔ میں اس کمینے مچھر کا خون پی جاؤں گا۔
3۔ اس طرح کے مچھروں کو تو پیدا ہونے کا حق ہی نہیں ہونا چاہیے۔
4۔ پلیز بے بی! اپنا خیال رکھا کرو۔
5۔ ابھی آتا ہوں گھر میرے ساتھ اسپتال چلو۔ انفیکشن ہوسکتا ہے۔
6۔ ہائے۔ وہ مچھر پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں گیا۔

اب لڑکے نے بھی اسٹیٹس فیس بک پر اپ ڈیٹ کیا: "ہاتھ پر مچھر نے کاٹ لیا۔"
اس پر آنے والے کمنٹس۔

1۔ کیوں بھی گٹر کے پاس سو رہے تھے کیا؟
2۔ کمبل اوڑھ کر سویا کر کھوتی دا پتر۔
3۔ تو بھی اس کو کاٹ لیتا۔ حساب برابر۔
4۔ کبھی گھر میں مچھر مار اسپرے بھی کرلیا کرو غریب لڑکے۔

افکار سقراط،

* لوہا صرف لڑائی کے وقت سونے سے بہتر سمجھا جاتا ہے مگر عقل ہر جگہ اور ہر وقت سونے سے زیادہ قیمتی ہے۔
* مصیبتیں زندگی میں ہی برداشت کرنا پڑتی ہیں اور موت ان سے نجات دلاتی ہے۔
* وہ گھر جس میں کتابیں نہیں، اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو۔
* ہر ناکامی کے دامن میں کامیابی کے پھول ہوتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ ہم کانٹوں میں اُلجھ کر نہ رہ جائیں۔
* کھانے کے لیے زندہ نہ رہو بلکہ زندہ رہنے کے لیے کھاؤ۔

کنیز فاطمہ۔ جڑانوالہ

جان لیجیے،

* اگر آپ اپنی خواہشات کو لگام نہیں ڈالتے اور مصیبت، مثلاً بھوک و پیاس میں صبر کا مظاہرہ نہیں کرتے تو آپ کو مستقبل میں زیادہ سخت مصیبتوں کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔
* لوگوں کو ایک دوسرے کو سمجھنا چاہیے ورنہ جھگڑا کھڑا ہوجاتا ہے۔ اگر ہم ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں تو اپنے اختلافات میں متفقہ پہلو ڈھونڈ سکتے ہیں۔
* اپنے دلوں کو پاکیزہ اور نکھار رکھو تاکہ ان کے اندر گندگی کا کوئی دھبہ نہ رہے۔
* اگر تم اپنے سے زیادہ طاقت ور یا قابل کی نقل کرنے کی کوشش کروگے تو زندگی کی شاہراہ پر بہت سارے مسائل میں اُلجھ جاؤ گے۔
* محفوظ راستہ اپنی صلاحیتوں کی پہچان سے ملتا ہے۔ اگر تم بادشاہ ہو تو عام رعایا بن کر رہو۔ اگر تم ملاح نہیں ہو تو کشتی چلانے کی کوشش مت کرو۔
* خیرات دینے سے آپ کی جائیداد کبھی کم نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس سخاوت اور اچھے اعمال آپ کے مال کو ناپید ہونے سے بچاتے ہیں۔

(حکایت رومی)

صائمہ عبدالحمید۔ خیرپور میرس

قطعہ

ہم دل کی تباہی کا یہ ساماں نہ کریں گے
بن جائیں گے دولہا مگر ہاں نہ کریں گے
کوچے میں تیرے آئیں گے اُڑتے ہوئے بے شک
دیوار پر بیٹھیں گے مگر کاں کاں نہ کریں گے

عشاق کی باتیں

حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل پر ایک مرتبہ ایک ابابیل اپنی ناراض مادہ کے پاس بیٹھا تھا اور ہر ممکن طریقے سے اسے راضی کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ مادہ کسی صورت مانتی ہی نہ تھی۔

جب کافی دیر ہو گئی تو ابابیل غصہ میں آکر بولا۔

"تو میرا کہنا نہیں مانتی حالانکہ مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ اگر میں چاہوں تو یہ محل حضرت سلیمان علیہ السلام پر اُلٹ دوں۔"

اتفاقاً یہ گفتگو حضرت سلیمان علیہ السلام سن رہے تھے۔ چنانچہ آپ نے نر ابابیل کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب وہ آیا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا۔

"بتاؤ تم نے ایسی بات زبان سے کیوں نکالی؟"

اس نے کہا۔ "اے اللہ کے نبی عشاق کی باتوں پر گرفت نہیں کی جاتی۔"

یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا۔ "سچ ہے۔"

سلام

شیخ صاحب اے ٹی ایم مشین پر کچھ پیسے نکلوانے کے لیے تشریف لے گئے تو پتا چلا کہ مشین ہی خراب ہے۔

چیک بک جیب میں تھی۔ بینک کے اندر گئے۔ کیشیئر کو ایک ہزار روپے کا چیک کاٹ کر کیش کرنے کو دیا۔ کیشیئر نے کہا۔

"جناب عالی! ہمارے پاس نیا رول آیا ہے کہ اگر چیک پانچ ہزار سے کم کا ہوگا تو ہم آپ سے چارجز کے نام پر دس روپے کاٹیں گے۔"

شیخ صاحب نے کیشیئر سے چیک واپس لیا اور چھ ہزار کا نیا چیک بنا کر کیش کرنے کے لیے دے دیا۔

کیشیئر نے ضروری کارروائی کے بعد پیسے ہی چھ ہزار روپے کا کیش شیخ صاحب کو تھمانا چاہا، شیخ صاحب نے اس میں سے ایک ہزار روپے اُٹھا کر باقی پیسے کیشیئر کو لوٹاتے ہوئے کہا۔

"لو یہ پانچ ہزار روپے میرے حساب میں ڈپازٹ کر لو۔"

کیشیئر نے خشمگیں نظروں سے شیخ صاحب کو گھورا تو شیخ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پتر! یہ جس نے نیا رول بنایا ہے ناں، اسے میرا سلام کہہ دینا۔"

غیر معتبر

افلاطون نے ارسطو سے شکایت کی۔

"میں نے تمہاری ایک برائی ایک معتبر شخص سے سنی ہے۔"

جواب ملا۔ "جو شخص غیبت کرتا ہے، وہ معتبر نہیں ہو سکتا۔"

افضل

ارسطو سے سکندر نے پوچھا۔ "بادشاہوں کے لیے شجاعت اور عدل میں سے کون سی چیز افضل ہے؟"

جواب دیا۔ "عدل۔ اس وجہ سے کہ عدل کی موجودگی میں شجاعت کی ضرورت نہیں۔"

عذرا ناصر۔ اقصیٰ ناصر۔ کراچی

سرورق کی شخصیت

ماڈل ------------ علینہ
میک اپ ------------ روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی ------------ موسیٰ رضا

خالدہ جیلانی

ہما فاروق ——— گوجرانوالہ

جو جس کا حق ہے اسے روز سونپ دیتے ہیں
بچا کے کچھ بھی تو ہم رائیگاں نہیں رکھتے
جو نیکی کرتے ہیں دریا میں ڈال دیتے ہیں
کبھی حساب غمِ دوستاں نہیں رکھتے

نور آمنہ دُرانی ——— لاہور

دیکھ کتنا تجھے چاہا ہے کبھی غور تو کر
ہم تو ایسے کبھی اپنے بھی طلب گار نہ تھے

ارجمند شاہین ——— مدوکے رندھیر

مانگنے کا جب ہنر آ جائے گا
پھر دعا میں بھی اثر آ جائے گا
کون دے گا اس کو اتنی چاہتیں
دیکھنا وہ لوٹ کر آ جائے گا

زوبار یہ خالد ——— لاہور

کچھ خطائیں بخشی نہیں جاتیں
دل ذرا سوچ کے دکھایا کرو

نخبہ اکرم ——— گھاؤں گوئیکی

نجانے کیوں ہر امتحان کے لیے
زندگی کو میرا پتا یاد رہتا ہے

ثمرہ، اقرا ——— کراچی

غلغلہ شہر میں جس ہار کے چرچے ہیں بہت
میں وہ بازی کبھی کھیلا بھی نہیں تھا شاید

فوزیہ ثمر بٹ ——— گجرات

یہ واجبات عشق کیا ہم ہی پہ فرض تھے
وہ بھی اُتارتا یہ معیشت اُسے بھی تھی

کنیز فاطمہ ——— جڑانوالہ

ہم تو سمجھے تھے کہ اک زخم ہے بھر جائے گا
کیا خبر تھی کہ رگِ جاں میں اُتر جائے گا

ریحانہ چوہدری ——— مدوکے

کھو گئے کچھ حرف دشتِ ضبط میں
کچھ غبارِ مدعا میں رہ گئے

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ——— کورنگی کراچی

عمر ساری اسی تضاد میں گزری
ہو کچھ اور، سوچنا کچھ اور

عظمیٰ غلام نبی ——— کراچی

یہ ہی نہیں ہے کہ ہمیں توڑ گیا ہے کوئی
اسے خود کو بھی بہت دیر جوڑنا ہو گا

ندا، نضہ ——— کراچی

کرم جبر حالات کا ہے یہ ورنہ
بڑے باوفا تھے دغا دینے والے
بشر تھا میں کیسے نہ کرتا خطائیں
سنبھل کے سزا اور جزا دینے والے

عفیفہ فاطمہ ——— بہاولپور

وہ تجھ کو بھولے ہیں تو تجھ پہ بھی لازم ہے
خاک ڈال دے، آگ لگا دے، نام نہ لے، یاد نہ کر

انجل ——— ڈہرکی

سامنے اس کے بدل جاتے ہیں
لفظ سارے ہیں منافق میرے

ساجرہ نیازی ——— درّہ خیل

وہ کتابوں میں درج تھا ہی نہیں
جو پڑھایا سبق زمانے نے

مقدس راتا ——— ننڈپور

یہ اب کا تو نہیں بہت پرانا قصہ ہے
محبت ہر کسی نے کی، نبھائی کسی نے نہیں

ریحانہ گل کی ڈائری سے

داغ کی اس غزل میں شروع سے آخر تک ایک سرشاری اور روانی کی کیفیت ہے جو اپنے ساتھ بہائے لیے جاتی ہے۔ قارئین کی نذر کر رہی ہوں۔

نہ دل ہی ٹھہرا، نہ آنکھ جھپکی، نہ چین آیا، نہ خواب دیکھا
خدا دکھائے نہ دشمنوں کو، جو دوستی میں عذاب دیکھا

نظر میں ہے تیری کبریائی، سما گئی تیری خود نمائی
اگرچہ دیکھی بہت خدائی، مگر نہ تیرا جواب دیکھا

نہ تجھ کو پایا تو کچھ نہ پایا، یہ خاک داں ہم نے خاک پایا
نہ تجھ کو دیکھا تو کچھ نہ دیکھا، تمام عالم خراب دیکھا

یہ دل کو تاب عشق گھر ہے تیرا، کہ جس کو تو نے بگاڑ ڈالا
مکاں سے لامکاں جو دیکھا، تجھ ہی کو خانہ خراب دیکھا

ریحا چوہدری کی ڈائری سے

انور شعور احساسات کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں حقیقت کے ساتھ ساتھ شاعرانہ تخیل بھی عروج پر نظر آتا ہے۔ ان کی یہ غزل پڑھیے، دیکھیں سادگی میں کیا پرکاری ہے۔

بہت مسکرائے، بہت روئے ہیں
ہم اپنے میں یوں ہی نہیں کھوئے ہیں

نہیں یاد اتنی بڑی عمر میں
کبھی رات آرام سے سوئے ہیں

نجومی سے کیا پوچھنا ہے ہمیں
وہی دن کاٹیں گے جو بوئے ہیں

شعور آدمی ناتواں ہے مگر
بڑے بوجھ کم محنت نے ڈھوئے ہیں

سیدہ نسبت زہرا کی ڈائری سے

کوئی کسی سے شکوہ کناں تب ہی ہوتا ہے جب کچھ برا لگتا ہے۔ شکایتیں کہیں اندر ہی دم توڑتی نظر آتی ہیں اور کبھی لبوں سے بھی ادا ہو جاتی ہیں۔ اس کیفیت کو اعتبار ساجد کچھ یوں لکھتے ہیں۔ ان کی یہ غزل پڑھیے اور محسوس کیجیے۔

ہم نے تو خیر تجھ سے شکایت کبھی نہ کی
ایسا نہیں کہ دل نے بغاوت کبھی نہ کی

کس حال میں ہیں تیرے ستائے ہوئے غریب
تو نے یہ پوچھنے کی زحمت کبھی نہ کی

محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو
جس نے خود اپنے آپ سے الفت کبھی نہ کی

چاہا ہے میں نے جس کو بڑی شدتوں کے ساتھ
اس طرح سے اس نے مجھ سے محبت کبھی نہ کی

ہر داستان تیری بہت غور سے سنی
لیکن بیان اپنی حکایت کبھی نہ کی

اک خواب تھا کہ اپنی شبوں پر رہا محیط
کیا خواب تھا، کسی سے وضاحت بھی نہ کی

اک آگ تھی کہ جلتے رہے جس میں عمر بھر
اک درد تھا کہ جس میں خیانت کبھی نہ کی

سیدہ ربابہ سجاد کی ڈائری سے

انسان جب کیفیات کا برملا اظہار نہ کر سکے تو خود فریبی میں مبتلا ہو کر خود کو تسلیاں دیتا ہے۔ شاعر نے اس غزل میں اسی کیفیت کا اظہار کیا ہے۔

یونہی اُداس ہے دل، بے قرار تھوڑی ہے
مجھے کسی کا کوئی انتظار تھوڑی ہے

نظر ملا کے بھی ان سے گلہ کروں کیسے؟
ان کے دل پہ میرا اختیار تھوڑی ہے

مجھے بھی نیند نہ آئے اسے بھی چین نہ ہو
ہمارے بیچ بھلا اتنا پیار تھوڑی ہے

خزاں ہی ڈھونڈتی رہتی ہے در بدر مجھ کو
میری تلاش میں پاگل بہار تھوڑی ہے

نہ جانے کون یہاں اپنا کر چھوڑ جائے
یہاں کسی کا کوئی اعتبار تھوڑی ہے

ندا واسع بھٹو کی ڈائری سے

کائنات میں پھیلا جا بجا حسن جب ایک شاعر کو متاثر کرتا ہے تو پھر لفظوں سے جو تصویر بنتی ہے وہ کس جہاں میں لے جاتی ہے۔ سلیم کوثر کی یہ غزل پڑھیں اور محسوس کریں۔

رم جھم رم جھم شاخیں برسیں ساون رت لہرائے
خوشبو کھینچ پتنگ یادیں اور ڈور الجھتی جائے

یاد وہ پہلی کرنیں، سورج رات سے لیتے آئیں
میں آگے بڑھ جاؤں، سایا رستے میں رہ جائے

دھوپ نہایا پیڑ، سوکھی گھاس میں ٹھہرا پانی
کس کی راہ تکے ہے گڑیا ہنسی ہونٹ لگائے

وہ چہرہ، وہ گلی وہ رستہ اور وہ بھول بھلیاں
یاد کا پاگل پنچھی دھیان کے پنجرے سے ٹکرائے

گم صم آنگن، چپ دروازے، آنگن عکس سے خالی
اب کے برس تہوار پہ بھی کچھ لوگ تو گھر نہیں آئے

روزانہ سوئی رہتی ہوں پر آس کا جال بچھا کر
کوئلے سے کچی دیوار پر ایک لکیر بڑھائے

خط بھجوانے کے لیے پتا
خواتین ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔
Email: info@khawateendigest.com

اقراجٹ...... منچن آباد

ناول بہت بہت زبردست اسٹارٹ لیا ہے مکمل تبصرہ کچھ اقساط کے بعد کریں گے "دشت جنوں" آئے کت غائب ہو گئی گدھے کے سر سے سینگ کی طرح۔ دیکھتے ہیں کون سی آسیب ہے؟ خوش نصیب کی قسمت اچھی نکلی کہ بچ گئی۔ "حسن المآب" آپی سائرہ رفتار بڑھا دیں نا تھوڑی قلم کی حسنل کس راہ چلتی ہے دیکھنا باقی ہے۔ ریگستان میں وہ جو بھی ہے بیچارا حال پڑھ کر رونے کو دل چاہتا ہے۔ "عشق مجذوب" فارہ نے گڑھا کھودا اس میں عبیرو بے قصور کو دھکیل دیا "ندامت" ونڈرفل آپی نادیہ احمد بہت اعلیٰ تحریر تھی "میں بنت جمیلہ" سمیرا حمید نے زبردست لکھا' عورت کو اس کے مقام کا احساس دلایا۔ افسانوں میں تمام ہی ٹھیک تھے۔

ج : اقرا! خواتین کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ "عشق مجذوب" کے بارے میں آپ نے جو سوالات کیے ہیں ان کے جواب آپ کو اس ماہ کی قسط میں مل جائیں گے۔

ناہید نور الہٰی ایئرپورٹ کراچی

ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے خط وغیرہ نہیں لکھ پائی چھ ماہ قبل آگاہی ملی کہ ہارٹ کی پرابلم ہو گئی ہے کچھ ٹیسٹ وغیرہ ہوئے تو پتا چلا کہ دل کا ایک والو مکمل طور پر بند ہے اور دو والو میں بھی گڑبڑ ہے۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا کہ قاری بہنوں سے بھی التماس ہے دعاؤں میں یاد رکھیں۔ عشق مجذوب میں نیلم کی موت کا دکھ ہوا لیکن جو اس نے غلط کیا تھا تو پھر یہی انجام ہونا تھا فارہ کی چالاک فطرت ہی اسے لے ڈوبے گی سائرہ رضا' سمیرا حمید نادیہ احمد کو پڑھا تینوں تحریریں اپنی جگہ بے مثال تھی۔

ج : پیاری ناہید اللہ تعالیٰ آپ کو کامل شفا دے۔ دل کا والو بند ہونا پریشانی کی بات ضرور ہے لیکن یہ ایسی بیماری نہیں جس کا علاج نہ ہو سکے۔ آپ دوا کے ساتھ ساتھ مکمل پرہیز کریں۔ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گی۔ کہانی کے لیے معذرت۔

بنت محمد عمران...... کراچی

ناول نمرہ احمد کا ناول اور دشت جنوں سب سے پہلے پڑھیں نالیہ بنت مراد کا فاتح رامزل سے کوئی تعلق ہے؟ کیا وہ ان کی بیٹی ہے؟ اور دشت جنوں میں جبران معاویہ ہے۔

اس کا تصور نہ کیا تھا۔ آئے کت کہاں غائب ہو گئی؟

باقی سارا رسالہ اچھا تھا۔ آپ کو ایک مشورہ دینا ہے کہ رسالے کے ٹائٹل پر کسی ماڈل کی تصویر لگانے کے بجائے کوئی منظر کشی کیا کریں۔ ان جاندار کی تصاویر کی وجہ سے مشکل پیش آتی ہے پھر ہمیں تصاویر پر رنگ کرنا پڑتا ہے۔

ج : آپ عمران صاحب کی بیٹی ہیں لیکن عمران صاحب اور مسز عمران نے بہت محبت اور چاہت سے یقیناً" آپ کا کوئی نام بھی رکھا ہوگا۔ بہتر ہوتا کہ آپ وہ نام بھی لکھ دیتیں۔ ٹائٹل کے بارے میں آپ کا مشورہ زیر غور ہے۔

ماہ روش خان...... نامعلوم شہر

یقین جانیے جب سے نمرہ احمد کا "نمل" اور سمیرا حمید کا (عشق آمد و من) پڑھا ہے۔ تب سے پہلی کہانی ان دونوں کی پڑھتی ہوں۔ سمیرا حمید سے ایک ریکویسٹ کرنی ہے کہ انہیں زندگی میں جب بھی موقع ملے تو وہ ایک کہانی ضرور

لکھیں جس کا نام یہ ہو کہ (پاکستانی لڑکیو سن لو 'کال پاکستان آرہا ہے) اس کے علاوہ نایاب جیلانی کی کہانیاں میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔

ج : پیاری ماہ روش! اچھا تو کیا ہمیں تو آپ کا ایک خط بھی نہیں ملا پھر جواب کیسے دیتے۔ سمیرا حمید تک آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔

شکیلہ نور۔ گاؤں موسیٰ زئی شریف‘ کے پی کے ڈی آئی خان

1980ء سے ریگولر پڑھنے والی ایک گمنام قاری ہوں۔ 80 کی دہائی میں جب میں صرف گیارہ سال کی تھی‘ اس وقت سے میں میری بہنیں اور اب بیٹیاں ‘بھانجیاں خواتین‘ شعاع کی دیوانی ہیں۔ جب خواتین صرف 18 روپے میں ملتا تھا۔ میں اور میری چھوٹی بہن ٗروانی روز کی پاکٹ منی سے ایک روپیہ بچا کر پورا مہینہ رکھتے تھے اور پھر سب سے چھپ کے خواتین شہر سے منگواتے تھے۔ خواتین آج بھی ہمارے گاؤں میں نہیں ملتا۔ 70 کلومیٹر دور ڈی آئی خان سے منگوانا پڑتا ہے۔ ہمیں ان سے کتنی انسیت محبت اور اپنا پن ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتی۔

اتنی محبت کسی مجنوں نے لیلیٰ سے نہ کی ہوگی اور نہ کسی ہیر نے رانجھا سے جو ہم نے خواتین اور شعاع اور ادارے کے ہر فرد سے خاموش محبت کی ہے۔ اب یہ نہ سمجھیں کہ میں بہت عمر رسیدہ خاتون ہوں گی۔ یہ بات نہیں ہے۔ میں شعور آنے سے پہلے خواتین کی خاموش قاری بنی اور جب بیس سال کی ہوئی تو ایک بیٹی کی ماں بن گئی۔ اب ماشاءاللہ میری بیٹی بھی ماں ہے۔ اٹھارہ سال میں اس کی شادی ہو گئی۔ اس زمانے کی رائٹرز سے مجھے عشق ہے۔ نسیم سحر قریشی کا۔ جو تو شریک سفر رہا...... حمیدہ بانو کا ادھورا ناول فریال

آسیہ سلیم قریشی کا وہ خبطی سی دیوانی سی اور رفعت سراج کے کیا کہنے بہت کم لکھا لیکن جو بھی لکھا ‘دلوں پہ نقش ہو گیا۔ آج کی رائٹرز بہت عمدہ لکھتی ہیں۔ بہت تیز اور آج کے زمانے سے چلنے والی لکھاری ہیں لیکن پیاری باجی! مجھے تو وہ رائٹرز کبھی نہیں بھولیں گی۔ ہما کوکب بخاری۔ عظمت عزیٰ۔ ساجدہ حبیب۔ غزالہ اسد ‘غزالہ نگار اور کنزیٰ کی ارباب فیملی پہ لکھی کہانیاں۔

جب میری شادی ہوئی تھی۔ میرے میاں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کراچی جائیں گے تو میں آپ کو ادارے میں ضرور لے جاؤں گا اور سب لوگوں سے ضرور ملواؤں گا۔ وہ دن اور آج کا دن ‘وہ وعدہ ایفا نہ ہوا۔ نہ کراچی دیکھی اور نہ کراچی کے لوگ۔ ہائے ری قسمت۔ ہمارا گاؤں اتنا پسماندہ ہے کہ ادھر نہ خط کے لفافے ملتے ہیں اور نہ ڈاک خانہ ہے۔ 5 کلومیٹر دور دوسرے گاؤں میں ڈاک خانہ ہے اور ادھر سے پوسٹ کرنا پڑتا ہے۔ اور ہم بہت پردے کے پابند لوگ ہیں۔ بڑی مشکل سے یہ کام کروانا پڑتا ہے۔

ج : پیاری شکیلہ! آپ کی محبت کے احوال نے دل پہ عجیب اثر کیا۔ یقین جانیں بہت سے لمحات خاموشی کی نذر ہو گئے۔ سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ اس محبت کے جواب میں کیا لکھا جائے۔ نظروں میں وہ سارے زمانے گھوم گئے۔

اسے ہم اپنی خوش نصیبی ہی سمجھتے ہیں کہ ہمیں آپ جیسے مخلص‘ بے ریا اور سادہ دل محبت کرنے والے قارئین ملے۔ بے شک ہمارے درمیان مکانی فاصلے ہیں مگر ہمارے دل میں قارئین کی اس انمول محبت کی بڑی قدر ہے۔ قسمت میں ہوا تو ان شاء اللہ ضرور کبھی نہ کبھی ملاقات ہو ہی جائے گی۔ سوہنی ہیئر آئل منگوانے کے لیے اپنا مکمل اور بالکل درست پتا لکھ کر بھیجیں۔

عابدہ مغل...... بھیر کنڈ مانسہرہ

اس دفعہ ٹائٹل خاص نہیں لگا۔ میک اپ ہی عجیب طریقے سے چمک رہا تھا۔ نمرہ احمد کا نام ہو اور ہم دیر لگائیں نہ جی نہ ہم تو ڈائریکٹ حالم پڑھنے پہنچے۔ جب حالم مولیا کے مسئلے حل کرتا ہے تب تو وہ ہمیں زبردست سا ہیرو لگا تھا مگر نکلی ہیروئین۔ خوابوں کا سلسلہ زبردست تھا۔ نمرہ احمد یہ ناول آپ کے پچھلے تمام ناولوں کی طرح شاہکار ہونا چاہیے۔ دشت جنوں میں خوش نصیب واقع خوش نصیب ہے۔ کیف کے آنے کی خوشی ہوئی۔ باقی ناول سرہٹ جا رہا ہے۔ ماہ رو کے کالج والے منظر نے تو ہنسا ہنسا کے مار دیا۔ حسن المآب بر تریں آیا۔ سمیرا حمید ہمیشہ کی طرح بہترین انداز میں جلوہ گر تھیں۔ بنت جمیلہ کا مستو کا پیٹنا مزہ دے گیا۔ قربانی نے لمحوں میں اپنا اسیر بنا لیا۔ ویلڈن ہاجرہ ریحان۔ پنج کلیانی زبردست افسانہ تھا مگر باپ ‘بیٹا‘ دادا سب کے ایک نام جواب بھی لاجواب تھا۔ آئینہ اچھا تھا مگر موضوع وہی پرانا ‘کچھ نیا ہونا چاہیے۔ آپ کا باورچی خانہ

زبردست افسانہ۔ محترمہ کا آٹا آٹا ہونا ایک آنکھ نہیں بھایا۔ آٹا گوندھتے نہیں دیکھا تھا بی بی نے 'ندامت بھی اچھا تھا۔ بہنوئی بھی تو نامحرم ہوتے ہیں اگر پردے کا انتظام ہوتا تو مجال ہے کہ ثانیہ کا حسن فتنہ بنتا۔ شہزاد اقبال کافی اچھے لگے۔ عدنان بھائی کا سلسلہ بے مثال ہے۔ کبھی ہم بھی فیض حاصل کریں گے۔ باقی سارے سلسلے ہی اچھے تھے۔ احادیث بھی اچھی تھیں۔ کراچی میں پانی کی قلت ہوتا ہے تو جناب افسوس کی بات تو کیا ہوا غم نہ کریں کراچی والے ایک نیلا سمندر بھی رکھتے ہیں نا۔ رونے کی عادت نہیں' سب کے سامنے تو بالکل نہیں۔ بہادر جو ہیں۔ ہاں مگر یتیموں کو بات بے بات رونا آہی جاتا ہے۔

ج: پیاری عابدہ! حالم میں اگر ہیرو' ہیروئن نکل گیا تو غم نہ کریں۔ نمرہ اس کے لیے کہیں نہ کہیں سے ہیرو بھی لے ہی آئیں گے۔ کراچی میں پینے کے پانی کی کمی ہے۔ ڈوبنے والے پانی کی نہیں۔ ویسے تو خواتین کے آنسوؤں میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ اس میں پوری دنیا کو ڈبو دیں۔ اور یتیمی ایک ایسا غم ہے کہ دنیا کی کوئی خوشی اس کا مداوا نہیں کر سکتی۔

جب یتیمی کا دکھ یاد آئے تو پیارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دکھ کو ذہن میں لے آیا کریں جو پیدائشی یتیم تھے۔

ارم کمال۔۔۔۔ فیصل آباد

ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا۔ سب سے پہلے نمرہ احمد کا "حالم" پڑھا جاسوسی فکشن کا کوئی سسپنس سے بھرپور سلسلہ لگا۔ یہ ابتدائی فیلنگز ہیں۔ آمنہ ریاض کا "دشت جنوں" اذیت سے دوچار کرتا ہے' آیوشمتی کا سوچ سوچ کر جبکہ خوش نصیب اتنی بے وقوف نکلے گی یہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ "ندامت" بہت ہی دل گداز اور پر اثر رہا ویل ڈن نادیہ جی "عشق مجذوب" میں فارہ کی ذلالت ششدر کر گئی۔ سائرہ رضا کی "حسن المآب" پزل لگتی ہے۔ شمارے کی سب سے ـــــ دبنگ تحریر سمیرا احمید کی "میں بنت جمیلہ" رہی۔ کیا الفاظ کی کڑی مار تھی اور کیا محسوسات کا عالم تھا۔ اینڈ نے اندر تک سکون کی لہر دوڑا دی۔ دیگر کہانیوں میں "قربانی" آئینہ اور "آپ کا باورچی خانہ (ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے) زبردست رہیں "ہمارے نام" بھی کسی دلچسپ افسانے سے کم نہیں ہوتے' یہ نہ پڑھیں تو تشنگی سی رہتی ہے۔

ج: پیاری ارم! دشت جنوں میں ہمیں تو ایسی کوئی بات نظر نہ آئی کہ قارئین کو اذیت سے دوچار ہونا پڑے۔ انسان بہت ناقابل فہم مخلوق ہے۔ خوش نصیب ہی کیا' کسی کے بارے میں بھی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ بہرحال اب تو اسے عقل آرہی ہے۔ حسن المآب کے بارے میں جلد ساری گتھیاں سلجھ جائیں گی۔

حمیدہ نثار۔۔۔ رائے پور آزاد کشمیر

میں نے جب بھی لکھنے کی کوشش کی' میری دوستوں نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ تم لکھو ضرور لکھو مگر یہ وہم اپنے دل و دماغ سے نکال دو کہ تمہاری تحریر بھی خواتین میں شائع ہوگی۔ تحریر شائع کرانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام جتنی عمر اور حضرت ایوب علیہ السلام جتنا صبر و حوصلہ بھی چاہیے مجھے سمیرا احمید کی تحریر "پرواز آسمان" پڑھ کے ہمت ملی۔

ج: پیاری حمیدہ! سدا خوش رہو۔ خواتین میں تحریر کی اشاعت کے لیے نہ تو صبر ایوب کی ضرورت ہے نہ ہی گریہ یعقوب کی۔ صرف لکھنے کی اس صلاحیت کا ہونا ضروری ہے جو پروردگار اپنے بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہی نہیں تو قیامت تک بھی لکھتی رہیں' کچھ فائدہ نہیں۔ آپ نے بہت پرانے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ فی الحال مطالعہ پر توجہ دیں۔

ریحانہ چودھری۔۔۔۔ مدوکے

ایک اور شکایت کا خط بطور شکریہ آپ کو ارسال کیا' ساتھ افسانہ اور شعر بھی بھیجے۔ ہماری دوستیں پوچھ پوچھ کر تھک گئیں۔

اب آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں۔
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

ایک تو ڈائجسٹ اتنے انتظار کے بعد ملتا ہے اوپر سے صفحہ صفحہ کھنگالنا پڑتا ہے مگر اپنا ذکر تیری محفل میں نظر نہیں آتا۔ اس ماہ ٹائٹل بہت پیارا لگا اس لیے بھی کہ نمرہ احمد کا نام اس پہ لکھا تھا' کھولا تو حالم پڑھا اور حالم کا یہ عالم کہ وہ آیا اور وہ چھا گیا۔ لگتا ہے اب تین چار سال کا اس کا اور ہمارا ساتھ کئی دنیاؤں کی باہم سیر کرے گا۔ نمرہ کے الفاظ ہوں اور قلب و نظر کو تسخیر نہ کریں بھلا یہ کہاں ممکن ہے؟ لگتا ہے آریانہ اور تالیہ کی کیمسٹری کہیں نہ کہیں مل کے رہے

!عشق مجذوب' مصباح نوشین کا بہترین ناول۔ عبیر کا باپ ایک بہت برے اور کمزور کردار میں سامنے آیا اور فارہ جیسی عورت کے ساتھ تو اسی طرح ہونا چاہیے تھا۔ اس کا اختتام بہت جلدی ہو گیا ہے۔ سائرہ رضا کا حسن المآب واہ کیا بات ہے افسانے بہت شاندار' پنج کلیانی اور باورچی خانہ بہت اچھی تحریریں لگیں۔ مستقل سلسلے بہت اچھے ہیں۔ آپ نے میرا شعر شائع کیا۔ بہت بہت شکریہ' کنزہ ہاشمی کی باتیں بہت برجستہ اور اچھی لگیں۔

ج : خفا خفا ریحانہ! کیا دوستی ناپنے کا پیمانہ محض خط کی اشاعت ہے۔ بعض اوقات خطوط بہت تاخیر سے ملتے ہیں اور شاہکار خطوط تاخیر سے ملیں تو ان کے نہ شائع ہونے کا ہمیں بھی افسوس ہوتا ہے۔ سفیر محبت کو محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں اور آپ کی محبت کے دل سے قدر دان ہیں۔ آپ سے تو آٹھ دس سال پرانا رشتہ ہے' ہمارے لیے تو ایک ماہ کا تعلق بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔

مسرت الطاف احمد..... کراچی

"حالم" ہر بار کی طرح ایک یونیک اسٹوری ہے۔ میرا خیال تھا کہ حالم ایک میل کردار ہے اور ایک انویسٹی گیٹر ہے لیکن جب پتا چلا کہ تالیہ مراد ہی حالم کا کردار پلے کر رہی ہے تو ساری خوشی اڑن چھو ہو گئی۔ کم ضرور ہوئی ہے لیکن ختم نہیں خیر.....! "دشت جنوں" آئے کت کی گمشدگی نے تو اور بھی الجھا دیا۔ خیر کیف کا رول تو بس نام تک ہی محدود ہو کر رہ گیا ہے اور منفرہ پر تو ترس آتا ہے۔ آٹے میں نمک کی طرح منظر عام پر آتی ہے۔ "ندامت" فنٹاسٹک تحریر تھی۔ "حسن المآب" کی یہ قسط بہت ہی زبردست تھی۔ سائرہ جی بہت ہی سست روی سے الجھی گتھی سلجھا رہی ہیں۔ "میں بنت جمیلہ" کچھ بورنگ سا لگا "عشق مجذوب" کی یہ قسط سپرہٹ تھی۔

افسانوں میں "آپ کا باورچی خانہ" زبردست تھا۔ "خواب" متاثر کن تحریر تھی۔ "آئینہ" بھی قابل تعریف تحریر تھی۔

ڈیئر آپی! آپ سے ایک بات شیئر کرنی تھی' اپریل کے شمارے میں "ہمارے نام" میں رمشا شہزادی' مانانوالہ کا خط نظروں کے سامنے آیا تو موڈ سخت آف ہوا جب اپنے نام کے آگے "آپا" پڑھا۔ رمشا باجی! کیا آپ یہ بتانا پسند کریں گی کہ آپ نے بغیر مجھے دیکھے' بغیر جانے صرف میری تحریروں سے کیسے یہ اندازہ لگایا کہ میں آپ کی آپا ہوں۔ آئی ایم ریئلی شاکڈ' ابھی تو میری شادی بھی نہیں ہوئی اور آپ نے اپنے آپ کو چھوٹا کرنے کے چکر میں مجھے ایڈوانس میں اپنی آپا بنا دیا۔ میری پوری لائف میں مجھے کسی نے ابھی تک آپا نہیں کہا۔ نہ اسکول' کالج اور نہ ہی خاندان رشتہ داروں میں' کیونکہ آپا کہنے کے لیے عمر بھی تو دیکھی جاتی ہے ناں ڈیئر.....!

انتہائی معذرت کے ساتھ اگر آپ کو میری بات بری لگی ہو۔

ج : پیاری مسرت! اتنا غصہ؟ صرف آپا کہنے پر۔ بڑی بہن کو احتراما" آپا کہتے ہیں۔ اب بڑی بہن خواہ پانچ منٹ ہی بڑی کیوں نہ ہو اور آپ نے بدلہ بھی لے لیا رمشاء کو باجی کہہ کر تو پھر اتنا غصہ کیوں ______ کوئی اگر احتراما" آپا یا باجی کہہ دے تو مقصد عزت دینا ہوتی ہے۔ خود کو چھوٹا ظاہر نہیں کرنا ہوتا..... تھوڑا سا دل بڑا کریں اور برداشت بھی پیدا کریں۔ زندگی میں یہ بہت ضروری ہے۔

فائزہ بھٹی..... چوکی

سرورق ٹھیک تھا۔ اس بار تو ماڈل گرل صحت مند تھی۔ رابعہ کو ماڈل گرل کی آنکھیں بڑی پسند آئیں۔ سب سے پہلے "حالم" نمرہ احمد نے پکڑ لیا پھر نمرہ احمد کا پکڑنا تو آپ لوگ جانتے ہیں۔ ویسے نمرہ آپ نے سوچ کے رکھا ہوتا ہے کہ اب کی بار پہلے سے بڑھ کر ہو گا۔

آدھی رات تک کہانی پڑھتی رہی۔ پڑھ کر مزہ آ گیا یہ نہ کہئے گا صرف تعریفیں بات یہ ہے کہ یہ قسط واقعی بڑی جاندار رہی۔ تالیہ مراد اور وہ بننے والا وزیراعظم ہمیں بھی ہمارے اچھے اچھے خوابوں کی تعبیر بتا دو۔

"دشت جنوں" ہاہ! یہ آئے کت تو خود ہی کسی چڑیل سے کم نہ تھی' اب اسے کون سی چڑیل اٹھا کر لے گئی۔ آمنہ ریاض آپ نے کہانی میں کہا محبت ایک بے کار جذبہ ہے۔ ایک تخلیق کار ہونے کے باوجود بھی.....؟ تخلیق اور محبت کا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ایک بار پڑھا تھا۔ تخلیق خواب کے مترادف ہوتی ہے۔" جبکہ میں کہتی ہوں تخلیق محبت کے مترادف ہوتی ہے۔"

سمیرا حمید کی "بنت جمیلہ" اس بار تو لگتا ہے سمیرا نے خنجر کی نوک کو سیاہی میں ڈبو کر لکھا ہے' ہر لفظ ہی تیکھا' صاف گوئی ختم تھی جمیلہ پر' صاف گوئی نہیں منہ پھٹ

ہونے کی آخری حد۔ کہانی اچھی تھی مگر ایک بات جو کہ کھٹکتی رہی۔ جمیلہ کا بار بار اپنی ماں کو برے برے القابات سے پکارنا.... ماں کے دکھ کا ذرا بھی احساس نہیں۔

ج : پیاری فائزہ! آئے کت آپ کو چڑیل لگتی ہے ویسے اچھی تو ہمیں بھی نہیں لگتی۔ آگے دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے فی الحال تو معاویہ اس کے عشق میں مبتلا ہے۔ سمیرا احمد کے ناولٹ میں جمیلہ کو اپنی ماں سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کا دکھ محسوس کرتی تھی تب ہی تو اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کی ماں ظالم کے خلاف آواز بلند کرے' اپنا حق لینے کی کوشش کرے۔ اپنی اولاد کے لیے لڑے۔ لیکن ماں کی خاموشی اسے جھنجلاہٹ میں مبتلا کر دیتی۔ وہ ماں کو برے القاب سے نہیں نوازتی تھی بلکہ جو لوگ اس کے ساتھ بُرا کرتے تھے' ان کا غصہ نکالتی تھی۔

بلقیس حمید خان.... پشاور

اللہ ریاض محمود صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ درجات نصیب کریں۔ آسیہ رزاقی' آپ کا بہت بہت شکریہ! آپ نے بہت خوب صورت الفاظ میں لکھا۔ سائرہ رضا' آپ کی بھی بہت مشکور ہوں۔ آپ کا کمال ہے۔

وہ اک پیاری سی لڑکی تھی' جس کا نام بنت سحر تھا' وہ کہاں گم ہو گئی ہے؟

حالم! نمرہ احمد جب جب لکھتی ہے دل کے تار چھو لیتی ہیں۔ "دشت جنوں" بے چاری خوش نصیب اتنی بھی بے چاری نہیں ہے۔ اس کو اچھا سبق ملا۔ "حسن المآب" اور وہ کون؟ زبردست فنٹاسٹک بمباسٹک ہر کردار مکمل' ہر اک سے مکمل پورا انصاف کیا جا رہا ہے۔ "عشق مجذوب"! اعبیو کی دکھی دل کیفیت دل پر آرے چلا گئی۔ "ندامت" نادیہ احمد کی اسٹوری فل فارم میں تھی اور پسند آئی' سمیرا حمید میں بنت جمیلہ! زبردست' مزیدار' ہر سین ایک سے بڑھ کر ایک' افسانوں میں منتھ آف دی ونر قربانی رہی۔ مبارک باد قبول کیجیے ہاجرہ ریحان صاحبہ!

ج : پیاری بلقیس! آپ نے بہت عمدہ تبصرہ کیا ہے۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ خواتین کتنی محبت اور توجہ سے پڑھتی ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں' کہانی قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع ہو گی۔

آمنہ حسین.... شہداد پور

سب سے پہلے ادارے کو مبارک دیتی ہوں۔ جس کی وجہ سے یہ پرچہ ہم تک پہنچتے ہیں اور اتنی نف لائف میں تفریح کی وجہ بن جاتے ہیں۔ آپ سب دوستوں کی دعاؤں کا نتیجہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میرے والدین کو اپنا گھر دیکھنا نصیب کیا۔ مارچ میں ہماری پوری فیملی نے عمرہ کا فریضہ انجام دیا اور سب دوستوں کے لیے دعائیں بھی کیں۔

اس ماہ ٹائٹل بس سو سو تھا۔ سب سے پہلے نادیہ احمد کو مبارک باد جنہوں نے ڈائجسٹ میں حاضری دے کر دل خوش کر دیا۔ ویل ڈن نادیہ احمد۔ مصباح نوشین کی سب اقساط ساتھ پڑھیں اور آخری قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ رسالہ میں عطیہ خالد بہت اچھا اضافہ ہیں اور اب آخر میں آتی ہوں نمرہ کی طرف'

معذرت کے ساتھ کہ نمرہ احمد متاثر نہ کر سکیں۔ یہ میری ذاتی رائے ہے اور آخر میں آپ سب کی دعاؤں کا اثر ہے کہ میرے منگیتر بہت اچھی جاب پر سیٹ ہو گئے ہیں۔

ج : پیاری آمنہ! عمرے کی سعادت حاصل کرنے پر ہماری طرف سے مبارک باد قبول فرمائیں۔ ہمارے بیشتر قارئین کی فرمائش تھی کہ روایت سے ہٹ کر انہیں کچھ پڑھنے کو ملے۔ اسی لیے حالم شروع کیا ہے۔ ویسے بھی نمرہ کی روایت رہی ہے کہ انہوں نے جب بھی لکھا' ہمیشہ نئے موضوع کا انتخاب کیا۔ ویسے بھی صرف پہلی قسط پڑھ کر کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ پہلی قسط تو صرف کرداروں کا تعارف ہوتی ہے۔

شبانہ شمس بلوچ.... گھوٹکی (سندھ)

میرے پیپر ختم ہو گئے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی کہ میں اپنے خاندان' اپنی بہنوں میں وہ پہلی لڑکی ہوں جس نے بارہ جماعتیں پاس کیں۔ اب یونیورسٹی جانے کے لیے مجھے پتا نہیں کتنے طعنے' نفرت' باتیں برداشت کرنا پڑیں گی خاندان والوں کی۔ اپنے ہی گھر والوں کی (چچا اور بھائیوں کی) دعا کریں مجھے اور میرے پیارے ابو کو اللہ یہ سب برداشت اور سننے کا حوصلہ اور ہمت دے۔ میرے ابو ایک ایسے انسان ہیں جنہوں نے میری پڑھائی کی خاطر اپنے چھوٹے بھائیوں سے گالیاں تک سنیں۔ میرے چچا میرے بارے میں ابو کو ایسی ایسی باتیں کہتے تھے جو میں لکھ بھی

نہیں سکتی لیکن پھر بھی انہوں نے مجھ پہ اعتبار کیا' مجھے کالج تک بھیجا اور اب ابو کہتے ہیں کہ تمہیں یونیورسٹی بھیجنے کے لیے مجھے جہاد کرنا پڑے گا۔ (روفی میری بڑی بہن) کہتی ہے کہ تم فکر مت کرو' آخر لوگ بول بول کے ہار مان لیں گے۔ بس تم نے ہمت نہیں ہارنی۔ میں روفی سے بہت لڑتی ہوں کیونکہ وہ مجھے سمیرا احمید (میری فیورٹ رائیٹر) کے لیے مجھے ایک کارڈ نہیں بنا کے دے رہی۔

کروایا۔ اس ماہ کے شمارے میں سب سے پہلے سمیرا احمید کی کہانی میں بنت جمیلہ کو پڑھا۔ کہانی پڑھ کے بے ساختہ زبان سے نکلا (آئی لو یو سمیرا) آخر میں میرا دل تو جمیلہ نے ٹھنڈا برف کر دیا' مستو کو مار کے 'ایسی ہونی چاہیے عورتیں کو سمیرا احمید کا یارم' بورشے' ابن القلم' رب البشر' ان سب کہانیوں کو میں دس دس مرتبہ پڑھ چکی ہوں۔ سمیرا اور نمرہ دونوں موسٹ موسٹ فیورٹ ہیں۔ "حالم" کی شروعات تو اچھی ہے۔ ندامت (نادیہ احمد) نے بھی بہت اچھا لکھا۔ افسانوں میں مجھے اور روفی کو باورچی خانہ (قدسیہ یاسمین) کا بہت مزیدار لگا۔ اس کو پڑھ کے ہنس ہنس کے آنکھوں میں پانی آگیا۔

ج : پیاری شبانہ! آپ کے والد کی عظمت کو سلام کرتے ہیں کہ وہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کی اتنی مخالفت 'اتنی باتیں سہ کر آپ کو تعلیم دلا رہے ہیں۔ اللہ کرے' آپ بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوں اور آپ کے خاندان کی دوسری لڑکیوں پر بھی علم کے دروازے کھل جائیں۔ روفی کو شادی کی مبارک باد۔ کہ زندگی کا یہ نیا سفر اس کے لیے ڈھیر ساری خوشیاں لے کر آئے۔ آمین۔

سمیرا احمید تک آپ کی تعریف پہنچائی جارہی ہے۔

شاہانہ بلوچ..... خیرپور

میرا دکھ بہت بڑا ہے۔ 20 ستمبر 2015ء کو میرے شوہر کی وفات ہوئی۔ میرے دو معصوم سے بچے یتیم ہوگئے۔ خواتین ڈائجسٹ' رسالے کو اتنا بھی دکھ نہیں ہوا۔ کہ ایک چھوٹی سی خبر شائع کرتے۔ میرا حق ہے اس رسالے پر ساری زندگی اس رسالے کو دی ہے۔ اور اب میرا عظیم نقصان ہوا ہے۔ میری بہن دوست' غمگسار 10 مئی کو ہمیں چھوڑ کر خالق حقیقی سے جاملی۔ دل کرتا ہے کہ اس کی اتنی باتیں کروں کہ ـــــ رسالہ بھر دوں پر مجھے لفظوں میں موتی پرونے نہیں آتے۔ میں شکوہ نہیں کر رہی۔ مگر ریاض صاحب کے جانے کے بعد آپ قارئین کو وہ حیثیت نہیں دیتے۔ یہ رسالہ ہمارا ہے۔ اس کی تعریف و تنقید ہمارا حق ہے۔

ج : پیاری شاہانہ! اللہ پاک آپ کو صبر جمیل عطا کرے۔ بے شک آپ بہت غم سے گزر رہی ہیں ہمیں علم ہوتا تو ضرور آپ کے دکھ میں شریک ہوتے۔ ریاض صاحب کے جانے کے بعد بھی کچھ بھی نہیں بدلا۔ ہم ان

ہی کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں 'ان کے ہی راستے پر چل رہے ہیں۔ بخدا ہمارے لیے ہمارے قارئین اور ہماری رائٹرز بڑا اثاثہ ہیں۔ اور ہم ان کی دل سے قدر دان ہیں۔ خواتین کا تمام عملہ آپ سے آپ کے شوہر اور بہن کی تعزیت کر رہا ہے۔ پروردگار آپ کو یہ صدمہ برداشت کرنے کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

یاسمین کنول..... پسرور

محمود ریاض کے بارے میں مضمون اچھا لگا۔ ان کے لیے واقعی یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی ذات میں اک کائنات جیسا تھا۔

حدیقہ انصاری لاہور نے آپ کا باورچی خانہ سجا دیا۔ انداز تحریر متاثر کن رہا۔ کرن کرن روشنی اچھا سلسلہ ہے۔ افسانوں میں آئینہ اچھا لگا۔

دلکش نظم سے آغاز کرنے والا ناول "حالم" "خواب دیکھنے والا" کہاں ختم ہوگا' کوئی نہیں جانتا..... نمرہ احمد کی اچھی کاوش ہے۔ آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا۔

ج : پیاری یاسمین ! پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکر گزار ہیں۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے پہنچائی جارہی ہے۔

اروی رباب..... سیالکوٹ

سب سے پہلے حالم ہی پڑھی اور اس کا یہ جملہ ڈائری کی زینت بنا۔

"پلان کیا گیا گناہ کبھی آخری گناہ نہیں بن سکتا' جس جرم سے پہلے یہ سوچا جائے آخری دفعہ کرنے جارہے ہیں وہ جرائم کی زنجیر کی محض اگلی کڑی ہوتا ہے اگلی چوری..... اگلا گناہ پھر ایک اور مزید' جو لوگ گناہ چھوڑتے ہیں وہ پچھلے گناہ کو آخری گردان کر چھوڑتے ہیں۔

حالم کے بارے میں کیا کہوں؟ اس کہانی کے بارے میں ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے۔ عشق مجذوب میں اپنے اندازے کی درستی پر خوشی ہوئی بہت پہلے سے اندازہ تھا کہ ہینڈسم حذیفہ ہے اور عبیر ہی اس کی ہیروئین ہے۔ بہر طور مصباح کی بہترین کاوش "عشق مجذوب" پسندیدگی کی سند لے گیا سمیرا حمید کی بنت جمیلہ پڑھی۔ دکھ سے آنکھیں بھر آئیں مگر بنت جمیلہ کے عملی قدم اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے نے دل موہ لیا اور بقول ثمرہ کے

"جبر کو صبر سے برداشت کرو تو قبر رہ جاتی ہے" سمیرا ہمیشہ لاجواب لکھتی ہیں ان کی تعریف کرنا تو ایسا ہے گویا سورج کے سامنے دیا جلانا۔

"حسن المآب" سائرہ بہت عمدگی کے ساتھ تحریر کر رہی ہیں دعا پر لکھا گیا سائرہ کا پیراگراف سیدھا دل پر جا لگا اور یہ جملہ "وہ دے دے تو سبحان اللہ نہ دے تو الحمد اللہ" اس نے تو گویا دل ہی جیت لیا۔

عطیہ! باپ کی خواہشات بتانے اور دلوں میں ان کی محبت جگانے کا شکریہ۔ قربانی بھی ایک نصیحت آمیز فسانہ تھا۔ خاص طور پر یہ جملہ بہترین تھا "میں زخموں سے گھن نہیں کھاتا ایسے مردوں سے گھن کھاتا ہوں جو ان زخموں کا باعث ہوتے ہیں۔"

"آئینہ" اور "جواب" بس ٹھیک ہی تھے۔ محمود ریاض صاحب کے لیے دل سے دعائے مغفرت نکلتی ہے۔

ج : پیاری عروہ! بہت عمدہ، جامع اور خوب صورت تبصرہ کیا، دل خوش ہو گیا پڑھ کر۔ ہم یونہی تو نہیں کہتے ہماری قارئین بھی ہماری مصنفین کی طرح بے مثال ہیں۔ باپ کے بارے میں ہم آپ کی باتوں سے سو فی صد متفق ہیں۔ نمرہ کو ہم نے چھوٹے موٹے انٹرویو کے لیے کہا ہے۔ تفصیلی انٹرویو تب ہو گا جب ہم اسلام آباد جائیں گے یا وہ کراچی آئیں گی۔

ناظمہ زیدی۔ چوک اعظم

ٹائٹل ٹھیک تھا۔ کالا رنگ دیکھ کر گرمی کا احساس ہوا۔

احادیث و آیات سبحان اللہ "آسیہ جی" آپ نے بہت اچھا لکھا۔ مجھے آپ کا طرز تحریر بہت پسند ہے۔ "حالم" اچھی کہانی تھی یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ کے ایل کی عوام بھی مارننگ شوز دیکھتی ہے اور وہ بھی انعامی شوز کے پیچھے پاگل ہیں۔ "فاتح" شاید حالم کا باپ ہے' ہیرو تو نہیں ہو سکتا... "خواب" اچھی تحریر تھی۔ "پنج کلیانی" خاص متاثر نہ کر سکا عطیہ خالد اس سے اچھا لکھ سکتی ہیں۔ میرا ذاتی خیال ہے۔ "دشت جنوں" آگے بڑھا ہے۔ خوش نصیب بچ گئی شکر ہے۔ "آپ کا باورچی" ہونہہ میں نہیں بولتی۔ آپ سمجھ تو گئے ہوں گے۔ "ندامت" ٹھیک تھا مگر اینڈ میں سب گڈمڈ لگا فلمی سا..... "قربانی" مجھے پسند نہیں آیا۔ عورتوں پہ تشدد والے افسانے مجھے اچھے نہیں لگتے۔

"سمیرا حمید جی" معذرت کے ساتھ آپ کی اسٹوری مجھے اچھی نہیں لگی۔ اشفاق احمد کی بات از نوال افضل اچھی لگی۔

تنقیدی نگاہ سے اس لیے پڑھتی ہوں کہ جیسے اس نے ہماری تربیت کی اسی طرح فی زمانہ بچیوں کی بھی تربیت کرے، مجھے خواتین سے جڑے رہنا اچھا لگتا ہے چاہے افسانے ہوں یا خط.... آپ کو ڈاکٹرز کے انٹرویو والا آئیڈیا پسند آیا بہت شکریہ۔ میں نے ایک ڈاکٹر گائنا کالوجسٹ کا انٹرویو کیا ہے۔ سوالنامہ بھی خود ہی تیار کیا ہے۔ جلد ہی آپ کو بھجواؤں گی۔ ہمارے گھر میں کل ملا کر چھ ڈاکٹر ہیں۔ اسی لیے اسپیشلسٹ سے ٹائم لینا کوئی مسئلہ نہیں۔

کنزہ سے ملاقات اچھی رہی۔

ج : پیاری ناظمہ! تبصرہ ہمیشہ کی طرح بہت جامع ہے۔ خواتین اور شعاع سے آپ کی محبت کی ہمارے دل میں بہت قدر ہے۔ کہانیاں اگر قابل اشاعت ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔ انٹرویو بھجوا دیں پڑھ کر ہی بتایا جا سکتا ہے۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

بقیہ سروے

مکمل کرنا اور طاق راتوں میں تہجد کا اہتمام رمضان میں میرے معمولات میں شامل ہوتے ہیں۔

(2) سحری اور افطاری میں خصوصی پکوان تو کوئی خاص نہیں بنتے۔ میرے بچے سحری میں سوتی جاگتی آنکھوں سے دسترخوان پر بیٹھے ہوتے ہیں اور وہ بمشکل ہی کچھ کھانے پر آمادہ ہوتے ہیں اس لیے سحری میں مجھے کوئی خاص تردد نہیں کرنا پڑتا۔ بس انڈا پراٹھا' چائے' دہی کی لسی اور پھینی ہی بنتی ہیں۔ جو جس کو پسند ہو' وہ کھالیتا ہے۔ البتہ افطار میں میرے بچوں کی پسند کی سب چیزیں ضرور بنتی ہیں۔ چھولے' دہی بڑے' فروٹ چاٹ اور جوس تو روزانہ افطاری کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آلو کے پکوڑے' سموسے' رول اور میکرونی بھی افطاری میں بنائے جاتے ہیں مگر یہ سب کچھ روز نہیں بلکہ باری باری بناتے ہیں۔ کھٹے آلو اور فرائی چنے بھی کئی بار ٹرائی کرتی ہوں۔ کسٹرڈ اور جیلی اتوار کو ضرور افطاری میں بناتی ہوں۔ جبکہ سنڈے کو دیگر روز کے مقابلے میں افطاری پر بہت زیادہ اہتمام کیا جاتا ہے۔

(3) ہم رمضان میں کسی کو بھی اپنے گھر مدعو نہیں کرتے۔ جس کی وجہ بھی میں آپ کو بتا رہی ہوں۔ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر کہیں بھی آنا جانا بہت ہی مشکل لگتا ہے۔ (اپنی گاڑی ہو تو الگ بات ہے۔ پھر افطار کے بعد واپسی میں تراویح بھی قضا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ اس لیے رمضان کے پورے مہینے ہم اور دیگر خاندان والے کہیں بھی آتے جاتے نہیں۔ ہم افطار پر آنے سے معذرت کرلیتے ہیں اگر کوئی مدعو بھی کرے تو بھی۔ بس ہمارے خاندان میں سب کا یہی حال ہے کہ روزے کی حالت میں آنے جانے سے بہت گھبراتے ہیں۔ اس لیے شاید ہمارے ہاں افطار پارٹی کرنے کا رواج نہیں اور نہ ہی بچوں کی روزہ کشائی میں دھوم دھڑکا کرتے ہیں۔ بس افطاری بنائی اور ہر جگہ بھجوادی۔ البتہ برابر میں مقیم اپنی پیاری نند کے گھر ضرور ایک روزہ افطار کرنے جاتے ہیں اور وہ ہمارے گھر آجاتی ہیں۔ امی کے گھر بھی کبھی افطاری پر نہیں گئے۔

ریحانہ اعجاز۔ کراچی

(1) بلاشبہ رمضان المبارک کی آمد ہماری روزمرہ زندگی میں کافی ساری تبدیلیوں کا باعث بنتی ہے لیکن گھر کے کاموں میں میرے خیال سے اضافہ نہیں ہوتا بلکہ کمی آجاتی ہے اور عبادت کے لیے بے شمار وقت مل جاتا ہے' میں سحری میں ہی اپنے سارے ضروری کام نمٹالیتی ہوں اور بچے بھی بڑے ہیں' سب ہی روزہ رکھتے ہیں تو کسی کے ناشتے کی فکر بھی نہیں ہوتی اور برتن دھونے کے بعد تو بس فراغت ہی فراغت' نماز فجر کے بعد قرآن پاک کی تلاوت اور بڑے اطمینان سے ایک سپارہ پڑھ لیتی ہوں اور دیگر سورتیں بھی جو فجر کے بعد معمول کا حصہ ہوتی ہیں۔ سورج نکلنے تک عبادت کے ساتھ ساتھ اپنے دیگر کاموں سے بھی فارغ ہوجاتی ہوں۔

اعجاز اور بچوں کے جانے کے بعد اطمینان سے سوجاتی ہوں۔ گیارہ بجے کام والی کی آمد کے ساتھ ہی آنکھ کھلتی ہے۔ کام والی دو سے تین گھنٹے میں اپنے سارے کام کرتی ہے۔ میں اس دوران افطاری کے لیے کچھ ضروری کام کرلیتی ہوں جیسے پالک کاٹ لیا' پیاز کاٹ لی' چنے ابال لیے' کوئی چٹنی بنانی ہے تو وہ بنالی' دو بجے بچے آتے ہیں' کام والی کے جانے کے بعد ہم نماز ظہر ادا کرتے ہیں۔ بچے سونے کے لیے لیٹ جاتے ہیں اور میرے پاس اپنے لیے کافی ٹائم ہوتا ہے' عصر کے وقت بچوں کے ساتھ نماز ادا کرنے کے بعد کچن کا رخ کرتی ہوں' یا پہلے مزید تھوڑی دیر تلاوت قرآن کرلیتی ہوں' رمضان المبارک میں ویسے تو خصوصی عبادت میں تراویح کا ہی اہتمام ہوتا ہے' اس کے علاوہ کوشش ہوتی ہے کہ جمعہ کے جمعہ صلوۃ التسبیح پڑھ لی جائے اور زیادہ سے قرآن پاک کی تلاوت کرلی جائے۔

(2) سحری میں کچھ خاص اہتمام کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ میرے "وہ" یعنی اعجاز زیادہ ڈیمانڈنگ نہیں ہیں' سب ہی دہی پراٹھا یا جیم ڈبل روٹی' دودھ اس سے افطاری کرتے ہیں اور اگر کسی کا دل چاہے تو کھجلہ اور پھینی حاضر ہیں' چائے کا کچھ ایسا شوق نہیں ہماری فیملی میں۔ بن گئی تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی ضروری نہیں اور نہ ہی سالن کی ضرورت ہوتی ہے۔

ہاں افطاری میں بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے جن میں دہی

بڑے، چنا چاٹ، پکوڑے اور شیک، یہ ڈیلی روٹین کا حصہ ہیں۔ ہاں ان کے ساتھ ساتھ بدل بدل کر کبھی "اسپیگیٹی" یا سموسے یا فرنچ فرائز یا نگٹس کچھ بھی بچوں کی فرمائش پر شامل ہوتا رہتا ہے۔

ویسے زیادہ تر اعجاز اور بچوں کو میرے ہاتھ کے دہی بڑے اور پکوڑے خاص طور پر پسند ہیں۔ سالن بنانے کی نوبت پورے ایک ماہ میں تب پیش آتی ہے جب کبھی افطاری کا موڈ نہ ہو تو پھر کوفتہ، نان اور شیک یا چکن کڑاہی، نان اور شیک، یا بریانی رائتہ سلاد، کولڈ ڈرنک، بس یہ تین چیزیں ہیں جو اگر افطاری نہیں بنانی تو پھر یہ ہی بنے گا، جی تو افطاری کی وہ مخصوص ڈش جو میں ضرور بناتی ہوں وہ ہے دہی بڑے، جو میں بڑے سادہ طریقے سے تیار کرتی ہوں لیکن سب کو بہت پسند آتے ہیں۔ ترکیب حاضر ہے ٹرائی کیجیے گا پسند آئے تو دعا دیجیے گا نہ پسند آئیں تو بھی دعا ہی دیجیے گا۔

اقراجث...... منچن آباد

(1) کچھ خاص تبدیلی نہیں آتی کیونکہ سحری مما بنا کر ہی اکثر جگاتی ہیں اور افطاری کی تیاری اکثر ہم کر دیتے ہیں۔ میں نہیں چھوٹی سسٹر اور گھر کے دیگر (ہاہاہا) ہم تو اکثر کام چور کہلواتے ہیں۔ سارا دن میں میرے ذمے بس تین چار کام ہوتے ہیں۔ موڈ ہو، سیکنڈوں میں کر ڈالتی ہوں ورنہ بہانے اسٹارٹ ہو جاتے ہیں تو عبادت کے لیے میرے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے۔ رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت زیادہ سے زیادہ کرتی ہوں اور ہر وقت استغفار کا ورد کرتی ہوں۔

(2) سحری اور افطاری خصوصی پکوان مما جانی ہی بناتی ہیں یا چھوٹی سسٹر! سحری میں دہی، لسی اور پراٹھا تو میں ضرور لیتی ہوں اور ساتھ کوئی نہ کوئی پھل وغیرہ افطاری میں ماشاءاللہ سے جوسز، سکنجبین فروٹس چاٹ دہی بڑے سموسے وغیرہ اکثر ہوتے ہیں اتنا کچھ کھانے کے بعد کھانے کی گنجائش ہی نہیں بچتی! نہیں ایسی کوئی ڈش نہیں جو ہمارے خاندان میں مخصوص ہے۔

(3) جی ہاں ماشاءاللہ میرے پیرنٹس اکثر مہمانوں کو مدعو کرتے ہیں غریبوں کی افطاری کرواتے ہیں، جمعتہ المبارک کے دن تو ماشاءاللہ بہت زیادہ لوگ ہوتے ہیں۔

صائمہ مشتاق...... سرگودھا

(1) تبدیلی یہ آتی ہے کہ پہلے صبح فجر کے بعد اٹھ کر کھانا وغیرہ بنتا ہے اور رمضان میں سب سحری ایک ساتھ کرتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں تو ویسے ہی یہ دل کرتا ہے کہ آدمی عبادت کرتا رہے یہ ہی کہ پانچ وقت کی نماز قرآن مجید کی تلاوت اور نماز تسبیح پڑھتی ہوں۔

(2) سحری تو بہت سادگی سے کرتے ہیں، دہی، رات کا بنا ہوا سالن، ساتھ لسی پی جاتی ہے اور افطاری میں مینگو کا میٹھا، شیک ساتھ پکوڑے۔

(3) جی ہاں بہت شوق سے ویسے بھی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں، وہ اپنا رزق ساتھ لے کر آتے ہیں۔

پری زاد...... شیخوپورہ

(1) رمضان جیسے ہی شروع ہوتا ہے، سب کے ہی معمولات میں خاصی تبدیلی آجاتی ہے خاص طور پر ہم سب خواتین کی۔ ہم عید کی تیاری رمضان سے پہلے ہی مکمل کر لیتے ہیں۔ اس لیے عبادت کے لیے ٹائم آسانی سے مل جاتا ہے۔ عام روٹین میں تو جب گھر کے سارے مرد اپنی اپنی جاب پہ چلے جاتے ہیں پھر گھر کی صفائی ستھرائی کا مرحلہ آتا ہے مگر رمضان میں میں اور میری دو بھابھیاں سحری کے بعد ہی گھر کے سارے کام نپٹا لیتی ہیں۔ فجر کی نماز قرآن پاک کی تلاوت اور تسبیحات کے بعد گھر کے کام نپٹا کر سو جاتے ہیں پھر تقریباً "گیارہ بارہ بجے تک اٹھ کر پھر سے اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ظہر کے بعد افطاری کی تیاری، ہماری فیملی چونکہ بڑی ہے تو اس لیے افطاری ذرا جلدی تیار کرنا شروع کر دیتے ہیں اور افطاری میں اور میری دونوں بھابھیاں مل کر بناتی ہیں۔ رمضان میں خصوصی عبادت میرے لیے یہی ہوتی ہے کہ عشاء کی نماز سے صبح سحری تک اپنے رب سے مخاطب رہوں، اسے پکارتی رہوں۔ کھلی چھت پر جائے نماز بچھا کر دونوں اٹھا کر اللہ سے مانگنا اتنا اچھا لگتا ہے دل چاہتا ہے کہ اس کی رحمت کے سائے تلے بیٹھی رہوں۔

(2) سحری میں تو عموماً" سب گھروں میں دہی، پراٹھے، سالن اور انڈے وغیرہ کے ساتھ ہی سحری کی جاتی ہے، البتہ ہمارے ہاں افطاری میں خاصا اہتمام ہوتا ہے اور میں چونکہ ایک اچھی کک ہوں (آہم) تو روزانہ ہی کوئی نئی ڈش

ٹرائی کرتی ہیں لیکن دو چیزیں جو افطاری میں لازمی بنتی ہیں وہ ہے آڑو کا شیک اور چائنیز پکوڑے۔

(3) جی، جی۔ بالکل رمضان میں ہم افطاری پہ اپنے رشتہ داروں کو مدعو کرتے ہیں اور ضرور کرتے ہیں (نیکیاں بھی تو زیادہ سے زیادہ کمائی ہیں مگر نیکیوں کے علاوہ بھی مہمان تو رحمت ہوتے ہیں اور میں جی جان سے ان کی مہمان نوازی کرتی ہوں) دونوں بھابھیوں کے میکے والے' میری دونوں باجیاں اور ان کے سسرال والے اور بھائیوں کے دوست وغیرہ سب کو ہی افطاری پہ بلاتے ہیں اور میں ہر رمضان ہی کچھ نیا مینیو بناتی ہوں اور جب میرے سوئیٹ سے بھانجے اور بھانجیاں آتے ہیں تو خاص طور پر پوچھتے ہیں "خالہ جانی اس دفعہ کون' کون سی ڈشیں ٹرائی کرنی ہیں۔" جب بھی میری باجیاں اور بچے آتے ہیں میری تو تب ہی عید ہو جاتی ہے۔ بس اب کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ بارہ بج رہے ہیں اور نیند بھی کافی آرہی ہے۔

بنت محمد عمران..... راولپنڈی

(1) رمضان شروع ہوتے ہی ہمارے گھر کی روٹین بہت تبدیل ہو جاتی ہے۔ سحری تک کوئی بھی نہیں سوتا۔ سحری کھانے کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر ہی سارے لیٹتے ہیں' پھر صبح اٹھنے کی ترتیب ہر ایک کی مختلف ہوتی ہے امی صبح 10 بجے اٹھ جاتی ہیں اور گیارہ بجے تک میں اور ابو بھی اٹھ جاتے ہیں۔ بارہ' ایک بجے تک باقی بہن بھائی بھی اٹھتے جاتے ہیں۔ امی تلاوت نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر دو تین بجے تک دوبارہ لیٹ جاتی ہیں۔ ہمارے گھر سپارہ اور ٹیوشن پڑھنے والے بچے آتے ہیں جن کو میں اور چھوٹی بہن پڑھاتے ہیں اور صبح مستورات کو سمر کورس میں اور امی مل کر کرواتے ہیں جس کا اہتمام رمضان میں ہی ہوتا ہے (صبح گیارہ بجے) پھر چار بجے تک ابو بھی گھر آجاتے ہیں (بھائی بارہ بجے دوکان پر جاتا ہے) وہ بھی آکر آرام کرتے ہیں اور میں بھی چار بجے تک لیٹ جاتی ہوں۔ پھر اٹھ کر عصر کے بعد افطاری میں اور امی مل کر بناتے ہیں۔

اور رمضان تو سارا عبادت کے لیے ہوتا ہے۔ الحمد للہ ہم میں سے ہر ایک آٹھ سے دس پاروں کی تلاوت کرتا ہے اور الحمد للہ پانچوں نمازوں کے ساتھ نوافل کا بھی اہتمام رہتا ہے اور تراویح بھی کوئی نہیں چھوڑتا اللہ اور عبادت کے لیے وقت نکالنے کا آسان طریقہ باقی ہر تفریح سے قطع تعلق ہے۔ عبادت کے لیے بہ آسانی وقت نکل آتا ہے اور رمضان کی خصوصی عبادت صلوٰۃ التسبیح ہے۔ جس کا اہتمام ہم تینوں بہنیں' والدہ اور دیگر رشتہ دار خصوصی کرتے ہیں اور روزانہ صلوٰۃ التسبیح پڑھتے ہیں۔

(2) رمضان کی خصوصی ڈش تو کوئی نہیں ہے کیونکہ ہمارے ہاں افطاری سے زیادہ سحری میں اہتمام ہوتا ہے اور سحری میں سب گھر والے چاول شوق سے کھاتے ہیں چاہے کوئی سے بھی ہوں۔ (پلاؤ' بریانی دال کے ساتھ چاول) افطاری میں پکوڑے' چپس یا اسی طرح کی کوئی ایک تلی ہوئی چیز رول سموسے وغیرہ ساتھ دہی بھلے' فروٹ چاٹ یا چنا چاٹ میں سے کوئی ایک ساتھ پینے کے لیے گھر کا بنا ہوا کوئی شربت مینگو' فالسہ یا روح افزا' سکنجبین اور ساتھ میں دودھ سوڈا اور افطاری میں پینے سے ہی پیٹ بھر جاتا ہے کھجور کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد کھانا کھایا جاتا ہے جو کہ صرف ایک دو بندے ہی کھاتے ہیں یا چائے کے ساتھ کوئی اسنیکس لے لیتے ہیں پھر تراویح پڑھ کر تھوڑا بہت لے لیتے ہیں کیونکہ ساری رات جاگ کر ہم ایک دوسرے سے باتیں نہیں کرتے بلکہ سارا وقت اپنے کمروں میں عبادت کرتے ہیں۔ تلاوت و نماز وغیرہ۔ خصوصی ڈش میں فروٹ چاٹ آسکتی ہے۔ اس میں سارے موسمی پھل کے ساتھ کھجور ڈالتے ہیں۔ ساتھ دہی یا کریم کی جگہ مینگو سیرپ ڈالتے ہیں جو کہ گھر میں ہی بناتے ہیں۔ یہ چاٹ نہایت لذیذ ہوتی ہے۔ ساتھ دہی بڑے بھی نہایت اچھے ہوتے ہیں۔ بیسن کے بڑے فرائی کر کے پھر دہی میں ڈال کر مسالے ڈالے جائیں تو بہت ہی مزیدار دہی بڑے تیار ہوتے ہیں۔

(3) افطار کے لیے ہمارے ہاں مہمانوں کو مدعو نہیں کیا جاتا۔ کیونکہ "تقریباً" سارا خاندان ہی رمضان میں گھر سے کم ہی نکلتا ہے۔ ویسے افطاری بنا کر بانٹنے کا اہتمام کیا جاتا ہے جو ہمارے ہاں بہت زیادہ رائج ہے۔ اور کسی کے گھر افطار پارٹی پر جانا یا اپنے گھر مدعو کرنے کا رواج نہیں ہے۔ ہمارے ہاں عید کی ساری شاپنگ بھی رمضان سے پہلے ہی کر لی جاتی ہے تاکہ رمضان میں خشوع و خضوع سے عبادت ہو سکے۔

✡

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

پروپیگنڈہ

سائرہ شہروز کی پہچان بہروز سبزواری کی بہو اور شہروز سبزواری کی بیوی سے ہے۔ سائرہ اپنی فلم "چلے تھے ساتھ" کے بارے میں کہتی ہیں کہ "یہ درست کہ فلم کو وہ پذیرائی نہیں مل سکی جو ملنا چاہیے تھی، مگر ناقدین نے اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سخت رویہ رکھا۔ اس کا اثر فلم کے بزنس پر بھی پڑا۔ یہ فلم ہماری روایتوں سے جڑی ہوئی ہے، مگر منفی بصرے پڑھنے کے بعد فلم بینوں پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔ (سائرہ! آپ واقعی اتنی معصوم ہیں۔۔۔ کہ۔۔۔؟) سائرہ نے مزید کہا کہ "میں نے اپنی فلم کو ایک ناقد کی نظر سے دیکھا (بالکل ماں والی ناقدانہ نظر جو اپنی اولاد کی ہر برائی کو۔۔۔) اور مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اس فلم میں کئی خامیاں ہیں، لیکن پھر بھی یہ ایک بری فلم نہیں اگر ہم ہر نئی آنے والی فلم پر منفی پروپیگنڈہ کرتے رہے تو ہم کبھی بھی پاکستان فلم انڈسٹری کو اس کے پیروں پر نہیں کھڑا کر سکتے۔

(یہ منفی پروپیگنڈہ کیا ہوتا ہے سائرہ!)

اعزاز

گزشتہ سال ایک فلم بنائی تھی انجم شہزاد نے "ماہ میر" کے نام سے۔ سرمد صہبائی کی لکھی اس فلم میں ایک نوجوان شاعر کی کہانی دکھائی گئی ہے۔ اس کردار کو فہد مصطفیٰ نے ادا کیا ہے اور فلم کی ہیروئن ایمان علی ہیں۔ اس فلم نے نئی دلی میں ہونے والے "دادا صاحب فلم فیسٹیول میں بہترین فلم اور بہترین موسیقی کا ایوارڈ جیت لیا ہے۔ انجم شہزاد نے اپنی فلم کے ایوارڈ جیتنے پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ "ان کا مقصد فلم سے پیسہ کمانا نہیں تھا (تو پھر۔۔۔؟) بلکہ وہ دنیا کو پاکستانی سنیما دکھانا چاہتے تھے جس میں وہ کامیاب ہو گئے ہیں۔"

یاد رہے کہ گزشتہ دنوں ہونے والے پاکستان لکس

ایوارڈ میں ماہ میرا ایک ایوارڈ بھی حاصل نہیں کر سکی تھی۔ (ہمارے یہاں ایوارڈ حاصل کرنے کے لیے.....؟)

لہسن

ہزاروں سال پہلے مصر کے لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ اس چھوٹی سی سبزی میں کتنی صحت بخش خوبیاں پوشیدہ ہیں۔ بظاہر بدبودار اس چھوٹی سی پوتھی میں جو فوائد موجود ہیں۔ اس کی تصدیق اب سائنس دانوں نے بھی کر دی ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق لہسن میں ایک مخصوص جراثیم ای۔ کولائی کو ختم کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ ای کولائی اکثر پیٹ میں تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔

مقابلہ

کرکٹ بورڈ کے چیئرمین شہریار خان نے سابق کپتان اور موجودہ کپتان کا موازنہ کرتے ہوئے مصباح الحق کو عمران خان سے بہتر (نہ 'نہ چیخنے کی کیا بات ہے بھئی! یہ ان کی ذاتی رائے ہے۔) کپتان قرار دیا ہے، فتوحات کے ریکارڈ کے اعتبار سے۔ اب سارے ناقدین اور اینکرز شہریار خان کے پیچھے لٹھ لے کے لگ گئے۔ (بھئی انسان کی اپنی رائے بھی تو ہوتی ہے نا' اپنے ذہن کے مطابق تو؟) کہ عمران خان نے ورلڈ کپ جتوایا (ایں عمران خان نے ..... کیا ہو گیا بھول گئے۔ کوئی ٹیم نے اکھیلی۔ رمضان میں عوام مصلّے پر

اور کھلاڑی میدان میں... کتنی دعائیں، نفل، روزے دار گزگڑا رہے تھے... اور فاتح... بھئی قوم؟) کوئی کہہ رہا ہے کہ سیاسی معاملے کی وجہ سے شہریار خان نے یہ بیان دیا (اب ہر بات کو سیاست؟) کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ کرکٹ کا کٹھن دور تھا۔ (نہیں جناب گولڈن دور تھا جب کرکٹ کھیلی جاتی تھی "اب تو؟) سہولیات کم تھیں (الفاظ ختم!) ڈسپلن اور رواداری (اف... یادداشت بہت کم زور ہے۔) بہرحال مقابلہ نہیں ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں بہت اچھے کپتان تھے قوم آج تک عمران خان کی دیوانی ہے۔

☼ ☼ ☼

کچھ ادھر ادھر سے

☆ حق سچ کا ساتھ دینے کا بھی ہے۔ اپنے تئیں یہ اینکر لوگوں میں گیان بھی بانٹ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے یہ دنیا کی آلائشوں سے پاک صاف ہیں۔ پوتر ہیں۔ چینلز پر یوں وعظ دیتے ہیں جیسے منبر پر براجمان ہوں۔ سمجھتے ہیں کہ روزانہ شام سات سے رات بارہ بجے تک یہ نظام کو ہلانے کی جو باتیں کرتے ہیں۔ دراصل فی زمانہ وہی تپسیا ہے۔ ان تمام نشانیوں کے پیش نظر سب سے موزوں لقب ان اصحاب کے لیے جو ذہن میں آتا ہے وہ سادھو ہے۔

(ذراہٹ کے۔ یاسر پیرزادہ)

☆ میڈیا کے یہ سادھو پیش گوئیاں بھی کرتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ان مہاتماؤں کی پیش گوئیاں حکومت الٹانے سے ہی متعلق ہوتی ہیں۔ رونے کا مقام صرف یہ ہے کہ یہ کبھی درست ثابت نہیں ہوتیں لیکن یہ سادھو کبھی نہیں روتے، کبھی شرمندہ بھی نہیں ہوتے بلکہ شرم ان کی لغت میں شامل ہی نہیں ہے۔ یہ اسی بے شرمی اور ڈھٹائی سے اگلی شام پھر چینل پر براجمان ہوتے ہیں اور شام غریباں برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

(ذراہٹ کے۔ یاسر پیرزادہ)

☆ ایک معروف اور متنازع اینکر جو میڈیا کی بارونق دنیا میں موٹر سائیکل پر آئے تھے اور اب اپنے کھرے سچ کی بنا پر دو عدد طیاروں کے مالک بن چکے ہیں (جس کی تصدیق راقم الحروف کے استفسار پر وہ ڈیڑھ دو سال قبل کر چکے ہیں۔ جس کے گواہ مدیر اردو ڈائجسٹ جناب الطاف حسن قریشی ہیں)۔

(ڈاکٹر طاہر مسعود)

ممبئی میں دھاراوی بہت بڑی کچی بستی ہے۔

اس کے بیشتر نوجوان دیہات میں شادی کرتے ہیں یعنی لڑکی ان کے ساتھ شہر رہنے آتی ہے اور دھیرے دھیرے شہر کے رنگ میں رنگ جاتی ہے۔ ایک مسلم نوجوان کا کہنا ہے کہ "ممبئی کی لڑکیاں جانتی ہیں کہ ٹیکنالوجی سے کیسے نمٹنا ہے اور گاؤں سے آنے والی لڑکیاں جانتی ہیں ساس سے کیسے نمٹنا ہے۔"

(میرج ان انڈیا۔ اکانومسٹ)

ایک بار اسکرین پر آنے والی

لیلیٰ واسطی سے مُلاقات

شاہین رشید

لیلیٰ واسطی کام کریں یا نہ کریں لیکن ان کا نام ہی کامیابی کی ضمانت ہے کیونکہ انہیں تو اداکاری ورثے میں ملی ہے۔ طاہرہ واسطی اور رضوان واسطی جنہوں نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ پی ٹی وی کو دیا۔ انہیں بھلا کون بھول سکتا ہے... ان ہی کی دختر نیک اختر لیلیٰ واسطی ہیں... جو آج کل آپ کو متعدد ڈراموں میں نظر آ رہی ہیں اور سوپ "سنگسار" میں ان کی پرفارمنس بہت عمدہ ہے۔

"کیسی ہیں لیلیٰ؟"

"بالکل ٹھیک ٹھاک... آپ کیسی ہیں۔"

"بہت زمانے کے بعد آپ سے بات ہو رہی ہے اور بہت اچھا محسوس کر رہی ہوں میں۔"

"جی... مجھے بھی اچھا لگ رہا ہے۔"

"اتنا اچھا کام کر رہی ہیں تو انٹرویو تو دیں گی نا؟"

"ویسے میں انٹرویو دیتی نہیں ہوں اور میں مارننگ شوز میں بھی نہیں جاتی... بس "سنگسار" کے پروموشنل شو میں گئی تھی کیونکہ "ہم ٹی وی" والوں نے بڑے اصرار کے ساتھ بلایا تھا... اور سچ میں میں انٹرویو دینا بالکل بھی پسند نہیں کرتی... مگر آپ مجھے یاد ہیں... تو آپ کو دوں گی انٹرویو...."

"بہت شکریہ لیلیٰ... تو پھر شروع کریں؟"

"جی... جی ضرور۔"

"آج کل کیا مصروفیات ہیں اور کیا آن ایئر ہے؟"

"مصروفیات تو ڈراموں کے حوالے سے ہی ہیں... اور کچھ آن ایئر ہیں اور کچھ حال ہی میں ختم بھی ہوئے ہیں... سیریل "سن یارا" میں مہمان آرٹسٹ تھی۔ یہ سیریل اے آر وائی سے آن ایئر ہوا' دانش نواز اس کے ڈائریکٹر تھے۔ سیریل "تیرے بنا" میں بھی مہمان آرٹسٹ تھی میں... اس کو سید علی رضا اسامہ نے ڈائریکٹ کیا اور اعجاز اسلم کی پروڈکشن تھی... سیریل "التجا" اس کے ڈائریکٹر مظہر معین صاحب ہیں اور یہ سکس سگما پروڈکشن ہاؤس کی سیریل ہے اور اے آر وائی سے آن ایر ہے جبکہ "تیرے بنا" جیو سے آن ایر ہے... اس طرح ہم ٹی وی سے سوپ "سنگسار" آن ایر ہے جس کی رائٹر نزہت سمن ہیں اور یہ پیر سے جمعہ شام 7 بجے آن ایر ہوتا ہے۔"

"کافی گیپ کے بعد آپ اسکرین پہ نظر آئیں... گیپ کی وجہ کیا تھی؟"

"جی... آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں... 2000ء میں میں پڑھائی کے سلسلے میں "لاس اینجلس" چلی گئی تھی اور وہاں فلم میکنگ میں ڈگری لی ... واپس پاکستان آئی تو "انڈس ویژن" جوائن کیا اور ڈرامے ڈائریکٹ کیے جن میں "میرا نام ہے محبت" بہت ہٹ گیا تھا۔ وہاں مرحوم "نجم الزماں" صاحب کے ساتھ کافی کام کیا... کچھ عرصہ فری لانس کام کیا اور پی وی ون کے لیے 27th اسٹریٹ ڈائریکٹ کی "آج ٹی وی" میں ندیم بیگ جو کہ ڈائریکٹر آف دی انٹرٹینمنٹ تھے ان کے ساتھ بہ حیثیت انٹرٹینمنٹ منیجر کے کام کیا... پھر 2008ء میں... میں وزٹ کر رہی تھی امریکہ اور چچا چچی کے پاس گئی تو میں کافی بیمار ہو گئی تھی اور جب میرے ٹیسٹ ہوئے تو مجھے Leukemia diagnose (لیوکیمیا تشخیص) ہوا ... مگر میرے شوہر کی دعائیں میرے ماں باپ کی دعائیں 'میرے دوستوں کی دعائیں اور جتنے بھی لوگ مجھے جانتے تھے ان سب کی دعاؤں کی وجہ سے میں آج اس دنیا میں زندہ سلامت ہوں۔ بہت لمبا سفر کیا ہے میں نے بیماری کا سفر بھی اور دوسرا سفر بھی مگر اللہ تعالیٰ کے ہی اختیار میں ہے سب کچھ تو میں دعائیں مانگتی تھی کہ اللہ میاں آپ نے ہی بیماری دی اور آپ ہی اسے دور بھی کریں گے اور اللہ نے مجھے صحت دی اور میں اللہ کی بہت شکر گزار ہوں۔"

"کیا اچانک ہی؟"

"جی میں... اچانک ہی بیمار ہو گئی تھی... اور پھر ایک لمبا سفر شروع ہوا... اور میں ساری تفصیلات میں جانا نہیں چاہتی... بس اتنا ضرور کہوں گی کہ بہت سی تکالیف کے بعد مجھے اللہ نے نئی زندگی دی... اور اس دوران سب لوگ میرے لیے کتنے پریشان رہے 'یہ میں ہی جانتی ہوں یا میرا خدا... پھر 2011ء میں میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ 2012ء میں میری والدہ کا انتقال ہو گیا... تو بہت لمبا سفر رہا... اور جب میں ٹھیک ہو گئی تو میرے شوہر پاکستان آ گئے اور میں بھی... کیونکہ اب مجھے وہاں رہنے کی ضرورت نہیں تھی... مگر وہاں کے لوگوں نے ہاسپٹل والوں نے میرا بہت خیال رکھا اور اللہ نے میری جان بچائی۔ میرے شوہر میری سب سے بڑی سپورٹ رہے 'اللہ میاں انہیں خوش رکھے کہ انہوں نے میرا بہت بہت خیال رکھا اور رکھتے ہیں۔"

"اللہ تعالیٰ آپ کو لمبی عمر دے... ایک آزمائش تھی جو ختم ہوئی... فیلڈ میں واپس آکر کیا فرق محسوس کیا؟"

"بہت فرق لگا مجھے... مگر یہ بھی دیکھا کہ بہت سی چیزیں بہت بہتر بھی ہوئی ہیں... اس فیلڈ میں بہت لوگ آ گئے ہیں۔ ہاں جو چیز پہلے جیسی لگی... وہ لوگوں کا پیار ہے جو پہلے جیسا ہی ہے۔ میرے امی 'ابو کی وجہ سے ان کے نام کی وجہ سے... مجھے لوگ بہت چاہتے ہیں۔ بہت عزت کرتے ہیں... اور جیسا کہ آپ نے مجھے یاد کیا... مجھے بہت اچھا لگا... بہت کچھ اچھا ہوا ہے اور بہت کچھ نہیں بھی 'کئی چیزیں ہیں جو نہ بدلی ہیں اور نہ ہی بہتر ہوئی ہیں۔ مثلاً "ڈسپلن" تھوڑا کم ہے 'وقت کی پابندی نہیں ہے۔ پنکچوئل نہیں ہیں لوگ' رویے تھوڑے صحیح نہیں ہیں۔ سب بہت جلدی میں نظر آتے ہیں۔ سب اپنے اپنے فونز میں مست ہوتے ہیں۔ کسی کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت کہاں بیٹھے ہیں... کس سے کیا بات کرنی ہے... اور میرا خیال ہے کہ یہ حال تو پوری دنیا کا ہے... صرف اس فیلڈ کا نہیں ہے۔"

"لیلیٰ! آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ ہمارے ڈراموں میں عورت چیختی چلاتی 'مظلومیت کا پیکر' روتی دھوتی نظر آتی ہے۔ ہمارے ڈراموں میں کتنی صداقت ہے؟"

ہنستے ہوئے "میرا ڈرامہ "سنگسار" دیکھیں تو میں تو بہت رلا رہی ہوں اپنی بہو کو... دیکھا جائے تو آج کی عورت بہت آزاد ہو گئی ہے۔ بہت اسٹرانگ بھی ہو گئی ہے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ہم ڈراموں میں تھوڑا ڈراما بھی ڈال بھی دیتے ہیں... حقیقت سے تھوڑے آگے نکل جاتے ہیں۔ یعنی حقیقت سے تھوڑے دور

ہو جاتے ہیں' مجھے یقین ہے کہ یہ سارے جذبات' یہ سارے واقعات ہمارے معاشرے کا ہی حصہ ہیں' جن کو تھوڑا بنا سنوار کے' تھوڑا چٹ پٹا بنا کے پیش کر دیا جاتا ہے۔ تاکہ لوگ شوق سے دیکھیں۔۔۔ میرے خیال میں بہت سے ڈراموں میں تو مجھے لگتا ہے کہ جیسے لوگ اپنی حسرتیں بھی نکال رہے ہوتے ہیں۔۔۔ بہت سارے ڈراموں میں ایسے بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے کہ جو وہ عام زندگی میں نہیں کر سکتے لیکن وہ ڈرامے میں دیکھ کر آپ کی حسرتیں پوری ہو جاتی ہیں کہ کاش میں اپنی ساس کو یہ کہہ سکوں یا اپنی بہو کو ایسے بول سکوں یا بھائی بہن کو ایسے کہہ سکوں۔۔۔ مگر پھر بھی بہت سے ڈرامے حقیقت کے بہت قریب بھی ہوتے ہیں۔ تو ہر طرح کے ڈرامے آ رہے ہیں۔ ہر طرح کے ویورز ہیں' ہر طرح کے تبصرے ہیں۔۔۔ تو انڈسٹری میں سب کچھ ہوتا ہے۔"

"ہمارے ڈراموں میں انڈین ڈراموں کا رنگ بھی بہت نمایاں ہوتا ہے' مثلاً "کسی کی موت پر گھر والوں کا اور تعزیت کرنے والوں کا سفید یا کالا لباس زیب تن کر لینا کہاں کا کلچر ہے۔ ہمارا تو نہیں ہے؟؟"

"بالکل آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔۔۔ یہ ایک گیٹ اپ ہوتا ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے کہا کہ کچھ ڈرامے حقیقت سے بہت دور ہوتے ہیں اور کچھ بہت قریب ہوتے ہیں۔۔۔ اور جو حقیقت سے قریب ہوتے ہیں' ان میں آپ بالکل نیچرل چیزیں دکھاتے ہیں۔۔۔ کس ملک کا کلچر ہے۔ بس سین کو ذرا اچھا بنانے کے لیے کہ سب ایک ہی طرح سے بیٹھے ہوئے ہوں۔۔۔ اور سوگ میں بیٹھے ہیں۔ ڈائریکٹر یہ دکھانا چاہتا ہے۔۔۔ تو میری نظر میں ڈراما ایک فکشن ہے۔۔۔ ڈراما ویژن ہے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر اور رائٹر کا۔۔۔ ڈرامے میں جو کچھ دکھایا جا رہا ہوتا ہے' وہ سب سچ بھی نہیں ہوتا' تھوڑا مبالغہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈرامہ انٹرٹینمنٹ کے لیے ہی ہوتا ہے اور اس سے زیادہ توقعات بھی نہیں رکھنی چاہئیں۔۔۔ ہاں "اڈاری" جیسے ڈرامے جس میں سوسائٹی کے جو ناسور ہیں' شیطان ہیں ان کو سامنے لانا بہت ضروری ہے۔ اور اس سے ایک پیغام بھی ملتا ہے مگر سب ڈراموں سے توقعات وابستہ کرنا صحیح نہیں ہے۔۔۔ یہ میری رائے اور میری سوچ ہے۔"

"ہمارے ڈراموں کے موضوعات میں کیا یکسانیت نہیں آ گئی یا بہت زیادہ Repeat نہیں ہونے لگے؟"

"جی موضوعات تو آج کل بہت نئے آ رہے ہیں' جیسے "خدا میرا بھی ہے" اور "اڈاری" ان کے موضوعات ایسے ہیں جن کو پہلے کبھی ٹچ نہیں کیا گیا۔۔۔ یہ ہماری سوسائٹی میں ہے سب کچھ' لیکن ہم کچھ وجوہات کی بنا پر نہیں دکھا سکتے تھے۔ تو اب اگر رائٹر ہمت کر رہے ہیں اور کوئی دوسرا رائٹر بھی اپنے تجربے کو سامنے لا رہا ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے بلکہ اچھی بات ہے کہ کھل کر سب کچھ سامنے آنا چاہیے۔ اب جہاں اتنے ساس بہو کے ڈرامے بن رہے ہیں۔۔۔ وہاں اگر رئیل موضوعات پر ڈرامے بن رہے ہیں تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے تو میں تو یہ کہوں گی کہ ہر طرح کا ڈرامہ بننا چاہیے کہ اس دنیا میں ہر طرح کا انسان ہے۔ ہر طرح کی آڈینس ہے تو اب اتنے چینل آ گئے ہیں کہ جس کا جو دل چاہے دیکھے۔ اب چوائس بہت ہو گئی ہے۔"

"لیلیٰ! آپ ماشاء اللہ جوان ہیں' کم عمر ہیں تو اپنے ہم عمر یا اپنے سے ذرا چھوٹے فنکاروں کی ماں بننا کیسا لگتا ہے؟"

ہنستے ہوئے "آپ نے صحیح کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ میرے اتنے بڑے بچے ہوں۔۔۔ لیکن یہ ایک کردار ہے اور میرا گیٹ اپ ہوتا ہے اور "سنگسار" میں مجھے "نادر" کا کردار بہت اچھا لگا' یہ ایک نگیٹو کردار تھا اور نگیٹو رول میں پرفارمنس مارجن زیادہ ہوتا ہے' رول چھوٹا بڑا نہیں ہوتا اور مجھے جب بھی کوئی کردار آفر ہوتا ہے تو میں یہ دیکھتی ہوں کہ اس میں پرفارمنس مارجن کتنا ہے۔ پھر یہ کہ ڈائریکٹر کون ہے' وہ بہت اچھا ہونا چاہیے اور اسکرپٹ بہترین ہونا چاہیے اور میں ہر طرح کے رول کر رہی ہوں۔ آپ میرے ڈرامے دیکھیں خواہ وہ "حسن یارا" ہو یا "تیرے بنا" ہو۔۔۔ پھر

آپ "التجا" دیکھیں۔۔۔ سب میں میرے رولز بہت مختلف قسم کے ہیں اور سب ہی پرفارمنس مارجن بہت زیادہ ہے۔۔۔ اور "سنگسار" میرا شاید واحد ڈرامہ ہے جس میں میں اتنے بڑے بچوں کی ماں کا رول کر رہی ہوں۔۔۔ اور میں نے یہ کردار بہت سمجھ کے اور سوچ کر لیا تھا کہ اس میں کرنے کو بہت کچھ ہے۔۔۔ اور واقعی مجھے بہت سراہا گیا اس رول میں اور دنیا جہاں سے مجھے تعریفی فونز آئے۔ اور میری پرفارمنس کو بہت زیادہ پسند کیا گیا۔۔۔ اور اب تک میں نے جتنا بھی کام کیا ہے اس کا تجربہ بہت اچھا رہا۔۔۔ "سنگسار" کے ڈائریکٹر کامران اکبر خان بہت اچھے ہیں۔ سیٹ پہ بہت اچھا ماحول ہوتا ہے تو مجھے ذرا بھی فیل نہیں ہوتا کہ میں اتنے بڑے بچوں کی ماں کا رول کر رہی ہوں۔"

"آپ کی والدہ طاہرہ واسطی بہت اچھی رائٹر تھیں اور آپ نے بھی فلم میکنگ پڑھی ہے۔۔۔ تو فیوچر میں کیا ارادے ہیں آپ کے؟"

"جی۔۔۔ میری امی تو بہت اچھی اور زبردست رائٹر تھیں اور ان کے لکھے ہوئے کئی ڈرامے بہت مقبول ہوئے۔۔۔ سیریلز بھی پسند کیے گئے۔۔۔ اور 2013ء میں جب میں وزٹ پر پاکستان آئی تو میں نے ایک ڈرامہ لکھا بھی تھا۔

ڈائریکٹ بھی کیا تھا۔ کانسیپٹ میری والدہ کا تھا۔۔۔ تو میں لکھ رہی ہوں اور لکھوں گی یوٹیوب پہ "زندگی اداس ہے تو" سیریز آپ دیکھ سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ میں اور میرے شوہر بھی سلور اسکرین کے لیے لکھ رہے ہیں اور ہاں جی لکھنے کے جراثیم والدہ کی طرف سے آئے۔۔۔ اور ان شاء اللہ اب باقاعدگی سے لکھوں گی۔ بس آپ سب کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

"فارغ اوقات میں کیا کرتی ہیں۔۔۔ اور آپ کی تعلیم؟"

"فارغ اوقات میں کتابیں پڑھتی ہوں۔۔۔ میوزک سنتی ہوں۔۔۔ مطالعہ کا بے حد شوق ہے۔۔۔ پھر موویز بھی دیکھتی ہوں اور بہت دیکھتی ہوں۔ کیونکہ یہ تو ایک طرح سے ہمارا ہوم ورک بھی ہے اور تعلیم کے بارے میں آپ کو بتاؤں کہ میں نے سینٹ جوزف کانونٹ سے گریجویٹ کیا انگلش لٹریچر میں' پھر میں پڑھائی کے لیے لاس اینجلس چلی گئی اور یونیورسٹی آف کیلیفورنیا لاس اینجلس سے اپنی تعلیم مکمل کی۔ فلم میکنگ میں ماسٹرز کیا۔"

"گھر کے کاموں سے دلچسپی؟"

"بالکل ہے۔۔۔ کیونکہ جو بھی امریکہ میں رہتا ہے یا کسی بھی باہر کے ملک میں رہتا ہے' وہ اپنا کام خود کرتا ہے تو میں کھانا بھی پکاتی ہوں اور اللہ کا شکر ہے کہ دیگر کام بھی کر لیتی ہوں۔۔۔ اور کرنا بھی چاہیے سب کو۔۔۔ ہاں پاکستان آکر بندہ تھوڑا سست ہو جاتا ہے' کیونکہ یہاں ملازم ہوتے ہیں تو ہم تھوڑا سست بھی ہو جاتے ہیں اور ان ہی پہ انحصار بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ لیکن پھر بھی اپنا کمرہ صاف کرنا' اپنی الماریاں ٹھیک کرنے جیسے کام میں خود ہی کرتی ہوں۔۔۔ اور اپنا ناشتہ بھی بنا لیتی ہوں۔۔۔ ہاں کھانا پکانے کا اب ٹائم نہیں ملتا۔"

"آپ وائس اوور کرتی ہیں؟"

"میں بہت پہلے کمرشلز میں وائس اوور کرتی تھی۔ شاید دس سال قبل۔۔۔ اب "وائس اوور" نہیں دیے رہی۔۔۔ اور میں میوزک کی بات بھی آپ کو بتا رہی تھی تو میں آپ کو بتاؤں کہ بچپن میں امی ابو کے اصرار پہ میں نے میوزک کی تربیت بھی لی تھی۔ اور میں ہارمونیم بجاتی تھی۔ غزل اور نیم کلاسیکل گانوں کی ٹریننگ بھی لیتی تھی اور "نثار بزمی" کی اسٹوڈنٹ تھی میں۔۔۔ یہ امی ابو کا شوق تھا اور امی ابو کے ساتھ ہی یہ شوق بھی چلا گیا۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ میں اتنا اچھا گاتی ہوں۔"

"ترکش ڈراموں کی ڈبنگ کی؟"

ہنستے ہوئے "کی تو نہیں ہے لیکن اگر کوئی اچھی آفر آئی تو ضرور کروں گی۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے لیلیٰ واسطی صاحبہ سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

سحر اور افطار کے پکوان

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ کرم ہے کہ اس نے ہمیں ایک بار پھر رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں سے مستفیض ہونے کا موقع دیا۔ اس بابرکت ماہ کی برکتیں سمیٹتے ہوئے سحر و افطار کے موقع پر لذت کام و دہن کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ہم نے بھی آپ کے دسترخوان کو سجانے کا کچھ اہتمام کیا ہے۔ امید ہے پسند آئے گا

فالسے کا شربت

آج کل گرمیوں کا موسم ہے اور بازار میں فالسے دستیاب ہیں' آپ ان کا ٹھنڈا اور فرحت بخش مشروب بھی بنا سکتی ہیں۔ ترکیب درج ذیل ہے۔

فالسے	ایک کپ
چینی	آدھا کپ
سیاہ مرچ پاؤڈر	دو چٹکی
ٹھنڈا پانی	ایک گلاس
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

فالسوں کو اچھی طرح دھولیں اور بلینڈر میں ان تمام اشیا کو ڈال کر بلینڈ کرلیں۔

اب اس رس کو چھلنی سے چھان لیں اور برف سے ٹھنڈا کر کے گلاس میں پیش کریں۔ اگر باریک کپڑے میں چھانیں گی تو شربت بہت خوش رنگ اور شفاف ہو گا۔

قیمے کے سموسے

اشیاء:

قیمہ	ایک پاؤ
پیاز	ایک عدد
لہسن ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
پسی ہوئی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
پسی ہوئی ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
زیرہ (کٹا ہوا)	ایک چائے کا چمچہ
ٹماٹر (چوپ کرلیں)	ایک عدد
ہرا دھنیا' ہری مرچیں	حسب پسند
تیل	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

قیمے کو دھو کر اس میں پیاز' لہسن ادرک پیسٹ' نمک' پسی لال مرچ' پسی ہلدی' زیرہ' ٹماٹر' آدھا کپ پانی اور تیل ڈال کر ہلکی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیں۔ قیمہ گل جائے تو اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا ڈال کر بھون لیں اور ٹھنڈا کرلیں۔

سموسے کی پٹی میں قیمہ رکھ کر اسے سموسوں کی شیپ میں لپیٹ دیں۔ اور ڈیپ فرائی کرلیں

آلو کی ترکاری اور لچھا پراٹھا

اشیاء:

آلو	دو عدد
زیرہ	آدھا چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا	آدھا گٹھی
ہری مرچیں	دو عدد
تیل	تین کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:

آلو کے کیوبز کاٹ لیں۔ پتیلی میں تیل گرم کریں۔ اس میں زیرہ ڈال کر کڑکڑائیں۔ اس کے بعد

اس میں کٹی لال مرچ، نمک، آلو اور آدھا کپ پانی شامل کریں ڈھکن ڈھک کر درمیانی آنچ پر آلو کے گل جانے تک پکائیں۔ آخر میں ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر پراٹھوں کے ساتھ پیش کریں۔

لچھے دار پراٹھے کے لیے ضروری اشیاء :

آٹا	دو کپ
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت
گھی	حسب ضرورت

ترکیب :

آٹے کو چھان کر اس میں نمک اور ایک چمچہ گھی ملا کر پانی سے نرم گوندھ لیں اور ڈھک کر پندرہ سے بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اس کے بعد گندھے ہوئے آٹے کا پیڑا لے کر بیلیں اور گھی لگا کر خشک آٹا چھڑک کر گول شکل میں رول کر کے دوبارہ پیڑا بنا لیں۔ اب دوبارہ بیل کر گرم توے پر پہلے دونوں طرف سے سینکیں اس کے بعد حسب ضرورت گھی لگا کر فرائی کرلیں مزیدار لچھا پراٹھا تیار ہے، ترکاری کے ساتھ پیش کریں۔

چکن سرپرائز کٹلس

اشیاء :

چکن (بون لیس) (ابال کر ریشے کرلیں)	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
آلو (ابال کر چھیل لیں)	ایک کلو
پسی ہوئی لال مرچ	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
سوکھا دھنیا	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	چار عدد
ڈبل روٹی	آدھا پیکٹ
ہرا دھنیا	دو کھانے کے چمچے
اجوائن	چٹکی بھر
تلنے کے لیے	
ڈبل روٹی	حسب ضرورت
(بریڈ کرمز تیار کرنے کے لیے)	
میدہ	حسب ضرورت
انڈے	دو عدد
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب :

ڈبل روٹی کے سلائسز کا چورا کر کے ہلکا سا فرائی کرلیں۔ آلوؤں میں آدھا کپ بریڈ کرمز، نمک، لال مرچ، سفید زیرہ، سوکھا دھنیا، ہری مرچیں، ہرا دھنیا اور اجوائن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ کوفتوں سے ذرا بڑے بالز بنالیں اس کے بعد ہر بال کو ہتھیلی پر رکھ کر درمیان میں کٹوری سی بنائیں۔

اس کے درمیان میں چکن رکھ کر بال کو دوبارہ بند کر کے کٹلس کی شیپ دے دیں اسی طرح سارے کٹلس تیار کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں۔

کٹلس کو پہلے میدے میں، پھر انڈے اور آخر میں بریڈ کرمز میں لپیٹ کر تل لیں۔

جب سنہری ہو جائیں تو نکال لیں۔ افطاری میں کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

اسپرنگ رول

اشیاء :

رول کے لیے پٹیاں	تیرہ عدد
بند گوبھی (درمیانے سائز کی باریک کٹی ہوئی)	ایک عدد
گاجر	دو عدد کدو کش کی ہوئی
شملہ مرچ	باریک کٹی ہوئی
ہری پیاز	چار عدد باریک کٹی ہوئی
نمک	حسب ذائقہ
کٹی ہوئی مرچ	ایک چائے کا چمچہ
کالی مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ

سویا ساس	دو چائے کے چمچے
سرکہ	دو چائے کے چمچے
کوکنگ آئل	دو کپ

ترکیب :

تمام سبزیوں کو دو چمچے تیل ڈال کر فرائی کرلیں۔ تقریباً" پانچ منٹ تک اس کے بعد تمام مسالے شامل کرلیں۔ جب تمام سبزیاں ٹھنڈی ہوجائیں تو ایک ایک پٹی پر تیار سبزیوں کو رکھ کر رول بنائیں اور ڈیپ فرائی کرلیں' کیچپ کے ساتھ نوش فرمائیں۔

قیمے کی کچوریاں

اشیاء :

قیمہ	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ	تین سے چار عدد
گھی	تلنے کے لیے
اجوائن	آدھا چمچہ
میٹھا سوڈا	آدھا چمچہ
سفید زیرہ	ایک چمچہ
ادرک لہسن	ایک چمچہ
لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
پسی کالی مرچ	آدھا چمچہ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
لیموں کا رس	دو چمچے
میدہ	ایک کلو

ترکیب :

میدہ میں نمک 'میٹھا سوڈا' اجوائن اور چار کھانے کے چمچے گھی ڈال کر ہاتھ سے دس منٹ کے لیے اچھی طرح گوندھ کر ململ کے کپڑے میں لپیٹ کر دس پندرہ منٹ کے لیے رکھ دیں۔ دیگچی میں ایک کھانے کا چمچہ گھی درمیانی آنچ پر گرم کریں۔ قیمہ 'ادرک لہسن 'کالی مرچ اور لال مرچ ڈال کر اتنی دیر پکائیں کہ پانی خشک ہوجائے' پھر ثابت دھنیا اور زیرہ ڈال کر تین منٹ بھونیں۔ چولہے سے اتار کر اس میں پیاز' ہری مرچیں' ہرا دھنیا' لیموں کا رس ملالیں۔ کچوریوں کے لیے آٹے کے پیڑے بنالیں اور ہاتھ کو گیلا کرکے پیڑے کو ذرا سا پھیلائیں۔ ہر پیڑے میں قیمہ بھر کر اچھی طرح بند کردیں اور پندرہ منٹ کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ کڑاہی میں گھی گرم کریں اور بنائے گئے پیڑوں کو ڈیپ فرائی کرکے سنہری کرلیں۔ چٹنی یا کیچپ کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

قلفی

اجزا :

دودھ	دو کلو
سویاں	ایک پیالی
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
چاول کا آٹا	دو کھانے کے چمچے
قلاقند	آدھا کلو
پستے' بادام الائچی	دو کھانے کے چمچے
چینی	دو پیالی

ترکیب :

ایک پیالی دودھ نکال کر باقی دودھ ابال کر ہلکی آنچ پر چولہے پر ہی چھوڑ دیں۔ سویاں ایک پیالی پانی میں ابال کر باریک پیس لیں اور الائچی دانے اور بادام اور پستے باریک کتر کر چینی کے ساتھ دودھ میں ڈال دیں اور چمچہ ہلاتے رہیں۔ ٹھنڈے دودھ میں چاول کا آٹا اور کارن فلور گھول کر شامل کردیں اور چولہا بند کردیں۔ ٹھنڈا ہوجائے تو قلاقند کچل کر مکس کردیں۔ سانچے میں ڈال کر خوب پھینٹیں پھر فریزر میں رکھ دیں۔ ایک گھنٹہ بعد نکال کر دوبارہ پھینٹیں پھر فریج میں رکھ دیں۔ ایسا دو تین مرتبہ کریں۔ اس سے قلفی میں برف نہیں جمے گی اور وہ نرم بھی رہے گی۔ تین گھنٹے بعد مزے دار قلفی تیار ہوگی۔

نائلہ شیخ' کراچی

س : میں نے آنکھ کھولی تو گھر میں غربت کا راج دیکھا' والد صاحب ایک کارخانے میں مزدور تھے۔ معمولی سی تنخواہ میں بڑی مشکل سے گزارا ہوتا۔ وہ کارخانے سے تھکے ہارے گھر آتے تو امی پر غصہ اتارتے۔ امی بھی مزاج کی تیز تھیں۔ چپ نہ رہتیں' ایسے میں ہم سب بہن بھائی ان کے غصے کا نشانہ بنتے۔ بڑی بہنوں کی شادیاں بھی ایسے گھروں میں ہوئیں جہاں دو وقت کی روٹی کے بھی لالے تھے۔ میں نے سرکاری اسکولوں میں پڑھ کر میٹرک کیا' پھر پرائیویٹ بی اے بھی کرلیا اور گھر کے قریب ایک چھوٹے سے پرائیویٹ اسکول میں نوکری کرلی۔ شکل و صورت اچھی تھی' سب ہی احساس دلاتے تھے کہ میں خوب صورت ہوں' آئینہ بھی یہی کہتا تھا۔ گھر کی غربت دیکھ کر میں نے طے کرلیا تھا کہ میں کسی بے روزگار اور غریب لڑکے سے شادی نہیں کروں گی۔ کئی رشتے آئے لیکن وہ بھی والد صاحب کی طرح معمولی مزدور تھے۔ میں نے صاف انکار کردیا۔ پھر ایک رشتہ آیا' جس کے بارے میں گھر والوں نے بتایا وہ بہت پیسے والے ہیں' کافی جائیداد بھی ہے۔ جس کا وارث یہ اکلوتا لڑکا ہے' وہ لوگ ہماری برادری سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ مجھے وہ لڑکا بالکل پسند نہیں تھا۔ عمر میں بھی کافی فرق تھا لیکن صرف یہ سوچ کر ہامی بھرلی کہ اس غربت سے تو نجات ملے گی اور زندگی خوش حال گزرے گی لیکن شادی کے بعد پتا چلا' وہ سب جھوٹ تھا۔ وہ تو ہم سے بھی زیادہ غریب تھے۔ لڑکا کوئی خاص کام بھی نہیں کرتا تھا۔ میرا دل لڑکے کی طرف پہلے ہی مائل نہیں تھا۔ یہ سب جان کر تو جیسے بجلی سی گری۔ ایک دو ماہ بددلی کے ساتھ گزارے۔ پھر امی کے گھر واپس آگئی۔ اب میں یہیں رہ رہی ہوں۔ والد صاحب کا انتقال ہوچکا ہے۔ بھائی کام کرتا ہے لیکن گھر کے حالات اب بھی بہت اچھے نہیں ہیں۔ گھر والے زور ڈال رہے ہیں کہ میں واپس سسرال چلی جاؤں۔ لڑکے کے گھر والے بھی کئی بار آچکے ہیں لیکن میرا دل نہیں مانتا۔ میری عمر تیس سال ہے۔ ابھی نہ جانے کتنی زندگی ہے' میں اس کے ساتھ کیسے رہوں گی۔

ج : اچھی بہن! اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ قصوروار آپ کے گھر والے ہیں۔ رشتہ آیا تھا تو انہیں پوری تحقیق کرنا چاہیے تھی۔ جبکہ وہ لوگ برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لڑکے کے ساتھ رہنے کو آپ کا دل نہیں مانتا اور وہ لڑکا آپ کو طلاق دینے پر تیار نہیں ہے۔ ایسی صورت میں آپ خلع لے سکتی ہیں لیکن خلع لینے سے پہلے اچھی طرح سوچ لیں' جلد بازی میں فیصلہ نہ کریں۔

آپ کے گھر کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ تیس سال کی عمر تک آپ کا کوئی اچھا رشتہ نہیں آیا۔ آگے طلاق کے بعد تو اچھی جگہ شادی کے امکانات مزید کم ہوجائیں گے۔ گھر میں بھابھی ہے' دو بہنیں ہیں' کیا آپ ان حالات میں اپنے گھر میں رہ سکیں گی؟ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ پیسے کی تنگی دور کرنے کے لیے آپ جاب کرلیں اور شوہر کے ساتھ زندگی گزاریں کیونکہ یہاں رہیں گی تو بھی جاب تو کرنا پڑے گی۔ بہرحال یہ فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے' سارے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ ویسے بھی کہتے ہیں پیسا بیوی کے نصیب سے آتا ہے۔ اگر آپ کی قسمت میں پیسہ ہے تو وہاں رہ کر بھی آسکتا ہے۔

حنا احمد۔ سکھر

س : میں ایک پرائیویٹ ادارے میں ملازم ہوں۔ مالک کا رویہ تقریباً" تمام ملازمین کے ساتھ بہت ہتک آمیز

ہے لیکن میرے ساتھ تو کچھ زیادہ ہی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہیں میری صورت سے چڑ ہے۔ میں ان کا سامنا کم ہی کرتی ہوں پھر بھی بات بے بات سب کے سامنے ذلیل کر دیتے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔ نوکری میری مجبوری ہے۔ شوہر کوئی کام نہیں کرتے۔ بچے چھوٹے ہیں' ابھی پڑھ رہے ہیں۔ کئی بار گھبرا کر سوچا کہ نوکری چھوڑ دوں پھر حالات دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی۔ میں ہمیشہ وقت پر آفس آتی ہوں۔ کام بھی محنت سے کرتی ہوں۔

پھر ایسا رویہ کیوں؟ سوچ سوچ کر میرے سر میں درد رہنے لگا ہے۔

ج : کچھ لوگوں کو اپنے غصے پر قابو نہیں ہوتا۔ وہ غصے میں بسا اوقات ایسی باتیں بھی کہہ جاتے ہیں جو دوسروں کے لیے تکلیف اور اذیت کا باعث ہوتی ہیں۔ با اختیار ہونے کا احساس اور دوسروں کو کمتر سمجھنا اس کی وجہ ہوتی ہے۔

بہر حال آپ سوچ سوچ کر پریشان نہ ہوں' اس طرح آپ کی توجہ کام سے ہٹ جائے گی اور آپ سے کام میں غلطیاں سرزد ہوں گی جو زیادہ خرابی کا باعث بنیں گی۔ فی الحال خاموشی سے وقت گزاریں۔ اس دوران دوسری جاب تلاش کرتی رہیں' جیسے ہی دوسری جاب ملے۔ آپ یہ جاب چھوڑ دیں۔ وہ ادارے کے مالک ہیں' آپ ملازم ہیں۔ کچھ کہنے یا جواب دینے سے فائدے کے بجائے نقصان ہی ہو گا۔

عالیہ۔ گجرات

س : بہن کی شادی پندرہ سال پہلے ہوئی تھی۔ شادی کے بعد بہن بہت خوش تھیں۔ بہنوئی بھی مطمئن نظر آتے تھے۔ لیکن پچھلے ایک دو سال سے وہ بالکل بدل گئی ہیں۔ ہروقت گم صم سوچوں میں ڈوبی نظر آتی ہیں۔ کئی بار وجہ بھی پوچھی انہوں نے وہم کہہ کر ٹال دیا۔ کھانا بھی برائے نام کھاتی ہیں۔ امی کو بھی کچھ نہیں بتاتیں۔ اب پچھلے کچھ دنوں سے ان پر دورے سے پڑنے لگے ہیں۔ شدید خوف کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے' ہر چیز سے ڈرتی ہیں۔ انہیں لگتا ہے جیسے کوئی انہیں مارنا چاہتا ہے۔ بار بار ہاتھ دھوتی ہیں۔

ج : جسمانی بیماری کی تشخیص ہو جاتی ہے لیکن ذہنی بیماری کی تشخیص مشکل سے ہوتی ہے۔ جسمانی بیماری میں انسان کا جسم معمول کے مطابق کام نہیں کرتا اور ذہنی بیماری میں انسان معمول سے ہٹ کر کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ جیسے جسمانی صحت میں کوئی شخص کامل نہیں' اسی طرح ذہنی صحت میں بھی کوئی آدمی کمال کا دعوا نہیں کر سکتا۔ بھوک کم لگنے کی صورت میں غذا یا خوراک کم ہو جاتی ہے تو اس کمی کی وجہ سے جسم کمزور ہو جاتا ہے اور جسم کی کمزوری سے ذہنی امراض کی شدت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

دماغ میں کچھ کیمیکلز کی کمی کی وجہ سے انسان کا دماغ ٹھیک طرح کام نہیں کرتا اور انسان شدید ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ دنیا سے کنارہ کش ہوتا جاتا ہے۔ تنہائی میں رہنا پسند کرتا ہے۔ کبھی اس کے ذہن میں اس قسم کے خیالات آتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

آپ کی بہن کا مسئلہ یہی ہے۔ ابتدا بھوک اور نیند کی کمی سے ہوئی۔ پھر وہ آہستہ آہستہ سب سے دور ہوتی گئیں۔ ہروقت سوچوں میں الجھے رہنے سے ذہن مزید متاثر ہوا اور اب وہ خوف کا شکار ہو گئیں۔ انہیں باقاعدہ علاج اور دواؤں کی ضرورت ہے۔ کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے علاج کرائیں ورنہ یہ کیفیت بڑھ کر خطرناک صورت اختیار کر سکتی ہے۔

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایتُ اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

ثمینہ ناز۔۔۔لاہور

س : میرا رنگ گورا ہے' لیکن چہرے پر رونق اور چمک نہیں ہے۔ چہرہ مٹیالا سا نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ آنکھوں کے گرد حلقے ہیں؟

ج : اپنے چہرے کی جلد تروتازہ اور چمک دار بنانے کے لیے مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ کیلوں اور شہد کا مکس فیس ماسک ضرور لگائیں۔ ایک کیلے میں دو چمچے شہد ملا کر پیسٹ بنالیں اور اسے چہرے پر اچھی طرح لگالیں۔ بیس منٹ بعد چہرہ دھولیں۔

ایک چائے کا چمچہ دودھ' تین قطرے گلسرین اور چھ قطرے عرق گلاب ملا کر آمیزہ بنالیں اور اس پیسٹ کو روزانہ پانچ منٹ تک چہرے پر لگائیں۔ جلد چمکدار اور خوبصورت ہوجائے گی۔

آنکھوں کے گرد سیاہ حلقوں کو دور کرنے کے لیے روئی کا پھویا بنائیں اور اسے چائے کے پانی میں بھگو کر دس منٹ تک لگائیں۔ سیاہ حلقے آہستہ آہستہ دور ہوجائیں گے۔

سیما بلوچ۔۔۔کراچی

س : عرصہ ایک سال سے میری ناک اور ہونٹوں کے گرد چھائیاں پڑگئی ہیں اور دن بہ دن بڑھ رہی ہیں۔ اس کے علاوہ میرے چہرے پر کیل بھی نکلتے ہیں۔ کوئی علاج بتائیں۔

ج : آپ کی یہ جلدی تکلیف جسم میں آئرن اور وٹامن سی کی کمی کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے' اگر آپ کے بال بے رونق اور کھردرے ہیں تو آئرن پر زیادہ توجہ دیں۔ بہتر ہو کہ کسی قریبی ڈاکٹر کو دکھا کر ان کے مشورے سے ٹیبلٹ استعمال کریں۔

وٹامن سی کی کمی ترش پھل یعنی مالٹے' کینو' چکوترے وغیرہ سے پوری کی جاسکتی ہے۔۔ سیب اور پالک میں کافی مقدار میں آئرن ہوتا ہے۔ ان پھلوں اور سبزیوں کا روزانہ خوراک میں شامل کرلینا لازم ہے۔ علاوہ ازیں آپ کم از کم ایک گلاس کینو یا سیب کا جوس روزانہ پیا کریں۔

ہفتہ میں ایک مرتبہ ایک انڈے کی سفیدی میں ایک چمچہ لیموں کا رس اور آدھا چمچہ شہد ملا کر چہرے پر لگائیں اور بیس منٹ بعد صاف پانی سے منہ دھولیں۔

چہرے کے کیلوں کے لیے ہفتہ میں ایک مرتبہ بھاپ لیں۔ کیل نرم پڑجائیں گے' ہلکے سے دبا کر نکال لیں اور چہرے پر برف سے ٹکور کریں۔

فاطمہ۔۔۔لاہور

میری عمر 16 سال ہے۔ میرا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ میرا قد پانچ فٹ اور چار انچ ہے۔ میں اپنا قد ایک فٹ بڑھانا چاہتی ہوں۔ مہربانی کرکے اس کا کوئی حل بتائیے اور جو اخبار میں ہر روز آتا ہے کہ چھوٹے قد والے یہ دوائی کھائیں۔ ان کا قد بڑھ جائے گا۔ ایسی دوائیں کھانے سے کوئی نقصان تو نہیں ہوتا۔

دوسرا مسئلہ میرا یہ ہے کہ میری گردن بہت جلد میلی ہوجاتی ہے۔ گردن اور پاؤں صاف کرنے کا کوئی طریقہ بتائیے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا وزن چالیس کلو کے قریب ہے۔ میں اپنا وزن تھوڑا کم کرنا چاہتی ہوں اور کولہے میرے بہت بڑھ گئے ہیں انہیں چھوٹا کرنے کی کوئی ورزش بتائیں۔

ج : فاطمہ بہن! شاید آپ غلطی سے چار فٹ کے بجائے پانچ فٹ لکھ گئی ہیں۔ اگر آپ کا قد چھوٹا بھی ہے تو اشتہاری دوائیاں ہرگز استعمال نہ کریں۔ ان کے نقصان دہ اثرات ہوسکتے ہیں کیونکہ قد بڑھانے کی کوئی بھی دوا ایجاد نہیں ہوئی ہے۔

آپ کا وزن بہت زیادہ نہیں ہے' لیکن آپ وزن کم کرنا چاہتی ہیں تو اس کے لیے بہترین ورزش یہ ہے کہ اگر آپ کے گھر میں سیڑھیاں ہیں تو روزانہ بارہ مرتبہ سیڑھیاں چڑھیں اور اتریں۔ وزن کم ہوجائے گا۔

پاؤں اور گردن پر آپ ابٹن کی مالش کریں۔ ✡